لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

رحمۃ للعالمین

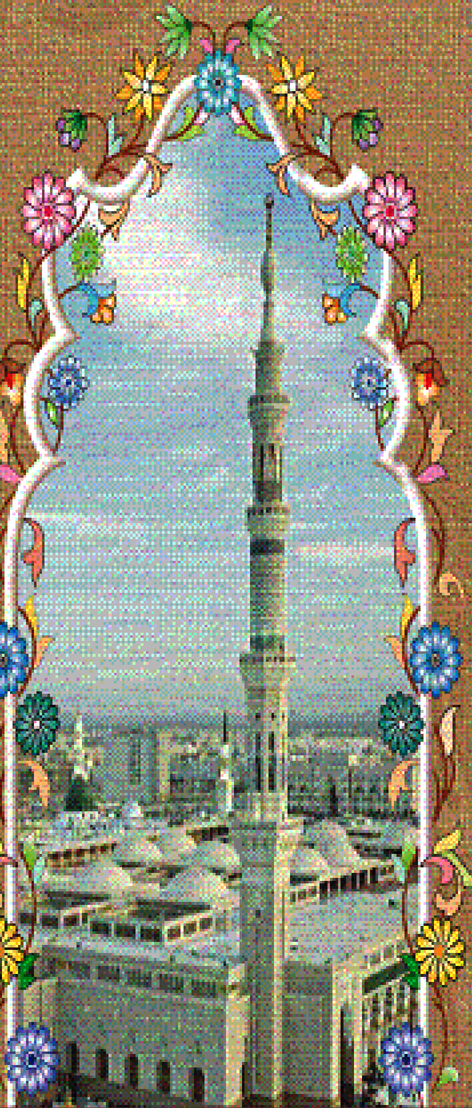

مؤلف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری رحمۃ اللہ علیہ

تخریج وتعلیق

میاں طاہر

مرکز الحرمین الاسلامی

رحمۃ للعالمین

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری رحمۃ اللہ علیہ

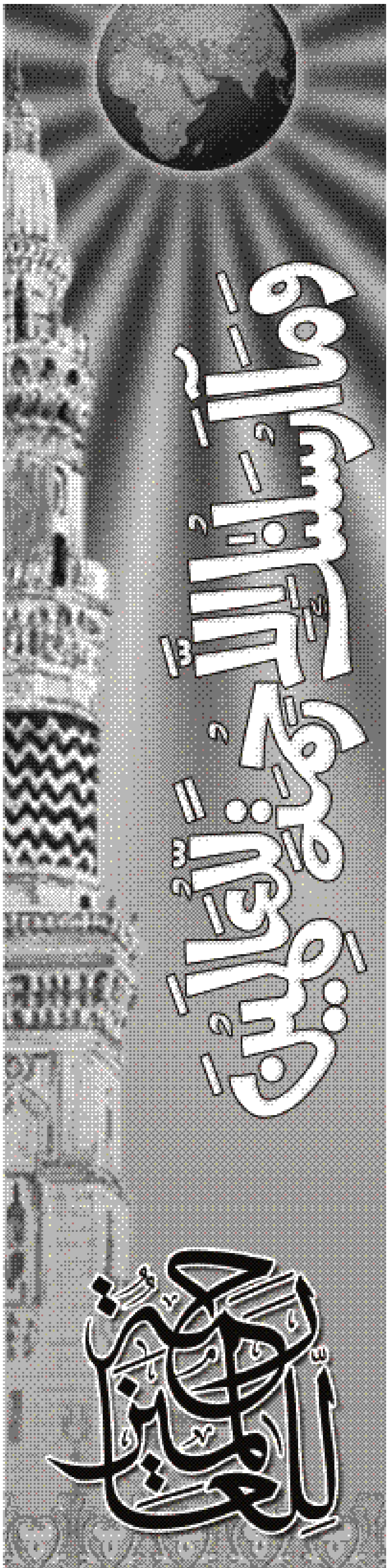

إِنَّهُ مِن سُلَيْمَانَ وَإِنَّهُ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

رحمۃ للعالمین

مؤلف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری رحمہ اللہ

تخریج و تعلیق

میاں طاہر

مرکز الحرمین الاسلامی

جلد سوم

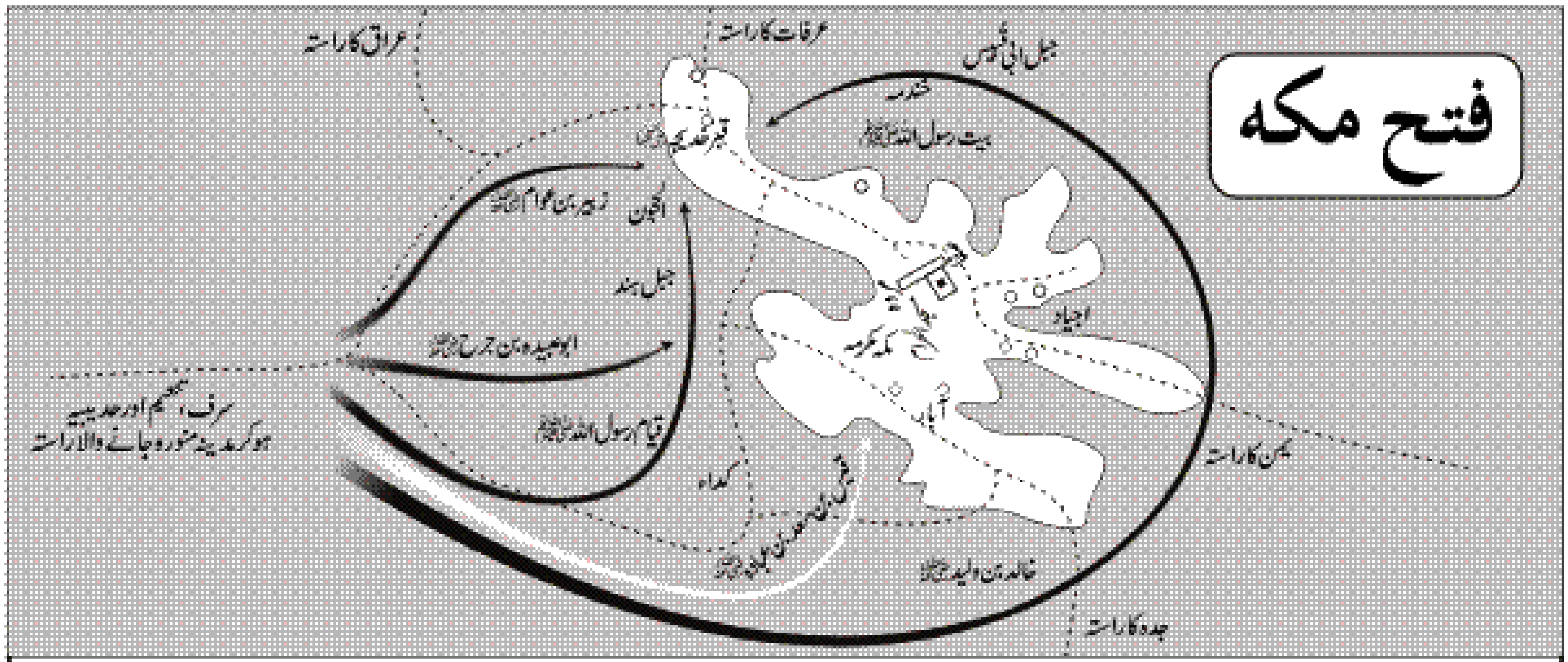

فہرست مضامین رحمۃ للعالمین جلد سوم

مضامین	صفحہ نمبر
مقدمہ مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ	599
تمہید از مصنف	602
باب 1	
خصائص النبی ﷺ	603
خصوصیت نمبر 1	603
خصوصیت نمبر 2	607
خصوصیت نمبر 3	608
خصوصیت نمبر 4	609
خصوصیت نمبر 5	611
خصوصیت نمبر 6	613
خصوصیت نمبر 9,8,7	615
خصوصیت نمبر 10	618
خصوصیت نمبر 11	621
خصوصیت نمبر 12	624
خصوصیت نمبر 13	631
خصوصیت نمبر 14	634
خصوصیت نمبر 15	635
خصوصیت نمبر 16	640
خصوصیت نمبر 17	643
عرب	643
یہود	646
نصاریٰ	647
ہندو اقوام	649
مجوس	650
خصوصیت نمبر 18	651
خصوصیت نمبر 19	652
خصوصیت نمبر 20	656
خصوصیت نمبر 21	657
خصوصیت نمبر 22	659
خصوصیت نمبر 23	661
خصوصیت نمبر 24	664
خصوصیت نمبر 25	667

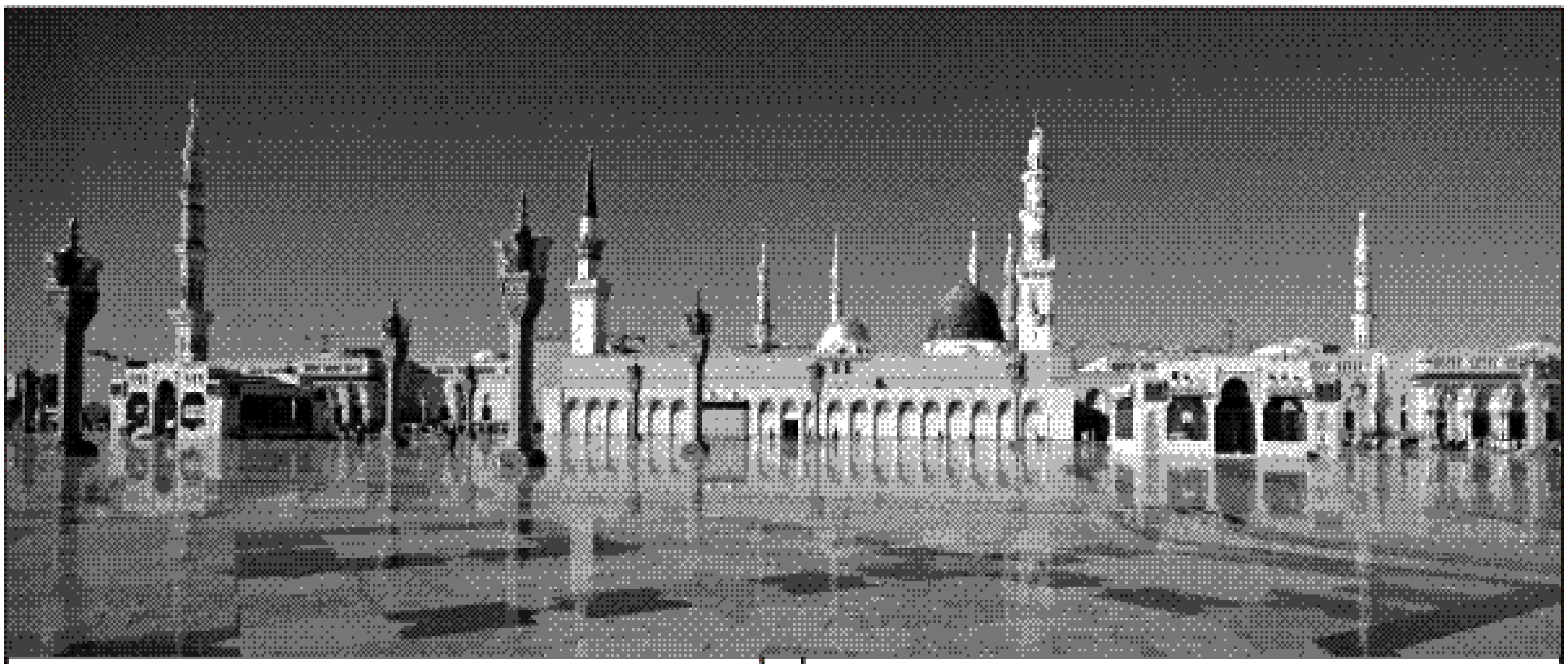

مضامین	صفحہ نمبر
خصوصیت نمبر 26	677
حالات نوح علیہ السلام	678
حالات ابراہیم علیہ السلام	678
حالات اسحاق علیہ السلام	679
حالات یعقوب علیہ السلام	679
حالات یوسف علیہ السلام	679
حالات داؤد علیہ السلام	679
حالات سلیمان علیہ السلام	680
حالات ایوب علیہ السلام	680
حالات موسیٰ علیہ السلام	681
حالات ہارون علیہ السلام	681
حالات زکریا علیہ السلام	681
حالات یحییٰ علیہ السلام	682
حالات عیسیٰ علیہ السلام	682
حالات الیاس علیہ السلام	683
حالات اسماعیل علیہ السلام	683
حالات الیسع علیہ السلام	684
حالات یونس علیہ السلام	684
حالات لوط علیہ السلام	684

مضامین	صفحہ نمبر
خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ ﷺ	686
نصرت بالرعب	686
روئے زمین کا مسجد وطہور ہونا	688
حلت مغانم	689
عطائے منصب شفاعت	690
بعثت عامہ	692
جوامع الکلم کا عطیہ	692
معراج	693
ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء علیہم السلام کی ملاقات کا راز	702
قرآن کریم اور معراج شریف	703
بیداری وخواب کی بحث	705
معجزات نبویہ ﷺ	707
پانی کا معجزہ	711
دودھ کی برکت	715
تکثیر طعام	717
حنین جزع	719
حیوانات پر اثر	721
افلاک پر اثر معجزہ شق القمر	722
اس معجزہ کی توثیق	732

مضامین	صفحہ نمبر
معجزات قسم دوم	725
اطلاع اخبار مستقبلہ	726
جہاز بحری کی اطلاع	726
پیش گوئی	727
فتوحات ممالک کی پیش گوئی	727
فتح مصر کی پیش گوئی	728
ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیش گوئی	728
شاہ ایران کے متعلق پیش گوئی	729
معجزات قسم سوم	729
393 سال پیشتر کی پیش گوئی	729
654 سال پیشتر کی پیش گوئی	730
656 سال پیشتر کی پیش گوئی	731
700 سال پیشتر کی پیش گوئی	731
855 سال پیشتر کی پیش گوئی	731
1348 سال پیشتر کی پیش گوئی	731
زمانہ حال کی پیش گوئی	732
دورِ حاضر کی پیش گوئی	732
معجزات نبوی ﷺ	733
قتل سے مصئون رہنے کی دعاء	734

مضامین	صفحہ نمبر
دعائے عفت	734
سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	735
عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	736
انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	736
مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کے لئے دعاء	736
تکبر کی سزا	736
شکستہ استخوان کی درستی کا معجزہ	736
اسماء الرسول ﷺ	737
سنت مصطفویہ ﷺ	755
اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِیْ	755
اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ	757
وَالْحُبُّ اَسَاسِیْ	759
وَالشَّوْقُ مَرْكَبِیْ	763
ذِكْرُ اللّٰهِ اَنِیْسِیْ	764
اَلثِّقَةُ كَنْزِیْ	769
وَالْحُزْنُ رَفِیْقِیْ	770
وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ	771
وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ	774
وَالرِّضَاءُ غَنِیْمَتِیْ	779

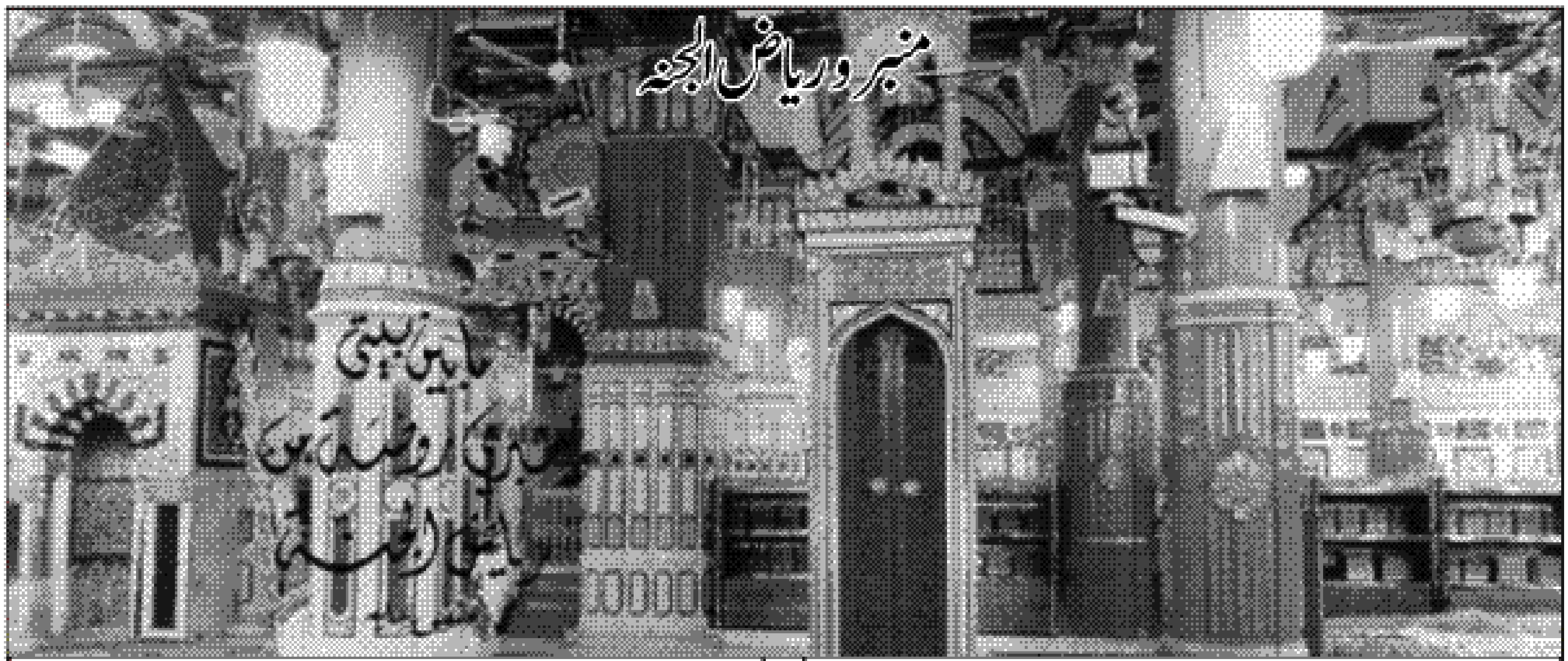

مضامین	صفحہ نمبر
وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ	781
والزُّهْدُ حِرْفَتِیْ	783
وَالْيَقِيْنُ قُوْتِیْ	783
وَالصِّدْقُ شَفِيْعِیْ	785
وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ	786
وَالْجِهَادُ خُلُقِیْ	787
وَقُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ	789
باب 2	
خصائص القرآن	791
ضرورت قرآن	791
فصاحت وبلاغت قرآن	792
معانی عالیہ ومضامین نادرہ	803
تاثیر قرآن	804
نمونہ تعلیم قرآن	806
قبولیت قرآن	807
خصوصیت قرآن مجید	808
قرآن مجید کا مصنف	812
قرآن مجید کی پیش گوئیاں	814
قرآن عظیم کے متعلق سات پیش گوئیاں	814

مضامین	صفحہ نمبر
پہلی پیش گوئی کہ اس کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا	814
دوسری پیشگوئی کہ قرآن مجید زمین پر ہمیشہ محفوظ رہے گا	815
نقشہ حروف تہجی	819
تیسری پیشگوئی بابت جمع قرأت قرآن مجید	822
چوتھی پیشگوئی کہ قرآن مجید کا حفظ رکھا جائے گا	822
پانچویں پیشگوئی کہ قرآن مجید کا حفظ کر لینا آسان ہوگا	822
چھٹی پیش گوئی کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی	823
ساتویں پیش گوئی کہ کوئی بطلان قرآن کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکے گا	823
اسلام کے متعلق چار پیش گوئیاں	824
پہلی پیش گوئی	824
دوسری پیش گوئی	825
تیسری پیش گوئی	826
چوتھی پیش گوئی	828
پیش گوئی کہ لڑائیوں میں مسلمانوں کو ہی غلبہ رہے گا	829
پیش گوئی کہ روئے زمین پر مسلمانوں کو حکومتیں حاصل ہونگی	830
پیش گوئی کہ اہل ایمان کی دنیوی حالت اچھی ہو جائے گی	830
مہاجرین کے متعلق تین پیش گوئیاں	831
پیش گوئی کہ تنگدستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے	831

مضامین	صفحہ نمبر
پیش گوئی کہ عرب میں بت پرستی معدوم ہو جائے گی	832
پیش گوئی کہ مہاجرین کو دنیا میں اچھا ٹھکانا ملے گا	833
پیش گوئی کہ اصحاب رسول ترقی و کمال حاصل کریں گے	833
زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق پیش گوئی	834
غیر اقوام کے مسلمان ہونے کی پیش گوئی	834
اہل ایمان کے متعلق پیش گوئیاں	835
پیش گوئی کہ قرآن مجید کے مخاطبین اولی میں فتنہ عام برپا ہوگا	839
مستہزئین مکہ کے متعلق پیش گوئی	839
قریش کے دشمنوں کے متعلق پیش گوئی	841
کفار مکہ کے متعلق پیش گوئی	843
کفار عرب کے متعلق پیش گوئی	843
پہلی پیش گوئی کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کرسکیں گے	843
دوسری پیش گوئی کہ مشرکین عرب مرعوب ہوں گے	843
اہل مکہ کے خلاف دو پیشگوئیاں	844
ابولہب کے متعلق پیش گوئی	845
ابولہب کی عورت کے متعلق پیش گوئی	844
منافقین کے متعلق پانچ پیش گوئیاں	845
مخلفین جہاد کے متعلق دو پیش گوئیاں	848

مضامین	صفحہ نمبر
غزوات نبوی ﷺ کے متعلق پیشگوئیاں	850
یہود اور منافقین کے معاہدات پر دو پیش گوئیاں	852
مسلمانوں کی تعداد کے متعلق پیش گوئی	854
یہودیوں کے متعلق 9 پیش گوئیاں	855
عیسائیوں کے متعلق تین پیش گوئیاں	858
سلطنت روما و ایران کے متعلق دو پیشگوئیاں	859
باب 3	
خصائص اسلام	862
اسلام ہی دین التوحید ہے	862
اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے	867
اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے	872
اسلام ہی نے رحم و عدل کے مسئلہ کو حل کیا	877
اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے	879
تذئیل	884
اسلام ہی دین العمل ہے	885
اصول ارث و مواریث	886
اسلام ہی بانی اخوت ہے	889
اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند کیا	895

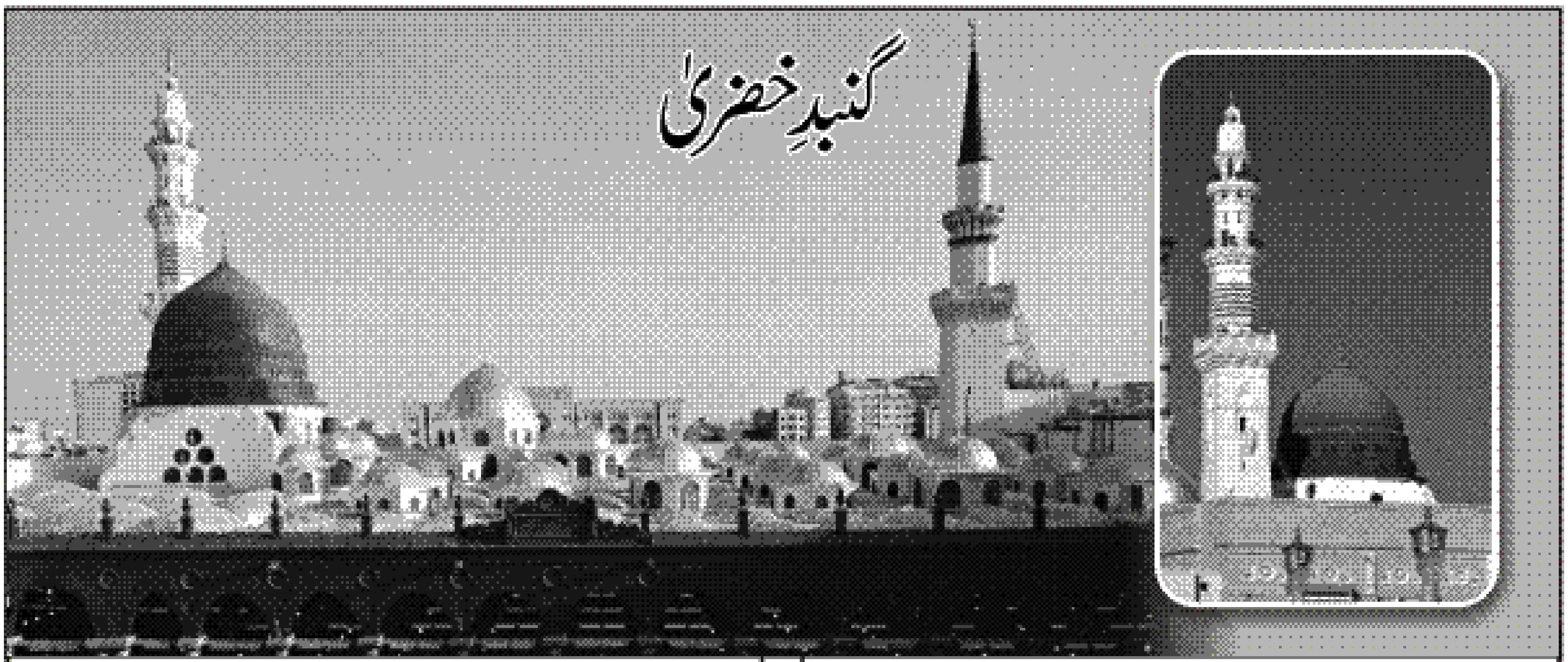

مضامین	صفحہ نمبر
اسلام ہی غیر متعصب دین ہے	898
اسلام ہی دین المحبت ہے	903
اسلام ہی مساوات کا بانی ہے	908
اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا	912
اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے	914
اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے	915
اسلام ہی دین تمدن ہے	916
اسلام ہی فیض رساں دین ہے	920
اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لئے عام بنایا	923
اسلام دین البر ہے	927
اسلام دین التقویٰ ہے	928
اسلام دین الصدق ہے	931
اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے	933

تقدمہ

''رحمۃ للعالمین'' اور اس کا مصنف

(از جناب علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ)

آج سے بیس (20) سال پہلے کا واقعہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے اپنی سیرت نبوی ﷺ کی تجویز اہل ملت کے سامنے پیش کی تھی' اس کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں' صرف ایک آواز مخالفت میں اٹھی۔ یہ مولوی انشاء اللہ خاں مرحوم ایڈیٹر ''وطن'' کی آواز تھی۔ انھوں نے لکھا کہ قاضی محمد سلیمان رحمہ اللہ چوں کہ اسکے لکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں' اس لیے مولانا شبلی رحمہ اللہ کو تکلیف کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد خاموشی سے بیس (20) برس گزر گئے اور دونوں مصنفوں کی تصانیف کی کئی جلدیں ارباب شوق کے سامنے پیش ہوئیں اور دونوں نے قبولیت عامہ حاصل کی۔ پھر یہ کس کو خیال آ سکتا تھا کہ یہ دونوں مصنف آگے پیچھے اس دنیا کو خیر باد کہیں گے اور ان دونوں کے بعد ایک تیسرا شخص آئے گا جو فیوض و برکات کے ان دو مختلف سوتوں کو ملا کر ایک چشمہ بنا دے گا۔ اللہ کے سامنے میں اس کی دی ہوئی عزت پر نازاں ہوں کہ اس نے بزرگوں کی متروکات کی تکمیل کی سعادت میرے حصہ میں رکھی۔

رحمۃ للعالمین کے مصنف سے میں سب سے پہلے 1916ء میں واقف ہوا جب کہ حافظ عبدالحلیم تاجر کانپور نے اپنے وطن بسی میں سرہند کے قریب جو ریاست پٹیالہ میں واقع ہے ایک یتیم خانہ کے افتتاح کی تقریب میں شرکت کی دعوت دی۔ مرحوم اس زمانہ میں ریاست پٹیالہ میں سیشن جج تھے' وہ بھی ریاست کے دوسرے عہدے داروں کے ساتھ بسی کے جلسہ میں آئے اور مجھ سے خلوص و محبت سے ملے اور دیر تک بعض پادریوں اور عیسائیوں کے ساتھ اپنے چند مناظروں کا ذکر فرماتے رہے۔ یہ طرفین کی محبت کا پہلا تخم تھا جو مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی سرزمین میں ہم دونوں نے بویا۔

مرحوم مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور میرے بزرگ تھے' مگر ان کی طرف سے انکسار و تواضع نے اور میری طرف سے اعتراف و اقرار نے اس تخم کی آبیاری کی اور رفتہ رفتہ اس درجہ اس میں بالیدگی ہوئی کہ اس شجر طوبیٰ کے سایہ میں ہم نے بارہا آرام پایا۔ ندوۃ العلماء کی مجلس کے ہم دونوں ممبر تھے اور اس تعلق سے سال میں ایک دفعہ ضرور یکجائی نصیب ہوتی۔ ایک دفعہ جب وہ اہل حدیث کانفرنس کے اجلاس مئو کے صدر ہو کر آئے تو اعظم گڑھ آ کر ''دارالمصنفین'' میں بھی دو راتیں بسر کیں اور یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے جانا کہ موصوف عامل بالحدیث ہیں۔ ایسے خاموش آمین بالجہر کرنے والے کو آنکھوں نے سب سے پہلی دفعہ دیکھا اور لطف روحانی اٹھایا' میں نے حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے؟ فرمایا: ''یہ تو مدت العمر سے ہے۔''

مرحوم میں روشن خیالی کے ساتھ روشن ضمیری اور دماغی قابلیت کے ساتھ روحانی کیفیت یکجا تھی' وہ علم کے ملا اور دل کے صوفی تھے۔ صاف ستھرے رہتے تھے' تبلیغ کے دلدادہ تھے۔ صلح پسند اور خاکسار تھے' علم کی نمائش پسند خاطر نہ تھی اور ان سب سے بالاتر جو وصف

تھا وہ ذات پاک رسالت مآب ﷺ کے ساتھ شیفتگی اور عقیدت تھی۔ دو حج کیے اور آخر دوسرے حج میں دیار حبیب ﷺ میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی اور عبودیت کا سر اس آستانہ اقدس پر اس طرح جھکایا کہ پھر نہ اٹھایا۔ عشق باطن نے ظاہری نعمت کے ساتھ باطن کی یہ سعادت بخشی کہ اس سرزمین میں ان کو ہمیشہ کے لیے جگہ دی' جس کے ذرہ ذرہ کے ساتھ ان کے رگ رگ کو وابستگی تھی۔

مرحوم نے اسلام کے فضائل اور تفسیر و تاریخ میں اپنے بعد اپنی متعدد یادگاریں چھوڑیں' مگر ان سب میں بہتر اور جامع ان کی تصنیف ''رحمۃ للعالمین'' ہے۔ جس کے دو حصے خود ان کی زندگی میں چھپ چکے تھے۔ اور اب یہ تیسرا حصہ ان کے بعد شائع ہو رہا ہے۔ اس حصہ کا موضوع اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ قارئین دیکھیں گے کہ ایک عاشق رسول ﷺ کے قلم نے عشق و محبت کے نشہ سرور میں علم و عقل کی فرزانگی اور ہوشیاری کے ساتھ نکتہ رسی اور دیدہ وری کی کیا کیا صنعت کاریاں کی ہیں۔ افسوس۔ یہ چشمہ فیض اب ہمیشہ کے لیے خشک ہو گیا' مگر مجھے یقین ہے کہ جب تک ہندوستان میں اسلام کا دریا لہریں لیتا رہے گا رحمۃ للعالمین کے یہ کاغذی سفینے مسلمانوں کی سلامتی ایمان کے لیے اس میں چلتے پھرتے تیرتے ابھرتے رہیں گے۔

مرحوم نے رحمۃ للعالمین لکھی اور رب العالمین نے اس دنیا میں اس کو قبول کے شرف سے ممتاز کیا۔ امید ہے کہ اس کی ''رب العالمینی'' اور اس کے رسول ﷺ کی ''رحمۃ للعالمینی'' دوسری دنیا میں بھی اس کی چارہ نوازی کرے گی۔

''رحمۃ للعالمین'' کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کے ذوق کے مطابق سوانح اور واقعات کے ساتھ غیر مذاہب کے اعتراضات کے جوابات اور دوسرے صحف آسمانی کے ساتھ موازنہ اور خصوصیت سے یہود و نصاریٰ کے دعاوی کا ابطال بھی اس میں جا بجا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کو توراۃ اور انجیل پر کمال عبور حاصل تھا اور عیسائیوں کے مناظرانہ پہلوؤں سے اس کی پوری واقفیت تھی۔ اسی بنا پر اس کی یہ کتاب ان معلومات کا پورا خزانہ ہے۔

پیش نظر حصہ کہنے کو خصائص محمدی ﷺ کے بیان میں ہے' مگر درحقیقت اس میں اسلام کے ان امتیازات اور خصوصیات کا خاکہ ہے' جس کی بنا پر اس کو ''دین کامل'' کا خطاب ملا ہے۔ اس طرح اس میں آنحضرت ﷺ کے وہ فضائل و محامد درج ہیں' جن کی بنا پر آپ ﷺ کو خاتم النبیین اور تکمیل دین کا پر فخر خطاب باری تعالیٰ سے عطا ہوا ہے۔ مصنف کے دلائل ایسے دلنشین اور طرز ادا ایسا متین ہے کہ اس کی یہ تصنیف ہر صاحب ذوق کے لیے باعث تسکین ہو سکتی ہے۔ زمانہ حال نے خیالات میں جو تغیر اور طریق تبلیغ میں انقلاب پیدا کیا ہے۔ مصنف مرحوم نے اس کی پوری نگہداشت کی ہے اور اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الوف التحیات والسلام کے وہ تمام امتیازات اور محاسن جو اس دور میں کسی حیثیت سے بھی پیش کرنے کے لائق تھے مرحوم نے ان کا پورا استقصا کیا ہے اور کہیں سے کسی کار آمد نکتہ کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔

مناظرانہ طریق تصنیف میں سنجیدگی اور متانت کا برقرار رکھنا سخت مشکل کام ہے' مگر جس طرح خود مصنف رحمہ اللہ اس وصف میں ممتاز تھے' اسی طرح ان کی یہ تصنیف بھی اس وصف میں امتیاز خاص رکھتی ہے۔ پوری کتاب مناظرانہ اور احقاق حق کی روداووں سے لبریز ہے تاہم کہیں تہذیب اور مذاق سلیم کو حرف گیری کا موقع نہیں مل سکتا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾ [المائدۃ:54]

اگر اس دنیا کی مقبولیت سے اس دنیا کے اجر جزیل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے تو یہ کہنے میں قلم کو باک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مصنف رحمہ اللہ کے جلائل اعمال میں اس تصنیف کا شمار ہوا ہوگا اور غالباً یہی ان کا ایک کام ان کی مغفرت اور نجات کے لیے کافی ہوگا۔

کتاب کے دو پہلے حصوں نے عام قارئین کے علاوہ اسلامی مدارس و مکاتب میں درس کی حیثیت سے بھی جگہ پائی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ حصہ بھی اسی قدر مقبول ہوگا اور عام مسلمان اور طلبہ اس کے مضامین سے مستفید اور اس کے مطالب سے بہرہ مند ہوں گے۔

کسی مصنف کی یہ خوش قسمتی کیا کم ہے کہ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے قلم کا خیر جاری رہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کا عمل باقی ہے۔ مرحوم مصنف خاک کے کسی گوشہ میں آسودہ ہے مگر اس کے ہاتھ کی جنبش نے کاغذ کے صفحات پر اخلاص و نیاز کے ساتھ جو گلکاریاں کی ہیں اس کی بہاران شاء اللہ سدا قائم رہے گی اور اس کی خوشبو ایمان کے مشام جاں کو ہمیشہ معطر رکھے گی۔

قارئین میرے ساتھ دست بہ دعا ہوں کہ مرحوم کو رضائے الٰہی کی بہشت جاوید میں درجات عالیات نصیب ہوں کہ اس کے قلمی احسانات کا ہماری طرف سے یہی زبانی شکریہ ہو سکتا ہے۔

والسلام
سید سلیمان ندوی (رحمۃ اللہ علیہ)
29۔ محرم 1352ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّبِيِّيْنَ وَاٰلِهِ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ قَيُّوْمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهُ الْمَبْعُوْثُ بِالصِّدْقِ وَالنُّوْرِ الْمُبِيْنِ وَ رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِيْنَ وَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ ۔ فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَ خُلَفَآئِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ اٰمِيْنَ اِلٰهَ الْحَقِّ اٰمِيْنَ۔ اَمَّا بَعْدُ:

قارئین کی خدمت میں کتاب رحمۃ للعالمین کی یہ جلد سوم نہایت ادب سے پیش کی جاتی ہے۔ اس جلد کے مضامین عرصہ ہوا کہ قلم بند کیے جا چکے تھے' لیکن سیرت نگار کے بیمار ہو جانے سے فراہمی و ترتیب مضامین میں تاخیر پر تاخیر ہوتی رہی۔

احباب کا شوق اور تقاضے اور راقم الحروف کی ندامت بڑھتی رہی۔ اب ان مضامین کو فراہم کر دیا گیا ہے' لازم تھا کہ نظر ثانی کر لی جاتی' مگر سفر حج کا داعیہ پیدا ہوا اور یہ ضروری کام رہ گیا۔ اب تو کلا علی اللہ روانگی سفر مبارک سے پیشتر ان اوراق کو مطبع میں روانہ کر رہا ہوں۔ [1] اللہ تعالیٰ میری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

قبل ازیں اس کتاب کی جلد اول اور دوم شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قبولیت عام ان کتابوں کو عطا فرمائی ہے وہ محض اس کا فضل خاص ہے۔

بندہ مستمند نقش نگار حروف چند کے فہم و تصور سے بالاتر تھا کہ یہ کتاب مدارس اسلامیہ کے نصاب درسیہ میں داخل کی جائے گی۔ اور جامعہ عثمانیہ دکن، جامع عباسیہ بہاول پور و ندوۃ العلماء لکھنؤ و دیوبند و حمایت اسلام لاہور کے صاحبان فضل و کمال ان کتابوں کو جزو تعلیم قرار دیں گے اور جملہ مدارس ثانویہ اسلامیہ میں اس کی تدریس لازمی قرار دی جائے گی۔

امید ہے کہ اب فتاح العلوم اس جلد سوم کو بھی حسن قبول کے شرف سے مشرف فرمائے گا اور بزرگان دین وعلمائے صدق اس کتاب کا ملاحظہ مربیانہ التفات سے کریں گے۔

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ [البقرۃ:127]

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾

﴿ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾

............خاکسار............

محمد سلیمان سلمان منصورپوری (رحمہ اللہ) (پٹیالہ۔ پنجاب)

---

[1] مصنف رحمۃ للعالمین رحمہ اللہ کا ارادہ یہی تھا' مگر افسوس کہ پورا نہ ہو سکا اور آپ مسودہ نظر ثانی کے لیے اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ چنانچہ ریل اور جہاز میں یہی کام کرتے رہے اور چند نئے ابواب کا اضافہ بھی کر دیا اور مکہ معظمہ پہنچنے تک اسے بالکل مکمل کر دیا۔ واپسی پر جہاز میں آپ کا وصال ہو گیا اور یہ مسودہ کچھ عرصہ تک آپ کے اسباب میں ہی بند پڑا رہا۔ الحمد للہ! کہ اب زیر طبع سے مزین ہو کر نذر قارئین ہو رہا ہے۔

باب اوّل 1

خصائص النبی ﷺ

خصوصیات نبوی ﷺ کے متعلق متقدمین کی بھی چند کتابیں ہیں، جو اسی زمانہ کے ایک خاص گروہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے موزوں کہی جا سکتی ہیں۔

مع ہٰذا جو کچھ پہلے لکھا جا چکا ہے، اس کو دہرانا مشتاقان مزید کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔

خصائص النبی ﷺ کو اگر پوری وسعت کے ساتھ لکھا جائے تو ایک ضخیم دفتر بن جائے، لہٰذا جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف ''ما حضر'' کے تحت میں ہے۔ خصائص کا استنباط زیادہ تر آیات قرآنیہ سے کیا گیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنے حبیب کی خصوصیات کا جاننے والا اور وہی اس کنز مخفی کی مفتاح فرمانے والا ہے۔

کمی علم یا سوء فہم کی وجہ سے جو غلطی مجھ سے ہوئی ہو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔

یہ باب دو فصلوں پر مشتمل ہے: اوّل خصوصیات وجود گرامی۔ دوم خصوصیات نبوت، جس کے فیضان میں عالم و عالمیان بھی داخل ہیں۔ آخر میں ایک حدیث پاک سے طریقہ محمدیہ ﷺ کی توضیح کی گئی ہے۔ نیز اسمائے مبارکہ میں چند اسماء عالیہ کے معانی لکھ کر باب ہٰذا کو ختم کیا گیا ہے۔ وَ مَا تَوْفِیْقِیْٓ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

فصل اوّل 1

خصوصیات وجود گرامی

خصوصیت نمبر 1

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﴾ [الفتح:29] ''محمد اللہ کے رسول ہیں''

آیت بالا میں نبی ﷺ کا نام بھی ہے اور حضور ﷺ کا منصب بھی بتایا گیا ہے۔ ہر دو اعتبار سے آیت بالا خصوصیات نبویہ کا مظہر ہے۔

① نبی ﷺ کی رفعت شان کے اظہار میں حضور ﷺ کا نام ہمایوں (بابرکت) بھی اپنے اندر خصوصیت رکھتا ہے۔

واضح ہو کہ انبیائے کرام علیہم السلام میں کسی نبی کا نام بھی ایسا نہیں پایا جاتا کہ وہ نام ہی اپنے مسمّٰی کے کمالات نبوت کا شاہد عدل ہو، بطور نمونہ چند اسماء کا ذکر کیا جاتا ہے:

- آدم علیہ السلام: کے معنی گندم گوں ہیں۔ ابو البشر کا یہ نام ان کے جسمانی رنگ کو ظاہر کرتا ہے۔
- نوح علیہ السلام: کے معنی آرام ہیں، باپ نے ان کو آرام و راحت کا موجب قرار دیا۔
- اسحٰق علیہ السلام: کے معنی ضاحک، یعنی ہنسنے والا ہیں۔ ہشاش بشاش چہرہ والے تھے۔
- یعقوب علیہ السلام: پیچھے آنے والا، یہ اپنے بھائی عیسو کے ساتھ توأم پیدا ہوئے۔
- موسیٰ علیہ السلام: پانی سے نکالا ہوا، جب ان کا صندوق پانی میں سے نکالا گیا، تب یہ نام رکھا گیا۔

- یحییٰ علیہ السلام: عمر دراز۔ بوڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوں کا ترجمان۔
- عیسیٰ علیہ السلام: سرخ رنگ۔ چہرہ گلگوں کی وجہ سے یہ نام تجویز ہوا۔

اسمائے بالا کو دیکھو اور ان کے معانی پر غور کرو کہ وہ کس طرح مسمّیٰ کی عظمت روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سی بھی اشارت نہیں رکھتے۔

مگر اسم محمد ﷺ کی شان خاص ہے:

حضور کا ذاتی نام محمد ﷺ بھی ہے اور احمد ﷺ بھی ہے۔ ہر دو اسمائے ذاتی میں وحدت مادہ موجود ہے۔ یعنی حمد سے بنے ہیں۔ اب معنیٰ ''حمد'' کا سمجھنا ضروری ہوا۔

ثناء وتکریم: رفعت شان ورفعت ذکر اور التزام جود وعطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ اکمل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا حرف لام یہی بتلا رہا ہے۔ اور اسم پاک '' حَمِیْد '' بھی اسی راز کا انکشاف کرتا ہے۔

سیدنا حسان المؤید بروح القدس رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدہ کے مشہور بیت میں گویا اسی معنیٰ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَشَقَّ لَهٗ مِنْ اِسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ ۔۔۔ فَذُوالْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٗ

مُحَمَّدٌ: حَمَّدَ (مضاعف) سے مبالغہ کے لیے ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔ ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی محمود ہیں۔

ملائکہ مقربین میں بھی محمود ہیں۔ زمرہ انبیاء و مرسلین میں بھی محمود ہیں اور اہل زمین کے نزدیک بھی محمود ہیں، جو لوگ حضور ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھتے وہ بھی ان سجایا وشیم کے مداح ہیں جن کا لزوم وثبوت حضور ﷺ کے نام کے معنیٰ اور حضور ﷺ کی ذات گرامی سے بدرجہ اتم ہے۔

ہاں! حضور ﷺ ہی ''مقام محمود'' والے ہیں اور ''لواء الحمد'' حضور ﷺ ہی کے رایت شاہی کا نام ہے۔ حضور ﷺ کی امت کا نام بھی انہی مناسبات سے ''حمادون'' ہے۔

محمد واحمد کے معانی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد ﷺ وہ ہے جس کی حمد ونعت جملہ اہل الارض والسماء نے سب سے بڑھ کر کی ہو اور احمد ﷺ وہ ہے۔ جس نے رب السموات والارض کی حمد وثنا جملہ اہل الارض والسموات سے بڑھ کی ہو۔ لہٰذا اسم پاک علم بھی ہے اور صفت بھی ہے۔ وہ اپنے معانی کے اعتبار سے کمالات نبوت پر دال ہے اور مدلول بھی۔

یہ خصوصیت ہے جس سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے اسماء ساکت وخاموش ہیں۔

② اسم پاک کے ساتھ رَسُوْلُ اللّٰهِ کا علم بھی سورہ الفتح آیت 29، آل عمران آیت 144 میں موجود ہے۔

رسول بروزن فعول بمعنی مرسل ہے۔ اللہ کی طرف مضاعف ہونے سے اس کے معنیٰ یہ ہوگئے ہیں کہ اس کی رسالت صرف منجانب اللہ ہے۔ وہ کسی دوسرے کا پیغام نہیں سناتا اور کسی دوسرے کی بات پہنچانا اس کی شان سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ جہاں یہ لفظ بہ شکل مضاعف قرآن مجید میں مستعمل نہیں ہوا وہاں معرف باللام مستعمل ہوا ہے اور اسی تخصیص کا عرفان دیتا ہے۔

آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ .... ﴾ [الفتح:29] اور آیت ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ﴾ [آل عمران:144] کی تنزیل

سے آشکارا ہو گیا کہ فرقان حمید میں جہاں کہیں بھی ﴿ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾ [النساء:59] کی وحی موجود ہے اور جتنی آیات اس کے ہم معنی پائی جاتی ہیں ان سے حضور ﷺ ہی کی ذات بابرکات مقصود ہے اور حضور ہی کو رب العالمین نے مطاع عالم اور سید الانبیاء والامم مقرر فرمایا ہے۔

یہ مسئلہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں جملہ اہل اسلام کا ایمان رہا ہے، مگر ہمارے زمانہ میں یہ عقیدہ محدثہ ایجاد کیا گیا ہے کہ رسول سے مراد آیات الٰہیہ میں خود قرآن ہے۔ لہٰذا اطاعت قرآن فرض ہے اور اطاعتِ محمد ﷺ فرض نہیں۔

آیت ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ (جو زیب عنوان ہے) کی مناسبت سے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خود قرآن مجید سے اس مسئلہ کا حل کیا جائے۔

اہل ایمان کو تدبر قرآن سے صاف طور پر واضح ہو جائے گا کہ لفظ رسول کا اطلاق صرف انبیاء کرام پر یا ان ملائکہ پر جو رسالت کا کام سرانجام دیتے تھے، فرمایا گیا ہے، لیکن لفظ رسول کا اطلاق کسی کتاب پر کبھی نہیں ہوا۔ آیات ذیل پر غور کرو:

- حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے:

﴿ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الاعراف:61]

''اے قوم! مجھ میں گمراہی کچھ نہیں، میں تو اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

- حضرت ہود علیہ السلام کی زبان سے:

﴿ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الاعراف:67]

''اے قوم! مجھ میں نادانی کی کوئی بات نہیں، میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔''

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے:

﴿ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الاعراف:104]

''موسیٰ نے کہا: اے فرعون میں پروردگار عالم کا رسول ہوں۔''

﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَ قَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴾ [الصف:5]

''جب موسیٰ نے کہا: اے میری قوم، مجھے کیوں ایذا دیتے ہو تم تو جان چکے ہو کہ میں تمھاری جانب اللہ کا رسول ہوں۔''

- حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے

﴿ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ [النساء:171]

''سوا اس کے نہیں مسیح عیسیٰ علیہ السلام بن مریم اللہ کا رسول ہے۔''

﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ﴾ [المائدۃ:75]

''مسیح بن مریم تو صرف رسول ہیں۔''

﴿ وَ اِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ﴾ [الصف:6]

''عیسیٰ بن مریم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ میں تمھارے لیے اللہ کا رسول ہوں۔''

□ حضرت جبریل علیہ السلام کی زبان سے:

﴿قَالَ اِنَّمَا اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ﴾ [مریم:19]

(مریمؑ سے جبریل نے) کہا میں تیرے رب کا رسول ہوں۔

آیات بالا سے ہویدا ہے کہ سیدنا نوح وہود وموسیٰ وعیسیٰ اور جبریل علیہم السلام کو قرآن مجید میں رسول بتایا گیا ہے۔

فیصلہ طلب امر یہ رہ جاتا ہے کہ سیدنا ومولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی رسول ہی فرمایا گیا ہے۔ تو پھر کیوں دیگر انبیاء کے ساتھ رسول بہ معنی پیغمبر سمجھا جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ معنی کیوں نہ سمجھے جائیں۔

ذیل میں وہ آیات درج ہیں جن سے کلمہ رسول اللہ کا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ثابت ہے، وہاں تاویلاً بھی کسی کتاب سے مراد نہیں ہو سکتی۔

1 ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ [الفتح:27]

''اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب ٹھیک ٹھیک سچا کر دکھایا۔''

یہ ظاہر ہے کہ خواب دیکھنا انسان کا کام ہے، الکتاب کا نہیں۔ خواب نبی علیہ السلام نے دیکھا تھا قرآن مجید نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔

2 ﴿اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ﴾ [المنافقون:1]

''جب منافق لوگ آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری شہادت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تو جانتا ہی ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

منافقوں کا آنا جانا دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا۔ وہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔ تین جگہ حرف ''ک'' خطاب موجود ہے۔

3 ﴿بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ﴾ [الفتح:12]

''ہاں! تمھارے گمان تو یہ تھے کہ رسول اور ایمان والے لوٹ کر اپنے اپنے کنبوں میں نہیں آئیں گے۔''

جانا لوٹ آنا، بچ جانا، کنبہ دار ہونا، یہ صفات قرآن کے ہو سکتے ہیں؟ غور کرو کہ رسول کو یہاں کنبہ دار صاحب اہل وعیال بھی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ دیگر مومنین کو بھی کنبہ دار کہا گیا۔

اس سے آگے بڑھو تو ایسی آیات بھی ملیں گی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بہ شمول ذکر قرآن پاک ہے۔

① ﴿يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ [المائدۃ:67]

''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہنچا دیجیے جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے۔''

یقیناً قرآن مجید میں ﴿مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ﴾ ہے اور سیدنا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم وہ رسول ہیں جو آیت بالا کے مخاطب ہیں جسے بَلِّغْ فرمایا وفرض تبلیغ ان پر عائد کیا گیا ہے۔ ہاں یہ بھی غور کرو کہ اِلَيْكَ کا مخاطب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کون ہے جس پر نزول قرآن ہوا۔

② ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا﴾ [البقرۃ:151]

''ہم نے اپنا رسول تم میں بھیجا ہے جو تم میں سے ہے، وہ ہماری آیات تم پر پڑھتا ہے۔''

آیاتنا تو قرآن مجید ہی ہے۔ اب اَرْسَلْنَا رَسُوْلاً کا مصداق کون ٹھہرا۔ وہ مِنکُمْ والا کون ہے جسے قریش میں حسب و نسب بھی حاصل ہے۔ کلام اللہ المنان تو کسی حسب و نسب کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔

③ ﴿ لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ ﴾ [التوبۃ:128]

''شاندار رسول تمھارے پاس آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔''

قرآن مجید کی ایسی کونسی شخصیت ہے جو نوع بشر کے ساتھ مشارکت بھی رکھتی ہے۔ المختصر قرآن پاک نے نبی ﷺ کا اسم و علم بیان فرمانے کے بعد حضور ﷺ کا رسول ہونا اور پھر بحکم الٰہی مطاع اور مفترض الطاعت ہونا ظاہر کر دیا، مگر قرآن مجید میں کسی ایک مقام پر بھی اَلْقُرْاٰنُ رَسُوْلُ اللّٰہِ موجود نہیں ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے نہایت جزم و قطعیت کے ساتھ بتلا دیا کہ سیدنا و مولانا محمد ﷺ ہی وہ رسول پاک ہیں جن کا اتباع فرض ہے اور وہی کل عالم و عالمیان کے مخدوم و مطاع ہیں۔

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ ﴾ [النساء:64]

''ہم نے ہر ایک رسول کو اس لیے بھیجا کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن سے کی جائے۔''

کا طغرا حضور ﷺ ہی کے لیے ہے اور

﴿ وَ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ﴾ [النساء:80]

''جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

کا فرمان واجب الاذعان حضور ﷺ ہی کے احترام و احتشام میں نفاذ پذیر ہے اور یہ ایسی خصوصیت ہے جس نے حضور ﷺ کی شان بلند کو نہایت ارفع و اعلیٰ ثابت کر دیا ہے۔

جملہ آیات بالا سے ثابت ہو گیا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وہی عبداللہ کا فرزند، آمنہ کا جایا، المکی المدنی، الامی، الہاشمی، القرشی، الکنانی، العدنانی، فخر اسماعیل ذبیح اللہ، دعائے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور بشارت عیسیٰ مسیح علیہ السلام ہیں۔

جن کی اطاعت عالم و عالمیان پر تا انقراض عالم و عالمیان فرض عین ہے اور یہ امر حضور ﷺ کی خصوصیت ہے۔

خصوصیت نمبر 2

﴿ رَسُوْلاً مِّنْکُمْ ﴾ [البقرۃ:151]

''وہ رسول تم میں سے ہے''

یہاں مِنکُمْ کے مخاطب قریش مکہ بھی ہیں جو سارے عرب میں مخدوم و مطاع مانے جاتے تھے، نیز اس کے مخاطب جملہ بنی نوع انسان بھی ہیں۔

لہٰذا قابل غور ہے کہ مِنکُمْ فرمانے میں کیا خوبی و مصلحت ہے؟

واضح ہو کہ حضور ﷺ سے پیشتر دنیا کی مشہور مشہور امم نے اپنے اپنے مقتداؤں کو جنس انسانی سے بالاتر ہونے کی عزت دے رکھی تھی۔

ہندوؤں میں بتیس (32) کے قریب ایسے بزرگ ہیں جن کے نام کے ساتھ "اوتار" کا خطاب لگا ہوا ہے۔ اوتار کے معنی ہیں کہ خود خدا منش (انسان) کے چولے میں آیا۔ یعنی ایشر نے تشکل مادی اختیار کر کے جامہ مخلوق پہن لیا ہے اور پھر انسان یا شیر یا خوک (خنزیر) یا کچھوا وغیرہ بن کر اپنی قدرت الوہیت کے نمونے ظاہر کیے۔

عیسائیوں نے بھی مسیح علیہ السلام کو اوتار ہی کا درجہ دیا۔

اہل تبت نے دلائی لامہ کو خالقیت کی مسند پر بٹھلایا۔

اہل انگلستان نے کنگ آرتھر (King Arthur) [1] کی کرسی کو معصوم وغیر معصوم کی شناخت کا آلہ ٹھہرایا۔

اہل ناروے کا ووڈن بت صدیوں تک یورپ کا خدا بنا رہا۔

تاتاریوں نے بھی النقوا بیگم کے مجہول النسب بیٹوں کو فرزندانِ نور قرار دیا۔

زنانِ مصر نے بھی جمال یوسفی دیکھا تو جھٹ ان کے بشر ہونے کی نفی کر کے ان کو فرشتہ بزرگ کا لقب دیا۔

ان حالات میں ایک سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو اس حقیقت کا انکشاف فرماتے ہیں اور بشریت کو مخلوقیت کا برترین درجہ قرار دے کر خود کو بشر بتلاتے ہیں۔

اسی پاک لفظ مِنْكُمْ نے ایک طرف انسان کا اَشْرَفُ مَا كَانَ ہونا بتلایا اور دوسری جانب ان کوتاہ بینوں کو نظر بلند پرواز کا ہم عنان بنایا۔ توہمات کے بادل چھٹ گئے، ظنون و اوہام کا پردہ پھٹ گیا، ناواقفیت کا حجاب اٹھ گیا اور نقش حقیقت لوح قلب پر جا گزیں ہوا کہ ہر ایک انسان اپنے اعلیٰ ترین کمالات اور اقتدار فوق الطبعیات کو رکھتا ہوا بھی بشر ہی ہوتا ہے۔

سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ اس لیے سرور کائنات ہیں کہ کمالات عبدیت کا اتمام و اختتام حضور ہی کے عنصر شریف بشریت پر ہوا۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی ﷺ کی زبان مبارک سے کہلوایا گیا ہے:

﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ [بنی اسرائیل:93]

"نہیں ہوں میں مگر بشر رسول۔"

پس "مِنْكُمْ" نے درجہ بشریت کو بالا بنا دیا ہے اور نبی ﷺ کی ذات ہمایوں کو کوتاہ بینوں کی خیالی توجیہات سے ارفع و اعلیٰ ثابت کیا ہے، جس سے حضور ﷺ کا رسول رب العالمین اور بشر اجمعین ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

خصوصیت نمبر 3

﴿عَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ﴾ [النساء:113]

(تجھے علم سکھایا ان چیزوں کا جن کا تجھے علم نہ تھا)

قرآن مجید کی آیات متعددہ سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا جانتے تھے۔

اب لفظ عَلَّمَكَ ظاہر کرتا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی تھی۔

---

[1] شوپن ہار آرتھر (Schopenhauer Arthur) مشہور جرمن فلسفی 1788 تا 1860ء

دنیا میں شاگرد کو تعلیم قوت شنوائی و بینائی یعنی حسیات کے ذریعہ سے دی جاتی ہے۔ پھر جب یہ تعلیم حواس انسانی میں قیام پذیر ہو جاتی ہے تو اس کا نام "تعلیم پا جانا" رکھا جاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیم ان کے قلب سے شروع ہوتی ہے ﴿ اَنْزَلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ لہٰذا اللہ کی تعلیم دینے اور بندہ کی تعلیم دینے میں بڑا نمایاں تفاوت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ﴾ [الاعلیٰ:6] "ہم تجھے پڑھائیں گے اور پھر تو نہ بھولے گا۔"

تعلیم ربانی کا نسیان سے برتر ہونا وہ خصوصیت ہے جو دنیا کے کسی معلم یا متعلم میں نہیں پائی جا سکتی۔ جب ہم قرآن پاک پر تدبر کی نگاہ ڈالتے ہیں اور احادیث پاک کا غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں احوال ماضیہ بھی موجود ہیں اور اخبار مستقبلہ بھی مذکور ہیں اور عہد حال کے احکام بھی بکثرت ہیں۔ تب یقین ہو جاتا ہے کہ نبی الامّی کو ٹھیک اللہ تعالیٰ ہی سے تعلیم ملی تھی جو ماضی و حال و استقبال کا علم رکھنے والا ہے۔

نبی ﷺ کے لیے یہ خصوصیت نہایت خاص ہے کہ ایسی قوم میں پیدا ہوئے جن کو ان پڑھ ہونے پر فخر تھا۔

ایسے ملک میں پیدا ہوئے جو ممالک متمدنہ سے بالکل الگ تھلگ ہے، پھر چالیس (40) سال تک حضور ﷺ کی زبان تعلیم و تعلم سے نا آشنا ہی رہی۔

لیکن جب رب العالمین نے حضور ﷺ کو اپنے تلمذ میں لیا تو حضور ﷺ نے جملہ علوم و معارف اور حقائق و معانی کے دفتر کے دفتر کھول دیے۔ آیت اولین:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾ [العلق:1-3]

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو علق سے پیدا کیا۔"

پر نگاہ ڈالیے کہ حضور ﷺ کی الف۔ با۔ تا۔ کی حقیقت خلقت انسانی سے شروع ہوتی ہے اور یہ وہ مسئلہ دقیق ہے جس میں منتہی فلسفی بھی حیران ہیں۔

لہٰذا آیت بالا حضور ﷺ کی خصوصیت کی مظہر ہے۔

خصوصیت نمبر 4

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ [الم نشرح:1]

"کیا ہم نے تیرے سینہ کو نہیں کھولا۔"

شرح صدر کے متعلق ایک روایت ہے جسے صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کا تعلق نبی ﷺ کے عالم صغر سنی سے ہے، جب کہ حضور ﷺ دائی حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ میں تھے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے سینہ مبارک میں اثر مخیط بھی دیکھے تھے۔

شرح صدر کے متعلق دوسری روایت صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ عن مالک بن صعصعہ والی ہے جس میں شق صدر شب

معراج کو بمقام حطیم ہوا تھا۔ [1]

قرآن مجید میں جس شرح صدر کا مذکور ہے۔ وہ روایات بالا کی تصدیق فرماتا ہے اور بایں ہمہ وسیع تر معانی کا بھی اظہار کرتا ہے۔ آیات ذیل پر غور کرو۔

1. ﴿ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَ مَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا ﴾ [الانعام:125]

"جس شخص کو اللہ راہ راست دکھانا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے اور جس شخص کی گمراہی کا ارادہ کرتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے۔"

2. ﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ [الزمر:22]

"بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔"

3. ﴿ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ [النحل:106]

"لیکن جن کا سینہ کفر کے لیے کھلا ہے، ان پر اللہ کا غضب ہے۔"

4. ﴿ وَ يَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ ﴾ [الشعراء:14]

"میرا سینہ تنگی کرتا ہے اور میری زبان رواں نہیں۔"

5. ﴿ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ O وَ يَسِّرْلِيْٓ اَمْرِيْ ﴾ [طٰہٰ:25-26]

"کہا: اے رب میرا سینہ کھول دے اور میرے کام کو آسان بنا دے۔"

- آیت اول میں شرح صدر اسی حالت کو فرمایا گیا ہے جب ہدایت الٰہی توفیق راہ اور رفیق سالک ہو جاتی ہے اور سینہ میں دین صحیحہ کا شوق جوش زن ہوتا ہے۔
- آیت دوم میں ہے کہ رغبت صحیحہ اور شوق اصلیہ کے بعد دین حقہ حاصل ہو جاتا ہے اور پھر برکات دین کے انوار کا حصول ہوتا ہے۔
- آیت سوم میں ہے کہ جس شخص کا رجحان و میلان بہ جانب کفر ہوتا ہے وہی شرح بالکفر کا مصداق ٹھہرتا اور غضب الٰہی کا مستوجب قرار پاتا ہے۔
- آیت چہارم و پنجم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہیں جب ان کو تبلیغ و انذار کے لیے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا، تب انھوں نے اس خدمت کو خوف و ہراس سے دیکھا اور عرض کیا کہ میرا سینہ اس بار خدمت سے بھنچا جاتا ہے۔ اس حالت نے جرأت کو پیچھے ہٹا دیا۔ جب ان کو اطمینان مزید منجانب اللہ عطا فرمایا گیا تب انھوں نے آیت پنجم والی دعا کا استعمال کیا۔

پنجگانہ آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ صداقت و حقانیت کا غلبہ ہو جائے اور قلب کو وہ اطمینان کلی مل جائے جو ہدایت و نور تک فائز ہو جانے کے لیے کافی ہو۔

نبی اللہ ﷺ کے لیے شرح صدر کے معنی یہ ہیں کہ ابلاغ و انذار کے لیے ہمت عالی اور عزم راسخ اور استقامت محکم حاصل ہو، کسی بادشاہ جبروت، کسی کافر کی فرعونیت کا رعب سینہ صافی پر سایہ فگن نہ ہو سکے۔ اپنی تنہائی، بے کسی، بے سروسامانی کا خیال بھی اٹھ جائے۔

---

[1] بخاری: 349-3342، مسلم: 415-416، دارمی: 13، مجمع الزوائد: 8/222، احمد: 4/184، ابن ماجہ: 1399، نسائی: 448

اب آیت زینت عنوان کو سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت پاک کے ساتھ ملا کر پڑھو کہ جب حضور کو ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ کا فرمان ملا تو حضور ﷺ نے کوئی عذر نہیں کیا، کسی خوف و ہراس کا اظہار نہیں فرمایا تکذیب کا خوف، قتل کا ڈر قلب پاک کے نزدیک بھی نہ آسکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو تو ایک فرعون کے پاس جانا تھا لیکن نبی ﷺ کے معاندین میں سینکڑوں فرعون طینت تھے۔ فرعون تو ایک حکومت منظم کا حکمران تھا، اس لیے اس قتل موسیٰ علیہ السلام کو باضابطہ کونسل میں پیش کر دیا تھا۔

﴿قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ O قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ﴾ [الشعراء:34-35]

''فرعون نے اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا کہ یہ تو بڑے علم والا جادوگر ہے۔ اس کا ارادہ ہے کہ تم لوگوں کو جادو کی طاقت سے تمھارے ملک سے نکال دے۔ اب تم بتلاؤ کہ مشورہ کیا ہے؟''

سرداروں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اس کے بھائی کو مہلت دے۔

مگر عرب کے سفاک و خونریز نہ تو کسی کونسل (Council) کی رائے کے پابند تھے اور نہ کسی سے مشورت کرنے کے روادار۔ نبی ﷺ حکم ملتے ہی فوراً انذار و تبلیغ کے لیے اٹھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔

وہ سینہ جو اب تک علوم درسیہ سے خالی تھا، نور و معرفت کا خزینہ اور ہدایت و عرفان کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ ہزاراں در ہزار علوم و حکمت کے رموز و اسرار اس سے نکلتے اور اہل دنیائے دنی کو ظلمات سے نور میں لانے کا سبب ٹھہرتے ہیں۔

آیات قرآنیہ پر تدبر کرنے والا جب دیکھے گا کہ شرح صدر وہ مقام رفیع ہے، جس کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو خود طلب مسالت کرنی پڑی اور نبی ﷺ کو قبل از سوال یہ عطیہ ہوا اور پھر خود رب العالمین نے حضور ﷺ سے اس کی تصدیق کا سوال بطور استفہام تقریری فرمایا۔ تو واضح ہو جاتا ہے کہ آیت بالا میں نبی کریم ﷺ کی خصوصیت علیا کا اظہار فرمایا گیا ہے

خصوصیت نمبر 5

﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴾ [الم نشرح:2]

''ہم نے تیرے بوجھ کو تجھ سے اتار دیا۔''

''وِزْرٌ'' بارگراں کو کہتے ہیں۔ حَمْلِ وِزْر کسی دوسرے کو بارگراں سے سبکدوش کر کے خود اس کی ذمہ داری کو لے لینا ہے۔ انھی معنی میں ہے: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی﴾ ''کوئی گناہ گار کسی دوسرے گناہ گار کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔''

وزیر: وہ عہدہ دار ہے جو سلطنت کی تمام ذمہ داریوں کا مرجع ہوتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام پر جب بار نبوت ڈالا گیا تو انھوں نے دعا کی تھی۔

﴿وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ O هٰرُوْنَ اَخِی﴾ [طٰہٰ:29-30]

''میرے کنبہ میں سے ایک کو میرا وزیر بنا دے۔ میرا بھائی ہارون اس منصب کا شایان ہے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ فرائض نبوت کی ادائیگی کچھ آسان نہ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے تو پہلے ہی دن وزیر ملنے کی درخواست کر دی تھی، مگر نبی کریم ﷺ نے اس میدان میں یک وتنہا قدم رکھا تھا اور آفتاب عالم تاب کی طرح فضا میں چھائے ہوئے تاروں کی کثرت پر یا عالم پر طاری شدہ گہری ظلمت پر نظر نہ کرتے ہوئے بذات واحد علم توحید اور رایت تبلیغ کو بلند فرمایا تھا۔ اس ایثار و بے جگری اور اس اطاعت وفرماں برداری کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کی اعانت فرماتا اور حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے۔

زبان عرب میں موازرت بہ معنی معاونت مستعمل ہے۔ وَازَرْتُ فُلَانًا مُوَازَرَةً کے معنی ہیں اَعَنْتُهٗ، عَلٰی اَمْرِہٖ یعنی اس کام میں مدد کی۔

وہ بوجھ کیا تھا؟ مفسرین کے اقوال متعدد ہیں اور یہ ضروری ہے کہ بعض کو بعض پر ترجیح ہو۔ ترتیب کلام پر نظر غائر ڈالو۔ یہ آیت ﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴾ [الم نشرح:1] اور ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ [الم نشرح:4] کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ زیادہ موزوں ہے کہ اس آیت کا زمانہ بھی ہر دو حالتوں کے درمیان میں ہو۔

اس وزر کا اندازہ مندرجہ ذیل آیات سے ہو سکتا ہے:

1. ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الشعراء:3]

"کیا تم اپنی جان کو ان کی اس حالت پر ہلاک کر دو گے۔"

2. ﴿ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ [یٰسٓ:76]

"ان کی باتوں سے آپ کے دل پر صدمہ نہ ہونا چاہیے۔ ہم ان کی چھپی اور کھلی حالت کو خوب جانتے ہیں۔"

اہل ضلالت کا کفر لزوم شرک پر جمود، دلائل سمعیہ و براہین بصریہ پر التفات سے انکار، تقلید آباء پر اصرار، تحقیق حق سے فرار، فواحش کی کثرت، اباطیل کی اشاعت، انسانیت کا فقدان، سبعیت کا زور، یہ سب وہ امور تھے جن کا سننا دیکھنا حضور ﷺ پر بار خاطر تھا۔ قوم کا ایسی نجاسات میں آلودہ ہونا حضور ﷺ کے رحم پرور دل پر سخت صدمہ تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اعانت سے حضور ﷺ کی تعلیم رفتہ رفتہ پھیل گئی کفر و ضلالت کی تاریکیاں چھٹتی گئیں۔ رب العالمین نے ملک کے گوشہ گوشہ سے ان پاکیزہ منش لوگوں کو ابھارا اور خدمت عالی میں ان کو پہنچایا، جو اسلام کے لیے سابقین اولین ٹھہرے۔

انھوں نے نہ صرف اپنے لیے غذائے روح حاصل کی، بلکہ سینہ نبوی ﷺ سے وہ درد دل بھی اخذ کیا جو کہ دردمندوں کا غم گسار ٹھہرا اور مجروحوں کا چارہ کار بنایا۔ مثلاً صدیق الامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اموی، فہری، تیمی، مخزومی، اسدی، عدوی، قبائل میں نور تبلیغ پہنچایا، حبشی، بربری، سوڈانی، امۃ وغلام کو ﴿ مُسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴾ [عبس:39] "روشن، خندہ رو، بشارت یافتہ چہرے" کی جماعت میں داخل کیا۔

خاتم الخلفاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آل ہاشم و آل بنو طالب میں نصرت ومعیت کا آوازہ لگایا۔ طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نے ریگستان میں اور عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے طائف کے کوہستان کی چوٹیوں پر اس پیغام کو پہنچایا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں تبلیغ کا باقاعدہ مدرسہ کھولا۔ جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے دربار حبش میں اسی پیغام کی صدا بلند فرمائی۔

یہ وہ نظارہ تھا جس نے حضور ﷺ کے بوجھ کو ہلکا کر دیا تھا۔ یہ وہ نظارہ تھا جو حضور ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک، بازو کی

قوت اور کمر کی صلابت واستقامت اور قلب کا سکینہ بن گیا تھا۔

فی الحقیقت یہ وہ کمال ہے جو سیدنا ومولانا محمد النبی الامی ﷺ کی خصوصیات سے ہے۔

خصوصیت نمبر 6

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ [الم نشرح:4]

''اور ہم نے تیرا نام بلند کیا۔''

بحر الکاہل کے مغربی کنارہ سے لے کر دریائے ہوانگ ہو کے مشرقی کنارہ تک کے رہنے والوں میں سے کون ہے؟ جس نے صبح کے روح افزاء جھونکوں کے ساتھ اذان کی آواز نہ سنی ہو، جس نے رات کی خاموشی میں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی سریلی آواز کو جان بخش نہ پایا ہو۔ [1] یہی وہ الفاظ ہیں جو جاگنے والوں اور سونے والوں کو ان کی ہستی کے بہترین آغاز وانجام کے اعلام سے سامعہ نواز ہیں۔

کیا رفعت ذکر کی مثال اس سے بالاتر پائی جاتی ہے، آج کسی بادشاہ کو اپنی مملکت میں کسی ہادی کو اپنے حلقہ اثر میں یہ بات کیوں حاصل نہیں کہ اس کے مبارک نام کا اعلان ہر روز وشب اس طرح کیا جاتا ہو کہ خواہ کوئی سننا پسند کرے یا نہ کرے، لیکن وہ اعلان ہے کہ پردہ ہائے گوش کو چیرتا ہوا قعر قلب تک ضرور پہنچ جاتا ہے۔ ہاں وہ اعلان صرف اس کے نام ہی کا اعلان نہیں بلکہ اس کے کام کا بھی اور صرف کام کا ہی نہیں، بلکہ اس کے پیغام کا بھی اعلان ہے۔

﴿1﴾ بے شک یہ اعلیٰ خصوصیات صرف اسی برگزیدہ انام کے نام نامی کو حاصل ہے جس کی رفعت ذکر کا ذمہ دار خود رب العالمین بنا ہے اور جس کی بابت یسعیاہ نبی کی کتاب میں پیش گوئی فرمائی گئی تھی، کہ اس کے نام کو برکت دی جائے گی۔

﴿2﴾ طامس کارلائل (Thomas Carlyle) [2] کو دیکھو، یہ ایک پکا عیسائی ہے اور سارے انگلستان میں تاریخ وزبان دانی کی فضیلت سے اشہر المشاہیر میں داخل ہے۔ وہ ''ہیروز آف ہیروز'' لکھنے بیٹھتا ہے تو گروہ انبیاء میں سے صرف حضور ﷺ ہی کے نام مبارک کا انتخاب کرتا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو بھولا ہوا ہے اور ان کے کارناموں سے جو آج تک بحیرہ قلزم کی امواج اور فلسطین کے ذرات کو بھی یاد ہیں ناواقف ہے۔؟

کیا وہ داود علیہ السلام کو نہیں جانتا؟ جنھوں نے بنو اسرائیل کی متفرق شدہ اسباط میں جمعیت پیدا کی، جنھوں نے ایسی سلطنت کو بنایا اور پائدار کیا کہ ان سے پہلے ایسی سلطنت کا خواب بھی فرزندان یعقوب علیہ السلام نے کبھی نہ دیکھا تھا۔

کیا کارلائل کو معلوم نہ تھا کہ داود نے عبادت وموسیقی کو جمع کر کے ہوا کو ترنم سے اور فضا کو مناجات سے بھر دیا تھا؟ موسیقی کی اس

---

[1] بغوی نے باسناد ثعلبی اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ کی حقیقت دریافت کی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بتلایا اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ مَعِيَ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس ارشاد الٰہی میں اذان واقامت تشہد وخطبہ مراد ہیں۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار ہیں

اغرّ عَلَيه للنبوة خاتم — مِنَ اللّٰه مَشْهورٌ يَلُوح ويشهد
و ضم الاله له اِسْمُ النَّبِيّ مَعَ اسْمِهٖ — اِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ اشْهَدُ
وَ شَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيجله — فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدُ

[2] طامس کارلائل (Thomas Carlyle) 1795-1881 ء معروف دانشور اور مصنف

قدر افزائی پر تو کارلائل کے رقاص دل کو ضرور اچھل پڑنا چاہیے تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو یسعیاہ کی وہ نبوتیں اور پیش گوئیاں یاد نہ تھیں؟ جو اناجیل: متی، یوحنا، کی تصانیف کا مایہ خمیر ہیں۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ دانی ایل نبی کی ان برکات سے بے خبر تھا؟ جس نے بابل کے کافر و جابر بادشاہ کو یہود کی حفاظت و اکرام پر آمادہ کر دیا تھا، جس نے لاکھوں ایمان داروں کو قتل و صلیب سے بچالیا تھا، جس نے سینکڑوں سال کے آئندہ واقعات کے طلسم کو کلید تعبیر خواب سے کھول دیا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ کارلائل کو شالتی ایل کی خدمات کا علم نہ تھا؟ جس نے اسیری سے رہائی پا کر اتنا بڑا ایوان یروشلم تعمیر کر دیا تھا جو ہیکل سلیمان سے کم نہ سمجھا جاتا تھا۔

کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ کارلائل حضرت زکریا علیہ السلام کی کہانت ① اور حضرت یوحنا بپتسمہ دہندہ ② کے زہد و عبادت اور وعظ و تذکیر کے حالات سے ناآشنا تھا۔ ان سب کا جواب منفی ہے۔

پیارے عزیزو! پروفیسر طامس کارلائل ان سب باتوں کو جانتا پہچانتا ہوا، بلکہ مانتا اور ایمان رکھتا ہوا بھی مجبور ہے کہ گروہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف حضور سرور کائنات ﷺ ہی کا مبارک نام انتخاب کرے۔

اس جگہ یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ کارلائل کو انبیاء علیہم السلام میں سے صرف ایک ہی مبارک نام پر اکتفا کرنا تھا۔ اسی لیے حضور ﷺ ہی کے نام پر اسے بس کرنا پڑی۔ دیکھو حکماء و شعراء اور فلاسفروں کی صف میں یہ مصنف صرف ایک ایک نام کا انتخاب کرنے کا پابند نہیں ہوا۔ لہٰذا اگر وہ چاہتا تو بحث نبوت میں بھی ایک سے زیادہ نام لکھ سکتا تھا۔

لہٰذا ہماری دلیل اور ابھی متین و وقیع ہو جاتی ہے اور پتا لگ جاتا ہے کہ جب کارلائل نے اپنی مؤرخانہ تحقیقات کی نگاہ سے آفتاب نبوت محمدیہ ﷺ کو دیکھا تب اسے ہزاروں سال کے عہد وسیع کے آسمان پر اور کوئی کوکب نبوت نظر نہ آیا، جسے وہ اس آفتاب کے دوش بدوش اپنے اوراق پر جلوہ گر کر سکتا۔

یہ نمونہ ہے رفعت ذکر کا کہ ایک صحیح الاعتقاد عیسائی، کیمبرج یونیورسٹی جیسے دارالعلوم کا مسلمہ استاد جس کے نام پر انگلستان کو فخر و ناز ہے ہزاروں انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر ایمان رکھتا ہوا اور سینکڑوں انبیاء علیہم السلام کے اسمائے پاک کا علم رکھتا ہوا بھی دنیا کے سامنے جب نبوت کا نمونہ پیش کر سکا تو سیدنا و مولانا محمد النبی الامی ﷺ ہی کے وجود باجود کا ذکر کر سکا۔ اس جگہ وہ نوشتہ پورا ہوا جو قرآن حکیم میں ہے:

﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ [الاحزاب:21]

''تم کو بہترین نمونہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی ملیں گے۔''

﴿3﴾ رفعت ذکر کا بیان جس طرح اہل ایمان کرتے ہیں، اسے بھی یاد رکھنا چاہیے، ہم نے موجودہ بائبل سے ثابت کر دیا ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر یعقوب و موسیٰ، داؤد و سلیمان، یسعیاہ، مرمیاہ، دانی ایل، حزقی ایل، حبقوق، ملاکی، یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام نے محامد محمدی ﷺ اور نعوت مصطفوی ﷺ کو اسالیب بدیعہ اور علامات متنوعہ کے ساتھ ساتھ بیان کیا ہے اور یہ وہ امر عظیم الشان ہے

---

① لفظ کہانت عیسائی اصطلاح میں اخبار عن الغیب میں آتا ہے اور اسی لیے وہ اس لفظ کا اطلاق انبیاء کی پیش گوئی پر کیا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی یہاں اس لفظ کا استعمال اسی معنی میں کیا ہے۔ ② ایک عیسائی مذہبی رسم

جو کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔

انجیل اول کے مصنف سینٹ متی (Saint Mathew) نے ان چند پیش گوئیوں کی تلمیحات پر اشارہ کیا ہے جو سیدنا عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی بابت صحف سابقہ میں پائی جاتی ہیں۔

اگر کوئی منصف ہے تو ان مجمل اشارات کو دیکھے اور جناب متی نے جو طریق استدلال نکالا ہے اس کا موازنہ کرے اور پھر ان آیات بینات کو دیکھے جو بائبل ہی کے اندر ہیں اور نبی ﷺ کی ذات مبارک پر ثابت و متحقق ہیں۔

سینٹ متی کو جو صحبت صادقہ حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ تھی، نیز جو دسترس کامل ان کو مضامین بائبل پر حاصل تھی، ہم ان ہر دو امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت وثوق سے یقین کر سکتے ہیں کہ سینٹ مذکور نے کوئی ایسی پیش گوئی اپنی انجیل میں درج کرنے سے باہر نہیں چھوڑی، جس کا تعلق جناب مسیح علیہ السلام کی ذات گرامی سے تھا۔

ہم بھی متی کی بتلائی ہوئی پیش گوئیوں کا مصداق جناب مسیح علیہ السلام ہی کو تسلیم کر لیتے ہیں اور بعد ازاں ان پیش گوئیوں کو لیتے ہیں جو جناب متی کے زمانہ تک بطور پیش گوئی (خبر مستقبل) موجود تھیں اور جن کا مصدق نبی ﷺ کی ذات بابرکات کے سوا اور کسی کو بھی نہیں ٹھہرایا گیا تھا۔

یہودی، عیسائی، مسلمان سن رکھیں کہ اسی موجودہ بائبل کے اندر نبی ﷺ کے مبارک نام مقام ولادت اور دار ہجرت اور حضور ﷺ پر ایمان لانے والے قبائل کے نام حضور ﷺ کے برسر پیکار آنے والی قوموں کے نام اور ان کے انجام ایسی وضاحت سے پائے جاتے ہیں کہ ﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴾ کی صحیح تفسیر ہیں اور ان سے یہ امر بہ وضوح تام ظاہر ہو جاتا ہے کہ رب العالمین نے حضور ﷺ کی رفعت ذکر کا اہتمام صدیوں پیشتر کیسے زبردست اعلانات سے فرمایا تھا۔

بے شک اس فضیلت علیا میں اور کوئی بھی بزرگوار حضور ﷺ کا سہیم ثابت نہیں ہوا۔ وَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ.....!

خصوصیت نمبر 7، 8، 9

① ﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴾ [الضحیٰ:3]

''تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔''

② ﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴾ [الضحیٰ:4]

''آخرت تیرے لیے بہتر ہے۔''

③ ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ [الضحیٰ:5]

''تیرا رب تجھے اتنا دے گا کہ تو راضی و خوش ہو جائے گا۔''

ہر سہ آیات سورہ والضحیٰ کی ہیں۔ علمائے مفسرین کا اتفاق ہے کہ ابتدائے بعثت میں اول کلام الٰہی کا نزول ہوا اور اس کے بعد وحی میں ابطاء (دیر و درنگ) ہوا۔ وحی کا رک جانا نبی ﷺ کی طلب صادق کی ترقی اور شوق کی افزونی کا سبب ٹھہرا۔

یہ ظاہر ہے طلب و اشتیاق تردد و اضطراب سے جدا نہیں رہ سکتے۔ قلب و روح پر وحی ربانی نے جو باب علوم و حقائق کھول دیے

تھے، اس کے لیے بیش از بیش کیوں طلب نہ بڑھ جائے۔

زمانہ ہجر بڑھتا گیا تو اشتیاق صادق میں گوناگوں توجیہات پیدا ہونے لگیں۔

1. ابتدا تو خود اس دل ربا نے کی ہے۔
2. اس نے خود اپنے پیام سے مجھے شادکام فرمایا۔
3. پھر اب یہ خاموشی کیسی؟
4. نہیں......اس بارگاہ عالی کی جانب لفظ خاموشی کا اطلاق بھی کیوں صحیح ہو۔
5. یہی داخل ادب ہے کہ میں اس کے کسی سبب کو اپنی ہی طرف منسوب کروں۔
6. کیا مجھے اس نشہ میں، اس تڑپ میں، اس سوز، اس گداز میں چھوڑ دیا جائے گا؟
7. اس حالت کا خاتمہ کب ہوگا؟

یہ وہ خیالات ہیں جو محب صادق کے دل میں جوش زن ہو سکتے ہیں۔ آخر انتظار کا زمانہ ختم ہوا۔ بارگاہ قدسی سے ایسے خیالات کا ازالہ کیا گیا، جن کو شوق و ارادت کی مجموعی حالت نے پیدا کر رکھا تھا یا سوز و گداز نے قالب قلب کو گرما رکھا تھا۔

پیارے تو دیع کسے کہتے ہیں؟

قلی کا ذکر کیا؟

جس مالک کی ربوبیت نے تجھے پالا پوسا ہے۔

جس نے از آدم تا ایں دم ﴿ تَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴾ [الشعراء:219] کے اطوار میں تیری نگہداشت فرمائی ہے۔

جس نے تیرے آبائے کرام اور امہات عظام کے ظہور و بطون کو پاک و طاہر رکھا ہے

جس نے ایام یتیمی میں تیری حفاظت در یتیم کی طرح کی ہے۔

جس نے عیال کی کثرت میں بھی تجھے اس کے جنجال سے پاک رکھا ہے۔

جس نے کوہ حرا کو تیرے لیے طور بنا دیا ہے۔

جس نے آگ کی ظاہری چمک کے بغیر تیری آنکھوں کو نور سے، تیرے دل کو سرور سے، تیری روح کو راج سے تیرے ایمان کو ایقان سے معمور، بھرپور اور نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ کر دیا ہے۔

اس کی طرف سے وداع، وقلی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ [1]

اچھا......! ہم تمھیں ایک مژدہ روح پرور سے شادکام کرتے ہیں کہ

''اب آنے والا زمانہ گزرے ہوئے وقت سے خوش تر و نکوتر ہوگا۔'' [2]

---

[1] صحیحین میں جندب بن ابی سفیان بجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ دو یا تین شب بوجہ شکایت جسمانی بستر سے نہ اٹھے تھے۔ ایک عورت نے آ کر کہا: محمد ﷺ میں سمجھتی ہوں کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ گیا اور علیحدہ ہو گیا کیوں کہ وہ دو تین شب سے تیرے پاس نہیں آیا۔ واضح ہوتا ہے کہ قلی کا لفظ اس کافرہ نے استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیات نازل فرمائی۔ [بخاری:1124، 4950، مسلم:4657، نسائی:3345]

[2] آیت پاک میں لفظ آخرت کے معنی عالم آخرت دار الجزاء یقیناً ہیں لیکن اس لفظ کا اطلاق وسیع معنی میں بھی ہوا ہے۔ ﴿ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ﴾ [العنکبوت:20] منصور

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴾ [العلق:1] ''اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے تجھے پیدا کیا۔''

یہ درس گاہ بسم اللہ تھی۔ آئندہ معارف وحقائق کے دروازے کھلے رہیں گے اور انوار و برکات اور مشاہدات تدلیات کے ترشحات چمن آرائے نبوت ہوں گے۔ نصرو تمکین کا نشان سربلند ہوگا۔ فراوانی علوم اور کثرت مومنین کا نظارہ خوش آیند۔

چنانچہ یہی ہوا کہ ترتیل وتنزیل کے ساتھ یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ بائبل میں پہلے سے یہ پیش گوئی موجود تھی، حکم پر حکم، حکم پر حکم، تھوڑا یہاں، تھوڑا وہاں۔

عطا ونوال کی مقدار کو خود جناب رسالت مآب ﷺ کی خوشنودی ورضا پر مقرر فرمایا گیا اور عطیہ کا اندازہ نہ صرف قلق و اضطراب کے ازالہ کی حد تک مقصود کیا گیا بلکہ خود طلب وشوق کی فراخی اور دل وروح کی خوشنودی کو اس کی حد بتلایا گیا ہے۔

یہ انتہا تھی فضل واکرام کی، یہ حد تھی تکمیل کمالات کی۔

یہی نبی ﷺ کی خصوصیت خاصہ ہے کہ عطیہ کی مقدار خود حضور ﷺ کی خوشنودی ورضامندی کی حد تک بڑھا دیا گیا ہے۔

اسی خصوصیت کی تکمیل فرماتے ہوئے رب العالمین نے حضور ﷺ کے اصحاب کو بھی خلعت رضوان سے مشرف فرمایا ہے۔

① ﴿ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ [الفتح:18]

''اللہ مومنوں سے رضامند ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کرتے تھے۔''

② ﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ﴾ [البینۃ:18] ''اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔''

فرمایا:

③ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴾

''ایمان لانے والے جنھوں نے ہجرت کی اور راہ خدا میں مال اور جان سے جہاد کیا۔ یہ لوگ اللہ کے ہاں بہت بڑے درجے والے ہیں اور یہی مراد کو پہنچے ہوئے ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضوان اور جنات کی بشارت دیتا ہے، بہشت میں دائمی نعمتیں ہیں ان کے لیے۔'' [التوبۃ:20-21]

فرمایا:

④ ﴿ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ [التوبۃ:72]

''اللہ کی رضوان تو سب سے بڑھ کر ہے اور یہی سب سے بلند تر کامیابی ہے۔''

فرمایا:

⑤ ﴿ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾ [المائدۃ:3]

''میں خوش ہوں کہ اسلام تمھارا دین ہو۔''

﴿ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ﴾ [العنکبوت:20] (لہٰذا آخرت کا ترجمہ زمانہ مابعد بھی ہوسکتا ہے۔ خازن نے تحریر فرمایا ہے: وَحَمْلُ الْاٰخِرَةِ عَلٰى ظَاهِرِهَا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ مَعًا اولٰی۔

ہمارا یقین وایمان ہے کہ یہ شان نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ کے دست مبارک پر ایمان لانے والوں کو بھی رضائے رحمٰن اور خوشنودی منان کا گراں مایہ عطیہ ارزانی فرمایا گیا اور اس طرح پر وہ وعدہ صادق پورا کیا گیا، جو آیت زیب عنوان میں ہے۔

﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ [الضحیٰ:5] ''تیرا رب تجھے وہ کچھ دے گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔''

اس کا مکمل نظارہ اہل ایمان یوم الدین کو ملاحظہ کریں گے جب کہ ان کے طلب وسوال اور وہم وگمان سے بھی سینکڑوں درجہ بڑھ کر انعامات کا نزول فرمایا جائے گا۔

خصوصیت نمبر 10

﴿ اَلنَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ﴾ [الاعراف:157]

''وہ نبی اُمّی ہیں''

اُمّی یہ محقق ہے کہ سیدنا ومولانا محمد المصطفیٰ ﷺ کے سوا ﴿ الرَّسُوْلُ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ ﴾ اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔ حضور ﷺ کا یہی لقب انبیائے کرام علیہم السلام کو اور سابقہ امم کو بتلایا گیا ہے۔ علماء نے اسم اُمّی کے متعلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں قارئین کے لیے ان پر غور موجب فرح وسرور ہوگا۔

① اُمّی: ام القریٰ کی نسبت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام ام القریٰ فرمایا ہے:

﴿ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ﴾ [الانعام:92]

''کہ تو ام القریٰ والوں کو اور اس کے گرداگرد کی بستیوں کو ڈرائے۔''

مشہور قدیم جرمن مؤرخ سپرنجر (Sprunger) اور سکریڈر (Sacrader) کا قول ہے کہ ان محققین کی رائے بالکل درست ہے جو اولاد سام کا اصل وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔ اسلامی روایات صحیحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی ''بلدہ مکہ معظمہ ہے'' جہاں خانہ بدوش قوموں نے قیام کیا اور بربریت وتوحش کو چھوڑ کر عمران وتمدن کی زندگی میں داخل ہوئے۔

الغرض تاریخ اور درایت کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ ''ام القریٰ'' ہے۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی طرف توجہ کرنا چاہیے، انھوں نے بنائے کعبہ کے وقت یہ دعا کی تھی:

﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ [البقرۃ:126]

''اے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنائیو! اور یہاں والوں کو میوہ جات کھلایا کیجیو۔''

دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں: ﴿ وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ [البقرۃ:129]

''ان میں ایک شاندار رسول بھی جو انہی میں سے ہو مبعوث کرنا۔''

دعائے خلیل میں دو باتیں عجیب ہیں:

① اس بستی کے رہنے والوں کے لیے جہاں کی زمین ناقابل زراعت ہے، میوہ جات اور ثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔ ان الفاظ کی برکت آج تک نظر آ رہی ہے کہ مکہ کے بازار سبزیوں، ترکاریوں اور گوناگوں میوہ جات سے بھرے نظر آتے

ہیں۔ یہ علامت ظاہری اس امر پر دال ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے خلیل کی دعا کو من وعن شرف قبولیت بخشا۔

② یہی دعا بوضوح بتلا رہی ہے کہ صرف خوراک جسمانی یا لذائذ کام و دہن تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا بلکہ روحانیت کے لیے دعا کے الفاظ زیادہ پر زور تھے۔ وعدہ کا رسول اور دعائے خلیل علیہ السلام کا رسول ﷺ مبعوث ہوا اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا۔ اس کے جنسی ونسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس بستی کے سردار تھے۔ لہٰذا ام القریٰ کی نسبت سے اسے امی کہنا درست ٹھہرا۔

③ امت کی ''ت'' بہ وقت نسبت گر گئی ہے، جیسے مکہ سے مکی۔ اندریں صورت اسم امی اس حدیث صحیحہ کی تفسیر ہے جو صحیح مسلم میں بروایت انس رضی اللہ عنہ موجود ہے۔

أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا کثرت امت کے لحاظ سے میں سب انبیاء سے بڑھا ہوا ہوں۔ [1]

④ اسم اُمّی: ام کی طرف منسوب ہے اس اعتبار سے نبی ﷺ بوجہ پاکی فطرت وعصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب و نقائص سے ایسے ہی پاک وصاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔

ام المؤمنین عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے انہی معانی پر نظر رکھتے ہوئے اشعار ذیل نبی ﷺ کی شان میں پڑھے تھے اور ان اشعار کو سن کر آقائے نامدار نہایت مسرور الوقت ہوئے تھے۔ [2]

وَمُبَرَّءٌ مِّنْ كُلِّ غُبْرِ حِيْضَةٍ ... وَفَسَادِ مُرْضِعَةٍ وَدَاءِ مُغْيَلِ
وَإِذَا نَظَرْتَ إِلَى أَسِرَّةِ وَجْهِهِ ... بَرَقَتْ بُرُوْقَ الْعَارِضِ الْمُتَهَلِّلِ

''آپ ذہنی مرض، دودھ پلانے والی کے بگاڑ وغیرہ جیسے ہر عیب سے پاک ہیں۔ جب تو ان کے چہرہ انور کو دیکھے تو حیران وششدر رہ جائے۔ جب وہ اپنے مالک کی تحمید کرتے ہوئے بزدلوں کے مقابل آتے ہیں۔''

⑤ اُمّی: ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ حضور ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم وفنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور حضور ﷺ کے لوح قلب پر تقریراً یا تحریراً کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔

ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے، جو ایک ایسے بچہ کی ہوتی ہے جو نہ مکتب گیا، نہ درس لیا، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا، نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔

یہودیوں نے اسی لیے اہل عرب کا نام امیون رکھ دیا تھا۔

﴿ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ﴾ [آل عمران:75]

''(یہودی کہتے) کہ ہم ان امی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں، ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔''

یہی نام اہل عرب کے لیے معرفہ بن گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا ﴾ [الجمعہ:2]

''اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔''

یہی لفظ اہل کتاب کے ناخواندہ اشخاص کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے:

---

[1] مسلم: 196/331 [2] خصائص الکبریٰ جلد اول ص 20 بروایت خطیب وابن عساکر ودیلمی۔

﴿ وَ مِنۡهُمۡ اُمِّیُّوۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ الۡکِتٰبَ ﴾ [البقرۃ:78]

''یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں، جن کو کتاب کا کچھ علم نہیں۔''

الغرض لفظ امی سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ طرز وطریق خواندگی اہل دنیا سے بالاتر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

﴿ وَ مَا كُنۡتَ تَتۡلُوۡا مِنۡ قَبۡلِهٖ مِنۡ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیۡنِكَ اِذًا لَّارۡتَابَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴾ [العنکبوت:48]

''اے رسول! قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ تمھارے دست راست نے کبھی کوئی خط کھینچا تھا، تب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔''

معنی بالا کے لحاظ سے اسم نبی الامی حضور ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ہے۔

واضح ہو کہ نبی، نباء سے ہے اور نباء واقعہ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی وہ ہے جو علم عالیہ اور وقائع عظمیہ کی اطلاع اہل عالم کو دیتا ہو اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف سے مضاف ہوتا ہے تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور شرائع عالیہ اور نوامیس ربانیہ کی اطلاع براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو نباوۃ سے بھی مشتق بتایا گیا ہے۔ نباوت کے معنی مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو، جہاں کوئی انسان اکتساب ومحنت وریاضت سے نہیں پہنچ سکتا اور اس مقام پر اس کے فائز ہونے کا سبب محض اصطفائے ربانی ہوتا ہے۔

نبی الامی کے وصف نے بتلا دیا کہ حضور ﷺ حرف شناسی وخط کشی سے تو دور ہیں اور باایں ہمہ علوم عظیمہ وآیات کاملہ کا صدور حضور ﷺ سے برابر ہوتا رہا۔

اہل سیرت جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو نبی الامی کے لقب سے یاد کیا جاتا، بلایا جاتا اور حضور اس طرز خطاب سے خرسند و مسرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جونہی کسی شخص کو ذرا شدبد، کہنے کی لیاقت ہوئی تو وہ اپنے لیے فاضل، اکمل، الوذعی، اللمعی، العلامہ وغیرہ الفاظ سننا اور کہلانا پسند کرتا ہے اور یہ ہر ایک صاحب قلم وزبان آور کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اصلیت سے بڑھ کر اس کے علم وفضل کا اندازہ لگایا جائے، لیکن ایک سیدنا محمد ﷺ ہیں جن کو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور امی ہونے کا اقرار ہے۔ اس اعتراف واقرار پر بھی ہزاروں علما، سینکڑوں فلاسفر حاضر ہوتے، زانوئے ادب تہہ کرتے اور اقرار کرتے کہ ان لوگوں کا علم وفہم اور حضور کا عرفان قطرہ وقلزم کی مثال رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ جو شخص دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بنا وہ سب دنیا کا استاد بنا ہوا ہے۔ محاسن اخلاق، محامد اعمال، تدبیر منزل، سیاست مدن، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درس اور دماغ کو روشن، قلب کو مجلی، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے۔ اس کی درس گاہ قدس کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ وہاں ایک صحرا نشین اور ایک شہری، ایک فلاسفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور آن واحد اپنی اپنی استعداد وقابلیت کے موافق مستفیض ومستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت امی لقب

سے عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ کا نور بخش ہے وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ کا دعویٰ محقق ہو رہا ہے۔

⑤ لقب امی کی وجہ یہ ہے کہ اول انبیاء ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لے کر آخر الانبیاء بنی اسرائیل عبداللہ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام تک جملہ انبیاء و مرسلین نے حضور ﷺ کے نعوت عالیہ اور اوصاف جلیہ بیان کیے۔ الف سے آدم اور میم سے مسیح مراد ہے اور یائے نسبت اسی راز کی کاشف ہے۔

امی و گویا بزبان فصیح ‌ ‌ ‌ از الف آدم و میم مسیح [1]

خصوصیت نمبر 11

﴿ اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ﴾ [الکوثر:1]

''ہم نے تجھے کوثر عطا کیا''

کوثر بروزن فوعل ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لیے آتا ہے۔ لفظ کثرت تو خود ہی فراوانی افزونی کے معنی کے لیے ہے، جب اسے بھی بروزن مبالغہ استعمال کیا گیا تو اس کے معنی کثرت بالائے کثرت اور فراوانی بیش از فراوانی اور افزونی بر افزونی ٹھہرے۔

صحیح بخاری میں ہے:

عَنْ اَبِیْ بِشْرٍ عَنْ سَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا اَلْکَوْثَرُ خَیْرُ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ قَالَ اَبُوْبِشْرٍ قُلْتُ لِسَعِیْدِ بْنِ جُبَیْرٍ اِنَّ اُنَاسًا یَزْعُمُوْنَ اَنَّہٗ نَھْرٌ فِی الْجَنَّۃِ فَقَالَ السَّعِیْدُ اَلنَّھْرُ الَّذِیْ فِی الْجَنَّۃِ مِنَ الْخَیْرِ الْکَثِیْرِ الَّذِیْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ اِیَّاہُ۔ [2]

''ابو بشر نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ کوثر کے معنی وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ کو عطا فرمائی۔ ابو بشر کہتے ہیں، میں نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لوگوں کا گمان تو یہ ہے کہ کوثر ایک نہر کا نام ہے جو جنت میں ہے۔ سعید نے جواب دیا: ہاں وہ جنت والی نہر بھی تو اسی خیر کثیر ہی میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت سے حضور ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔''

حوض کوثر کے وجود کی تصدیق صحیحین کی حدیث انس رضی اللہ عنہ سے ہوتی ہے۔ [3] لہٰذا حوض کوثر کے وجود اور عطیہ پر یقین رکھتے ہوئے بھی یہ تفسیر صحیح ہے کہ آیت زیب عنوان میں رب العالمین کی طرف سے انعامات لا متناہی اور عطیات غیر محدود کی آگاہی فرمائی گئی ہے۔ اس خیر کثیر کے تحت میں بہت سی اشیاء کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

از اں جملہ:

① امت محمدیہ ﷺ ایسی نبوت جامعہ، ریاست عامہ، دعوت کاملہ اور ہدایت بالغہ پہلے کب کسی کو عطا ہوئی تھی۔

اسی نبوت کے ثمرات میں سے ہے کہ:

---

[1] مخزن اسرار نظامی گنجوی۔ [2] بخاری: 4966 [3] بخاری: 6577، 6579، مسلم: 2292، 2303، ابن ماجہ: 4305، ابن حبان: 6445 تا 6459

﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء:80]
''جس شخص نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''
کا فرمان صادر ہوا۔
اور اسی نبوت کے گلہائے رنگین میں سے ہے کہ:
﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [النساء:64]
''ہم نے جو رسول بھیجا وہ اس لیے بھی کہ اس کی اطاعت ہمارے اذن کے تحت کی جائے۔''
کے منشور کی اشاعت فرمائی گئی۔
صاحب کوثر ﷺ وہی ہے جس کی اطاعت کا امرِ الٰہی جاری ہوا۔
صاحب کوثر ﷺ وہی ہے جس کی اطاعت کو اطاعت ربانی فرمایا گیا۔
صاحب کوثر ﷺ کی نبوت وہی نبوت ہے جس کی قدامت تاریخ بشر سے پہلے کی ہے اور جس کی نہایت انتہائے عالم سے ملی ہوئی ہے۔ رب العالمین کے کلام پر غور کرو، وہ یہ بھی فرماتا ہے:
﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ [آل عمران:18]
''اللہ کی شہادت ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں۔''
نیز وہ یہ بھی اعلان فرماتا ہے:
﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ﴾
''اللہ کی یہ بھی شہادت ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول یقیناً ہیں۔''
جب رب المشرقین ورب المغربین خود شہادتین کو اپنی شہادت سے مصدق ومؤکد فرماتا ہے تو نبوت محمدیہ ﷺ اور رسالت مصطفویہ ﷺ کے خیر کثیر ہونے میں کیا کلام رہ جاتا ہے۔
از اں جملہ:

2. کوثر سے مراد اسلام ہے، وہی اسلام جس کے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبول ومنظور ہی نہیں۔
وہی اسلام جس کا انبیائے عظام علیہم السلام نے ہمیشہ اعلان فرمایا۔
وہی اسلام جو سعادت دارین کا جامع اور اصلاح وفلاح ثقلین کا ذخیرہ ہے۔
از اں جملہ:

3. کوثر سے مراد کثرت امت محمدیہ ﷺ ہے، یہ کثرت حد وعدد کے احاطہ سے باہر ہے اور یوم فی یوم ترقی پذیر ہے۔
1881ء میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تعداد پونے چار کروڑ (37500000) بیان کی جاتی ہے اور 1921ء کی مردم شماری میں ان کی تعداد پونے سات (67500000) کروڑ شمار میں آئی ہے۔ چالیس (40) سال سے اکیلے ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کا قریباً دو چند ہو جانا اعداد صحیح سے ثابت ہو گیا تو دیگر اقطاع عالم میں بھی اس بیشی کا اسی رفتار سے بڑھتے

رہنا یقینی کہا جا سکتا ہے۔ [1]

بالمقابل اس کے اکثر اقوام ہیں جو گھٹ رہی ہیں اور آہستہ آہستہ بحر فنا میں گر رہی ہیں۔

یہ اسلام ہی ہے جس کا پاک درخت اپنی جڑوں کو زمین کے ساتوں تک پھیلا رہا ہے اور جو اپنی پھل دار شاخوں کے ساتھ فضائے آسمانی پر چھا رہا ہے۔

از اں جملہ:

(4) کوثر سے مراد قرآن مجید اور کتاب حمید ہے۔

یہ وہی خیر کثیر ہے کہ شاخہائے اشجار کی اقلام اور قطرات بحار کی مداد جس کی مدح وثنا کے استیفاء سے عاجز ہے۔ عمر نوح اور فہم جبریل بھی اگر جمع ہو جائیں تو حصر اسرار قرآنیہ سے قاصر ہیں۔ بے شک یہی کتاب قلزم حقائق ہے اور یہی کوثر علوم ہے۔ یہی مطلع انوار ہے اور یہی مخزن الاسرار ہے۔ معجزات انبیاء علیہم السلام کا اظہار ایک وقت خاص میں ہوتا تھا اور پھر خود انہی کے عہد مبارک میں اس معجزہ کا وجود و نمونہ پایا جاتا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام کے عصا کا اژدھا بن جانا، پھر اژدھا سے سیرت اولیٰ پر عود کر جانا، ایک ایسا نظارہ ہے جو کہ کوہ طور کے بعد فرعون ہی کے دربار میں دیکھا گیا۔ وہی عصا بنی اسرائیل کے لیے انفجار ماء کا آلہ بنا۔ ضرورت باقی رہی تو وہی عصا کا عصا رہ گیا۔ پھر وہی عصا کسی دوسرے کے ہاتھ میں جا کر صرف ایک لکڑی رہ جاتا تھا۔

قرآن پاک ہمارے سید و مولیٰ نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہے، زندہ معجزہ، دائمی معجزہ ہے، ابدی معجزہ ہے، اس کا اعجاز ہر وقت، ہر آن موجود و مشہود ہے اور ہر ایک عالم دین اس کے معجزہ ہونے کی براہین صادقہ ہر وقت و بہ ہر حین پیش کر سکتا ہے، بے شک یہ ایسی خیر کثیر ہے جس کا اعلان منجانب رب رحمٰن ہونا ضروری تھا۔

(5) کوثر سے مراد وہ فضائل کثیرہ اور محامد جمیلہ اور نعوت متکاثرہ ہیں جو وجود باجود مصطفوی ﷺ میں مندرج و منطوی تھے:

☐	انابت آدم علیہ السلام	اور	استقامت نوح علیہ السلام
☐	حلم اسماعیل علیہ السلام	و	علم خلیل علیہ السلام
☐	درس ادریس علیہ السلام	و	تحفیث شیث علیہ السلام
☐	حقانیت اسحٰق علیہ السلام	اور	عاقبت بنی یعقوب علیہ السلام
☐	نورانیت یوسف علیہ السلام	و	صالحیت صالح علیہ السلام
☐	ہدیٰ ہود علیہ السلام	اور	جمعیت شعیب علیہ السلام
☐	لطافت ہود علیہ السلام	اور	عبرت عزیر علیہ السلام
☐	شکوہ سلیمان علیہ السلام	و	اندوہ یحییٰ علیہ السلام
☐	داد داؤد علیہ السلام	و	دعائے یونس علیہ السلام

[1] آج کل پاک و ہند میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد پینتیس کروڑ (350000000) سے متجاوز ہے۔

☐	ایابِ ایوب علیہ السلام	و	ذہابِ زکریا علیہ السلام
☐	امامتِ ہارون علیہ السلام	و	ایناسِ الیاس علیہ السلام
☐	زہدِ عیسیٰ علیہ السلام	و	علوِ موسیٰ علیہ السلام
☐	احسانیتِ لقمان علیہ السلام	و	اتقیاءِ خضر علیہ السلام
☐	مساعیِ الیسع علیہ السلام	و	کفالیتِ ذوالکفل علیہ السلام

علیھم الصلوٰۃ والسلام

یہ ایسے الوان گوناگوں ہیں جو الٰہی شمسِ حقیقت کے پیکر نوری میں مجتمع ہیں۔ رحمۃ للعالمینی کا وہ رنگ ہے جس نے ان الوان کو اپنے اندر جمع کر لینے کے بعد اپنے رنگِ خاص میں رنگین بنا دیا ہے۔

6. کوثر سے مراد سید کثیر الخیر ہے۔ یہ معنی صاحب صحاح اللغات نے تحریر کیے ہیں۔

یقیناً حضور ﷺ سید ولد آدم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور ﷺ کو "یٰسٓ" کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔

بالیقین حضور ﷺ کثیر الخیر ہیں اور سید ہیں۔ حضور ﷺ ہی وہ مشعلِ ہدایت ہیں کہ ظلماتِ کفر و شرک کو دور فرمایا۔

حضور ﷺ ہی وہ سراجِ منیر ہیں کہ چشمِ کورِ سواد کو بینائے حقائق بنایا۔

حضور ﷺ ہی وہ نورِ بخت ہیں کہ قلبِ عالم کو منور اور روحِ اعظم کو مستنیر فرمایا۔

حضور ﷺ ہی وہ عبدِ کامل ہیں کہ انسانیت کو تختِ سیادت پر بٹھلایا۔

الغرض عطیہ کوثر نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے اور امید ہے کہ فردائے قیامت کو تشنگانِ جمالِ حضور ﷺ کے زلالِ الطاف سے بہرہ یاب اور عطشانِ خشک زبان حضور کے جامِ کوثر سے ضرور شاد و سیراب ہوں گے۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ۔ (آمین)

خصوصیت نمبر 12

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًاO لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًاO وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا﴾ [الفتح:1-3]

1. آیت بالا میں فتح مبین کے وقوع کی خبر دی گئی ہے اور اس کے نتائج بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔
2. مقدم و مؤخر ذنب کا غفران
3. اتمامِ نعمت
4. صراطِ مستقیم کی ہدایت
5. نصرِ عزیز کی یاوری و معیت

علمائے کرام نے ذنب ما تقدم و ما تاخر پر خوب بحث کی ہے اور ان کا غفران بتلایا ہے۔

① کسی نے ماتقدم وما تاخر سے زمانہ قبل نبوت مراد لیا ہے اور معانی یہ بتلائے کہ امور جاہلی کے غفران کی خبر دی گئی ہے:

امام سبکی ؒ کا اس پر اعتراض یہ ہے کہ نبی ﷺ تو کبھی قبل از نبوت بھی امور جاہلیہ میں سے کسی امر میں آلودہ نہ ہوئے تھے لہٰذا ناکردہ فعل کے غفران کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔؟

② امام زمخشری ؒ اور بیضاوی ؒ نے ذنب سے مراد معمولی لغزشیں بتلائی ہیں اور بتایا ہے کہ رب العالمین نے ایسی حرکات کو بھی محل لطف وعنایت بنا دیا۔

امام سبکی ؒ کا اعتراض ہے کہ ایسی لغزشوں کا بھی ثبوت کچھ نہیں اور بالمقابل اس کے عصمت انبیاء ؑ کا مسئلہ مسلمہ ہے۔ انبیاء سے نہ صدور کبائر ہوتا ہے، نہ صدور صغائر، لہٰذا یہ توجیہ نادرست ہے۔

③ امام سبکی ؒ نے خود یہ معنی لکھے ہیں اور شیخ عبدالحق حقی محدث دہلوی ؒ نے انہی معنی کی تحسین وتعریف کی ہے کہ یہ آیت کسی لغزش یا گناہ کے وقوع کی اطلاع نہیں دیتی، بلکہ از راہ تشریف وتکریم یہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی لغزش کا امکان بھی تصور کر لیا جائے تو وہ بھی بخش دی گئی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ مقصود کلام اثبات ذنب اور پھر غفران بعد از اثبات نہیں بلکہ اس جگہ مطلقاً نفی ذنب مراد ہے۔

④ قاضی عیاض ؒ نے بھی لفظ مغفرت کو تبریہ از عیوب کے معنی میں لیا ہے۔

⑤ تفسیر خازن میں عطاء خراسانی ؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ ذنب ماتقدم سے مراد آدم وحوا ؑ کا ذنب اور ذنب ماتاخر سے مراد امت کا ذنب ہے۔

ان اقوال میں سے قارئین کو جو قول پسند ہو، اسے قبول کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ علماء کی اس قدر شرح وبیان کے بعد کچھ باقی رہ جاتا ہے:

وجہ اشکال ایک یہ ہے کہ ﴿ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ ﴾ [الفتح:2] سے بظاہر اثبات ذنب واضح ہو جاتا ہے اور یہ بالاجماع عقیدہ جمہور امت کے خلاف ہے۔

اور اشکال دوم کی وجہ یہ ہے کہ لِيَغْفِرَ کے حرف لام کو بہ معنی کے بیان کیا گیا ہے اور اس وقت یہ دشواری آ پڑتی ہے کہ فتح مکہ کو سبب مغفرت قرار دینے میں کیا علاقہ ہے؟ یا کیا خوبی ہے؟

متعدد علماء کے اقوال عدیدہ کو دیکھ کر میں نے سمجھا کہ اس بارہ میں مزید معنی بیان کرنے کی بھی گنجائش ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ الفاظ ﴿ فَتْحًا مُّبِيْنًا ﴾ سے مراد فتح مکہ لینا ہی غلط ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں نیز سنن ترمذی میں انس ؓ سے روایت ہے کہ ﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ ﴾ کا نزول صلح حدیبیہ کے انجام پر ہوا تھا۔ [1]

ہمراہیان رسول پاک ﷺ کو اس امر کا رنج وقلق تھا کہ قریش نے نبی ﷺ اور اصحاب النبی ﷺ کو مقام حدیبیہ سے آگے نہ بڑھنے دیا، طواف کعبہ نصیب ہوا اور نہ قربان گاہ تک قربانی کے جانور پہنچے۔ حتی کہ اس میدان میں قربانیاں کی گئیں اور احرام کھولا گیا۔

الغرض اس ناکامی کو مسلمان سختی سے محسوس کرتے تھے، مگر وہ معاہدہ جو اسی مقام پر فریقین کے درمیان طے ہو گیا تھا، اس کی

[1] بخاری: 3118، مسلم: 4633

اہمیت قانونی، اخلاقی، آئینی کا اندازہ بہت کم بزرگوں کو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں اسی اہمیت کو ظاہر فرمایا اور ان نتائج اور فوائد اور برکات کو آشکارا فرمایا جو انعقاد صلح کے مترتب ہونے والے تھے۔

صحیح بخاری (باب عمرۃ الحدیبیہ) میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تم لوگ یوم الفتح سے مراد فتح مکہ سمجھتے ہو، ہاں فتح تو وہ بھی ہے مگر (گروہ صحابہ) تو حدیبیہ کے دن بیعت الرضوان کو یوم الفتح قرار دیا کرتے تھے۔ [1]

روایت بالا سے واضح ہو گیا کہ معاہدہ حدیبیہ اور بیعت الرضوان کا نام ''فتح مبین'' ہے۔ اس جگہ معاہدہ حدیبیہ کے فقرات متعدد روایات کو جمع کرنے کے بعد درج کیے جاتے ہیں۔

هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ سُهَيْلُ بْنِ عَمْرٍو عَلٰى:

یہ وہ سمجھوتہ ہے جو محمد ﷺ بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو (کمشنر قریش) کے درمیان ہوا۔ یہ کہ:

1. اَنْ يُّخَلُّوْا بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْبَيْتِ فَنَطُوْفُ بِهٖ مِنَ الْعَامِ الْمُقْبِلِ

سال آئندہ میں مسلمانوں کو بیت اللہ اور طواف سے نہ روکا جائے گا۔

2. وَ لَا يَدْخُلُ مَكَّةَ بِالسِّلَاحِ اِلَّا السَّيْفُ فِي الْقِرَابِ ، يَخْلُوْنَ لَهٗ مَكَّةَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

مسلمانوں کے ساتھ ہتھیار نہ ہوں گے بجز تلوار کے جو میان سے باہر نہیں نکالی جائے گی مکہ مسلمانوں کے لیے تین (3) دن تک خالی چھوڑ دیا جائے گا۔

3. وَلَا يَخْرُجُ مِنْ اَهْلِهَا بِاَحَدٍ اِنْ اَرَادَ اَنْ يَّتْبَعَهٗ وَ اَنْ لَّا يَمْنَعَ مِنْ اَصْحَابِهٖ اَحَدًا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّقِيْمَ بِهَا۔

اس وقت اہل مکہ میں سے کوئی شخص اگر مسلمانوں کے ساتھ جانے کا ارادہ بھی کرے تو اسے ساتھ نہیں لے جایا جائے گا، لیکن اصحاب محمد ﷺ میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہیں روکا جائے گا۔

4. وَ عَلٰى اِنْ جَآءَ الْقُرَيْشُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ اِلَى الْمُسْلِمِيْنَ

اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے پاس پہنچ جائے گا تو اسے واپس نہ کریں گے

5. وَ مَنْ جَآءَ الْمُسْلِمِيْنَ مِنَ الْقُرَيْشِ يَرُدُّوْهُ اِلَى الْقُرَيْشِ

لیکن اگر قریش کا کوئی شخص مسلمانوں کے پاس چلا جائے تو وہ اسے واپس کر دیں گے۔

6. وَ عَلٰى مَنْ اَحَبَّ اَنْ يَّدْخُلَ فِيْ عَقْدِ مُحَمَّدٍ وَ عَهْدِهٖ دَخَلَ فِيْهِ وَ مَنْ دَخَلَ فِيْ عَقْدِ قُرَيْشٍ وَّ عَهْدِهِمْ دَخَلَ فِيْهِ .

قبائل میں سے جو کوئی پسند کرے وہ محمد ﷺ کی طرف داخل ہو سکتا ہے اور جو کوئی قریش کی جانب کو پسند کرے وہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو گیا ہے۔

7. وَعَلٰى اَنَّ الْحَرْبَ تُوْضَعُ بَيْنَهُمْ عَشْرَ سِنِيْنَ .

دس سال تک فریقین میں جنگ بند رہے گی۔

8. وَ عَلٰى اَنَّ بَيْنَنَا عَيْبَةً مَّكْفُوْفَةً فِيْ صُدُوْرٍ سَلِيْمَةٍ [2]

آپس کے سب جھگڑے فراخ حوصلگی کے ساتھ طے کیے جائیں گے۔

---

[1] بخاری: 4834-4835 [2] بخاری: 2700، 2731، 2732؛ مسلم: 1784، 4631؛ سیرت ابن ہشام: 2/317، 318؛ زاد المعاد: 1/383

معاہدہ بالا کو اگر دنیا کا کوئی سٹیٹس مین (مدبر و سیاست دان) دیکھے گا تو سمجھ لے گا کہ مسلمانوں نے بہت ہی دب کر، بلکہ گھٹیا شرائط پر معاہدہ کیا تھا۔

لیکن ہادی اسلام ﷺ نے اسی کو فتح مبارک بتلایا اور قرآن حمید نے اسی کو فتح مبین فرمایا۔ وہ کھلی فتح کیا ہے؟

① وہ یہ ہے کہ کینہ توز جنگ آور قریش نے دس سال (10) تک چپ رہنے، جنگ نہ کرنے کا عہد کیا۔

② وہ فتح یہ ہے کہ جانبین میں آمد و رفت کی راہ کھل گئی۔

③ وہ فتح یہ ہے کہ اب مسلمانوں کو قبائل کفار میں تبلیغ کا موقع مل گیا۔ حقیقت اسلام کو سمجھنے کے بعد جھوٹے شکوک زائل ہونے لگے اور ظنون باطل ٹھہرے۔

لفظ فتح کا استعمال جنگ کی فیروز مندی پر بھی کیا جاتا ہے اور حل مشکلات پر بھی اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے۔

اسلام کے لیے یہی فتح مبین تھی کہ اشاعت اسلام کی دشواریاں جاتی رہیں۔

اب آیت زیب عنوان کا لفظ ذنب غور طلب ہے۔

1 اس کے معنی گناہ بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق خلاف ورزی احکام شرعیہ کے معنی میں ہے۔

2 اس کے معنی الزام کے بھی ہیں اور گناہ کا اطلاق ملکی یا قومی یا حکومت کے احکامات کی خلاف ورزی میں کیا جاتا ہے۔

جب ہم ذنب بفتحتین کو دیکھتے ہیں جس کے معنی ''دم'' ہیں تو اشتقاق اوسط کے اصول پر ذنب بالفتح و سکون ثانی کے معنی بھی متبادر ہو جاتے ہیں۔ یعنی ہر ایک وہ الزام جو کسی شخص کے پیچھے لگا دیا گیا ہو۔

ذنوب بفتح اول۔ اس ڈول کو کہتے ہیں جو رسی کے سرے پر بندھا ہوا ہو۔ یہ بھی اسی وضع لغوی کی جانب رہبری کرتا ہے۔

لہٰذا کیا ضروری ہے کہ آیت بالا میں ذنب کا ترجمہ گناہ کیا جائے اور پھر سمجھا جائے کہ کوئی گناہ واللہ کا تھا۔

قرآن مجید کی زبان سے سنو، موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں:

﴿ وَ لَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ﴾ [الشعراء:14]

''انھوں نے مجھ پر ایک الزام لگا رکھا ہے اور میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔''

ظاہر ہے کہ فرعون یا قوم فرعون کے مقابلہ میں موسیٰ علیہ السلام نے کسی گناہ شرعیہ کا ارتکاب نہیں کیا تھا لہٰذا اس کا ترجمہ ''الزام'' بھی صحیح ہے۔

قانوناً لفظ ''الزام'' اور لفظ ''جرم'' کے معنی میں بہت تفاوت ہے۔ ''الزام'' کا اطلاق اس نسبت سے جرم پر کیا جاتا ہے کہ بادی النظر میں الزام لگا سکنے والی طاقت کے نزدیک کسی شخص پر کسی فعل ممنوعہ ملک یا قانون کا مرتکب ہونے کی بابت گمان کیا جا سکے۔ اور ''جرم'' کا اطلاق اس فعل ممنوعہ ملک یا قانون کے ارتکاب ثابت ہو جانے کے بعد کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر فرعونیوں نے قتل عمد کا الزام لگا رکھا تھا اور اس فعل کے ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزا قتل و قصاص تھی۔

موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کی ذہنیت کو سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ یہ سطحی دماغ سے نہ تو ''نیت'' کی ضروری شرط کا خیال رکھیں گے اور نہ اس فرق کو سمجھیں گے کہ ایک تھپڑ کا لگ جانا کیا عادتاً منجر بہ ہلاکت ہو سکتا ہے یا تھپڑ لگانے والے کے علم میں یا احتمال میں اس کا منجر بہ

ہلاک ہونے کا ظن غالب ہوسکتا ہے۔

اگر ان ضروری مباحث قانونی کو الزام بر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ شامل کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام پر جو الزام قتل لگایا گیا تو وہ 323 تعزیرات ہند سے بھی گھٹ کر محض ایک تادیبی فعل رہ جاتا ہے جس کا صدور نیک نیتی سے ہوا اور قانوناً کوئی جرم نہیں بنتا۔

2 حدیث میں ہے: إِذَا تَصَافَحَا لَمْ يَبْقَ بَيْنَهُمَا ذَنْبٌ جب دو شخص آپس میں مصافحہ کرتے ہیں ہیں تو ان میں باہمی کوئی ذنب باقی نہیں رہتا۔ [1]

صاحب مجمع البحار نے ذنب کے معنی میں اس جگہ تحریر کیا ہے: اىْ غِلٌّ وَّشَحْنَا یعنی ذنب کے معنی یہاں کینہ اور تنگ دلی ہیں۔

4 قرآن مجید کی ایک دوسری آیت ہے: ﴿ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یہاں نبی اور مؤمنین کے واحد ذنب کا ذکر ہے۔

ان جملہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت زیب عنوان میں ذنب بمعنی الزام قوم ہے، اور ''ما تقدم'' سے مراد زمانہ قبل از ہجرت اور ما تاخر سے مراد زمانہ بعد از ہجرت ہے۔ علماء سیرت آگاہ ہیں کہ نبی ﷺ پر کفار نے جو جو الزامات واتہامات لگائے تھے، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے قبل از ہجرت الگ تھے اور بعد از ہجرت الگ۔

اتہامات قبل از ہجرت

یہ کاہن ہے، یہ شاعر ہے، یہ مجنون ہے، یہ ساحر ہے۔ یہ اوروں سے سن سن کر فسانے بنالیتا ہے، اس کے پاس غیر قوم کا کوئی شخص ہے جو اسے ایسی پڑھت پڑھاتا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

الزامات بعد از ہجرت

یہ قوم میں پھوٹ ڈالنے والا ہے، ملک کو اجاڑنے والا ہے، بھائی کو بھائی سے، بیٹے کو ماں سے جدا کرنے والا ہے، ہماری تجارت کو مخدوش کر دیا، قومی انتظامات کو پراگندہ کر دیا، وغیرہ وغیرہ۔

مومنین پر بھی ایسے ہی الزامات لگائے جایا کرتے

بے عقل ہیں، کوتاہ بین ہیں، کمینے ہیں، غلام ہیں، ناقابل التفات ہیں۔ آیت ﴿ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُهُمْ ﴾ ''ان کی نگاہوں میں حقیر ہیں۔'' میں انہی امور کی طرف اشارہ ہے۔ اجی! یہ تو وہ ہیں کہ روٹی نہ ملے تو سب کے سب محمد ﷺ کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جائیں۔

آیت ﴿ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ﴾ [المنافقون:7] ''جو شخص رسول ﷺ کے اردگرد ہیں ان کو خرچ نہ دو یہ خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔'' میں یہی بات ان کو بتائی گئی ہے۔

عروہ بن مسعود نے بھی جب وہ قبل از اسلام نبی ﷺ کے حضور میں سفیر قریش کی حیثیت سے آیا تھا۔ یہی الزام مسلمانوں کو رُو در رُو مسلمانوں پر لگایا تھا کہ یہ سب تو تجھے چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ اس کا جواب سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عروہ کو نہایت ذلیل کن الفاظ میں دیا تھا۔

---

[1] کنز العمال: 25341، مجمع الزوائد: 37/8، طبرانی: 337/8

اب آیت کا مطلب یہ ہوا کہ حدیبیہ کی فتح مبین کا پہلا ثمر شیریں یہ ہوگا کہ کفار اور مسلمین کے مل بیٹھنے سے سب اگلے پچھلے الزامات اٹھ جائیں گے، دب جائیں گے، زیر خاک ہو جائیں گے۔ لفظ غَفَرَ کے لغوی معنی بھی یہی ہیں: صداقت رسول ﷺ آشکار ہوگی۔ بصارت کھل جائے گی۔ بصیرت بیدار ہوگی۔ اتہامات والزامات کی لغویت کا خود ان لوگوں کو اقرار بہ ندامت وانفعال کرنا ہوگا۔

تاریخ گواہ ہے کہ فی الحقیقت یہ نتائج اس صلح کے بہت جلد مترتب ہو گئے تھے۔

بشارت دوم: ﴿ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ ﴾ [الفتح:6] ہے۔ ''اللہ اپنی نعمت کو آپ پر پورا کرے گا۔''

یعنی صلح حدیبیہ کا ثمر دوم اتمام نعمت ہوگا۔ آیت بالا میں جس کا سال نزول 6ھ ہے۔ اتمام نعمت کا وعدہ ہے اور آیت

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ﴾ [المائدۃ:3]

''میں نے آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا۔''

میں جو 9 ذی الحجہ 9ھ کو نازل ہوئی، اس وعدہ کے ایفا کی خبر ہے۔ اتمام نعمت کے معنی ہیں اتمام اشاعت دین اور کمال تبلیغ دین متین اور اس تبلیغ کے مبارک ثمرات شامل ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے انعقاد کے بعد جو تبلیغ کہ قریش اور خلفائے قریش کے اندر رکی ہوئی تھی وہ روک بھی اٹھ گئی۔ موانعات کے دور ہو جانے سے لوگ اسلام کو سمجھنے لگے تھے، پھر پچاسوں اور سینکڑوں کی تعداد میں داخل اسلام ہونے لگے تھے۔

بشارت سوم: ﴿ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ [الفتح:2] ہے، ''سیدھی راہ پر اللہ تجھے لے چلے گا۔''

جو صلح کا تیسرا ثمر شیریں ہوا۔ یعنی جس صراط مستقیم پر مخالفین سنگ راہ بنے ہوئے تھے، جس شاہراہ ہدایت کو مشرکین نے روک رکھا تھا وہ صاف ہو جائے گی۔ اور حضور کو اپنی تعلیم پر چلانے اور سالکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔

بشارت چہارم: ﴿ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴾ [الفتح:3] ''اللہ تیری مدد زبردست نصرت کے ساتھ فرمائے گا''

ہے جو اس صلح کا چوتھا مبارک نتیجہ ہوگا۔

یعنی نصرت الٰہیہ پوری طاقت اور نمایاں غلبہ کے ساتھ آشکار ہوگی۔ قلوب میں کشش، ارواح میں ذوق پیدا ہو جائے گا۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں نہیں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ صداقت کے جویا، حقیقت کے طالب بن جائیں گے۔ حتیٰ کہ

﴿ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ﴾ [النصر:2] ''اللہ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔''

کا نظارہ چشم ظاہر بین کو بھی نظر آنے لگے گا۔

نصرت الٰہیہ کا اس آیت میں ذکر ہے:

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ ﴾ [التوبہ:40]

''اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ نے تو اس کی مدد اس وقت بھی کی جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا اور رسول ﷺ اس وقت دو میں سے دوسرا تھا اور وہ دونوں اس وقت غار میں تھے۔''

ہاں! نصرت الٰہیہ ہی کا کرشمہ تھا کہ نبی ﷺ اور صدیق رضی اللہ عنہ دونوں غار کے اندر موجود ہیں اور کفار اشرار بر سر غار کھڑے ہیں اور اتنے قریب ہیں کہ اگر ذرا جھک کر دیکھ لیں تو غار کی اندرونی حالت دیکھ سکیں، مگر نصرت ربانی کام کر رہی ہے۔ یہ لوگ منہ پر آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے ہو گئے ہیں۔

غار سے برآمدگی کے بعد مدینہ تک پہنچ جانا بھی آسان نہ تھا، قریش کے انعام اور بت پرستوں کے ذاتی انتقام نے تمام راستہ کو نہایت مخدوش بنا دیا تھا۔ یہ تین سو (300) میل کا راستہ سینکڑوں اعداء دین کا روکا ہوا تھا۔ پھر بھی نصرت سبحانی سے یہ خوفناک سفر خوش اسلوبی سے طے ہو جاتا ہے۔ بنوکنانہ کے مدلجی سردار نے اگر تعاقب بھی کیا تو منہ کی کھائی اور بریدہ اسلمی نے بھی اگر تعاقب کیا تو زمرہ خدام میں منسلک ہو گیا۔ حضور ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کی اطلاع و بشارت بھی ایک یہودی بچہ اس اہل ایمان تک لے جاتا ہے اور اہل مدینہ اس نعمت خداداد سے درجہ تکمیل پر فائز ہو جاتے ہیں۔ صراط مستقیم پر چلنے والوں کی تعداد روز افزوں ترقی کے ساتھ بڑھنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ یہود کی آنکھیں بھی اس نظارہ سے جس کی خبر حقوق نبی نے دی تھی پتھرا جاتی ہیں۔

اب چھ (6) سال بعد مدینہ سے ٹھیک جنوب میں یعنی ام القریٰ اور اس کے حوالی میں قدرت ربانیہ اور نصرت الٰہیہ کو نتائج صلح حدیبیہ کا دکھلانا منظور ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے نمایاں ہو جاتا ہے کہ فتح مبین اور اتمام نعمت اور ہدایت راہ مستقیم و عزت کے معنی سیرت رسول پاک ﷺ ہمیشہ سے مشکلات اشاعت کی دوری اور موانعات تبلیغ کا اندفاع کر رہے ہیں جس کا نتیجہ اعلائے کلمۃ الحق اور ظہور صداقت و بروز حقیقت رہا ہے۔

بے شک یہ سب وعدے، یہ جملہ بشارات حضور ﷺ ہی کی حیات طیبہ میں منجانب اللہ پورے فرمائے گئے تھے۔ لہٰذا آیت زیب عنوان حضور ﷺ کی رفعت شان اور منصب عظیم کی مظہر اتم ہیں اور حضور ﷺ کی خصوصیات کی مبرہن کرنے والی ہیں۔

مندرجہ بالا تحریر کا مطلب یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور ﷺ سراپا نور کے مغفور الذنب ہونے کا کوئی منفی پہلو اس سے نکل سکتا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

تحریر بالا تو حضور ﷺ کے مدارج علیا کی اور زیادہ وضاحت کن ہے۔ اگر وہ ذات قدسی جسے رب العالمین نے

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ [الاحزاب:21]

''تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات بہترین نمونہ ہے۔''

فرما کر اہل عالم و عالمیان کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا ہے، مغفور الذنب نہ ہو تو پھر عصمت انبیاء کے کیا معنی رہ سکتے ہیں؟

میرا تو ایمان ہے کہ حضور ﷺ ہی صاحب مقام محمود ہیں، منزلت وسیلہ کے سریر آرا (تخت نشین) ہیں، شفیع المذنبین ہیں۔ شفاعت کبریٰ حضور ﷺ ہی کے لیے خاص ہے: اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِيْ وَ لِوَاءُ الْحَمْدِ بِيَدِيْ ''آدم اور ان سے نیچے سب برگزیدہ لوگ میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے اور حمد کا جھنڈا اس روز میرے ہاتھ میں ہوگا۔''[1] حضور ﷺ ہی کا مرات کمال ہے۔

الغرض عصمت کاملہ اور شفاعت کبریٰ کے مناصب کے ساتھ ساتھ آیات زیب عنوان سے ان معانی کا استفاضہ بھی ہو گیا کہ اعداء دین نے جو الزامات سرور کائنات ﷺ پر لگائے تھے، ان کا ازالہ بھی حضور ﷺ کی پاک ترین حیات ہی میں ہو چکا تھا۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ معاہدہ کرتے وقت چالاک دشمن نے جن شرائط کو اپنی برتری اور اشاعت اسلام کی مسدودی کا ذریعہ سمجھا تھا، وہ سب بیت العنکبوت (مکڑی کا گھر) ثابت ہوئیں۔

---

[1] ترمذی: 3148

قریش نے سمجھا تھا کہ جب تو مسلم لوگ اکسٹراڈیشن (تحویل مجرم کا قانون، Extradition) کے مجرم بن جائیں گے تو قریش کے جبر وستم اور بند و قید کے خوف سے آئندہ کوئی شخص اسلام میں داخل نہ ہوگا۔

نیز جب مرتدین کو یہ سہارا مل جائے گا کہ وہ ترک اسلام کے بعد بھی قریش کی پناہ میں آ کر جملہ حقوق شہریت سے متمتع رہ سکیں گے اور مسلمان ان کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے تو بیسیوں مسلمان بھی مرتد ہو جائیں گے، مگر یہ دونوں خیال جھوٹے نکلے اور صرف اشاعت اسلام نے ان کی جملہ تدابیر کو خاک میں ملا دیا اور علیم الحکیم نے اسی معاہدہ کو فتح مبین اور نصر عزیز بنا دیا۔

بے شک کوتاہ بین آنکھ تو یہ نہ دیکھ سکتی تھی کہ وہ دو شخص جو رات کی تاریکی میں گھروں سے نکلے اور غار کی تہہ میں چھپ کر رہے، یہی کل دنیائے روحانیت کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی روحانیت سے شرک کی ظلمت اور جہل کی تاریکیاں دور ہوئیں، توحید کا نور گھر گھر پہنچا اور خلیفۃ الرسول کی روحانیت سے اسود عنسی اور مسیلمہ، سجاح کی نبوت کاذبہ کے دعاوی مغاک ہلاک میں ڈالے گئے اور ہر ایک گمراہ کن کی بنیادیں مستاصل کی گئیں۔

اسی طرح اور بالکل اسی طرح اس معاہدہ کے وقت کوتاہ اندیشان قریش کی عقل اور سمجھ سے یہ بات باہر تھی کہ جو مسلمان مسلمانوں سے بہ طور مجرم حاصل کیے جائیں گے وہی لوگ حبس و زندان میں بیٹھے ہوئے مبلغ اسلام کی شان دکھلائیں گے اور بیسیوں کو مسلمان کر سکیں گے۔

جو لوگ ''اسلام بزور شمشیر'' کا جھوٹا اتہام لگایا کرتے ہیں وہ بھی اس معاہدہ پر غور کر لیں کہ اسلام سے پھر جانے والوں کی حمایت اور پناہ کی ذمہ داری قریش کی زبردست قوم اپنے اوپر لیتی ہے۔ ان کی آبادی اور سکونت کے انتظام کی حامی بھرتی ہے اور بایں ہمہ کوئی ایک شخص بھی نہیں نکلتا، جس سے اس حمایت وحفاظت وجنبہ داری کا فائدہ اٹھایا ہو۔

الختصر آیات زیب عنوان سے نبی ﷺ کی خصوصیات بخوبی آشکار ہیں اور مضمون ہذا کی مناسبت سے اس قدر لکھ دینا کافی ہے۔

وَ صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلٰى نَبِيِّهٖ وَ حَبِيْبِهٖ وَاٰلِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَ ذُرِّيَّاتِهٖ وَ بَارِكْ وَ سَلَّمَ

خصوصیت نمبر 13

﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ رَمٰى ﴾ [الانفال:17]

''جب تو نے پھینکا تھا تب تو نے نہ پھینکا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا''

یہ آیت سورۂ انفال کی ہے، سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حبر الامت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ سورۂ انفال کا نزول بہ مقام بدر ہوا۔ [1]

لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جس واقعہ کی طرف آیت بالا میں اشارہ ہے، وہ بھی غزوہ بدر ہی کے واقعات سے ہے۔

اہل التفسیر و اہل مغازی کا اتفاق ہے کہ نبی ﷺ نے قریش کے لشکر کو دیکھا تو زبان سے کہا، الٰہی! یہ قریش ہیں، فخر و غرور میں چور، تیرے نافرمان، تیرے رسول ﷺ کے مکذب، میں تیری موعودہ نصرت کا طالب ہوں، جبریل علیہ السلام آئے۔ کہا حضور ﷺ ایک

[1] بخاری :4029,4882,4645,483؛ مسلم:4758

مشت خاک لیجیے اور قریش کی طرف پھینک دیجیے اور نمونہ قدرت باری ملاحظہ کیجیے۔

نبی ﷺ نے کنکریوں والی مٹی کی مٹھی بھر لی اور لشکر اعداء کی طرف پھینک ماری۔ اس لشکر خودسر میں ایک ہزار (1000) کے قریب وہ لوگ تھے، جن کے کبروافتخار کی کوئی حد ہی نہ رہی۔ یہ مٹھی بھر خاک ہر ایک کی آنکھ میں پہنچی اور ان بے بصران حقیقت کو بتلا گئی جو رسول پاک ﷺ کی شان سے اندھے ہیں وہ اسی امر کے سزاوار ہیں کہ ان کی آنکھیں پھوٹیں اور خاک راہ ان کے لیے سرمہ بنے۔

واقعہ عجیب تھا کہ مشت خاک اور ایک ہزار (1000) اعمی القلوب کی آنکھوں کو تیرہ کر جائے، اس لیے قرآن مجید نے یہ راز کھول دیا کہ اس میں دست قدرت شامل ہے اور قدرت کے کام ہمیشہ عقل انسانی کے لیے عجوبہ رہے ہیں اور رہیں گے۔

بعض لوگوں نے دیکھا کہ ﴿مَا رَمَيْتَ﴾ کی نفی اور ﴿إِذْ رَمَيْتَ﴾ کے اثبات میں اور ﴿وَلَـٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ کے نتیجہ سے اتحاد ذات اور حلول کا مسئلہ نکلتا ہے۔ لہذا یہ سمجھ گئے کہ یہی آیت ہے جو حقیقت محمدیہ ﷺ کے چہرہ سے برقع کشا ہے، مگر ایسی سمجھ میں خوش فہمی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس آیت کے حقائق میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے:

کہ نبی ﷺ کے خلق عظیم کو دیکھتے ہوئے حضور ﷺ کی عفو اور درگزر اور قوم پروری پر نگاہ کرتے ہوئے یہ واقعہ اعداء کی نگاہ میں بھی اس لیے تعجب خیز تھا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تو کبھی بدی کا بدلہ لینے والے نہ تھے۔ ان کا ہاتھ کسی کی ضرر رسانی کے لیے کبھی اٹھتا نہ تھا، ہم لوگوں نے تیرہ (13) سال تک مکہ میں سن سن کر دیکھ لیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں اف تک نہ کرتے تھے، ہاتھ میں جنبش دینا تو کجا، زبان کو ہمارے خلاف نہیں ہلاتے تھے۔ آخر محمد ﷺ کو کیا ہو گیا کہ اس کی عادت بدل گئی؟ کیا اس کی فطرت میں تبدیلی آ گئی؟ کیا اب بھی خلق محمدیہ ﷺ کو دنیا کے لیے نمونہ بنایا جائے گا؟

رب العالمین کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے حبیب پاک ﷺ کے اخلاق کی نسبت ایسی باتیں رموزاً بھی کہی جائیں، جھٹ اس کی نفی فرما دی اور بتلا دیا کہ اخلاق محمدیہ ﷺ تو وہی ہیں جو دنیا بھر میں مسلمہ ہیں، مگر اس واقعہ میں ہمارے نبی کا ذاتی فعل شامل نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے ہمارے حکم کی تعمیل میں وہی کام کیا جو تیرانداز کے ہاتھ میں ایک کمان کا ہے۔ لہذا ہمارے رسول ﷺ کی ذات کے متعلق کوئی لفظ زبان سے مت نکالو اور اسے ہمارے ہی جلال کی شان سمجھو۔

﴿إِذْ رَمَيْتَ﴾ میں فعل کا اثبات اسی حیثیت سے ہے جو کمان کا تیراندازی میں ہے اور ﴿مَا رَمَيْتَ﴾ فعل نبوی ﷺ کی نفی اسی حقیقت پر ہے جو تیرانداز کے سامنے کمان کی ہے۔ لہذا آیت کا محل اصلی ذات رسول ﷺ ہے اور اہل اسلام کے لیے سبق ہے کہ ہم سب پر بھی اعداء کے ان اعتراضات کی جوابدہی لازم و واجب ہے جو حضور ﷺ کی ذات گرامی پر کوئی مخالف اپنی کم بصری و کوتاہ بینی سے زبان پر لاتا ہو۔

کمان کو تیرانداز اور بندوق کو نشانہ باز کے ساتھ اتحاد و حلول کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ صحیح ہے؟ ہاں! آیت ایک اور حقیقت کا بھی اظہار کرتی ہے، اسی سورہ انفال کو پڑھو کفار مکہ کی درخواست اللہ تعالیٰ سے یہ ہوا کرتی تھی۔

﴿اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ [الانفال:32]

''الٰہی! یہ محمد ﷺ کی نبوت اور تیرا نام لے کر آیات قرآنی کی تلاوت اگر وہ درحقیقت تیری ہی طرف سے ہے تو ہم پر آسمان سے پتھراؤ کیا جائے۔''

دیکھو! ان کی عقل پر کیا پتھر پڑ گئے تھے۔ یہ دعا تو کرتے ہیں کہ ہم پر پتھر برسیں اور یہ دعا نہیں کرتے کہ اگر محمد ﷺ سچا ہے، اس کی دعوت سچی ہے تو ہمارے دلوں کو کھول دے اور قبول حق کا جوش ہمارے اندر پیدا کر دے۔

ان پر پتھراؤ کا ہونا ضروری ہو گیا تھا، کیوں کہ حقانیت اسلام کے لیے انھوں نے اسی امر کو شرط ٹھہرایا تھا، لہٰذا رسول ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ ایک مشتِ خاک ان پر پھینک دو۔ جب یہ مشتِ خاک سب کی آنکھوں میں پہنچے گی تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی کہ ہاں اس طرح پتھروں کا آسمان سے برسنا بھی بعید نہیں۔

لہٰذا یہ رمی معجزہ بھی ہے اور منکرین کے لیے ان کی خود منہ مانگی بات کے اصول پر حجت و دلیل بھی۔ اس توجیہ کے ذیل میں یہ یاد رکھنا چاہیے۔

کہ رمی تجارہ سے رامی کا مقصد ان لوگوں سے براءت و بیزاری کا اظہار بھی ہے، جو مغوی اور شرارت پیشہ ہوں جو بوجہ خبث باطن حقانیت و صداقت سے اس قدر دور ہو چکے ہوں کہ بظاہر آثار رشد بھی ان سے معدوم ہو چکے ہوں۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بمقام منیٰ مغوی شیطان پر تین بار رمی جمرات فرمانا اور پھر نفاذ حکم الٰہی پر بکمال طوع و رغبت مستعد رہنا اسی اصول پر تھا۔

فرزند جلیل ﷺ اور دعائے ابراہیم علیہ السلام نے بھی بدر میں اسی نمونہ کا اتباع فرمایا، سیدنا ابراہیم علیہ السلام ایک شریر النفس کو خائب و خاسر بنانے میں کامیاب ہوئے تھے۔

فخر الانبیاء ﷺ کی ایک ہی مشت خاک نے ایک ہزار (1000) طاغی و باغی فوج اور ان کے ناپاک ارادوں کو خاک نشین فرما دیا۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسراو

الغرض یہ آیت حضور ﷺ کے خصائص خاص میں سے ایک خصوصیت کی مظہر ہے۔

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم

فصل دوم 2

خصوصیاتِ نبوت

خصوصیت نمبر 14

﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ [آل عمران:164]

”نبی لوگوں پر اللہ کی آیات کو پڑھ کر سناتا ہے۔“

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو انھوں نے چاہا کہ خدمت اسلام میں وہ کام کریں جو سخت مشکل ہو، مسلمانوں نے بتلایا کہ سب سے مشکل کام قریش کو قرآن مجید کا سنانا ہے۔ یہ دھن کے پکے تھے، قریش کے مجمع میں پہنچے اور تلاوت قرآن شروع کر دی۔ تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو ان کا سارا بدن لہولہان تھا اور زخموں نے چہرہ کو بے پہچان بنا دیا تھا۔ [1]

اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ لوگوں کو آیات قرآنیہ کا پڑھ کر سنانا کتنا کٹھن کام تھا اور نبی ﷺ ہر روز اسی کام میں لگے رہتے تھے، آبادی مکہ کے اندر ہر ایک مجمع میں حضور ﷺ پہنچتے تھے اور قرآن سناتے تھے۔ ہر شخص کو تنہائی میں ملتے تھے اور اسے پیام الٰہی پہنچاتے تھے۔

آبادی سے باہر بھی جتنے راستے آنے جانے والوں کے تھے، ان سب پر دن کی روشنی میں اور رات کی تاریکی میں حضور ﷺ جا پہنچتے تھے اور قرآن کی تلاوت سے آنے جانے والوں کے کانوں میں حکم الٰہی ڈالتے تھے۔

عرب کی کوئی مشہور منڈی اور مشہور میلہ ایسا نہ تھا، جہاں حضور ﷺ نہ پہنچے ہوں اور حضور ﷺ نے تبلیغ بذریعہ تلاوت اور اشاعت بذریعہ دعوت نہ فرمائی ہو۔ عکاظ کا ذرہ ذرہ اور طائف کا پتہ پتہ حضور ﷺ کی تلاوت کا گواہ ہے۔

غور کرو، اس گوہر مقدس کی جرأت و قوت، نجدت و جلالت پر رزم گاہ عالم میں جملہ افراد عالم بلکہ اقوام عالم کے خلاف اپنی زبان کھولتا ہے، ہر ایک کو انصاف سے ملزم ٹھہراتا ہے۔ ہر ایک کا شیشہ پندار سنگ براہین سے توڑتا ہے، ہر ایک کے بت بطلان کو سندان حقانیت پر پھوڑتا ہے۔

اسے نہ ضرب کا ڈر، نہ ضرر کا غم، نہ خوف و خطر کا اندیشہ۔ اس کا سینہ و جگر نیزہ و تیر سے دل نہیں چراتے، اس کی زبان بیان توحید سے بند نہیں ہوتی، اس کی سرگرمیاں لوگوں کی سرد مہری سے ٹھنڈی نہیں پڑ جاتیں۔ مال کی طمع، حکومت کی للچاہٹ اسے اپنے کام سے روک نہیں سکتی۔

اس تفصیل سے واضح ہو جاتا ہے کہ تلاوت آیات کتنا کٹھن، دشوار اور خطرناک کام تھا اور یہ نبی کریم ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، جسے حضور ﷺ نے ایسی خوش اسلوبی سے پورا کیا کہ اپنی آواز کو ہر ایک غافل تک پہنچایا۔ ہر ایک غفلت زدہ کو خواب سے چونکایا اور بالآخر سب کو ”بیدار“ کر کے چھوڑا۔

آج اگر کوئی شخص تلاوت قرآن کا عمل سہل و آسان سمجھتا ہے تو اسے بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مخالفین کے زمرہ میں تلاوت کا کام فی

[1] مسند امام احمد: 462/1، اسد الغابہ: 383/3

الواقع آج بھی آسان نہیں اور اب اگر کسی قدر سہولت پیدا بھی ہوگئی ہے تو یہ اسی تلاوت نبوی ﷺ کی برکت اور اثر ہے، جس کے لیے حضور ﷺ خود گوناں گوں مصائب اور بوقلموں نوائب کی برداشت کر چکے ہیں۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ تلاوت کی دو صورتیں ہیں:

1. خود اپنے لیے پڑھنا، اس کے آداب الگ ہیں، مثلاً تحسین صورت، حضور قلب، معانی پر فکر و تدبر، حقائق و معارف کی غواصی۔
2. دوسروں کو پڑھ کر سنانا، وہ دوسرے بھی کون؟ مخالفین دین، جن کے کان سننے سے اور دل سمجھنے سے سخت منکر ہوں۔

ان کو اس طرح سنانا کہ ثواب ابدی، عذاب اخروی، نعمائے الٰہی، رضوان ربانی سننے والے کو مشکل نظر آنے لگیں، بدن لرز جائے اور دل کانپ اٹھے، آنکھ کھل جائے اور طبیعت اپنے سابقہ اطوار سے رک جائے۔

یہ کام بے شک بدرجہ کمال حضور علیہ السلام ہی کے کرنے کا تھا اور قرآن گواہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کام کو عمدگی کے ساتھ سرانجام دیا اور اسی لیے حضور ﷺ کا یہ طریق ''خصوصیت'' میں داخل ہوا۔

خصوصیت نمبر 15

﴿وَيُعَلِّمُكُمْ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْـلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ:151]

''نبی تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔''

آیت کا خطاب جملہ اہل عالم سے ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی شان یہ ہے کہ ساری دنیا کو ان علوم کی تعلیم دیں، جن سے دنیا ناواقف و بے بہرہ ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام جیسے صادق اللہجہ نے استعداد مخاطبین اور قابلیت مستمعین کا اندازہ کرتے ہوئے اعلان فرما دیا تھا۔

اِنَّ لِيْ اُمُوْرًا كَثِيْـرَةً اَيْضًا لَا قُوْلَ لَكُمْ وَ لٰكِنْ لَا تَسْتَطِيْعُوْنَ اَنْ تَسْتَمِلُوْا الْاٰنَ وَ اَمَّا مَتٰى جَآءَ ذٰلِكَ رُوْحُ الْحَقِّ فَهُوَ يُرْشِدُكُمْ اِلٰى جَمِيْعِ الْحَقِّ۔ [1]

اردو انجیل کی عبارت یہ ہے:

''میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمھیں کہوں، پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ جب وہ یعنی روح حق آئے تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتا دے گی۔'' [2]

حضرت مسیح علیہ السلام کا قول بالا بتلا رہا ہے کہ جتنی تعلیم انھوں نے قوم کو دی، وہ کم تھی بہ نسبت اس تعلیم کے جو باقی رہ گئی تھی۔ اس فقرہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تعلیم کا سبب یہ نہ تھا کہ سننے والے ایسی ابتدائی حالت میں تھے کہ ان میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طاقت نہ تھی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایم اے پاس استاد کسی پرائمری کلاس کو تعلیم دینے لگے اور وہ ان کو بہت سی علمی باتیں بتا سکے اور نہ سمجھا سکے، اس لیے کہ شاگردوں کی سمجھ ناقص ہے۔

---

[1] یوحنا 16 باب۔ نقل از کتاب المقدس عربیہ مطبوعہ آکسفورڈ 1871ء [2] نقل از بائبل اردو مطبوعہ مرزاپور 1870ء یہ واضح رہے کہ الفاظ ''بتا دے گی'' بہ صیغہ مؤنث اس لیے ہے کہ اردو زبان میں روح مونث ہے، ورنہ آنے والے کا نام روح الحق ہے اور بہ صیغہ مذکر عربی عبارت میں موجود ہے۔

بہر حال نتیجہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام جیسے نیک استاد کی تعلیم کا حصہ اور بہت بڑا حصہ دنیا کو اس وقت نہ مل سکا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مسیحی مذہب کی اس کمی کو کسی زمانہ میں پورا کیا گیا، جہاں تک ہم کو عیسائی عالموں سے معلوم کرنے کا اتفاق ہوا، وہ بتاتے ہیں کہ پینتی کاسٹ کے دن اس کمی کو پورا کر دیا گیا۔

پینتی کاسٹ (Pante Cast) کا ذکر کتاب اعمال کے دوسرے باب میں ہے اور اس کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واقع رفع مسیح سے پچاس (50) دن بعد کا ہے، الغرض پہلے ہی سال کا۔

پینتی کاسٹ (Pante Cast) کے معنی کتاب احبار (موسیٰ کی تیسری کتاب) کے باب 22 میں یہ بتائے گئے ہیں کہ عید فصح کے ایام میں نذر کی قربانی کا پیش کرنا۔

ہاں کتاب اعمال سے ظاہر ہے کہ اس پینتی کاسٹ کے دن مسیح علیہ السلام کے بارہ (12) کے بارہ (12) شاگرد جمع تھے، ان کو ایک زور کی آواز سنائی دی اور شاگردوں کو جدا جدا آگ کی سی زبانیں (شعلے) دکھائی دیں اور وہ ہر ایک پر بیٹھے اور سب غیر زبانیں بولنے لگے۔ آواز سن کر لوگوں کی بھیڑ لگ گئی۔ سب حیران ہوئے۔ ایک دوسرے سے گھبرا کر کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا چاہتا ہے اور لوگوں نے ٹھٹھے سے کہا کہ یہ نئی شراب کے نشے میں ہیں۔ تب پطرس (Peter) نے اپنی آواز بلند کی اور لوگوں سے کہا کہ یہ نشے میں نہیں۔ [1]

16/2۔ یہ وہ ہے جو یوایل نبی کی معرفت فرمایا گیا کہ

17/2۔ خدا فرماتا ہے کہ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ میں اپنی روح میں سے تم پر بھیجوں گا۔

پطرس (Peter) کی تقریر کے بعد تین ہزار (3000) آدمی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ (خلاصہ از کیم تا 42 درس باب دوم اعمال)

پینتی کاسٹ (Pante Cast) کے دن جو کچھ ہوا، اس پر شک کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ غور کی ضرورت ہے۔ سوال تو یہ تھا کہ مسیح کی پیش گوئی جو باقی ماندہ صداقت کی کمل تعلیم کے متعلق تھی، کب پوری ہوئی؟ پینتی کاسٹ (Pante Cast) کے دن تو حضرت پطرس نے عین اس وقت جب کہ وہ روح القدس سے بھرپور تھا، یہ بتلا دیا تھا کہ یہ حالت وہ ہے جس کا ذکر یوایل نبی کی معرفت ہوا تھا۔

اب انصاف کا مقام ہے کہ پطرس مع روح القدس ظاہر کر رہا ہے کہ یوایل نبی کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ اور پادری بتلاتے ہیں کہ نہیں، بلکہ مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ کیا پادری کا یہ کہنا کہ پطرس کے سامنے سچ ٹھہرے گا اور پطرس روح القدس اس پادری کے سامنے جھوٹا قرار دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں کہ نہیں، ہرگز نہیں۔ لہٰذا نتیجہ یہ ہوا کہ پینتی کاسٹ (Pante Cast) کے دن مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری نہیں ہوئی اور مسیحی علماء اس دن کے سوا اور کسی دن کا حوالہ بھی نہیں دے سکتے جب مسیح علیہ السلام کی پیش گوئی پوری ہوئی ہو۔

ساری دلیل کا لب لباب یہ ہوا کہ عیسائیوں کو بہت زیادہ صداقت کی باقی ماندہ تعلیم کبھی بھی نہیں ملی تھی۔

آیت زیب عنوان بتلاتی ہے کہ ﴿ مَالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرۃ:151] کی تعلیم نبی ﷺ ہی نے دنیا کو دی تھی۔

اس دلیل کی صحت اس اندرونی شہادت سے بھی ہو جاتی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو فرمایا تھا کہ روح الحق اس کامل صداقت کی تعلیم دے گا جو مسیح علیہ السلام نہیں دے سکے تھے اور اس پینتی کاسٹ (PanteCast) کے دن کسی ایک نئی بات کی تعلیم بھی نہیں دی گئی۔

---

[1] (Peter) عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا۔ سنہ 67ء میں پھانسی دی گئی۔

پطرس (Peter) نے اس واقعہ کو یوایل نبی کی پیش گوئی بتلایا یا صلیب مسیح کا واقعہ سنایا، مگر تعلیم کچھ بھی نہ دی گئی تھی۔

اندریں حالات ہماری برہان مکمل ہو جاتی ہے کہ عیسائیوں کو ابھی بہت کچھ سیکھنا تھا۔

اس کے بعد یہودیوں کی حالت سنو۔ وہ یہود جو موسیٰ علیہ السلام کی مسند پر بیٹھنے والے تھے۔

وہ یہود جو غرور کتاب دانی اور نخوت کتاب داری سے سرشار تھے، قرآن مجید نے خود ان کو مخاطب بنا کر فرما دیا تھا کہ

﴿ وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ [بنی اسرائیل:85] ''یعنی تم کو علم کا بہت تھوڑا حصہ ملا ہے۔''

جب اہل کتاب کے یہ دونوں گروہ حضرت مسیح علیہ السلام کی شہادت اور قرآن پاک کے اعلان سے بہت تھوڑے علم والے ثابت ہو چکے تو ضرور تھا کہ دنیا کو کبھی مکمل تعلیم دی جاتی۔ نبی ﷺ کے عہد نورانی میں وہ وقت آ گیا کہ

﴿ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرۃ:151] ''جو کچھ آپ لوگوں کے علم میں نہ تھا'' کی کمی کو پورا کیا جائے۔''

یہ بدیہی ہے کہ جب کتاب والے ہی ادھورے نکلے تو دیگر اقوام کا تو علمی حیثیت میں ان سے ادنیٰ درجہ پر ہونا بالضرور ثابت ہو گیا۔ لہٰذا آیت بالا کے مخاطب جملہ اہل عالم ہیں اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا وہ منصب عالی ہوا کہ سب کو ایسی تعلیم دیں جس سے دنیا آج تک بے بہرہ تھی۔

مسیح ﷺ کی پیش گوئی کے متعلق یہ امر بھی شرح طلب ہے کہ اس پیش گوئی میں اسم ''روح الحق'' کا استعمال ہوا ہے اور اناجیل اربعہ (4) میں اس مقام کے سوا اور کسی جگہ اسم خدا کا استعمال نہیں ہوا۔ [1] دوسرے مقامات پر تو روح القدس کا لفظ آیا ہے۔ پنتی کاسٹ والے دن بھی پطرس نے روح القدس ہی کا لفظ استعمال کیا اور یہ ہر دو مقامات کا فرق بھی صراحۃً بتا رہا ہے کہ ''روح الحق'' اور ہے ''روح القدس'' اور۔

روح القدس کو پادری صاحبان تثلیث کا جزو ثالث تسلیم کرتے ہیں، تو کیا کریں مگر روح القدس نے تو کبھی کوئی نئی تعلیم کسی کو نہیں دی۔ چنانچہ خود کسی مسیحی عالم کی شہادت میں بھی یہ موجود نہیں کہ اسے راست بازی کی وہ باقی ماندہ تعلیم ''روح القدس'' سے مل گئی ہے۔ جسے حضرت مسیح علیہ السلام ادھورا چھوڑ گئے تھے۔

آیت زیب عنوان نے صاف طور پر بتلا دیا کہ اُستادِ عالم و عالمیان ہونے کا امتیاز اور خصوصیت سرور کائنات ﷺ ہی کو حاصل ہے۔

قارئین دریافت کر سکتے ہیں کہ امور کثیرہ کیا ہیں؟ جو مسیح کی تعلیم میں نہیں پائے جاتے، بلکہ یہودیوں کی کتابیں بھی ان سے خالی ہیں۔ اس کا جواب قارئین کو ہمارے دوسرے مضمون ''خصائص القرآن'' سے ملے گا، اسے بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اس جگہ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ قرآن مجید سے یہ بھی ثابت ہے کہ اور بھی ایسے مقدس بزرگوار ہو چکے ہیں جن کو علم لدنی عطا ہوا تھا تو کیا اس سے اشتباہ گزر سکتا ہے کہ ان میں سے ہی کسی بزرگ نے اس کمی کو پورا کر دیا ہو جواباً عرض ہے کہ ان سب ایسے بزرگوں کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت پیشتر کا ہے۔ پس وہ لوگ مسیح علیہ السلام کی کمی تعلیم کو پورا کرنے والے کسی طرح نہیں ٹھہر سکتے۔

لہٰذا نبی کریم ﷺ ہی وہ سرمایہ علوم ہیں جو فرش خاک پر بیٹھے اور خاکی ونوری، انسی وجانی کو ایسے علوم سے مستفیض فرمایا

---

[1] مشہور چار انجیلوں کی طرف اشارہ ہے۔ ① لوقا ② متی ③ برناباس ④ یوحنا

کہ یہ خاک کے ذرہ ہائے بے مقدار کو آسمان علوم پر تاباں نجوم بن کر چمکے اور ضیا بخش عالم و عالمیان قرار پائے۔

نبی ﷺ اور سیدنا مسیح علیہ السلام کے تلامذہ میں بھی نمایاں تفاوت ہے۔ مسیح علیہ السلام کے بارہ (12) شاگردوں میں سے شمار کر لو کہ کتنے شاگردان کی تعلیم کے مبلغ ٹھہرے تھے۔ دو تین سے زیادہ کے نام نہیں لیے جا سکیں گے۔ اس قلیل تعداد کا کارنامہ بھی صرف اسی قدر ہے کہ انھوں نے جناب مسیح علیہ السلام کے حالات زندگی کی اشاعت کی ہے اور بس۔

نبی ﷺ کی تیار کردہ جماعات میں ہر قسم و ہر صنف کے کاملین نظر آئیں گے۔

آپ دیکھیں گے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ملک داری و جہاں بانی کی تعلیم

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ و خالد رضی اللہ عنہ ہنگامہ آرائی و جہاں کشائی کی،

معاذ رضی اللہ عنہ و ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان دین و دانش کی،

سلمان رضی اللہ عنہ و ابو ذر رضی اللہ عنہ زہد و قناعت کی،

علی مرتضی رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ حقائق علمیہ کی،

عثمان غنی رضی اللہ عنہ و ابن عوف رضی اللہ عنہ پرورش یتامی کی و اعانت ایامی (بیوگان)۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ و ابی بن کعب رضی اللہ عنہ انصاری فرائض الٰہیہ کی تعلیم کل دنیا کو دے رہے ہیں، رضی اللہ عنہم۔!

یہ چند مبارک نام صرف تقریب و تفہیم مدعا کے لیے درج کر دیے گئے ہیں، ورنہ اس بارگاہ اقدس کا وہ کون سا تلمیذ ہے جو کشت زار علوم کے لیے باران رحمت ثابت نہیں ہوا۔

جب ہم دیکھتے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات کا شمار 2210 اور ابن عمر رضی اللہ عنہ (تعداد: 1630) و انس بن مالک رضی اللہ عنہ (تعداد: 1286) کی مرویات بھی اس کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کا شمار 5374 ہے۔ پھر ان کے سوا اور بھی ایسے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں، جن کے نام مکثرین روایات کے تحت میں درج ہیں۔ مثلاً ابن عباس رضی اللہ عنہ (2260) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (1560) و ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (1170) تو یقین ہو جاتا ہے کہ اس ادب گاہ قدس کا ہر ایک طالب علم استاد عالم ہونے کی شان رکھتا ہے۔

یاد رکھیے کہ یہ بزرگوار عرب کے باشندے ہیں، وہی عرب جن کی صفت

﴿ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ [البقرۃ:78] کے الفاظ میں نمایاں ہے، یعنی ان پڑھ اور کتاب سے بے خبر۔

لیکن نبی ﷺ کے طفیل نہ صرف یہی لوگ ذروہ علیائے علوم کو پہنچے بلکہ ان کے شاگرد بھی ﴿ وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ﴾ کی سند سے مسند آرائے تعلیم ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی ﷺ ہی کی جود و عطا نے علم کو عام بنایا اور اسے رفعت کمال پر بھی پہنچایا۔

یہ حضور ﷺ ہی کے ادنیٰ ترین کفش بردار تھے جنھوں نے سپین و غرناطہ، بغداد و سسلی، تیونس و الجزائر، ترکستان و چین و تاتار میں سینکڑوں مدارس و مکاتب کھول دیے تھے، جن میں جملہ اقوام و مسلم و غیر مسلم کو بلا تفریق مراتب یکساں تعلیم دی جاتی تھی۔ یورپ کو اقرار ہے، انکار نہیں کہ یہی اسلامی ممالک تمام یورپ کے استاد ہیں۔

اگر ہم پادریوں کی اس روش اور طریقہ کو دیکھیں جو علوم جدیدہ کی مخالفت میں ان کا رہا ہے اور پھر مسلمانوں کی اس فراخ دلی و وسعت خاطر کا اندازہ لگائیں جو علوم قدیمہ کی ترویج و اشاعت نیز علوم جدیدہ کی ایجاد و حمایت میں ان کا معمول ہے کہ اس سے بخوبی ہویدا ہو جاتا ہے کہ صرف مسلمان ہی ہیں جنھوں نے ابتداء دنیا میں علوم کو پھیلایا۔

تمام مسلمانوں کا یہ شیوہ اپنے سیدنا و مولانا نبی ﷺ کے حکم کی تعمیل میں تھا۔ لہٰذا ان غلاموں کے افعال بھی حضور ﷺ ہی کے سنن ہدیٰ کا بیان اور حضور ﷺ ہی کے اسوۂ حسنہ کی برہان ہیں اور یہ ایسی خصوصیت ہے کہ شکوہ کامل و احتشام اعلیٰ کے ساتھ حضور ﷺ ہی میں پائی جاتی ہے۔

غالباً یہ بیان نامکمل رہ جائے گا، اگر میں اس مقام پر مختصراً ذکر نہ کروں گا کہ علوم جدیدہ کی ترویج و اشاعت میں مسیحیوں نے تنگ دلی اور اسلامیوں نے فراخ نظری کے کیسے کیسے نمونے دکھلائے۔

ڈی رومینس نے ظاہر کیا کہ قوس قزح بارش میں شعاع آفتاب کے انعکاس کا نام ہے اسے اللہ کی کمان جنگ بتانا یا انتقام الٰہی کی علامت سمجھنا غلط ہے۔ صرف اتنی بات پر وہ قید کر کے روما بھیجا گیا۔ وہ جیل میں ہی مرا، اس کے لاشہ کو اور اس کی کتابوں کو جلا دیا گیا جو حکم سوختگی لاشہ کی بابت صادر ہوا تھا۔ اس میں اس سوختگی کا یہ جرم بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ روما کے کنیسہ کی صلح برطانیہ کے کنیسہ سے کرانا چاہتا تھا۔

گویا ساعی صالح اسی پاداش کا مستحق تھا۔

برونو (Bruno) کو 1600ء میں لمبی قید کے بعد اس لیے زندہ آگ میں جلا دیا گیا کہ اس نے دنیا کو عالم اسباب کہہ دیا تھا یا اس کے قول سے وحدت الوجود کا مسئلہ آشکارا ہوتا تھا۔ [1]

کرویت زمین کا مسئلہ خلافت عباسیہ میں معلوم ہوا اور اس انکشاف سے مسلمانوں میں ایک پتہ بھی نہ ہلا۔ مگر یہی مسئلہ جب یورپ میں پہنچا تو قیامت برپا ہو گئی اور بیسیوں فلاسفر جو زمین کو گول کہنے لگے تھے قتل کر دیئے گئے۔

چیچک کا ٹیکہ قسطنطنیہ میں دیر سے رائج تھا۔ 1721ء میں ایک عورت مسماۃ میری مونٹا (Marymonta) اسے یورپ میں لے گئی تو پادریوں نے اس طریقہ علاج کی بے حد مخالفت کی حتیٰ کہ بادشاہ سے درخواست کی گئی کہ شاہی اختیارات سے اس کا نفاذ روک دیا جائے۔

امریکہ میں جب یہ طریق نکلا کہ عورت کو ولادت کے وقت مخدر (بے ہوش) کر دیا جائے تو تمام پادری مخالف ہو گئے کہ عورت کو ولادت کے وقت آرام پہنچانا خدا کی لعنت کا مقابلہ ہے۔ جو کتاب پیدائش باب سوم میں عورت ذات کے لیے موجود ہے۔

کردنیال اکسی مینس نے 8ہزار قلمی کتابیں غرناطہ میں اس لیے سوخت کر دیں کہ ان کا مضمون کنیسہ کی رائے کے مطابق نہ تھا۔

پروٹسٹنٹ (Protestant) کو ایک اصلاح یافتہ اور ترقی کردہ مذہب کہا جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس مذہب میں دل و دماغ کو آزادی عطا کی گئی۔ اب اس آزاد مذہب کی حالت بھی سنو۔

کلفان نے سیرفیٹ (Searfiat) کو جلا ڈالنے کا حکم اس لیے دیا تھا کہ اس کی تحقیقات میں مجلس نیقہ کے انعقاد سے بھی پیشتر دین مسیحی میں بدعت داخل ہو چکی تھی۔

---

[1] مشہور اسٹالین فلسفی (1548-1600ء) جسے کھمبے کے ساتھ باندھ کر زندہ جلا دیا گیا۔

اسے زندہ دہکتی آگ میں کباب کی طرح صرف اس گناہ عظیم کی پاداش میں بھونا گیا۔

فابق (Fabiaw) بھی 1729ء کو اسی جرم میں شہر تلوز میں جلایا گیا تھا۔

پادری لوتیر (Lother)، ارسطو (Aristotle) کو ہمیشہ جھوٹا، ناپاک، خنزیر کہا کرتا تھا۔ [1]

علم برداران اسلام نے نہ تو اخذ علوم میں اس لیے تنگ چشمی کی وہ علوم اقوام غیر یا ممالک غیر کے ہیں اور نہ علوم کی اشاعت میں اس لیے تنگ دلی کی کہ طالب علم غیر مذہب، غیر قوم یا رعایائے غیر ہیں۔

ان ہر دو اوصاف کے تحت میں وہ ہزاروں واقعات موجود ہیں جو مؤرخین اسلام پیش کرتے ہیں جن میں سے بیسیوں کا ذکر دیون پورٹ، لین پول اور ایڈورڈ گبن نے بھی کیا ہے۔ مسلمانوں میں یہ روشنی اس منبع نور سے آئی جس کی خصوصیت کے اثبات میں آیت

﴿ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴾ [البقرۃ:151] زیب عنوان ہے۔

ناظرین کو تاریخ عالم کے تفحص سے معلوم ہو جائے گا کہ اس خصوصیت کا تاج حضور ﷺ صاحب معراج ہی کے فرق مبارک پر تاباں و درخشاں ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم

خصوصیت نمبر 16

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ [الجمعہ:2]

''ہمارا نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

قبل ازیں تحریر ہو چکا ہے کہ الکتاب قرآن مجید اور تعلیم الکتاب کے تحت میں احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوۃ والتحیۃ شامل ہیں۔

لہٰذا خصوصیت ھذا کے تحت میں ''تعلیم حکمت'' کا مذکور ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ [البقرۃ:269]

''جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دی گئی۔''

آیت بالا سے آشکار ہے کہ فضائل محمودہ اور محاسن کثیرہ کا نام ''حکمت'' ہے۔ لفظ حکمت کا اثبات منصب نبوت سے علیحدہ بھی کیا گیا ہے۔

﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ ﴾ [لقمان:12] ''ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی تھی۔''

قابل غور یہ امر ہے کہ ''الکتاب'' اور ''تعلیم الکتاب'' کے بعد اب کون سی بات رہ گئی تھی جسے حکمت سے تعبیر فرمایا گیا۔

واضح ہو کہ ہدایات واضحہ اور بیانات راشدہ پر عمل کرنے کے موقع پر مختلف الامر لوگوں کی حالت بھی مختلف ہوا کرتی ہے۔ نبی ﷺ نے پیچیدہ معاملات کو عملی طریق پر حل کر کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکمل تعلیم عطا فرمائی تھی۔

(1) نبی ﷺ رونق افروز مدینہ ہوتے ہیں تو اول مہاجرین و انصار میں مواخات قائم کرتے ہیں اور پھر یہود ان یثرب اور مومنین اسلام میں ایک معاہدہ قلم بند فرما کر ان کو بھی اتحاد مدنیت میں شامل فرما لیتے ہیں۔ معاہدہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

(1) هٰذَا كِتَابٌ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ مِنْ قُرَيْشٍ وَيَثْرِبَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ

---

[1] ارسطو بابائے سائنس وطب 120 کتب کا مصنف (322-384 ق م)

فَلَحِقَ لَهُمْ وَ جَاهَدَ مَعَهُمْ اِنَّهُمْ اُمَّةٌ وَاحِدَةٌ

یہ تحریر محمد النبی ﷺ کی جانب سے ہے کہ مومنین مسلمین مکہ و یثرب ایک قوم واحد ہوں گے اور جو لوگ ان کا اتباع کریں گے اور ان کے مجاہدات میں شامل ہوں گے وہ سب ایک ہی وحدت میں شامل ہوں گے۔

② وَ اِنَّ يَهُوْدَا بَنِيْ عَوْفٍ اُمَّةٌ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

یہودان بنی عوف بھی مومنین کی معیت میں قوم سمجھے جائیں گے۔

③ وَ اِنَّ بَيْنَهُمْ لَنَصْرًا عَلٰى مَنْ حَارَبَ اَهْلَ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ۔ [1]

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان باہمی امداد کا طریق جاری ہوگا خواہ کوئی بھی اس معاہدہ والوں کے خلاف لڑنے کو آئے۔

غور کرنے والا جب الفاظ معاہدہ کی گہرائی کا اندازہ کرے گا تو اسے یہ فعل عین حکمت نظر آئے گا۔

② سرور کائنات ﷺ نے مدینہ پہنچ کر ان سب راستوں پر آباد قبائل سے جو مکہ سے مدینہ کو آتے ہیں معاہدہ باہمی کا قائم و مستحکم کر لینا ضروری خیال فرمایا۔ بنو ضمرہ اور بنو مدلج کے معاہدات اسی حکمت پر مبنی ہیں۔

③ صلح نامہ حدیبیہ میں مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ لکھا گیا تھا۔ قریش کمشنر معاہدہ اس پر معترض ہوا، وہ اپنی بات پر اصرار کرتا ہے اور کاتب نبی ﷺ بھی اس مقدس کتاب پر اتنا ہی جما ہوا ہے کہ جتنا یہ کلمہ پاک اس کے دل پر مرتسم ہے۔ یہ تکرار یہاں تک بڑھ جاتی ہے کہ صلح نامہ کا ناتمام رہ جانا زیادہ یقینی ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ فرماتے ہیں میں "محمد رسول اللہ ﷺ بھی ہوں اور "محمد بن عبداللہ" بھی ہوں۔ لہٰذا محمد بن عبداللہ لکھ دیا جائے۔ اس حکمت سے سارا مناقشہ ختم ہو جاتا ہے۔ [2]

④ کفار مکہ نے کفار یثرب کو لکھا کہ وہ مہاجرین و انصار سے جنگ شروع کر دیں۔ اگر یثرب والوں نے ایسا نہ کیا تو مکہ والے خود حملہ کر کے اپنے مخالفین کو فنا کر دیں گے۔ اہل یثرب پر دھمکی کا یہ جادو چل گیا اور انھوں نے مہاجرین و انصار پر حملہ کی تیاری کر لی۔ نبی ﷺ یہ اطلاع پا کر اہل یثرب کے پاس گئے اور یوں تقریر فرمائی۔

"تم اہل مکہ کی چال کو نہیں سمجھتے، وہ تمھارے ہاتھ سے تمھارے اعزہ و اقارب کو جو مسلمان ہو گئے ہیں قتل کرانا چاہتے ہیں، حالانکہ اگر تم کو اہل مکہ سے جنگ کرنی پڑی تو وہ مقابلہ اغیار سے ہوگا۔"

اس مختصر تقریر نے عجیب اثر کیا اور اہل مدینہ میں جو اندرونی جنگ شروع ہونے والی تھی رک گئی۔ اسی حکمت نے اہل اسلام کو اندرونی بے امنی سے محفوظ کر دیا۔

⑤ طائف و حنین کے لوگ مسلمانوں پر حملہ آورانہ بڑھے تھے۔ ان کو بمقام اوطاس شکست ہوئی۔ ان کی فوج طائف کے قلعہ میں حصار بند ہو گئے۔ محاصرہ کیا گیا۔ جب محصورین کو محاصرہ کی سختی محسوس ہونے لگی اور اندر کے آدمی یگاں یگاں قلعہ کی دیوار پھاند پھاند کر بھاگنے لگے تو نبی ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دیا۔

اس حکم سراپا رحم کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ کے بعد طائف کی تمام آبادی مسلمان ہو گئی۔

---

[1] سیرت ابن ہشام: 113/2 [2] بخاری: 2698، مسلم: 4632,4629

⑥ ہرقل نے عرب پر حملہ کرنا چاہا، نبی ﷺ نے یہ پسند نہ فرمایا کہ عرب کو روما کی فوجوں کا آماجگاہ بنادیا جائے، خود آگے بڑھے اور عرب کی انتہائی سرحد پر جا کر ٹھہر گئے۔

اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ تمام ملک کی امداد لشکر اسلام کو بخوبی پہنچ سکتی تھی۔ ہرقل پر اس پیش قدمی اور جرات کا گہرا اثر پڑا اور اس نے عرب پر حملہ کے خیال کو دماغ سے نکال دیا۔

⑦ 8ھ میں مکہ فتح ہوا تو وہاں سے تین سو ساٹھ (360) بت تو نکال دیے گئے مگر خود عمارت کعبہ کے متعلق کوئی کارروائی نہ کی گئی۔ موجودہ عمارت وہ تھی جو حضور ﷺ کی نبوت و بعثت سے پانچ (5) سال پیشتر بنائی گئی تھی۔ اس تعمیر کے وقت قریش نے سامان اور روپیہ کی کمی کی وجہ سے عمارت کا طول کم کر دیا تھا۔ نبی ﷺ نے اپنا منشا بطور احسان تو ظاہر فرمادیا کہ عمارت کا بناء ابراہیمی پر ہونا بہتر ہے مگر اس حکمت سے کہ ابھی قوم کی دین داری حداثت میں ہے۔ عمارت کو جوں کا توں چھوڑ دیا۔ ابھی وہ لوگ موجود تھے جنھوں نے اس عمارت کے لیے مالی، بدنی امداد دی تھی۔ اس لیے یہ بعید نہ تھا کہ ان لوگوں کو اسی عمارت کا انہدام شاق گزرتا۔ نبی ﷺ نے دل داری و دل دہی کی بنیاں کو مضبوط فرمایا اور اینٹ پتھر کی عمارت کے لیے زیادہ اہتمام نہ فرمایا۔

امثال بالا اور اس اشباہ و نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کیوں کر جملہ معاملات تمدن و اخلاق اور مصلحت شناسی میں تعلیم حکمت کو جاری رکھتے تھے۔

ہاں یاد رکھو کہ تعلیم حکمت میں یہ امر بھی شامل ہے کہ نبی ﷺ نے احکام و شرائع کو علل و حکم پر مبنی ٹھہرایا تھا اور ان احکام کی علت و حکمت کا اظہار بھی فرمایا کرتے تھے۔ یہ ایک عجیب خصوصیت حضور ﷺ کی حکمت آموزی کی تھی، ورنہ حضور ﷺ سے پیشتر شرائع ماقبل میں بہت کم اس پر توجہ کی گئی بلکہ احکام کی تعمیل و عدم تعمیل کو علامت، اطاعت یا نشان طغیان کے اصول پر منحصر رکھا گیا تھا، جس سے لوگ سمجھنے لگے تھے کہ شریعت کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقا نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس پتھر کو ادھر سے اٹھا کر ادھر کر دے۔ اگر غلام نے پتھر اٹھا دیا تو فرمان بردار سمجھا گیا اور نہ اٹھایا تو نافرمان قرار دیا گیا، حالانکہ اس حکم سے نہ آقا کا کوئی اصل مقصود تھا، اور نہ غلام کا کچھ فائدہ یا نقصان اس کی تعمیل یا عدم تعمیل میں مضمر تھا۔

ہاں دیکھو، کہ نبی ﷺ نے شریعت کو بطور طب روحانی مرتب فرمایا ہے۔ عضو عضو پر وارد ہونے والے امراض روحانیہ کا ذکر فرمایا، پھر ان کا علاج اور علاج میں مفرد و مرکب اشیاء کا استعمال سکھایا ہے۔ صحت قلب کی حفاظت کرنے والی حیات روحانی کو نشو ونما دینے والی، روحانیت کے اعضائے رئیسہ کو قوی و چست بنانے والی ادویہ کا ذکر درجہ بدرجہ فرمایا ہے۔

تکمیل نفس کے بعد حضور ﷺ کی تعلیم حکمت کا دور ثانی شروع ہوتا ہے اور تدبیر منزل ترتیب عائلہ کے مفصل احکام ملتے ہیں۔

دور ثالث میں سیاست مدن کے دروس کا آغاز ہوتا ہے۔ اقوام عالم اور بلدان جہاں کے واجبات و حقوق سے عالم دو عالم کو روشناس فرمایا ہے۔ حضور ﷺ کے برابر فرض کو اور کسی نے بھی اس حسن تکمیل کے ساتھ ادا نہیں فرمایا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ اسماء اللہ الحسنٰی میں اللہ تعالیٰ کا نام بھی ''حکیم'' ہے اور کتاب اللہ کی صفت میں بھی یہی اسم استعمال ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿یٰسٓ o وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾ [یٰس:1-2] اور اس کتاب حکیم نے حضور کو معلم حکمت بتلایا ہے، تو ان حوالہ جات سے

اول تو حکمت ودانش کا درجہ بلند تر ہو جاتا ہے اور پھر نبی ﷺ کے منصب عالی کا ارفع و اعلیٰ ہونا بخوبی ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

تعلیم حکمت کے متعلق مجھے نبی ﷺ کی صرف ایک حدیث اس مضمون کے اختتام پر لکھ دینی چاہیے۔ مضمون حدیث کی ہمہ گیری اور صاحب ارشاد کی حکمت آموزی کی وسعت کا اندازہ ناظرین خود فرما ہی لیں گے۔

كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اِذَا وَجَدَهَا اَخَذَهَا۔ [1]

''کہ حکمت کو تم گم شدہ لال سمجھو، جہاں پاؤ، اسے اپنا مال سمجھو۔''

خصوصیت نمبر 17

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [الاعراف:157]

''اوران کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اور پھندے کھول دیتا ہے جوان پر پڑے تھے۔''

آیت بالا سے روشن ہے کہ لوگوں کو بھاری بوجھوں نے دبا رکھا تھا اور ان کے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔

ان بندشوں، قیدوں، زنجیروں، بندھنوں سے لوگوں کو نبی ﷺ ہی نے آزاد فرمایا تھا اور ایسا کرنا حضور ﷺ کی نبوت عامہ کا لازمہ ہے۔

نبی ﷺ کی نبوت عرب وعجم پر عام ہے اور حضور ﷺ کی دعوت میں كَافَّةً لِّلنَّاسِ شامل ہیں۔ لہٰذا مفہوم آیت بالا کے سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قبل از بعثت نبوی ﷺ دنیا بھر کی ساری اقوام کیسی کیسی قیود بیجا میں گرفتار تھیں۔

ہم مختصراً عرب، یہود ونصاریٰ، مجوس وہنود کا ذکر کریں گے۔ یہی وہ اقوام ہیں جن کو تمدن کے لحاظ سے کوئی منزل دی جا سکتی ہے۔

[1] عرب

بدکاری وزناکاری سے نادم نہیں ہوتے تھے اور اپنے افعال قبیحہ پر فخر کرتے ہوئے ان کو اپنے اشعار کے ذریعہ مشتہر کیا کرتے تھے۔

شراب اور سخت نشلی عرقیات کا استعمال عام تھا۔ مدہوشی میں جو معیوب اور خراب باتیں سرزد ہوتیں۔ ان پر شرمندہ نہ ہوتے تھے۔

لونڈیوں کو جو قینات کہلاتی تھیں، گانے بجانے، ناچنے کے لیے پالا کرتے تھے۔ ان کی زناکاری کی آمدنی کو ان کے آقا اچھی آمدنی سمجھا کرتے تھے، جو عورتیں لڑائی میں گرفتار ہو کر آتیں ان کو قینات میں داخل کیا جاتا تھا۔

عورت کسی جانور کا دودھ نہیں دھو سکتی تھی۔ اگر کسی گھرانے کی عورت ایسا کر بیٹھتی تو سارا خاندان حقیر سمجھا جاتا۔

مال وراثت کا حصہ صرف بالغ مرد پاتے تھے، تمام عورتیں اور بچے اپنے والدین اور عزیز واقارب کے ترکہ سے قطعاً محروم رکھے جاتے تھے۔

بیوہ عورت پر متوفی شوہر کا قریبی رشتہ دار اپنی چادر ڈال دیتا تھا، عورت خوش ہو یا ناخوش، وہ چادر والے کی بیوی بن جاتی تھی، سوتیلے بیٹے بھی اپنی سوتیلی ماؤں پر اسی طرح قابض ہو جایا کرتے تھے۔

عورتیں بے حجاب مجمع عام میں نکلا کرتی تھیں اور اپنے جسم کا مخفی سے مخفی حصہ عوام الناس کو دکھلانے میں عار نہ سمجھتی تھیں۔ مرد وزن جسم کو نیل سے گودا کرتے، عورتیں مصنوعی بال لگاتیں، دانتوں کو درانتی سے تیز بناتی اور ان مصنوعی طریقوں سے خود کو نوجوان بنا کر جوانوں کو جل دیا کرتی تھیں۔

---

[1] کنز العمال: 28936

جو خاندان زیادہ شریف سمجھے جاتے تھے وہ زندہ لڑکیوں کو زیر زمین دفن کر دیتے یا چاہ عمیق (گہرا کنواں) میں دھکیل کر ہلاک کر دیتے تھے۔ اس فعل پر فخر کیا کرتے اور اسے اعلیٰ شرافت کا نشان سمجھا کرتے تھے۔

ازواج کے متعلق کوئی قاعدہ موجود نہ تھا اور محرم و غیر محرم عورتوں کی تمیز کے لیے کوئی صاف آئین منضبط نہ تھا۔

قمار بازی نہایت دل پسند شغل تھا اور مشہور مشہور لوگوں کے گھر "قمار خانہ عام" سمجھے جاتے تھے۔

ارواح خبیثہ (بدروحوں) کا اعتقاد عام تھا اور انسان پر ایسی ارواح کے تصرف تام کو تسلیم کرتے تھے۔ خیالی و وہمی دیوتا اور دیویاں مانی جاتی تھیں۔ ان کی شکلیں اور صورتیں عجیب عجیب بناتے اور اسی کے موافق ان کے بت گھڑے جاتے تھے۔ پھر مندروں میں استاپن کیے جاتے اور پوجے جاتے تھے۔ عموماً ہر ایک قبیلہ اپنا اپنا بت الگ تجویز کیا کرتا تھا اور اپنی قسمت اسی بت کے قبضہ میں سمجھا کرتا تھا۔ اگر ایک قبیلہ کی عداوت دوسرے قبیلہ سے ہو جاتی تو اس کے بتوں سے بھی عداوت و نفرت کی جاتی تھی۔

گھوڑ دوڑ پر بازی لگانے کا بہت رواج تھا، اسے رھان کہتے تھے، گھوڑ دوڑ میں تین یا سات گھوڑے شامل کیے جاتے تھے۔

گھوڑوں کے نمبر لگانے میں کبھی اتنا اختلاف بڑھ جاتا کہ لڑائی چھڑ جاتی اور برسوں تک جاری رہتی تھی۔

اگرچہ غلاموں کا آزاد کرنا موجب فخر و مباہات سمجھا جاتا تھا، مگر آزاد شدہ غلاموں پر مالک کا حق ملکیت قائم رہتا تھا۔ اس حق کو آقا دوسرے کے پاس فروخت یا ہبہ بھی کر سکتا تھا۔

بتوں اور ارواح کی پرستش کی جاتی۔ ان کو سجدہ کیا جاتا، ان کی منت مانی جاتی، ان کے نام پر قربانیاں کی جاتیں، اونٹ، گائے، بکری، کا پہلوٹا بچہ ان کے نام پر ذبح کیا جاتا۔

زراعت میں زمین کا بہترین حصہ بتوں کے نام پر خاص ہوتا، اگر اس حصہ کی پیداوار کسی ارضی وسماوی حادثہ سے ماری جاتی تو زمین کے دوسرے حصہ کی پیداوار سے اس کمی کو پورا کیا جاتا۔

بھوک اور قحط کے وقت مویشی کا خون پی جاتے تھے، زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ کر کھا جاتے تھے۔ جانوروں کی حرکات سے یا آوازوں سے شگون لیا کرتے، ٹوٹکے منتر مانے جاتے تھے، ان کی عقل و فکر پر توہمات کی پوری حکومت تھی۔

انتقام اور کینہ جوئی کو اچھا سمجھا جاتا۔ ایک ایک، دو دو نسل اوپر کے واقعات کا انتقام لیا جاتا اور اسے بہادری کا لازمہ سمجھا جاتا۔

عرب کے ملحق الحدود ملکوں میں جو جو فواحش اور قبائح موجود تھے، ان کو جلد اخذ کر لیا جاتا۔

حسب نسب پر غلو کے ساتھ فخر کیا کرتے، ہر ایک قبیلہ دوسرے قبائل کو ذلیل و حقیر سمجھا کرتا اور یہی بات بسا اوقات عداوت، منافرت اور جنگ کا موجب بن جاتی۔

خاندانی رسوم کی حکومت دل و دماغ پر قانون اور مذہب سے بڑھ کر حکمران تھی۔ رسوم کے مقابلہ میں حریت رائے کا وجود گم تھا۔

اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے قبائل اپنے ملحق الحدود اقوام غیر سے ساز باز رکھا کرتے، فارس، روما، حبش کو اپنے ہی ملک پر چڑھا لانے پر ہوشیاری سے کام لیتے۔

ان کے مشہور مشہور بت مندرجہ ذیل تھے۔

هبل یہ بہت لمبا بت تھا۔ یہ بت خانہ کعبہ کے سامنے والی دیوار کی منڈیر پر نصب شدہ تھا۔ عرب کے تمام قبائل اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں تھے۔ جنگ احد میں ابوسفیان نے **اُعْلُ ھُبَلْ** ہی کا نعرہ لگایا تھا۔ میں نے 1339ھ میں باب السلام سے باہر ایک پتھر کا ایک لمبا ستون دیکھا تھا جس کے اوپر سے قدم رکھتے ہوئے لوگ آتے جاتے تھے۔ عام طور پر مشہور تھا کہ یہ ستون اسی بت ہبل کا ایک حصہ ہے۔ اس کے تین پہلو نمایاں تھے، ان پر کوئی مورت نہ تھی۔ وِد، سواع، یغوث، یعوق، نسر حضرت شیث علیہ السلام کے پوتوں، پرپوتوں کے نام پر لوگوں نے ان کے بت تیار کر رکھے تھے۔

قبیلہ بنوکلب "وِدّ" کو بنومدلج "سواع" کو بنومراد "یغوث" کو بنوہمدان "یعوق" کو اور بنوہمدان کی دوسری شاخ نسر کو معبود سمجھا کرتے تھے۔

لات: لفظ اللہ کا مؤنث بنایا گیا ہے۔ اسے "رَبّہ" بھی کہا کرتے تھے۔

منات: لفظ منان کا مؤنث ہے، کوہ مشلل پر اس کا بت تھا۔ ان دونوں بتوں کی خدائی تمام عرب میں مسلمہ تھی۔ ہذیل وخزاز، اوس وخزرج منات کے خاص پوجا کرنے والے تھے۔

عُزّٰی: لفظ عزیز کا مؤنث ہے۔ بنوشیبان خصوصیت سے اس کی پرستش کرتے اور اعتقاد رکھتے کہ موسم گرما میں خدا اس کی استھان میں رہا کرتا ہے۔ بنوکنانہ بھی اس کے معتقد تھے۔

دوار: نوجوان عورت کا بت تھا، اس کے گرد اگرد چکر لگایا کرتے۔

اساف: بن یعلی اور مسماۃ **نائلہ** بنت زید بن جرہم۔ یمن کے باشندے تھے، ان کے باہمی تعلقات گندے تھے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر یہ مرتکب کبیرہ ہوئے۔ ان کو سزا دی گئی اور ان کے لاشے تشہیر ورسوائی کے لیے بلا دفن رکھے گئے۔ اساف کو کوہ صفا پر اور نائلہ کو کوہ مروہ پر۔ لاشے گل سڑ گئے اور ان کے بت بنا کر رکھ دیے گئے۔ کچھ عرصہ بعد لوگ ان دونوں کی پرستش کرنے لگے۔ [1]

عبعب: ایک بڑا پتھر تھا، قربانی چڑھانے کا استھان۔

عم انس: زراعت کا دیوتا، جیسے یو۔پی کے صوبہ میں ایک فرضی نام ماموں اللہ بخش بنا رکھا ہے۔ ایسا ہی یہ ایک بت کا نام تھا۔ ایک بار بایام قحط اس بت کی رضامندی کے لیے ایک سو بیل (گاؤ نر) اس کی بھینٹ چڑھائے گئے تھے۔ اس کے حالات وفد خولان نے اسلام لانے کے بعد نبی ﷺ کے حضور میں گزارش کیے تھے۔

ذوالکفین: لکڑی کا بت تھا، قبیلہ دوس کا معبود، طفیل بن عمرو بن صمصمہ رضی اللہ عنہ نے اسلام کے بعد اسے آگ لگا کر راکھ بنا دیا تھا۔

فلس: قبیلہ طے کا بت تھا، جلایا گیا۔

سعد: بنی ملکان بن کنانہ کا بت۔

ذوالشریٰ: بنوحرث بن شکر کا بت۔

بھم: بنومزینہ کا بت۔

شعیر: بنوعنزہ کا بت

ذوالخلصہ: تاج پوش عورت کی شکل میں قبیلہ خثعم وبجیلہ کا معبود۔ [2]

---

[1] ماخوذ از اغاثۃ اللہفان، ص:210 [2] ماخوذ از زرقانی واغاثۃ اللہفان

ان بتوں کی پرستش میں جن تکالیف اور مصائب نے اہل عرب کو اپنا شکار بنا رکھا تھا، انہی کو آیت پاک میں ''اصر'' اور ''اغلال'' فرمایا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی پاک تعلیم ہی کے طفیل تمام عرب کو ان بندشوں سے نجات ملی تھی۔

اب یہود کا حال بھی معلوم کرو۔

② یہود

یہود اگرچہ صرف اسی قبیلہ کو کہنا چاہیے تھا، جو یہودا پسر یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، لیکن اب یہ نام بہ عرف عام ان بارہ قبائل کا ہو گیا ہے جو دوازدہ (12) اسباط بنو اسرائیل ہیں۔

ذیل میں اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے سب فرزندوں کے نام بترتیب ولادت تحریر کیے جاتے ہیں:

نمبر شمار	نام	نام کے معنی	والدہ کا نام
1	روبن	نظر اٹھا۔ بیٹا دیکھو	لیاہ بیگم
2	سمعون	سماعت	لیاہ بیگم
3	لاوی	جفت	لیاہ بیگم
4	یہوداہ	تحسین	لیاہ بیگم
5	دان	منصف	مسماۃ بلہا کنیز۔ راخیل بیگم
6	نفتالی	کشتی گیر یا پہلوان	مسماۃ بلہا کنیز۔ راخیل بیگم
7	جد	عسکر	مسماۃ زلفہ کنیز۔ لیاہ بیگم
8	آشر	نصیب	مسماۃ زلفہ کنیز لیاہ بیگم
9	آشکار	اجرت یا انعام	لیاہ بیگم
10	زبون	رفیق	لیاہ بیگم
11	یوسف	مزید	راخیل بیگم
12	بن یمین	دست راست کا فرزند	راخیل بیگم

یہودیوں کی عزت و شہرت داؤد علیہ السلام کے عہد سے بڑھ گئی تھی۔ ان کے فرزند سلیمان علیہ السلام کے عہد میں ہر بر یہودا اپنی خوشی سے اٹھتا بیٹھتا تھا۔

سلیمان علیہ السلام کو دنیا سے رخصت ہوئے چند ہی سال ہوئے تھے کہ ان کے فرزند رحعام سے دس اسباط (10) علیحدہ ہو گئے۔ رحعام کی حکومت صرف دو فرقوں پر رہ گئی۔ رحعام کی اولاد شاہان یہودا اور دوسری شاخ شاہان بنو اسرائیل کہلائے۔

وہ یروشلم جسے اللہ نے اپنا گھر کہہ کر منظور کیا تھا، چالیس (40) سال ہی کے بعد پھر مردود ربانی ٹھہرا۔

یہودیوں کی تاریخ کو پڑھو، پھر وہ ہمیشہ کے لیے مصیبتوں کی داستان بن گئی۔ ان میں بت پرستی و بے ایمانی کا آغاز تو عہد سلیمانی کے آخری ایام ہی میں ظہور پذیر ہوگیا تھا۔ بخت نصر نے دونوں شاخوں کا خاتمہ کیا۔ اس وقت سے ان کی تاریخ اسیری، مظلومی، جلاوطنی، غلامی کے واقعات سے لبریز ہے۔ یہ عہد سلطنت نیرو (بادشاہ روما) یعنی 70ء میں فلسطین یہودیوں سے بالکل خالی تھا، وہ ﴿مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا﴾ [الاحزاب:61] کے پورے پورے مصداق تھے۔

جب قسطنطین اول عیسائی ہوگیا تو یہودیوں کی حالت آسیائے سنگ میں پھنسے ہوئے دانہ کی سی تھی۔ ان کی قومیت کسی جگہ تسلیم نہ کی جاتی تھی۔ ان کو کسی ملک میں بھی آزاد شہری کے حقوق حاصل نہ تھے۔

دینی حالت بد سے بدتر تھی، موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے عہد سے لے کر عیسیٰ کلمۃ اللہ علیہ السلام کے زمانہ تک انھوں نے ہر ایک نبی اللہ کی تکذیب و تذلیل میں ہمیشہ سرگرمی دکھلائی تھی۔ کتاب تورات ان میں موجود نہ رہی تھی۔ اس لیے حلال و حرام اور سخط و رضا کا بیان صرف احبار کے اخبار و اعتبار پر رہ گیا تھا اور یہ لوگ اکل سحت، مردار خواری اور اخذ ربوٰ (سود خواری) میں اتنے دلیر ہوگئے تھے کہ فتاویٰ شرعیہ فروخت ہوتے تھے اور امیر و غریب کے مقدمات مقدار رشوت کے مطابق طے ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں رسل و انبیاء علیہم السلام بکثرت و تواتر بھیجے، لیکن اسرائیلیوں نے کبھی ان کی نہ وقعت کی اور نہ نصرت، بلکہ بعض اوقات انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنے سے بھی نہ ٹلے۔

توہمات نے روحانیت مذہبی کو فنا کر دیا تھا اور من گھڑت زہد و اتقا نے شریعت کو ان کے حق میں لعنت ٹھہرایا تھا۔ سیدنا مسیح علیہ السلام ان کو سانپ اور سانپ کے بچے فرمایا کرتے تھے۔

سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مخذول قوم کے اغلال و اصر کو دور کر دینے کا عزم فرمایا اور از راہ ترحم چاہا کہ ان کو بھی دنیا کی دیگر اقوام کی مجلس میں عزت کی جگہ عطا فرمائیں۔ اس مبارک خیال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچتے ہی ایک معاہدہ بین الاقوامی منعقد فرمایا اور معاہدہ میں یہود کو تمدن کے حقوق مساویانہ سے معزز بنایا۔

ان کی دینی حالت کو درست فرمانے کی طرف توجہ کی گئی۔ یعنی احبار کے خود ساختہ فتاوے سے ان کو علیحدہ کر کے اصل شریعت سے روشناس فرمایا اور یہود کے مقدمات باہمی میں تورات کے احکام بینہ کے مطابق فیصلے صادر کیے۔

1 یہ جملہ تدابیر اس قوم کی اغلال و اصر سے رہائی دلانے کے لیے تھیں۔

2 شریعت موسوی کے احکام میں بھی شدت و سختی بہت زیادہ تھی۔ مثلاً توبہ کے لیے خودکشی یا تحریم دیت یا تحریم غنیمت یا سبب کا قطعاً ترک عمل یا نماز کا کنیسہ سے باہر عدم جواز وغیرہ وغیرہ ان احکام میں سہولت و وسعت کا پیدا کر دینا بھی اصر و اغلال سے رہائی دینے کے برابر تھا۔

③ نصاریٰ

مسیح علیہ السلام نے اپنے لیے بارہ (12) شاگرد چن لیے تھے کہ وہ بنی اسرائیل کے دوازدہ اسباط (12 قبیلے) کے سامنے مسیح علیہ السلام کی تعلیم کے لیے گواہ ٹھہریں۔ ایسے کامل استاد کی موجودگی میں بھی یہ لوگ ایسے کچے نکلے کہ مسیح علیہ السلام نے کئی بار ان سے فرمایا کہ

اگر ان میں رائی کے دانہ برابر بھی ایمان ہوتا تو وہ ایسا اور ایسا کر سکتے، مسیح علیہ السلام ان کو ملامت فرمایا کرتے، کیوں کہ مسیح علیہ السلام کے ساتھ ایک وقت بیدار رہ کر بھی وہ دعا و استغفار میں مشغول نہ رہ سکتے تھے۔

حضرت مسیح ﷺ کی تشریف بری کے بعد ان بارہ (12) شاگردوں کے درمیان عقائد اور اعمال کے متعلق سخت اختلاف نمودار ہو گئے۔

1. احکام شریعت (توراۃ) کی پابندی ضروری ہے یا نہیں۔
2. اقوام غیر میں تبلیغ عیسائیت جائز ہے یا نہیں۔
3. ختنہ صرف اسرائیلوں کے لیے یا ہر ایک شخص کے لیے جو عیسائیت میں داخل ہو، ان مسائل پر خوب گرما گرم بحثیں ہوا کرتیں۔

پولوس (Paul) یہودی [1] جو بارہ شاگردوں میں نہ تھا، بلکہ مسیح علیہ السلام کی موجودگی میں خود مسیح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ستانے والا تھا۔ اب عیسائیت میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کی علمی قابلیت، ان بارہ شاگردوں سے بڑھی ہوئی تھی۔ اس لیے وہ تحریر و تقریر میں خاص شاگردان مسیح علیہ السلام کو دبا لیتا تھا اور اس تعلیم کے مقابلہ میں جس کی بابت مسیح علیہ السلام نے ان کو اپنا گواہ ٹھہرایا تھا، ایک نئی تعلیم پیش کرتا رہتا تھا۔

پولوس (Paul) ہی تھا جس نے اپنے خواب کو شریعت سے بالاتر درجہ دیا اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو نئی نسل کے لیے حلال ٹھہرا دیا۔

پولوس (Paul) نے اپنی زندگی میں ایک ایسی نظیر قائم کر دی تھی جو آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے شمع راہ بن گئی۔ کونسلوں پر کونسلیں قائم ہوتی تھیں، نئے نئے اعتقاد بنائے جاتے اور منظور کیے جاتے تھے اور پھر جو کوئی اس اعتقاد محدثہ سے اختلاف رائے کا اظہار کرتا تھا، اسے تلوار اور موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔

کونسلوں کے نزدیک زیادہ ضروری فیصلہ طلب مسئلہ مسیح علیہ السلام کی الوہیت و ابنیت کا تھا۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو دو شخصیتوں اور ایک روح والا اور کسی نے مسیح علیہ السلام کو ایک شخصیت اور دو روح والا قرار دیا تھا۔ کسی نے مسیح علیہ السلام کو زندگی دنیوی تک بشر اور صلیب کے بعد ابنیت پر فائض بتلایا۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو قدیم عقیدے پر قائم رہ گئے تھے اور مسیح علیہ السلام کو بشر اور نبی سے بڑھ کر کچھ تسلیم نہ کرتے تھے۔

تثلیث کا اعتقاد بھی کونسلوں نے نکالا۔ اس اعتقاد کو افلاطون کی تثلیث (اللہ، عقل اور نفس کلی) سے لیا گیا تھا۔ افلاطون کے مسائل یونان میں عام تھے۔ اس لیے یونان میں اس تثلیث پر کوئی اعتراض نہ تھا اور یہ عقیدہ جلد پھیل گیا۔

تثلیث کے اقانیم کی بابت بھی اختلافات ہوئے۔ کسی نے تثلیث کے ارکان، اللہ، مریم اور مسیح کو کسی نے خدا، جون یعنی یوحنا اور مسیح علیہ السلام کو بتایا، کسی نے خدا اور مسیح علیہ السلام کو اقانیم ثلاثہ ظاہر کیا۔

پھر روح القدس کے متعلق اختلافات شدید ظاہر ہوئے۔

1. کسی نے بتلایا کہ مسیح کی پیدائش خدا اور روح القدس سے ہوئی۔
2. کسی نے بتایا کہ روح القدس کی پیدائش، خدا اور مسیح سے ہوئی۔ یہ اختلافات وہ تھے جو شجر عیسائیت کی جڑ میں جراثیم بن کر اسے بیخ و بن سے کھوکھلا کر رہے تھے۔

---

[1] پولس (Paul) یہودی، قبیلہ بنیامین کا ایک کٹر فریسی تھا۔ روم کے شہر ترسس میں پیدا ہوا مسیحیت اختیار کرنے کے بعد اپنا نام پولس ہی کے غلط نظریات کا دوسرا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ عیسائی مذہب کے بنیادی عقائد و نظریات کا اصل بانی یہی شخص ہے۔ جبکہ مسیح علیہ السلام کی الہامی تعلیمات ہرگز نہیں۔

روما و قسطنطنیہ اور مصر و یروشلم کے کلیسیا اپنے اپنے شرف و بزرگی کے مدعی تھے اور ایک دوسرے پر خارج از دین ہونے کے فتوے جاری کر رہے تھے۔

انہی ایام میں مریم علیہا السلام اور مسیح علیہ السلام کا نمونہ بننے کا شوق بھی ان میں پیدا ہو گیا تھا۔ ہزاروں عورتیں اور ہزار دو ہزار مرد نن اور منک (راہبات و رہبان) بن جاتے تھے۔ ان کا وجود متمدن دنیا کے لیے بوجھ تھا۔ نیز کلیسا اخلاق و اعمال پر ایک بدنما دھبہ تھا۔

کفارہ کے مسئلہ نے اعمال صالحہ کی رغبت کو مٹا دیا تھا اور مسیح علیہ السلام کے لعنتی اور جہنمی بن کر نجات دہندہ بن جانے کی مسرت نے وحشیانہ طبائع کی امنگوں کو مطلق العنان کر دیا تھا۔

مقدس جھوٹ کے مسئلہ نے ہر ایک فرقہ کو اپنی اپنی خواہشات اور قیاسات کے مطابق اعلیٰ سندات بنا لینے کے اختیارات کامل عطا کر دیئے تھے۔

ان تمام خرابیوں نے مسیحیت کو نہایت مکروہ اور قابل نفرت بنا دیا تھا۔ پریسبٹر، آرڈین، ڈیکن بشپ وغیرہ کے ہاتھوں جو جور و ستم عیسائیوں پر ہوئے ان کے سامنے ہیروڈیس اور نیرو کے مظالم بالکل ہیچ تھے۔

یہی حالت تھی جب نبی ﷺ مبعوث ہوئے۔

اسلام کے ظل حمایت میں آ جانے کے بعد شام و مصر اور عراق کے عیسائیوں کو اپنے اپنے معتقدات پر رہ کر امن مستحکم کی زندگی نصیب ہوئی۔ اسلام کی حفاظت نے ان اغلال و اصر (ہتھکڑیوں، طوقوں) کو ان کے جسم سے اتارا، جنھوں نے عیسائیوں کے سر و دوش اور عقل و ہوش کو زیر بار گراں کر رکھا تھا۔

④ ہندو اقوام

اہل اسلام نے دریائے انڈو یا سندھ کے شرق میں رہنے والوں کو انڈو یا ہندو تحریر کیا ہے۔ اس ملک اور قوم کی تاریخ قدیم بالکل تاریک تھی۔ تاہم ایسے آثار قوی پائے جاتے ہیں کہ اس ملک میں بھی کسی زمانہ میں علم کی ترقی ہو چکی ہے۔

ہندو قوم اور ملک اور مذہب و علم کا زوال مہابھارت کی جنگ سے شروع ہوا۔ ①

یہ جنگ کم از کم ڈیڑھ ہزار (1500) سال قبل از مسیح ہوئی تھی۔ ②

بیان کیا جاتا ہے کہ سارے ہندوستان میں کوئی ایک شخص ایسا نہ رہ گیا تھا، جو فریقین (کورو پانڈو) میں سے کسی ایک کا جانب دار نہ ہو۔ ہم اندازاً قیاس کرتے ہیں کہ اس وقت ملک کی آبادی پانچ کروڑ (50000000) تو ضرور ہو گی۔ مگر جنگ کا کیا نتیجہ ہوا کہ طرفین میں سے صرف بارہ (12) مرد زندہ باقی رہ گئے تھے۔ فاتحین نے یہ حالت ہوش ربا دیکھی تو انھوں نے بھی جلد از جلد اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر دیا۔

حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ صدی پیشتر بدھ مذہب نے ظہور کیا۔ ③

بدھ نے پالی زبان کو اختیار کیا تھا اور سنسکرت پڑھنے پڑھانے کی ممانعت کر دی تھی۔ ④

ویدمت کی جگہ بدھ مت قائم ہو جانے سے قدیم مذہب کی کتابیں نیست و نابود ہو گئیں اور ان کا جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہا۔

شنکر اچارج (Shankar Achary) نے ان لوگوں سے کچھ مناظرے کیے اور اپنی علمیت کا رنگ جمایا، مگر وہ 33-34 سال

---

① ستیارتھ پرکاش ② قدیم ہندوستان مصنفہ رومیش چندر دت صاحب ③ بدھ کا اصلی نام سدھارتھ ہے۔ خاندانی نام گوتم بدھ تعظیمی نام ہے، جس کے معنی بیدار ہیں۔ کپل وستو نیپال کی لڑائی میں مایا کے بطن سے نجانہ سرودنا پیدا ہوا۔ اس کا باپ ساکھیا قوم کا حکمران تھا۔ مسماۃ سودرا سے شادی ہوئی۔ راہولا نام فرزند پیدا ہوا۔ 29 سال کی عمر میں فقر اختیار کیا۔ سن ولادت 560 قبل مسیح ہے۔ ہشتاد سالہ عمر میں انتقال کیا۔ دنیا کے مشہور ترین اشخاص میں سے ہیں۔ ④ پنڈت وجے نرائن کی کتاب بدھ ص 169۔

کی عمر میں مرگیا۔ اس کی مساعی کا نتیجہ صرف اتنا ہوا کہ سنسکرت کو پھر دربار میں جگہ مل گئی، مگر اس کے ساتھ ساتھ شاعرانہ غلو واستغراق نے بھی قدم جمالیے اور حقائق وواقعات پر استعارات کا پردہ پڑ گیا۔

قدیم کتابوں میں سے ایک کتاب مہابھارت پائی جاتی ہے مگر وہ بھی یار لوگوں کے تصرفات سے محفوظ نہ رہی۔ بیس ہزار (20000) اشلوک اس کتاب میں جعلی طور پر شامل کر دیے گئے۔ [1]

بدھ مذہب (Budhism) کا زور راجا اشوک (Ashoka) کے عہد تک رہا۔ [2] اس کے بعد بدھ ازم روبہ زوال ہوگیا۔ بدھ ازم کے اصول متمدن دنیا کے ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے تھے۔ بھکشوؤں (گداگروں) کی لاتعداد جماعت جو بدھ مت نے تیار کردی تھی، وہی زیادہ اس کے زوال اور حدود ملک سے انتقال کا باعث بھی ہوئی۔ گو پران مت نے بھی اس کو نکالنے میں بہت بڑی جدوجہد کی تھی۔

بدھ مت (Budhism) کے بعد ملک کی حالت بد سے بدتر ہوگئی۔ فسق وفجور اور فواحش کا دور دورہ ہوگیا۔ چکرانت وام مارگی، سہسر بھگ درشان مکتی، شاکت، بجوارک آوک، رام ایاسک ڈنڈی وغیرہ بیسیوں ایسے فرقے پیدا ہوگئے، جنھوں نے اخلاق وتہذیب کو جلا کر راکھ کر دیا۔ [3]

یہ فرقے تمام ہندوستان پر چھائے ہوئے تھے۔ انھوں نے شراب جوا، بدکاری کو مذہب کا لباس پہنا کر پوتر قرار دیا تھا۔

ہندوستان کی یہی بدترین حالت تھی جب سندھ اور شمال مغربی حدود اور جنوبی ہند سے مبلغین اسلام پہنچے۔ انھوں نے ملک کو حقائق ومعارف سے روشناس کیا۔ تب دیدہ دروں کو اپنی برہنگی نظر آئی۔ اکثر نے خلعت اسلام زیب تن کیا اور اکثر نے اپنی دھوتی کو خود ہی سنبھال لیا

الغرض یہ وہ اصرار واغلال تھے، جن سے رہائی ہندو ملک اور ہندو قوم کو نبی ﷺ کے خدام اور تعلیم اسلام کی طفیل حاصل ہوئی۔

(5) مجوس

ایران میں نہایت قدیم زمانہ سے سلطنت قائم تھی، انھوں نے قریباً ایک ثلث کرہ ارض پر جو اس وقت آباد تھا حکومت کی۔ حکومت سے امن، امن سے عیش وعشرت کا وجود پیدا ہوا۔ عیاشی نے دل ودماغ کو کمزور کر دیا اور ایوان سلطنت کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

مانی (Maani's) کے مذہب نے آئین قدیم کو نیست ونابود کر دیا۔ مرد وزن کے طبائع میں شوریدگی وآوارگی پیدا کر دی۔ مزدک نے زن وزر وزمین پر سے ملکیت اٹھا دینے سے فحش وظلم اور طغیان وعصیان کا طوفان بپا کر دیا۔ مائیں اپنے بیٹوں کے عشق کا شکار بنیں اور صاحب تخت وتاج شہزادیاں اپنے افسران فوج کے جذبات حیوانی سے تختہ ہائے موت پر لٹائی گئیں۔ محرمات ابدیہ کو محصنات اولیہ بنائے جانے کے دلائل پسند کیے گئے۔ عصمت وپاک دامنی کو ہر دو جنس کے لیے ناپاک قرار دیا گیا۔ فرہاد جیسے نمک حرام ملازم اپنے بادشاہ کے رقیب بن گئے اور شیرویہ جیسے ناخلف پسر نے جوش بہیمت میں باپ کا شکم چاک کر کے شیریں پر قبضہ کیا۔ سیاہ بدبہرام چوبیں ملکہ پوران دخت کی آتش کدہ عشق کا ایندھن بنا۔

سلطنت ہائے روما وایران کی عداوت قدیم اور آئے دن ایک سلطنت پر دوسری چڑھائی نے ملک کو بے چراغ بنا دیا تھا۔

اصل مذہب کا وجود باقی نہ رہا تھا۔ مقدس کتب سکندر کی تاخت وتاراج میں گم اور بے نشان ہو چکی تھیں۔ یہ حالت تھی جب

---

[1] ستیارتھ پرکاش [2] راجا اشوک کا عہد 466 ق۔ ڈاکٹر مستراؤ کی کتاب بدھ مت، ص: 135 [3] ان ذاتوں کے کرتوت ستیارتھ پرکاش میں دیکھو۔

اسلام نے اس ملک کو اپنی حمایت میں لیا اور نبی ﷺ کی پاک تعلیمات نے اس وسیع ملک کے باشندوں کو جبر واستبداد اور فحش وظلم کے بندو زندان سے آزاد کیا۔

قارئین ان حالات کو جو عرب، یہود، عیسائی، ہنود اور مجوس کے متعلق مختصر اقلم بند کیے گئے ہیں مکرر غور سے پڑھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ شاندار قومیں کس طرح پر قبل از اسلام تطاول زمانہ کے جور وستم سے برباد ہو چکی تھیں۔ کیسی کیسی درماندگی وتیرگی ان پر چھائی ہوئی تھی۔

ان جملہ اقوام کو حضور ﷺ ہی کی محبانہ وہمدردانہ وصادقانہ وبے غرضانہ جود ورحم نے غار ہلاکت سے نکالا اور تمدن وحسن معاشرت امن عامہ وعافیت کلیہ سے بہرہ اندوز فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ کلام ﴿وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف:157) حضور سرور کائنات ﷺ ہی کی ذات ہمایوں پر صادق ومنطبق ہوا۔ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم

خصوصیت نمبر 18

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ [التوبہ:128]

''تمھارے پاس عظیم الشان رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے۔''

◈ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے مخاطب اہل عرب اور قریش ہیں۔

اہل عرب کو اپنے حسب ونسب پر بے انتہا فخر اور بے حد ناز تھا۔ وہ غیر عرب کی وقعت نہ سمجھتے تھے اور ایسے شخص کی اطاعت کو بھی ننگ وعار سمجھا کرتے تھے۔ لہٰذا اب رب العالمین نے اہل عرب پر یہ بھی اظہار منت واحسان فرمایا کہ یہ عظیم الشان رسول ﷺ جس کا اولین فرض عرب کو ہدایت کرنا ہے، تم ہی میں سے ہے، تم سے غیر نہیں۔

صحیح بخاری میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا ارشاد موجود ہے۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُوْنِ بَنِيْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِيْ كُنْتُ مِنْهُ [1]

''اللہ تعالیٰ نے مجھے قبائل کی شاخ در شاخ میں بہترین شاخ سے مبعوث فرمایا حتیٰ کہ میں اس قرن سے پیدا ہوا جو میرا ہے۔''

صحیح مسلم میں بروایت واثلہ بن اسقع حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وُلْدِ اِسْمَاعِيْلَ وَ اصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِيْ هَاشِمٍ وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ [2]

اللہ تعالیٰ نے نسل اسماعیل سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور بنو کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ کیا اور قریش میں سے بنو ہاشم کو برگزیدہ کیا اور مجھے بنو ہاشم میں سے برگزیدہ فرمایا۔

صحیح ترمذی میں سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ عم رسول ﷺ کی روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ اہل قریش بیٹھے ہوئے حسب ونسب کا ذکر اور باہمی تعلقات کا بیان کر رہے تھے۔ حضور ﷺ کا ذکر بھی آ گیا تو انھوں نے

[1] بخاری: 3757، کنز العمال: 32005، سلسلۃ الصحیحۃ: 709 [2] مسلم: 5938، ترمذی: 3605، 3608

حضور ﷺ کو نخل کدیہ سے تشبیہ دی۔ [1] نبی ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ فِرَقِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ قَبِيلَةٍ ثُمَّ تَخَيَّرَ الْبُيُوتَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ بُيُوتِهِمْ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَ خَيْرُهُمْ بَيْتًا [2]

”اللہ تعالیٰ نے خلقت پیدا کی اور ان کی شاخیں بنائیں اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا۔ پھر قبائل بنائے اور مجھے بہترین شاخ میں رکھا، پھر بیوت (گھرانے) بنائے اور مجھے بہترین گھرانے میں بنایا۔ لہٰذا میں ان سب سے بہترین ذات اور بہترین گھرانے کا ہوں۔“

② مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے مخاطب کل اہل جہاں ہیں اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ رسول جو منصب رسالت کے اعتبار سے عظیم الشان ہے، جنس بشر ہی سے ہے، کیوں کہ اگر وہ جنس ملائک سے ہوتے تو اتحاد جنسیت کے فقدان سے اتحاد و یگانگت کی تکمیل نہ ہو سکتی۔ تعلیم و تعلم میں دشواریاں لاحق ہوتیں اور سب سے بڑھ کر نقصان یہ ہوتا کہ اسوہ رسول کا اتباع کرنے والوں کو صفات ملکوتی پر چلنا محال ہو جاتا اور اتباع نہ کرنے والوں کو سب سے بڑا بہانہ ہاتھ آ جاتا اور ایسی ایسی کہاوتیں استعمال کرتے کہ

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اب کہ حضور ﷺ کا نسل انسانی اور جنس بشریت سے ہونا ثابت ہو گیا اور جملہ انواع بشر کو عزت و عظمت ہو گئی۔

گرچہ خوردیم نسبتے بزرگ ذرہ آفتاب تابا نیم

اور شیدائیان اتباع کے حوصلے بھی بڑھ گئے اور سنت نبویہ ﷺ کا اقتداء سب کو مرغوب و محبوب ہو گیا۔

③ صاحب معالم التنزیل اور خازن نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور زہری دامن محیص نے ﴿مِنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ کو بہ فتحہ فا یعنی مِنْ اَنْفَسِكُمْ تلاوت کیا ہے۔ اس وقت اس کا مادہ نفاست ہوگا اور اس کے معنی پاکی گوہر اور لطافت طبع اور طہارت ذات میں حضور ﷺ کا افضل خلائق ہونا ثابت ہو جائے گا۔ اور آیت زیب عنوان میں اسی خصوصیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔

خصوصیت نمبر 19

﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ [التوبہ:128]

”تمہاری تکلیف ان پر شاق گزرتی ہے۔“

جب عَزَّ يَعِزُّ (بفتح عین) ہو، تب اس کے معنی شاق اور سخت ہوتے ہیں، عَنَتٌ جس سے عَنِتُّمْ بنا ہے، کے معنی مشقت، فساد، ہلاکت، خطا وغیرہ ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو چیز تم کو مشقت میں ڈالنے والی ہے وہ نبی ﷺ کو نہایت ہی شاق و گراں گزرتی ہے۔

یعنی تمہاری تکلیف سے نبی ﷺ کو ضرور تکلیف ہوتی ہے، تمہارے درد کو وہ درد سمجھتے ہیں۔

واضح ہو کہ نبی ﷺ کی یہ صفت کفار اور مومنین دونوں کے حق میں تھی۔

---

[1] یعنی کھجور کا وہ درخت جو سنگ لاخ زمین میں ہو، اس سے قریش کا اشارہ نبی ﷺ کے فرزند نرینہ نہ ہونے کی جانب تھا۔

[2] ترمذی: 3532, 3607، مناقب الشافعی للذہبی: 1 / 46، اتحاف السادۃ المتقین: 9/89، الشفاء: 1/181

① نبی ﷺ جب کفار کو کفر و شرک میں دیکھتے اور خیال فرمایا کرتے کہ یہ لوگ کس انجام بد کا شکار ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ کیوں کر اپنے ہاتھوں اپنے لیے چاہ ہلاکت کھود رہے ہیں۔ تب حضور ﷺ کے دل رحم پرور کو نہایت صدمہ گزرتا تھا۔

بسا اوقات یہ کیفیت اس قدر بڑھ جاتی کہ اللہ تعالیٰ کو حضور ﷺ کے تسلیہ و تسکینہ کے لیے اپنا کلام و پیغام بھیجنا پڑتا۔

سورہ یٰسٓ میں ہے: ﴿ فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ﴾ [یٰس:76] ان کی باتوں سے آپ اپنا جی برا نہ کریں۔

سورہ آل عمران میں ہے: ﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ﴾ [آل عمران:176] کفر میں بڑھ بڑھ کر حصہ لینے والوں کی حالت سے آپ اندوہگیں نہ ہوں۔

واقعات بدر میں مذکور ہے کہ جب حملہ آوران مکہ قید کر لیے گئے تو رات کو نبی ﷺ کو نیند نہ آئی، ادھر سے اُدھر کروٹیں لیتے تھے۔ کرب و اضطراب نمایاں تھا۔ ایک انصاری نے عرض کی کہ حضور ﷺ کو کچھ تکلیف ہے، فرمایا نہیں۔ مگر عباس رضی اللہ عنہ کے کراہنے کی آواز میرے کان میں آ رہی ہے۔ اس لیے مجھے چین نہیں پڑتا۔ انصاری چپکے سے اٹھا، اس نے جا کر عباس رضی اللہ عنہ کی مشک بندی کھول دی، انھیں آرام مل گیا، تو وہ فوراً سو گئے۔ انصاری پھر حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا کہ اب عباس رضی اللہ عنہ کی آواز کیوں نہیں آتی۔ انصاری نے بولا کہ میں نے ان کے بندھن کھول دیے ہیں، فرمایا جاؤ، سب قیدیوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرو۔ جب حضور ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ سب قیدی اب آرام سے ہیں، تب نبی کریم ﷺ کا اضطراب دور ہوا اور حضور ﷺ خواب شیریں سے استراحت گزیں ہوئے۔ [1]

ذرا سوچنا ہے، قید وہ تھے جنھوں نے 13 سال تک متواتر اہل ایمان کو ستایا تھا، کسی کو آگ پر لٹایا کسی کو خون میں نہلایا، کسی کو بھاری پتھروں کے نیچے دبایا، کسی کو سخت اذیتوں کے بعد خاک و خون میں سلایا تھا اور پھر ان پر یہ نرمی، یہ سلوک۔

عباس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے تایا تھے اور جہاں تک معتبر روایات سے معلوم ہوا ہے وہ بادل ناخواستہ صرف قوم کے اکراہ واجبار سے بدر میں آئے تھے۔ بایں ہمہ حضور ﷺ کے عدل و انصاف نے ان میں اور دوسرے قیدیوں میں کوئی امتیازی فرق قائم کرنا پسند نہ فرمایا۔

لیکن حضور ﷺ کی رحم دلی اور طبعی شفقت و رافت کا یہ عالم تھا کہ جب تک سب قیدیوں کے بہ آرام ہونے کی رپورٹ نہ ملی اس وقت تک حضور ﷺ کو نیند تک نہ آئی۔

﴿ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ ﴾ کا یہ جلوہ ایسے حملہ آوران و دشمنان جانی و ایمانی کے مقابلہ میں تھا۔

② جب نبی ﷺ ہجرت فرما کر رونق افروز مدینہ ہو چکے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان

﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ ﴾ [الانفال:33] کا مفہوم ظاہر فرمایا اور اہل مکہ پر قحط شدید کی آفت کو اتارا۔ قحط اس شدت کا تھا کہ اہل مکہ کی آنکھوں کی روشنی بھی کم ہو گئی تھی۔

ابوسفیان اموی ہمیشہ مسلمانوں سے برسر پرخاش رہا کرتا تھا وہ خود دربار مصطفوی ﷺ میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے عرض گستر ہوا کہ حضور ﷺ ہمیشہ احسان اور صلہ رحم کی تعلیم دیا کرتے ہیں۔ ہم حضور ﷺ کے قرابتی ہیں اور رحم کے ملتجی۔ احسان

---

[1] اسد الغابۃ: 164/3، الطبقات لابن سعد: 716

فرمایے اور دعا کیجیے کہ اس قحط شدید سے ہم کو نجات ملے۔ [1]

نبی ﷺ نے ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ سردار نجد کو جو دولت ایمان سے مالا مال ہو چکا تھا، حکم بھیج دیا کہ مکہ میں فوراً غلہ پہنچانے کا بندوبست کرے۔ اس کے علاقہ میں اناج بکثرت تھا۔ اس نے غلہ صرف اس لیے روک رکھا تھا اور منفعت تجارت کو بھی نظر انداز کر دیا تھا کہ اہل مکہ دشمنان رسول ہیں۔ اب حکم نبوی ﷺ کی تعمیل ہوئی اور اہل مکہ کی جان میں جان آئی۔ [2]

یہ بھی دشمنوں کے مقابلہ میں ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کا ایک ثبوت تھا۔

[3] جنگ طائف ان حملہ آوروں کے ساتھ ہوئی، جن سے حنین واوطاس میں شدید محاربہ ہوا تھا۔ یہ لوگ ان مقامات سے شکست کھا کر قلعہ طائف میں متحصن ہو گئے تھے اور ابھی ان کی فوجی طاقت زوروں پر تھی۔ نبی ﷺ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ چند روز کے بعد حضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ دشمن محاصرہ کی شدت سے سخت تکلیف میں ہے۔ بھوک نے ان کی ہلاکت کو بہت قریب کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے محاصرہ اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے جنگی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے عرض بھی کیا کہ اب تو قلعہ فتح ہی ہونے والا ہے۔ مگر حضور نے از راہ رحم و کرم جو حکم دیا تھا اس کی تعمیل کرائی۔ یہ ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کا تیسرا نمونہ ہے۔

ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے اور ایسے نظائر اور بھی بہت ہیں کہ قلب رحیم اور طبع کریم پر اہل محاربہ کی حالت زبوں اور انجام دگرگوں کا کیا اثر ہوا کرتا تھا۔

اہل اسلام کے متعلق حضور ﷺ کی رحمت و شفقت کا بیان بے پایاں ہے۔

عبادات و معاملات میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ امت کو دشواری سے بچانے کے لیے یا امت کی آسانی کے لیے حضور ﷺ کیا کچھ توجہ فرمایا کرتے تھے۔

یعنی امت کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور امت کی راحت کو اپنی راحت قرار دے رکھا تھا۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شب معراج کو پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نبی ﷺ سے کہا: ﴿إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ (آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں) تب حضور ﷺ نے رجوع الی اللہ فرمایا۔ تخفیف ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر بھی حضور ﷺ کو وہی کہا جو پہلے کہا تھا اور نبی ﷺ ہر بار رجوع الی اللہ فرماتے رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ [3]

اس واقعہ سے دو نتیجے صاف طور پر برآمد ہوتے ہیں۔

1. نبی ﷺ فرمان رحمٰن کے کتنے منقاد و مطیع تھے کہ جب پچاس نمازوں کا حکم ہوا تو حضور ﷺ نے اس بارہ میں ذرا بھی لب کشائی نہیں فرمائی۔

2. حضور ﷺ اپنی امت پر کس قدر مہربان تھے کہ موسیٰ کلیم اللہ ﷺ جیسے تجربہ کار نبی نے ﴿إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ کو دہرایا تو فوراً اس پاک فطرت کا ظہور ہوا جو ﴿عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کی تحت میں پنہاں تھی اور حضور ﷺ نے بار بار رجوع الی اللہ فرمایا۔

اس حسن ادب اور التماس متواترہ کا ثمرہ یہ ہوا کہ تعداد تو پچاس سے پانچ رہ گئی اور ثواب وہی پچاس (50) کا رکھا گیا۔

---

[1] بخاری: 1020، 1070 [2] بخاری: 4372، 4580؛ اسد الغابۃ: 478/1 [3] بخاری: 349؛ دلائل النبوۃ للبیہقی: 159/5؛ طبرانی فی التاریخ: 348/4

میرا خیال ہے کہ اگر سیدنا موسیٰ علیہ السلام ﴿إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ﴾ کے فقرہ کا استعمال نہ فرماتے اور حضور ﷺ کو کسی اور دلیل سے التماس تخفیف پر مائل کرنا چاہتے تو وہ اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکتے۔

نبی ﷺ کے کمال عبودیت اور وفور شوق عبادت کے سامنے تو پچاس (50) نمازوں کی کثرت بھی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ وہ قلب شاکر اور لسان ذاکر جو یاد الٰہی سے ایک دم کے لیے غافل نہ ہوتے ہوں ان کے لیے محدود وقت میں محدود رکعتوں کا ادا کر لینا کیا دشوار ہوسکتا ہے۔

④ ماہ رمضان تھا، نبی ﷺ مدینہ سے مکہ معظمہ کو تشریف لا رہے تھے، حضور ﷺ روزے رکھا کرتے تھے، جب یہ مقام عسفان پہنچے تو حضور ﷺ نے پانی منگایا اور دست مبارک کو بلند کرتے ہوئے لوگوں کو دکھلا کر پانی پی لیا اور پھر مکہ پہنچنے تک روزہ نہ رکھا۔ ①

یہ ترجمہ تو صحیح بخاری کی روایت عن ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ہے، لیکن دیگر روایات میں صراحت ہے کہ نبی ﷺ نے اس لیے روزہ افطار فرمایا اور ترک صوم کیا تھا کہ اہل لشکر کو سفر میں روزہ کی شدت تکلیف دہ تھی اور امت کی تکلیف سے حضور ﷺ خود تکلیف محسوس فرماتے تھے۔

⑤ صلوٰۃ التراویح کے متعلق صحیحین اور سنن میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو شب یہ نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی اور تیسری شب کو حضور ﷺ مسجد میں اس نماز کے لیے تشریف نہ لے گئے۔ اور پھر صبح کو لوگوں سے فرمایا:

قَدْ رَأَيْتُ صَنِيعَكُمْ فَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْرَضَ عَلَيْكُمْ۔ ②

''اس نماز کے لیے تمہارا آنا، انتظار کرنا وغیرہ میں نے دیکھا، مجھے آنے میں صرف یہ خیال مانع ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔''

⑥ صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز تہجد میں تھے، میں حضور کے ساتھ شامل ہوا، حضور ﷺ نے میری اقتداء کو محسوس کیا تو نماز ہلکی کر دی۔ ③

⑦ ام المومنین عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے شیوہ عموی کو ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے:

إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدَعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةَ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضُ عَلَيْهِمْ۔ ④

''نبی ﷺ ایسے عمل کو بھی چھوڑ دیتے تھے جس کا کرنا حضور ﷺ کو پسند ہوتا، اس خیال سے کہ لوگ بھی عمل کرنے لگیں گے اور ڈر ہوتا کہ کہیں وہ عمل فرض نہ ٹھہرا دیا جائے۔''

ان جملہ روایات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ ﴿عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ کی صفت حضور ﷺ میں کیسی مستحکم تھی اور امت کی تکلیف کا خیال حضور ﷺ کو کس قدر شاق تھا۔

یہ محبت، یہ شفقت، یہ ترحم یہ پیار تو ماں باپ کو بھی اپنی سب اولاد کے ساتھ یکساں نہیں ہوتا جو حضور ﷺ کو اپنے ہزار در ہزار اور الوف در الوف افراد امت کے ساتھ تھا۔

---

① بخاری:1944، 1948؛ مسلم:2604؛ نسائی:2312 ② بخاری: 1119، 2011؛ مسلم: 1783؛ ابوداود:1373؛ نسائی: 2192؛ کنزالعمال: 21542
③ بخاری:1135؛ مسلم:1815؛ ترمذی:1418 ④ بخاری:1128۔

بے شک حضور ﷺ کی رحمت رب العالمین کے بعد ہر ایک رحم کرنے والے اور محبت کرنے والے سے برتر اور بڑھ کر تھی۔

خصوصیت نمبر 20

﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ﴾ [التوبہ:128]

''تمہاری منفعت کے خواہش مند ہیں۔''

جب حرص کا استعمال علیٰ کے صلہ سے کیا جاتا ہے تو اس کے معنی شدت طلب ہوتے ہیں۔ آیت کا ترجمہ یہ ہوا ''ہمارا نبی ﷺ تم لوگوں کی نفع رسانی کا کمال درجہ طالب وشائق ہے۔''

آیت بالا سے بوضوح ثابت ہے کہ نبی ﷺ کو بنی نوع کے مفاد اور رفاع وصلاح کی آرزو بہ درجہ کمال تھی۔

سورہ یوسف میں ہے: ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [یوسف:103]

''بہت لوگ ہیں جو ایمان نہ لائیں گے اگرچہ تجھ کو ان سے ایمان لے آنے کی بڑی چاہت ہے۔''

اس آیت سے بھی یہی استفادہ ہوا کہ حضور ﷺ کا منتہائے نظر اور کمال آرزو یہی تھا کہ تمام عالم کے سر ایک ہی مالک وحدہ لاشریک لہ، کے سامنے جھکے ہوئے ہوں۔

رب واحد کا دین واحد ہی تمام اصناف انسانی کو متحد ومتفق بنانے والا ہو۔

قریش کے سردار عتبہ نے ایک بار نبی ﷺ سے مل کر یہ عرض کیا تھا۔

① کیا تم مال و دولت چاہتے ہو؟

میرا ذمہ ہے کہ سب سے زیادہ مال وزر تیرے پاس جمع کر دوں گا۔

② کیا تم ریاست کے خواہاں ہو؟

ہم سب تجھے اپنا رئیس تسلیم کر لیتے ہیں۔

③ کیا تم تخت قائم کرنا چاہتے ہو؟

میں سارے عرب سے تیری فرماں روائی کی تصدیق کرا دوں گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا، مجھے نہ زر و دولت کی ضرورت ہے اور نہ ریاست وحکومت کی آرزو ہے۔ میں تو رب العالمین کا پیغام لے کر آیا ہوں اور اسی کا ہر ایک سننے والے کان تک پہنچا دینا میرا مقصود اعلیٰ ہے۔ [1]

ایک بار ابوجہل لعین نے حضور ﷺ کو مضروب کیا۔ حمزہ عم رسول ﷺ نے یہ واقعہ سنا تو انھوں نے ابوجہل کو جا پیٹا اور پھر نبی ﷺ کو آ کر بتلایا: محمد ﷺ تم کو خوش ہونا چاہیے کہ میں نے ابوجہل سے تمھارا انتقام لے لیا۔

نبی ﷺ نے جواب دیا، مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں، ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔

---

[1] سیر اعلام النبلاء:84/1، دلائل النبوۃ للبیہقی:450/1، عیون الاثر:106/1، نہایۃ الارب:211/16

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات جم گئی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ [1]

ان واقعات سے ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کا دامن اغراض کے گرد و غبار سے بلند تر تھا۔ حضور ﷺ کی تعلیم اور تعلیم کے لیے بے حد سرگرمی کسی ذاتی مفاد پر مبنی نہ تھی۔ انتقام اور دیگر رذائل سے حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ پاک صاف تھے، یعنی حضور ﷺ کی آرزو اپنے نفس کے لیے کچھ بھی نہ تھی۔ حضور ﷺ کا پیکر محبت کل تھا اور حضور ﷺ کا وجود منفعت عامہ اور وجود عامہ کی صفات سے متشکل و مجسم تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ذرا حضور ﷺ کی ان ادعیہ پر نظر ڈالو جو وقتاً فوقتاً حضور ﷺ نے امت کے حق میں فرمائی ہیں۔ وفات سے ایک ماہ پیشتر ایک خطبہ کے آغاز میں فرمایا:

مسلمانو! اللہ تمھیں سلامتی سے رکھے، تمھاری حفاظت فرمائے، تمھیں شر سے بچائے، تمھاری مدد کرے، تم کو بلند کرے، ہدایت اور توفیق دے۔ اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے، تمھارے دین کو تمھارے لیے محفوظ بنائے۔ [2]

ذرا ان الفاظ پر غور کرو، ایک کے بعد دوسری دعا اور دوسری کے بعد تیسری۔ گویا دعا و برکت دیتے تھکتے ہی نہیں۔ یہ اسی صفت حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ کا ظہور ہے۔

اور یہ خصوصیت ذات ہمایوں ہی کی ہے۔

يَارَبِّ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى نَبِيِّكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ۔

خصوصیت نمبر 21

﴿ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

''وہ مومنوں سے بہت زیادہ پیار کرنے والا اور ان پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے''

آیت بالا میں نبی ﷺ کو رؤف اور رحیم کے اسماء سے یاد فرمایا گیا ہے۔

رؤف رافت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

رَحِيْمٌ رحم سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو صیغے مبالغہ کے اوزان [3] پر آتے ہیں، وہ معنی کثرت و فروانی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ اور جو صیغے صفت [4] مشبہ کے اوزان پر آتے ہیں وہ صفت لازم اور معنی ثابت کے مظہر ہوتے ہیں۔

لہٰذا رؤف کے معنی کامل العطوف ہیں اور رحیم کے معنی دائم الرحمت ہیں۔ سورہ حج اور سورہ بقرہ میں ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [الحج:65] ''اللہ تعالیٰ انسانوں پر رؤف و رحیم ہے۔''

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ابونعیم: 1/40، ابن ہشام: 1/185 [2] تاریخ طبری اردو ص 2/399 [3] مبالغہ کے اوزان دس ہیں اور مندرجہ ذیل لغات ان اوزان پر ہیں: (1) نَجَّارٌ (2) عَلَّامَةٌ (3) صِدِّيْقٌ (4) مِسْكِيْنٌ (5) مِسْعَرٌ (6) مِعْطَارٌ (7) نَصِيْرٌ (8) ضَرُوْبٌ (9) حَذِرٌ (10) فَارُوْقٌ مبالغہ ہمیشہ فاعلیت کے معنی دیتا ہے۔ [4] صفت مشبہ فعل لازم سے بمعنی فاعل آتا ہے۔ مندرجہ ذیل لغات اس کے وزن ظاہر کرتے ہیں: (1) حَسَنٌ (2) طَيِّبٌ (3) صَعْبٌ (4) جَبَانٌ (5) شُجَاعٌ (6) شَفِيْعٌ (7) مُهْدٌ (8) اَشْيَبُ (9) عَطْشَانُ (10) كَرِيْمٌ (11) وَقُوْرٌ (12) فَرِحٌ ہے۔ اسے مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ بھی معنی اور تصرف میں اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں یہ امر نہایت شرف وعزت اور غایت وتکریم وحرمت کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں وہ دو نام بہ حالت ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترکیب کے ساتھ خود ذات پاک سبحانی کے لیے مستعمل ہوئے ہیں۔

ہاں! اللہ المحمود کی رافت ورحمت کو عوام الناس پر عام فرمایا گیا ہے اور حضور ﷺ کو رافت ورحمت و بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ فہم معانی میں اس عموم وخصوص کا امتیاز یاد رکھتے ہوئے مومنین کے شکر وابتہاج کا مقام ہے کہ ان کو المضاعف رحمت و عطوفت کا مورد ومصداق بنایا گیا ہے۔

مناسب مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے کہ کیا دیگر اسمائے مبارکہ میں بھی نبی ﷺ کے لیے ایسا شرف وامتیاز موجود ہے۔

حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَشَقَّ لَهُ مِنْ إِسْمِهِ لِيُجِلَّهُ ‌ ‌ ‌ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

اگر حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ المؤید بروح القدس کی سنت حسنہ کا اقتدار کیا جائے، تب تو حضور ﷺ کے اسی (80) سے زیادہ ایسے اسمائے گرامی نکلیں گے جن کا توافق وتطابق اسماء اللہ الحسنٰی سے ہو جاتا ہے۔

سیرت نبویہ ﷺ کے ائمۃ الاعلام کا شیوہ رہا ہے کہ:

① جس مصدر یا فعل کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف کتاب حمید میں فرمائی ہے۔ اس سے اسم بنا لیتے ہیں۔

② جس صفت کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی توصیف الفاظ حدیث میں آئی ہے، اسے اسم شمار کر لیتے ہیں۔

③ جن اعلان کے ساتھ اشعار میں جو حضور ﷺ کے سامنے پڑھے گئے حضور ﷺ کو مخاطب یا موصوف کیا گیا ہے، ان کے اسماء کے ذیل میں شامل کر لیتے ہیں۔

ائمہ سیرت کا یہ شیوہ مستحسن ہے اور حسن ادب، نیز کمال ادب پر دال ہے۔ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں اسمائے مبارکہ کی جو فہرست وترتیب حروف تہجی درج کی گئی ہے وہ انہی اصول ثلاثہ پر مبنی ہے۔

مندرجہ بالا اصول کی صراحت کے بعد قابل گزارش ہے کہ حضور ﷺ کے جن اسماء کی صراحۃً تطبیق کلام ربانی سے ہوتی ہے، ان کا شمار بانوے (92) ہے۔ ان اسماء کے معانی کی بحث تو آگے چل کر آئے گی۔ اس جگہ حضور ﷺ کے وصف رافت ورحمت کے متعلق مختصراً کچھ لکھ دینا ضروری ہے۔

صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا۔ ①

''نبی کریم ﷺ ہم کو گاہ بہ گاہ وعظ سنایا کرتے، اس اندیشہ سے کہ روزانہ وعظ سننا ہم پر گراں نہ گزرے۔''

نبی ﷺ کا یہ اصول از راہ شفقت ورافت تھا کہ سامعین جس قدر بھی سنیں نشاط طبع اور حضور قلب سے سنیں اور آئندہ کے لیے شوق تمام باقی رہے۔

عادت مبارکہ تھی کہ جب بہ حالت نماز کسی بچہ کے رونے کی آواز سن پاتے تو نماز ہلکی فرما دیتے کہ ماں بچہ کو جلد سنبھال

---

① بخاری: 68-6411، مسلم: 7127-7129، ترمذی: 2855، احمد: 1/377

سکے۔ عادت مبارک تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پا پیادہ ہمرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے۔ اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہتے، یا تو اسے سوار کر لیتے تھے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔ عادت مبارک تھی کہ جب کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو اس کا قرض بیت المال سے قبل از تدفین ادا فرما دیتے تھے، مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔

فرمایا کرتے تھے، کسی کی غیبت میرے سامنے مت کرو، میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف دلی میں فرق آئے۔

بارہا ایسا ہوا کہ ساری ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی تھی۔ چھوٹے بچوں کو پیار کرتے، ان کو خود سلام کیا کرتے، ان کے سر پر دست شفقت رکھتے، گلی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے، غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔

ان سب امور کا ظہور از راہ شفقت و رافت ہوا کرتا تھا اور اس بلند ترین رافت و رحمت کا ظہور حضور ﷺ پرنور کے خصائص میں سے تھا۔ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

خصوصیت نمبر 22

﴿وَ مَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾ [سبا 28]

''ہم نے تجھے جملہ نوع انسانی کے لیے بھیجا ہے۔''

کتاب خروج، باب سوم میں ہے:

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بوٹے میں آگ کے شعلے نکلتے دیکھے اور دیکھا کہ وہ بوٹا جل نہیں جاتا، وہ یہ دیکھنے کو آگے بڑھے، تب اللہ نے بوٹے کے اندر سے پکارا۔ (6)

میں نے اپنے لوگوں کی تکلیف جو مصر میں یقیناً دیکھی، جو خراج کے محصلوں کے سبب سے ہے۔ سنی اور میں ان کے دکھوں کو جانتا ہوں۔ (7)

اور میں نازل ہوا ہوں کہ انھیں مصریوں کے ہاتھ سے چھڑاؤں اور اس زمین سے نکال کر اچھی زمین میں جہاں دودھ اور شہد موج مارتا ہے، کنعانیوں اور حتیوں اور اموریوں اور فرضیوں اور حویوں اور یبوسیوں کی جگہ میں لاؤں۔ (8)

اب دیکھ، بنی اسرائیل کی فریاد مجھ تک آئی اور میں نے وہ ظلم جو مصری ان پر کرتے ہیں دیکھا ہے۔ (9)

بس اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں، میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں، مصر سے نکال۔ (10)

مندرجہ بالا فقرات (7، 8، 9، 10) موسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے مقصد و مدعا کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کا عمل بھی اسی کی تائید میں ہے کہ انھوں نے بنی اسرائیل کی رہائی اور ان کو وعدہ کی زمین کی جانب لے جانے کے سوا دیگر اقوام عالم سے کچھ سروکار نہیں رکھا۔

کتاب استثناء (موسیٰ کی پانچویں اور آخری کتاب) میں ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہم کو ایک شریعت فرمائی جو کہ یعقوب کی جماعت کی میراث ہو۔ باب 32 درس 4

اس فقرہ نے شریعت تورات کا خاص اسرائیلیوں کے لیے ہی ہونا ظاہر کر دیا۔ اگر یہ فقرہ نہ ہوتا تو ممکن ہے کہ کوئی مدعی کہہ سکتا

کہ شریعت تورات سب دنیا کے لیے ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام تک جس قدر انبیائے بنی اسرائیل ہوئے وہ سب اسرائیلیوں کے لیے آتے رہے۔

اب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ہم کو صراحۃً ظاہر کر دینا ہے کہ ان کی نبوت کن کن لوگوں کے لیے تھی۔

(الف) انجیل متی کا باب 15 پڑھنا ضروری ہے، جس میں ایک کنعانی عورت کا قصہ موجود ہے۔ یہ عورت اسرائیلی نہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے پاس اس لیے آئی ہے کہ حضور اپنی معجزانہ طاقت سے اس کی بیمار بیٹی کو چنگا کر دیں۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا: میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ 24/15

''پر وہ آئی اور اسے سجدہ کر کے کہا: اے خداوند میری مدد کرو۔'' 25/15

مسیح علیہ السلام نے جواب دیا: مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیں۔'' 25/15

اس تمام واقعہ پر ٹھنڈے دل سے اور پوری سمجھ سے تامل کرنا چاہیے کہ مسیح علیہ السلام نے صاف لفظوں میں فرما دیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا اور کسی قوم کے پاس نہیں بھیجے گئے۔ انھوں نے صاف طور پر بنی اسرائیل کو فرزند سے اور دیگر اقوام کو کتوں سے تشبیہ دی اور دیگر اقوام کو اپنی برکات سے محروم ہونا اور محروم کرنا، اس دلیل سے واضح کر دیا کہ لڑکوں کی روٹی کتوں کو نہیں دی جایا کرتی۔

انجیل متی میں ذکر ہے کہ جب مسیح علیہ السلام نے اپنے بارہ (12) شاگردوں کو تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا تو یوں کہا: ''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا'' 5/10

اس سے ظاہر ہے کہ غیر اقوام میں تبلیغ کی قطعاً ممانعت فرمائی گئی اور اسرائیلیوں میں سے بھی سامریوں کے پاس جانے سے روکا گیا۔

یہ اسناد اس امر کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت اور ان کے بارہ (12) شاگردوں کے فرض تبلیغ کا رقبہ صرف اسرائیلیوں کے اندر اندر محدود تھا۔

انبیائے بنو اسرائیل کے بعد دیکھو کہ دنیا میں اور کون سے مذہب میں تبلیغ شان موجود ہے

عام لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ بدھ مت میں تبلیغ عام کا وجود پایا جاتا ہے، لیکن بدھ مذہب کی صدہا سالہ تاریخ پر عبور کر جاؤ۔ انھوں نے ہندو جاتی کے سوا کبھی اپنے عروج کے زمانہ میں بھی کسی دوسری قوم کو تبلیغ تک نہیں کی اور کسی غیر مذہب اسرائیلی، بابلی، مصری، حجازی، مغربی وغیرہ کے معتقد کو داخل مذہب خود نہیں کیا۔ سلسلہ کلام کی یہ زبردست شہادت بدھ ازم کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص بتا رہی ہے اور اگر آریہ سماج کی تحقیقات کسی حقیقت کا انکشاف کر سکتی ہے تب تو یہ بھی ہے کہ بدھ ازم کوئی علیحدہ ازم نہ تھا، بلکہ بدھ مہاراج ویدمت کو تازہ کرنے والے تھے۔ [1]

اب ویدمت کو لیجیے۔ ویدمت کے عروج کا زمانہ مہابھارت کی جنگ سے پیشتر کا ہے۔ وید اور چھ شاستر اور منوسمرتی خاموش ہیں کہ ویدمت کو کبھی تبلیغی مذہب بتایا گیا ہو، یا کسی اقوام غیر میں اس کی تبلیغ کی گئی ہو۔ منوجی مہاراج کی سمرتی کو آریہ اور سناتنی صاحبان بالاتفاق قابل سند تسلیم کرتے ہیں، اس سمرتی میں تمام آبادی کو چار ورنوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور تحصیل علم و فضل اور قراءت وید کا کام صرف برہمن ورن کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ یہ تقسیم، یہ پابندی بتلا رہی ہے کہ منوجی مہاراج اور ان کے ماتحت رشیوں نے جو سمرتی مذکور

[1] سماج کی یہ تحقیقات اس لیے صحیح نہیں کہ بدھ نے سنسکرت زبان کی تعلیم اور وید کے تعلم سے لوگوں کو روک دیا تھا۔ اس امر کا اقرار خود بدھ ازم کے مصنفین کو ہے۔

کے سیکھنے کے لیے مجتمع ہوئے تھے، ویدمت کو بھی تبلیغی مذہب نہیں قرار دیا تھا۔

دنیا کے چھوٹے چھوٹے مذاہب کا ذکر یہاں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا شاندار اقوام کا سلسلہ تعامل بھی یہی یقین دلاتا ہے۔

غور کرو کہ شریعت موسوی کا امام بھی کسی غیر اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا گیا۔ روما کے کلیسا نے پطرس (Peter) کا جانشین یعنی مسیحی برکات کا مخزن کبھی کسی غیر یورپین کو تسلیم نہیں کیا اور ایشیائی نسل کا کوئی شخص کبھی پوپ نہیں بنایا گیا۔

ہندو قوم میں کبھی کوئی یہودی یا عیسائی یا مغربی نسل کا شخص رشی یا مہارشی بلکہ کسی مندر کا پجاری بھی نہیں بنایا گیا۔

یہ عملی تجربے ثابت کر رہے ہیں کہ ان مذاہب کے پیشتر بزرگوں نے حقیقتاً اپنے اپنے مذاہب کو محدود رقبہ اور محدود قوم کے لیے خاص سمجھا ہوا تھا۔

نبی ﷺ کے اس منصب کا کہ حضور ﷺ کل دنیا کے لیے مبعوث ہیں۔ آیت زیب عنوان کی دیگر آیات میں بھی اعلام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

﴿ قُلْ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [الاعراف:158]

''اے نبی ﷺ کہہ دیجیے کہ اے نسل انسانی کے بچو! میں سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ وہ اللہ تو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔''

خصوصیت نمبر 23

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ [الفتح:10]

''جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔''

مبایعت بیع سے ہے۔ لغت میں بیع مطلقاً بمعنی مبادلہ ہے۔ شرعاً اخذ ثمن اور عطائے مثمن کو جب کہ بہ تراضی جانبین ہو، بیع کہتے ہیں۔

بیع بمعنی شرا اور شرا بمعنی بیع بھی مستعمل ہے۔ یہ جانبین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ الغرض مبایعت میں جانبین کو کچھ دینا اور کچھ لینا ضروری ہے۔

بیعت، اصطلاح میں اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں جو اطاعت امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا التزام بھی اسی لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے وہ بمقام حدیبیہ درخت سمراء کے تحت میں ہوئی تھی۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾ [الفتح:18]

''اللہ ان سب مومنوں سے راضی ہو گیا جو کہ شجرہ کے نیچے رسول اللہ سے بیعت کر رہے تھے۔''

اس بیعت کی ضرورت درحقیقت یہ تھی کہ نبی ﷺ نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مکہ کے لیے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا، ان کی معیت میں دس (10) صحابہ بھی بھیجے گئے۔ ان کے پہنچ جانے سے ایک دو روز بعد حضور تک ایک اڑتی ہوئی خبر پہنچی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثان رضی اللہ عنہ کو قید اور ان کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ اگر اس کی صداقت ہو جاتی تو حرمت سفارت اور احترام سفر کے لیے جنگ کرنا اخلاقاً وشرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ حضور ﷺ کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ صرف ادائے عمرہ وطواف کی نیت سے آئے تھے۔ ان کے علم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش وتبار اور قرابت داروں کے منہ پر تلوار چلانی ہوگی۔

لہٰذا یہ بیعت کر لینی پڑی۔

جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ اس وقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ سو (1400) کس تھی۔ [1]

نبی ﷺ درخت کے سایہ میں نور افروز تھے، بیعت لینے کے لیے دست مبارک پھیلایا ہوا تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کے ہاتھ کا سہارا بنایا ہوا تھا کہ ید مبارک کو تکان نہ ہو۔

لوگ آتے تھے اور یکے بعد دیگر بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سلمہ بن اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے بیعت علی الموت کی تھی۔ اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھوں نے عدم فرار کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایات کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظ بیعت کو خود بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بے شک حریت اسلام ایسی ہی حریت نفس کی معلم ہے، جس میں اجبار واکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اس جم غفیر کے اندر صرف ایک شخص جد بن قیس اسلمی ایسا تھا جو اپنے اونٹ کی اوٹ میں جا چھپا تھا اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حریت اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اس پر بھی کچھ سختی نہیں کی گئی۔ البتہ حضور ﷺ نے مبایعین کا شرف جاہ ظاہر کرنے کے لیے یہ ضرور فرمایا:

أَنْتُمْ خَيْرُ الْأَرْضِ ''آج تم روئے زمین کے جملہ موجودہ اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو۔'' [2]

اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے رضوان الٰہیہ کا تعلق مستحکم اور رابطہ قویم ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ [التوبۃ:111]

''اللہ نے مومنین کی جانوں کو خرید لیا ہے اس تبادلہ میں کہ جنت ان کی ہے۔''

فرمایا: ﴿ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ﴾ [التوبۃ:111]

''اپنی ایسی بیع پر تم کو پوری پوری خوشیاں منانی چاہئیں۔''

میں نے اس آیت کا ذکر خصائص النبی ﷺ میں اس لیے کیا ہے کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص فضل محمدیہ ﷺ کا ثبوت حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] بخاری: 4840,4154، مسلم: 4814,4809 [2] مسند احمد: 3/308، بیہقی: 5/235، البدایہ والنہایہ: 4/171

غور کرو کہ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے بالعین ذات قرار دیا ہے۔

اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زیب عنوان ﴿ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ﴾ [الفتح:10] کے الفاظ ہیں۔امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ لفظ يَدُ ہر دو جگہ میں یا تو بمعنی واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی ہیں۔

① اگر "يَـــدُ" کے معنی ہر دو جگہ ایک ہی ہیں، تب معنی آیت یہ ہیں کہ احسان الٰہی تمھارے احسان سے برتر و اعلیٰ ہے۔

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ ﴾ [الحجرات:17]

''بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی۔''

نیز یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو جو نصرت و تائید منجانب اللہ حاصل ہے۔وہ اس تائید و نصرت سے بہت برتر و اعلیٰ ہے جو حضور ﷺ کو منجانب صحابہ رضی اللہ عنہم حاصل ہے۔

لفظ يَدُ بمعنی غلبہ و نصرت و قوت زبان عرب میں بخوبی مستعمل ہے۔محاورہ ہے کہ اَلْيَدُ لِفُلَانٍ اب فلاں شخص کا غلبہ ہے۔

② يَدُ [1] کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے۔تب يَدُ اللّٰهِ کے معنی حفظ الٰہی ہیں اور اَيْدِيْهِمْ سے مراد مبائعین کے ہاتھ (یہ جارحہ جسمانی) ہیں اور بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت و نصرت ہمیشہ ان مبائعین کے ساتھ ہوگی۔

اس کی تائید اسی سورہ مبارکہ میں تھوڑی دور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے۔

﴿فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًاO وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا﴾

''اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا۔ان پر سکینہ اتارا،ان کو فتح قریب عطا فرمائی اور وہ بڑی فتوحات بھی ان کے لیے خاص کر دیں جن کو وہ حاصل کریں گے۔'' [الفتح 18-19]

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے ماتحت عمال و گورنر و جرنیل و قاعدین لشکر اور فاتحین کشور انھی بیعت کرنے والوں میں تھے۔ حضر موت، عمان، عراق و فلسطین، شام و مصر، افریقہ و سوڈان، تیونس و الجزائر، مالٹا اور کریٹ، ایران و خراسان کی فتوحات و مغانم انھی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے حکم برداروں کو حاصل ہوئی تھیں۔

ہاں یہی وہ بزرگ ہیں جو مفہوم آیت اور اس بشارت عظمیٰ کے مظہر ہیں۔انھی کے دلوں کا امتحان لیا گیا اور انھی پر نزول سکینہ ہوا، وہ سکینہ جس کے نزول کا ذکر احوال موسیٰ علیہ السلام میں بھی ہے۔

انھی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی کہ کل دنیا کے ہاتھ ان کے سامنے پست تھے۔کبھی کسی سلطنت کی قواعد دان اور باقاعدہ مسلح افواج ان پر غالب نہ آسکیں۔﴿ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ﴾ [الفتح:20] ''لوگوں کے ہاتھ تم سے روک لیے'' کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضل و شرف، جاہ و احتشام، دولت و اقبال مادی اور رحمت و برکات روحی کا سبب، ذریعہ کیا تھا؟ یہی بیعت نبوی ﷺ

---

[1] اہل حدیث لفظ يَدُ کی کوئی تاویل نہیں کرتے،لیکن اللہ تعالیٰ کو جسم و لوازم جسم سے پاک و برتر تسلیم کرتے ہیں اور مجسمہ و معطلہ سے علیحدہ ہیں۔صفات میں ان کا مسلک ہر ایک ایچ پیچ سے پاک و صاف ہے۔

یہی اتباع محمدی ﷺ، یہی صدق واخلاص جو انھیں پیارے رسول ﷺ کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔

لہٰذا وہ سب طفیلی تھے۔ ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی ﷺ ہی کی ذات مبارک سے ہے۔

اور نبی ﷺ کا یہ شرف حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

خصوصیت نمبر 24

﴿ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ [الاحزاب:40]

''بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی ان کو ختم کر دینے والے ہیں)''

خاتم اور ختم [1] دونوں کے ایک معنی ہیں۔ النبیین کا الف لام جنس جملہ انبیاء ورسل پر جاری ہے۔ کلام اللہ کی یہ آیت اعلان کر رہی ہے کہ سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود باجود پر نبوت کا خاتمہ کر دیا گیا۔

یہ ایک عجیب پیش گوئی ہے اور اس کے اندر ایک عجیب طاقت منجانب اللہ موجود ہے۔

ایران کو دیکھو، وہاں ہزاروں سال تک متواتر سروش آسمانی کی آواز بیسیوں پاک سرشت بزرگوں کو سنائی دیتی رہی۔

ہندوستان کا دعویٰ ہے کہ یہاں کروڑوں سال تک مہارشی ایسے ہوئے، جن پر آکاش بانی کا پرکاش ہوتا رہا۔

بنی اسرائیل کے حالات پڑھو، جہاں ایک ایک وقت دودو، چار چار نبی موجود پائے گئے۔

مصریوں، چینیوں نے بھی سینکڑوں سال تک اپنے اندر نبوت ورسالت ہونے کے دعاوی کو بلند کیا۔

لیکن جب سے کلام اللہ میں آیت زیب عنوان کا اعلان ہوا اور ختم نبوت کا فرمان سنا دیا گیا ہے اس وقت سے ان سب مذاہب وادیان نے بھی اپنے اپنے دروازوں پر قفل ڈال دیے ہیں۔

مجوس اب کیوں کسی شخص کو جائے اسپ وزرتشت کے اورنگ پر نہیں بٹھلاتے۔ آریہ دت اب کیوں آکاش بانی کا ایک حرف بھی نہیں سنتا۔

بنی اسرائیل کیوں اپنی قوم اور اپنے ملک میں کسی کا نبی ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

پیارے قارئین! یہ سب قدرت الٰہیہ کا روشن کارنامہ ہے، جس نے نبی ﷺ کو خاتم النبیین بتانے کے بعد تمام دنیا کے جملہ مذاہب کے دماغوں اور طبیعتوں سے بھی یہ بات نکال دی ہے کہ خود ان کے مذہب کے اندر بھی کسی کو پیغمبر، نبی، رسول، اوتار کہا جائے۔

دنیا بھر کا یہ عملی فیصلہ یا طبعی میلان، بلکہ فطری وجدان ظاہر کرتا ہے کہ قدرت ربانی نے اس خصوصیت کو وجود اقدس نبویہ سے خاص رکھنے میں کیسی زبردست حفاظت فرمائی ہے۔

کوئی غیر مسلم یہ نہیں کہہ سکتا کہ نبی ﷺ نے اپنی ذاتی توصیف کے لیے ایسا فرمادیا ہے۔

[1] اس لیے کہ دعویٰ کرنا آسان ہے، مگر زمان مستقبل پر حکومت کرنا دشوار ہے، یہاں تو چودہ صدیوں کا

---

[1] خاتم بفتح بمعنی ختم الفارس ۔ منتهى الارب ۔ المنجد وغیرہ۔

زمانہ ① اور مختلف و متعدد مذاہب کا متفقہ رویہ اس کی تائید میں موجود ہے۔ جس شے کی تائید میں خود نیچر ہو وہاں تصنع کا کیا دخل رہ جاتا ہے؟

② اگر نبی ﷺ کو اپنا ذاتی فخر بھی قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضور ایسا کر سکتے تھے کہ اپنے متبعین کو نبوت کے منصب سے ممتاز بناتے اور موسیٰ علیہ السلام سے بڑھ کر اپنی اتباع کرنے والے انبیاء کی شان اور تعداد کا اظہار کرتے۔

بعض مسلمان صوفیا کی نسبت یہ بات زبان زد عوام ہے کہ انھوں نے خدا ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ اول تو ان روایات کی صحت بالکل مشکوک ہے۔ دوم اگر ثابت بھی ہو جائے کہ کسی شخص نے اَنَا الْحَقُّ بھی کہایا سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ بھی کہا تب بھی یہ نتیجہ تو صاف نکلتا ہے کہ خدا بننا تو ان کو سہل نظر آیا مگر نبی کہلانے کی جرأت وہ بھی نہ کر سکے۔ ایسے ہی لوگوں میں یہ مصرعہ بہت شہرت یافتہ ہے۔

ع با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

ذیل میں ان اسلامی روایات کا اندراج ضروری ہے، جو آیت زیب عنوان کی تفسیر میں نبی ﷺ سے باسناد صحیحہ ثابت ہیں۔

① عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَثَلِیْ وَ مَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُهٗ وَ تُرِكَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ وَ طَافَ بِهِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِهٖ اِلَّا مَوْضِعَ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَكُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَ خُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ وَ فِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا اللَّبِنَةُ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔ ②

”امام بخاری رحمہ اللہ و امام مسلم رحمہ اللہ نے بالاتفاق ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا میری مثال اور دیگر سب انبیاء کی مثال ایک محل کی سی ہے، جسے خوب بنایا گیا تھا مگر ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ دیکھنے والے آتے تھے۔ مکان کی عمدگی اور اس خالی جگہ کے متعلق تعجب ظاہر کرتے تھے۔ اب میں ہوں۔ جس نے اس خالی جگہ کو بھر دیا ہے۔ میرے ذریعہ ہی سے عمارت ختم ہوئی اور میری وجہ ہی سے رسول ختم کیے گئے اور وہ اینٹ میں ہوں اور میں سب انبیاء علیہم السلام کا ختم کرنے والا ہوں۔“

② عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ وَّ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِیْ الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰهُ بِیَ الْكُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَ اَنَا الْعَاقِبُ وَ الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَهٗ نَبِیٌّ ③

”صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متفقہ روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے ہے کہ میں نے نبی ﷺ کی زبان سے سنا ہے کہ حضور فرماتے تھے میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں۔ اللہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو محو کر دیا۔ میں حاشر ہوں کہ لوگ قیامت کو میرے بعد اٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی اور نہ ہو۔“

③ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَاءِ بِسِتَّةٍ اُعْطِیْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَ اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَ جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا وَّ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً وَ خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ ④

---

① 9 ربیع الاول 1347ھ کو یوم ولادت مطہرہ سے پورے چودہ سو (1400) برس ہو جاتے ہیں۔ یعنی 5ھ میں 53 سال حضور ﷺ کی عمر بوقت ہجرت کو جمع کر لینا چاہیے۔ ② بخاری: 3534، ترمذی: 3531، ابن ماجہ: 567، مسند احمد: 412/2۔ ③ اس حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے پانچ نام فرمائے۔ محمد و احمد اور ان کے معانی نہیں فرمائے۔ ماحی، حاشر، عاقب۔ ان کے معانی بتلائے، اس سے واضح ہوا کہ محمد و احمد ﷺ ذاتی نام ہیں اور ماحی، حاشر، عاقب وصفی نام ہیں۔ بخاری: 3532، مسلم: 6105، ترمذی: 2840 ④ مسلم: 1167، ترمذی: 1553، مسند احمد: 412/2، اس حدیث کی شرح ہم آگے جا کر لکھیں گے۔

''صحیح مسلم میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے سب انبیاء پر چھ باتوں میں فضیلت ہے۔ (1) مجھے کلمات جامعہ عطا فرمائے گئے۔ (2) مجھے رعب سے مدد دی گئی۔ (3) مالِ غنیمت ہم پر حلال کیا گیا، (4) روئے زمین کو ہمارے لیے مسجد اور سببِ طہارت بنایا گیا اور (5) مجھے تمام مخلوق کے لیے رسول بنایا گیا۔ (6) میری ذات پر انبیاء کا خاتمہ ہو گیا۔''

(4) عَنْ اَبِیْ اَمَامَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ خُطْبَةِ الْوَدَاعِ اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّه، لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا اُمَّةَ بَعْدَکُمْ [1]

''ابن جریر و ابن عساکر نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا۔ لوگو! یاد رکھو، میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمھارے بعد کوئی امت نہیں۔''

(5) رَوٰی اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالْحَاکِمُ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ مَرْفُوْعًا اَنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ۔ [2]

''زرقانی (شرح المواہب اللدنیہ) میں ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح اسناد کے ساتھ انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اب رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے، لہٰذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہو گا اور نہ کوئی نبی ہو گا۔''

(6) عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلٰثُوْنَ کَذَّابًا کُلُّهُمْ یَزْعَمُ اَنَّه، نَبِیٌّ وَ اَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ [3]

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، میری امت میں تیس (30) شخص ایسے ہوں گے جو کذاب ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا گمان یہ ہو گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(7) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ۔ [4]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہوتے۔''

سب جانتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نبی نہ تھے۔ ثابت ہو گیا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

(8) جنگ تبوک کے موقع پر نبی ﷺ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا۔

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضور ﷺ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا:

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّه، لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ [5]

''کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے

---

[1] الطبرانی فی الکبیر: 136/8، کنز العمال: 12922، مجمع الزوائد: 263/8، تہذیب دمشق: 419/6 [2] ترمذی: 2272، کنز العمال: 41407، جمع الجوامع: 5566، مسند احمد: 267/3، حاکم: 391/4 [3] مسلم: 2889/19، ابوداؤد: 4252، ترمذی: 2176، ابن حبان: 7238، مسند احمد: 278/5
[4] مسلم: 3686، اسد الغابہ: 151/4 [5] بخاری: 4416، مسلم: 6218، ترمذی: 3731، ابن ماجہ: 115

بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

موسیٰ علیہ السلام میقات ربی کے لیے طور پر چالیس (40) یوم ٹھہرے اور اپنے بعد ہارون علیہ السلام کو خلیفہ بنا گئے تھے۔ نبی ﷺ کو بھی غزوہ تبوک میں قریباً پچاس (50) یوم مدینہ سے باہر رہنے کا اتفاق ہوا۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اس واقعہ میں خلافت بعد وفات رسول ﷺ کا اشارہ نہیں، کیوں کہ ہارون علیہ السلام کی وفات موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئی تھی۔

﴿9﴾ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جب نبی کریم ﷺ کو آخری غسل دے رہے تھے تو اپنی زبان سے یوں فرما رہے تھے۔

بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ لَقَدْ انْقَطَعَ بِمَوْتِكَ مَا یَنْقَطِعُ بِمَوْتِ غَیْرِكَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبَآءِ وَاَخْبَارِ السَّمَآءِ۔ [1]

"میرے ماں باپ حضور ﷺ پر قربان ہوں، حضور ﷺ کی موت سے وہ چیز ختم ہوگئی جو اور کسی شخص کی موت سے ختم نہ ہوئی تھی۔ یعنی نبوت اور اخبار غیب اور آسمان سے خبروں کا آنا اب ختم ہوگیا۔"

ان صحیح ترین روایات اسلامیہ کی تصدیق قاہرہ نے جملہ مذاہب کی زبان بندی سے فرما دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت وہ خصوصیت خاصہ ہے جو بالکل حضور ﷺ ہی کی ذات اقدس کو حاصل ہے۔

اس آیت کے ساتھ آیت ﴿ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ ﴾ کی تفسیر بھی پڑھ لینا چاہیے تا کہ معلوم ہو جائے کہ ختم نبوت کا منصب اس کو شایان ہے جو کمال دین اور اتمام نعمت کی بشارت سے بھی مبشر ہو۔

الغرض آیت زیب عنوان نہایت مستحکم دلائل اور قطعی براہین کے ساتھ حضور کی خصوصیت ختم المرسلین کو واضح کر رہی ہے۔ والحمد للہ علی ذٰلک!

اب اگر اہل اسلام کے اندر کوئی شخص ایسا ہے، جسے اپنی نبوت کا زعم ہو تو اسے مناسب ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کو پیش نظر رکھ کر اگر چاہے تو تیس (30) کے شمار میں داخل ہو جائے یا ارشاد نبوی ﷺ کے سامنے اپنے زعم باطل کو چھوڑ کر تائب و مومن بن جائے۔

خصوصیت نمبر 25

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ [الانبیاء:107]

دنیا میں ہزاروں نامور اشخاص گزرے ہیں جو آسمان شہرت پر روشن انجم ہو کر چمکے۔ ان کے خطابات سے ان کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

کسی کا لقب مہاراجہ ادھیراج ہے،

کوئی شہنشاہ کہلاتا ہے،

کوئی مہادیو، کوئی مہابلی، کوئی تہمتن، کوئی رومین تن، کوئی گنوپال، کوئی فرزند نور، کوئی یودھا (بمعنی بیدار) کوئی سولہ کلاں سپورن، کوئی چندر بنسی، کوئی سورج بنسی وغیرہ وغیرہ۔

یہ اور اس جیسے دیگر خطابات اس شخص کی اپنی ذات و اوصاف کے متعلق ایک نمایاں خصوصیت کے مظہر ہیں، لیکن ایسے خطابات سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ دنیا بھر کی مخلوقات سے اس ہستی کی کیا نسبت ہے؟

---

[1] نہج البلاغہ ص: 205

لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ ایسا خطاب ہے جو صرف اسی نسبت اور تعلق کا مظہر ہے جو ممدوح الوصف کو مخلوقات کے ساتھ ہے۔

رحمت کے معنی پیار، ترس، دیا، ہمدردی، غمگساری، محبت اور خبر گیری ہیں۔ ان الفاظ کے معانی اس لفظ کے اندر پائے جاتے ہیں۔

کوئی شخص ہے، جو یہ کہہ سکتا ہے کہ اسے مندرجہ بالا اخلاق کی کچھ ضرورت نہیں اور وہ ان اوصاف کے فیوض سے مستغنی رہ سکتا ہے۔ غالباً کوئی بھی ایسا شخص نہیں نکلے گا۔

عالم علمیت کی صفت سے بنا ہے، یعنی وہ ہر ایک شے جس میں نمودار ہونے، ظہور پکڑنے، اپنی ہستی کو نمایاں کرنے اور اپنے وجود کی نمود رکھنے کی قابلیت ہے۔ وہ لفظ عالم سے موسوم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس لفظ کا استعمال انواع واصناف واجناس کے ممیز کرنے میں اکثر کیا جاتا ہے۔ عالم جمادات، عالم نباتات، عالم حیوانات، عالم علوی عالم سفلی اور جذبات وذہنیات وکوائف کے لیے بھی استعارۃً اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔ عالم وجد، عالم شوق، عالم شباب وغیرہ۔

الغرض لفظ عالم کا استعمال مخلوق مادی وذہنی تک وسیع ہے۔ عالمین صیغہ جمع ہے اور جملہ عوالم پر اس کا احاطہ ہے۔

اب اندازہ کرو اس مقدس ہستی کا، جس کا سب سے پیار ہے جو سب پر ترس کھاتا ہے، جو ہر ایک کا ہمدرد وغمگسار ہے۔ جس کی محبت عام ہے جو ہر ایک مقتضیات کو اپنی تعلیم سے پورا کر سکتا ہے، جو ہر ایک وساوس کو اپنے حقائق سے ہمدرد دوست بنا سکتا ہے، جس کے فیوض سے مادیات وذہنیات تصورات وتصدیقات کو شادابی ودرستی، صحت وصداقت حاصل ہوتی ہے۔

رب العالمین نے سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ جس طرح پروردگار کی الوہیت عام ہے اور اس کی ربوبیت سے کوئی ایک چیز بھی لاپروا نہیں رہ سکتی، اسی طرح رسول کریم ﷺ کی تعلیمات وتفہیمات سب کے لیے اور سب کے فائدہ کے لیے ہیں اور کوئی شے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے خود کو مستغنی ثابت نہیں کر سکتی۔

شاید کسی بے فکرے کو یہ کہہ دینا آسان ہو کہ اسے سورج اور گرمی کی احتیاج نہیں، لیکن ایک عالم اور صاحب دماغ کے لیے یہ کہنا سخت دشوار ہے کہ اسے تعلیمات محمدیہ ﷺ کی مطلقاً حاجت نہیں۔ دنیا اور دنیا کی قومیں غور کریں کہ نبوت محمدیہ کے بعد کیوں کر انھوں نے حضور ﷺ کی تعلیمات کا اقتباس بالواسطہ یا بے واسطہ طریق سے کیا ہے اور کیا کیا بھیس بدل بدل کر اس خرمن حیات سے خوشہ چینی کی ہے۔

حضور ﷺ کی سیرت پر غور کرو اور حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین ہونے کا مفہوم اس سیرت سے سمجھنے کی سعی کرو۔

1. رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے 14، 15 سال کی عمر میں حرب الفجار کو دیکھا اور اس وقت سے ایک قوم کا دوسری قوم پر حملہ آور ہونا، انسان کا انسان کو شکار غضب ووحشت بنانا ناپسند فرمایا۔

2. رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس کی فطرت سلیمہ اور طینت طیبہ نے حلف الفضول کے عہد وپیمان کو مستحکم استوار بنایا اور ایک شریف النفس کے لیے دادخواہی مظلوماں اور دستگیری مظلوماں، حفاظت مسافراں اور اعانت بے چارگاں کے اوصاف کا حاصل کرنا لازم ٹھہرایا۔ [1]

3. رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے دشمن کو بھی دوست بنا لینے کی تدبیر سکھائی۔

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ [حم سجدہ:34]

"برائی کی مدافعت خوبی ونیکی سے کرو۔ پھر تو تمھاری عداوت والا بھی تمھارا گرم جوش دوست بن جائے گا۔"

---

[1] قبل از نبوت محمدیہ مکہ معظمہ میں ایک انجمن قائم کی گئی تھی، جس کے ممبر قسم کھایا کرتے تھے کہ وہ مظلوموں کی امداد کیا کریں گے، عورتوں اور یتامیٰ پر ظلم نہ ہونے دیں گے، قتل وغارت گری کے روکنے کی سعی کیا کریں گے۔ اس انجمن میں فضل نام کے کئی ممبر شامل تھے۔ اس لیے اس انجمن کا نام حلف الفضول ہو گیا تھا۔

(بخاری: 3، ابن ہشام: 91/1، الروض الانف: 155/1)

④ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے عداوت کرنے والے دشمنوں، حقوق جائز سے محروم کرنے والے دشمنوں، عبادت سے روکنے والے دشمنوں کے ساتھ بھی ہر ایک انتقامی کارروائی کرنے سے اہل ایمان کو روکا، اس وقت جب کہ اہل ایمان میں انتقام لینے کی طاقت وقوت بھی موجود تھی۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ [المائدۃ:2]

''اس قوم کا بغض جس نے تم کو حرمت والی مسجد سے روک دیا تھا، اس امر کی طرف کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان سے خلاف انصاف کرنے لگو۔''

⑤ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے کاہنوں کی ترہب کو، ہندوؤں کے جوگ اور سنیاس کو، یہودیوں کے فرقہ لاماساں کو، یونانیوں کے گروہ کلبیہ کو، عیسائیوں کے نن اور منک کو اور ان سب کے افسوسناک اور عبرت خیز نتائج کو دیکھا۔ اور:

﴿ وَرَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ﴾ [الحدید:27]

''رہبانیت تو لوگوں کی خود ساختہ گھڑت ہے، اللہ نے تو اسے انسان کے لیے کبھی مفید نہیں فرمایا۔''

کا فرمان سنایا۔ اور لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ [1] (اسلام میں رہبانیت نہیں) کے ارشاد سے تمدن اور انسانیت کو تاج امتیاز فرمایا۔

⑥ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو یہودیوں کی ایک خاص نسل ہی کے افراد کو اللہ کے برگزیدہ قوم کے لقب سے مخصوص نہیں کرتا۔ جو کاتھولیکوں کی طرح آسمان کی کنجیاں شخص واحد کے ہاتھ میں سپرد نہیں کر دیتا۔ جو گنگا اور بیھویا کے برہمنوں ہی کو نرگ (دوزخ) اور سرگ (جنت) میں آدم انسانی کے دھکیل دینے کی طاقت کا ٹھیکہ دار نہیں بناتا۔ جو چین والوں کی طرح کسی خاص رقبہ میں پیدائش کی بنیاد پر ان کو فرزندان آسمانی کا خطاب عطا نہیں کرتا۔ جو زرتشتیوں اور لاماؤں کی طرح پیروان خاص کے سوا باقی سب پر رحمت وافضال سے بھرپور خزانے بند نہیں کرتا۔

⑦ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس کی نگاہ میں رومی، یونانی، مصری وسوڈانی سب مساوی ہیں۔ جس کے دربار میں مدعم، سوڈانی، بلال حبشی، فیروز خراسانی، سلمان فارسی، صہیب رومی، ثمامہ نجدی اور عدی طائی رضی اللہ عنہم پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں۔ جہاں جندل کا بادشاہ اکیلا نہیں بلکہ عمان کا حکمران حمیر ان آل حمیر کا مدعی الوہیت ذوالکلاع اور یمن کا بڑا کاہن ضماد، غلامان بارگاہ سے بہت پیچھے صف نعال (جوتوں) میں خرم وشادمان موجود ہے۔

⑧ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو یہود جیسی مخذول ومغضوب قوم کو جسے نہ صرف عیسائیوں نے بلکہ بت پرستوں نے بھی ذلیل وخوار ٹھہرایا تھا، مستقل قوم ہونے کا درجہ عطا فرماتا اور معاہدات میں ان کو مساویانہ حقوق کے عطیہ سے شادکام فرماتا ہے۔

⑨ رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو جملہ عیسائی اقوام کی اس وقت حفاظت فرماتا ہے جب کہ دوسری مذہبی کونسل پہلی مذہبی کونسل اور تیسری مذہبی کونسل کو کفر ولعنت کا تحفہ پیش کرنے کے بعد اپنی مذہبی کارروائی کیا کرتی تھی۔

وہ عیسائیوں کے جان ومال کو اس وقت محفوظ فرماتا ہے، جب کہ مسیح کے جسم ایک روح یا دو روحوں کے ہونے کے مسئلے نے یروشلم اور روما اور مصر میں خون ریزی کو عام کر رکھا تھا۔

⑩ رحمۃ للعالمین ﷺ وہی ہے، جس کی تعلیم لوتھر (Lother) کی رہنمائی کرتی ہے، اس کے مخالف اسے خفیہ مسلمان ہونے کا الزام

---

[1] تذکرہ الموضوعات للقیسرانی:989، کشف الخفاء للعجلونی:528/2

بھی لگاتے ہیں مگر رحمۃ للعالمین ﷺ کے فیوض سے استفادہ کرنے میں نہیں جھجکتا اور بالآخر یورپ کو الوہیت سے انسانیت پر لے آتا ہے اور ظاہریت پرستی کو گرجاؤں سے دور کر دیتا ہے۔

11 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو جملہ اقوام وممالک عالم کو دین صحیحہ کی تعریف سے روشناس فرماتا ہے۔

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ﴾ [الروم:30]

''اللہ کی پیدا کردہ فطرت جس پر انسانی سرشت بنائی گئی ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں، اسی کو دین قیم کہتے ہیں۔''

اہل روما نے اپنی اپنی مقدس کتابوں سے اور فلسفی اپنے بہتر رہنماؤں کی تعلیمات میں سے نکال کر دکھلائیں کہ دین صحیحہ کی یہ تعریف بھی کبھی کسی اور جگہ بتلائی گئی ہے؟

دین صحیحہ کے متعلق ایک دوسرا اصول سکھایا گیا ہے:

﴿ وَ مَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ﴾ [الحج:78]

''دین کے متعلق ارادہ الٰہی یہ نہیں کہ وہ انسان کو تکلیف اور دشواری میں رکھے۔''

تیسرا اصول، جس پر شریعت مصطفویہ ﷺ کے احکام کا نفاذ ہوا۔

﴿ وَ لٰكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَ لِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ ﴾ [المائدۃ:6]

''ہاں! شریعت سے ارادہ الٰہی کا مقصود یہ ہے کہ انسانوں کو پاک وصاف ٹھہرائے اور ان پر اتمام نعمت بھی فرمائے۔''

تعریف بالا اور اصول بالا کو مسلم رکھتے ہوئے بھی یہ ارشاد ہے:

﴿ لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ ﴾ [البقرۃ:156]

''دین کے بارے میں کسی پر زور اور زبردستی نہیں، ہدایت اور ضلالت کو کھلے طور پر واضح کر دیا ہے''

12 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس کی تعلیم اختلاف الوان اور تبلبل زبان اور تباین ملکی سے بہت بلند ہے۔ جس کی تعلیم میں حسب و نسب کا خالی دعویٰ صداقت سے عاری ہے۔

13 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے سب سے پہلے ﴿ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ کے دین واحد کی دعوت یکساں طور پر خویش و بیگانہ کو دی۔ جس نے سب سے پہلے احمر و اسود، غربی و شرقی، مبتدین وغیر مبتدین کو قوم واحد بنایا اور ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی ارادہ دلوں میں قائم کر دیا۔

14 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے ترہب اور تبتل میں تفریق کی۔ جس نے ایک گرہستی گرہست میں رہ کر سنیاسی بنایا اور جس نے مصائب دنیوی کے خوف سے قطع تعلق کرنے والے کو ناخوشنودی رحمٰن کا کام مورد بتلایا جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

15 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے۔ جس نے قلب سلیم کی تعریف فرمائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

16 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے دیکھا کہ کہیں عورت کو اناج، غلہ، روپیہ، پیسہ کی طرح دان میں دیا جاتا ہے (ہندومت) اور

کہیں عورت کو بے روح بتایا جاتا ہے، یا کبھی عورت کو مجسم شیطان تعبیر کیا جاتا ہے (سترہویں صدی سے پہلے پہلے کی عیسائیت) کہیں اسے صرف اغراض شہوانی کا آلہ قرار دیا گیا ہے۔ (یہودیت) اور کہیں بے جان زمین کی طرح اسے سب مردوں کا لکدکوب ہونا تجویز کیا ہے۔ (ایران کے مزدکیہ ومانویہ) اور جملہ حالات میں اس کی شخصیت وذہنیت اور حقوق کا ذرہ بھی پاس ولحاظ نہیں رکھا گیا۔ ان جملہ مصائب کو دور کرنے کے لیے یہ حکم سناتا ہے:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ﴾ [البقرۃ:228]

جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق بھی مردوں پر ہیں۔

علم نحو میں لام استحقاق وتخصیص وتملیک کے لیے آتا ہے۔ لہٰذا لَهُنَّ کا لام عورتوں کو بہت کچھ حقوق عطا کرتا ہے۔

ارشاد فرمایا: ’’اَلنِّسَآءُ شَقَآئِقُ الرِّجَالِ‘‘ [1]

عورتیں مردوں ہی کی ایک جزو اور حصہ ہیں یا عورتیں مردوں کے لیے گل وریحان ہیں۔

ارشاد فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی النِّسَآءِ عورتوں کے معاملات میں تقویٰ الٰہی سے کام لینا۔ [2]

17 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے رسوم کی زنجیروں اور اندھی تقلید کی بیڑیوں اور آبائی مراسم کی ہتھکڑیوں سے انسان کو آزاد کیا، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کے ان کارناموں کو اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

﴿وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ۔﴾ [الاعراف:157]

’’بوجھ اتار دیے اور زنجیر وطوق کو ان سے اتار کر دور پھینک دیا۔‘‘

18 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو قوموں کو قوموں کے ساتھ موالات کے اصول سکھاتا ہے اور عدم موالات کی حدود کو بھی قائم کر دیتا ہے تاکہ موالات کی تعریف جامع ہو جائے اور مانع بھی۔ حضور ﷺ نے یہ فرمان سنایا:

﴿تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدۃ:2]

’’جملہ اقسام نیکی میں اور جملہ انواع خدا ترسی میں تم سب کے ساتھ تعاون کیا کرو اور جملہ اصناف گناہ میں نیز جملہ اشکال عدوان میں تم کسی کی مدد نہ کیا کرو۔‘‘

19 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس کا کام جملہ خصائل رذیلہ اور اخلاق نکوہیدہ (اخلاق رذیلہ) سے انسان کو پاک وصاف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَیُزَكِّیْهِمْ وہ ان کے میل کچیل کو دور کر کے ان کو پاک وصاف بناتا ہے۔

20 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جو انسانیت کے درجہ رفیع کو نہ تو زر ودولت کے لباس میں دیکھتا ہے اور نہ فقر وتہی دستی کے وقت اس کی نفی فرماتا ہے، بلکہ انسانیت کا مدار اور ابن آدم کہلانے کا استحقاق وہ صرف ایمان اور علم پر مبنی کرتا ہے۔

لفظ ایمان فرائض الٰہیہ پر اور لفظ علم واجبات وجود پر پوری طرح سے حاوی ہے۔ فرمان ذیل پر غور کرو۔

﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ لا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔﴾ [المجادلۃ:11]

’’اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے، ان کے جو تم میں سے ایمان لا چکے ہیں اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے۔‘‘

---

[1] ابوداود: 236 [2] مسلم: 2950؛ ابوداود: 1905؛ ابن ماجہ: 3074؛ ترمذی: 1163؛ دارمی: 1906

فضیلت علمی کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرنے کے لیے فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ۔ [1] ''عالم کی عابد پر فضیلت اتنی ہے جتنی نبی کو ادنیٰ امتی پر ہوتی ہے۔''

21 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ [2] کے راز سے دنیا کو واقف بنایا اور سمجھایا کہ طلاق کا وجود خاص خاص دشواریوں کے حل کرنے کے لیے ضروری ہے اور اس وقت طلاق کی ضرورت ایسی ہی ہو جاتی ہے، جس طرح ایک عضو میں سمیت آ جانے کی وجہ سے اس کا جسم انسانی سے بذریعہ قطع و برید جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اگرچہ قطع عضو بہر حال ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

ہاں یہ حکم طلاق دینے والے کو سمجھایا جاتا ہے کہ اب وہ ایسے خطرناک فعل کا اقدام کرنے لگا ہے جو اللہ تعالیٰ کو صرف ناپسند ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بغض بھی ہے۔ لہٰذا جب تک یہ مسلم نہ ہو جائے کہ صرف یہی ایک صورت مرد کی بقا و صحت و حفاظت ایمان و عزت کے لیے رہ گئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔

22 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے طلاق کے روکنے کے لیے ایسی تدابیر کو ضروری ٹھہرایا، جن پر عمل کرنے سے ہر ایک جلد باز اور ہر ایک انجام سے بے پروا اور ہر ایک مغلوب الغیظ کو طلاق کی برائی سے محفوظ فرما لیا ہے۔

1. زوجین کے اختلاف و شقاق کے مٹانے کے لیے پہلی تدبیر یہ بتائی گئی کہ دو ثالث مقرر کیے جائیں۔ ایک مرد کے گھرانے کا، ایک عورت کے گھرانے کا، وہ دونوں ان زوجین کے حالات و شکایات کو سنیں اور فیصلہ کریں۔

2. اب بھی اگر اصلاح نہ ہو اور قصور کا بوجھ عورت پر ہو تو مرد کو لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے لیے ہم بستری ترک کر دے، یہ تدبیر بہت مؤثر ہے۔

3. اب بھی کوئی درستی نہ ہو تو تادیب کے طور پر ہلکی سی مار مارے، ہلکی مار یہ ہے کہ چہرہ پر نہ مارے، ایسی ضرب نہ مارے جس سے جلد پر نشان نمایاں ہو جائے۔ یہ تدبیر بھی پست درجہ کی سمجھ والیوں میں مؤثر ہوتی ہے۔

4. یہ تدبیر بھی ناکافی ثابت ہو، تب ایک طلاق دے سکتا ہے۔ اس ایک طلاق دینے کے لیے شوہر کو اس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب وہ ماہواری ایام سے پاک ہو جائے، ان ایام کا یہ انتظار بھی پہلی طلاق کی روک کے لیے ہے۔

اس طلاق کے بعد ضروری ہے کہ خاوند بیوی ایک ہی گھر میں رہیں۔ ایک ہی جگہ خواب کریں۔ اس سکونت یک جائی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک کو پھر اپنی خصلت و عادت اور فعل پر جس کی طفیل نوبت بحدے رسید ہو گئی ہے، غور کرنے اور اصلاح کرنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اسی طرح پر اگر وہ رل مل بیٹھے، ایک نے دوسرے کی ہم بستری کا موقع حاصل کر لیا تو وہ ایک طلاق ان کو خاوند بیوی کی معاشرت سے ذرا روک نہیں۔

5. ایک مہینہ گزر گیا عورت کو دوسرے مہینے کے ایام بھی دیکھنے پڑے، ان کے بعد پھر مرد کو دوسری طلاق دینے کا اختیار ہے، لیکن اس دوسری طلاق کے بعد بھی زوجین کو ایک ہی جگہ رہنا سہنا، سونا بیٹھنا ہوگا۔ اب پھر ایک مہینہ کی لمبی میعاد ان کے درمیان ہے۔[3]

---

[1] ترمذی: 2685، دارمی: 77/1 [2] ابوداود: 2178، ابن ماجہ: 2018 [3] یاد رہے کہ ایک طلاق کے بعد عدت قرآنی تین (3) قروء (قریباً تین ماہ) ہے۔

جذبات انسانی، جھوٹے غصہ، بے جا بدگمانیوں اور فضول شکایتوں کو جلد مغلوب و معدوم کر دیا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہو گیا تو پھر یہ جوڑا میاں اور بیوی کا ہے اور دونوں طلاقوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں۔

6 اب تیسری طلاق کا موقع آ جائے گا۔ اس وقت جب عورت ماہواری مرض سے فارغ ہو، اب شریعت اسے جتلاتی ہے کہ دیکھ، یہ ہما تیرے ہاتھ سے نکلنے والی ہے، پرندا اڑ جاتا ہے تو کف افسوس ہی ملنا پڑتا ہے، سمجھ لے، اور تیسری طلاق سے رک جا۔

ان ہدایات سے بھی اگر نفرت و شقاق کی بنیاد ایسی مضبوط ہے کہ مرد اب تک طلاق ہی پر تلا ہے، تب شریعت اسے مجبور نہیں کرتی اور معاہدہ شادی کی لعنت زندگی کا طوق نہیں بنا دیتی۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی تعلیم نہ تو یہ گوارا کر سکتی ہے کہ کسی وفادار بیوی کو محض کسی بیرونی جاہل کے طعن پر یکبارگی گھر سے نکال دے۔ جیسا کہ سیتا جی کا معاملہ ہے یا یہودیوں کی طرح جن کے نزدیک بیوی کا درجہ ایک ملازم کے برابر بھی نہیں۔ بلا وجہ اور بے سبب شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا جائے، علی ھذا یہ بھی گوارا نہیں کہ عورت پر تہمت زنا لگانے کے بغیر اس کی بدمزاجیوں، گستاخیوں یا امراض مخصوصہ کے باعث بھی اس سے گلوخلاصی نہ ہو سکے۔ جیسا کہ انجیل کی تعلیم کو سمجھ لیا گیا ہے۔ ہاں حقوق زوجین کا از حد خیال رکھتے ہوئے رحمۃ للعالمین ﷺ نے ایک ایسی سڑک تیار کر دی ہے، جس میں نہ تفریط کی گھاٹیاں آتی ہیں اور نہ افراط کے پہاڑ حائل ہیں۔

23 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے عرب کے اس رواج کو توڑا کہ میت کا ورثہ خاندان کے صرف ان لوگوں کو ملے گا جو تلوار و نیزہ اٹھا سکتے ہوں۔ عورت اور معصوم بچے، بیٹی، بہن کا کوئی حق نہیں، بلکہ وہ ایک عورت کو باپ کی جائداد سے بوجہ بیٹی ہونے کے، بھائی کی جائداد سے بوجہ بہن ہونے کے، شوہر کی جائداد سے بوجہ زوجہ ہونے کے اور اولاد کی جائداد سے بوجہ والدہ ہونے کے متعدد حصے دلاتا ہے اور حضور ﷺ کی تعلیم کردہ قانون توریث کو اصولاً بہت سی غیر مسلم قوموں نے بھی لے لیا ہے۔

24 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے وقف علی الاولاد کے آئین سے اولاد کو فقر و تنگدستی سے اور جائداد کو تباہی سے اور خاندان کو ہلاکت سے محفوظ بنایا۔ اس مسئلہ سے دنیا کلیۃً ناواقف تھی۔

25 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے، جس نے جواز جنگ کے لیے مظلوم ہونے، حقوق ملی و قومی سے بلا وجہ محروم کر دیئے جانے، دین حقہ کی حفاظت کرنے والوں کی جان و مال کے غیر محفوظ ہو جانے یا امن عامہ کا قیام مفقود ہو جانے اور مذاہب عالم اور ان کے اماکن عبادت کے معرض تلف میں آ جانے کو بطور شروط اولین قرار دیا۔

یہ حقیقت آیات ذیل سے آشکار ہے:

﴿ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۝ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ﴾ [الحج 39-40]

”جنگ کرنے والوں کو اذن دیا گیا کیوں کہ وہ مظلوم تھے اور بے شک اللہ ان کی مدد کی ضرور قدرت رکھتا ہے، یہ وہ ہیں جو اپنے وطن سے بلا سبب نکالے گئے۔ صرف اس بات پر کہ انھوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا تھا، ہاں اللہ تعالیٰ اگر کچھ لوگوں کی دوسرے اشخاص کے ذریعہ مدافعت نہ کرتا تب یہودیوں کے معبد، عیسائیوں کے گرجا، صائبین کی عبادت

گا ہیں، نیز مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے ضرور گرادی جاتیں۔''

26 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے شراب کو قطعی حرام ٹھہرایا اور اسے ام الخبائث بتلایا اور اس تھوڑی سی رعایت کا بھی (جو بالآخر اجازت تک پہنچ جاتی ہے) جو پولوس (Paul) نے مرعی رکھی تھی کہ تبدیلی مزہ کے لیے پانی میں تھوڑی سی شراب ملا کر، سد باب کر دیا۔

﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [المائدۃ:90]

''شراب اور قمار کو شرک منبیہ کے برابر برابر بیان فرما کر اسے شیطانی فعل بتایا اور پھر اس سے بچنے کا حکم محکم الفاظ میں صادر کیا، تا کہ تم خلاصی پاؤ۔''

اس حکم کے ساتھ یہ تفسیر بھی شامل کر دی: كُلُّ مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهٗ وَقَلِيْلُهٗ حَرَامٌ [1] ''جس کی بڑی مقدار میں نشہ ہو اس کی ادنیٰ مقدار بھی حرام ہے۔''

27 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے زنا کے جملہ اقسام کو جس کے عرب اور ہندوستان اور دیگر ممالک میں عجیب عجیب نام اس کی قباحتوں کو چھپانے کے لیے رکھ لیے گئے تھے اور اس حکم کو حرام ٹھہرایا، منبر و محراب میں خوب شائع کیا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴾ [المؤمنون:5-7]

''فلاح والے وہ ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، بیویاں اور وہ جن کے مالک ان کے داہنے ہاتھ ہوئے اس سے مستثنیٰ ہیں اور ان کی بابت ان پر کوئی ملامت نہیں مگر جو کوئی اس کے سوا اور عورت کی تلاش کرتا ہے تو وہ لوگ اللہ کی حدود سے بڑھ جانے والے ہیں۔''

28 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے اسیران جنگ کی جان بخشی و رحم فرمائی کے اصول واضح فرمائے، تورات میں دشمنوں کی جان تو کیا ان کے حیوانوں اور عورتوں کی جانوں کا بچانا بھی حرام اور موجب غضب الٰہی بتایا گیا ہے۔

﴿ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّاۢ بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً ﴾

''جب کافروں سے مڈھ بھیڑ ہو جائے تو ان کی گردنیں مارو اور جب ان کو چور چور کر دو، تب مضبوط طریقہ سے ان کو باندھ لو اور پھر بعد ازاں ان پر احسان کرو یا ان سے فدیہ لے لو۔'' [محمد:4]

حملہ آور دشمن پر، مغلوب اور اسیر ہونے کے بعد احسان نمائی یا فدیہ گیری کا اصول ایسا ہے کہ دنیا بھر کی تمام اقوام اس سے نابلد رہی ہیں اور عملاً کسی نے ایسے کارنامہ کی نظیر پیش نہیں کی، لیکن نبی ﷺ نے بدر واحد، مکہ و حنین کی فتوحات سے ہر موقع پر اسیران جنگ اور دشمنان دین اور قاتلان مومنین اور محاربین رسول ﷺ کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا۔

29 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے بے پڑھی لکھی قوموں کے سامنے جو اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کیا کرتے اور ان پڑھ رہنے کو نوزائیدہ امی بچہ کی معصومی کا چربہ سمجھا کرتے تھے علم سے روشناس کیا۔ علم کا درجہ ان کے دلوں میں قائم کیا، علم کا شائق بنایا، پھر ان

[1] ابن ماجہ: 3393، ابوداؤد: 3681، ترمذی: 1865، کنز العمال: 13146

کو معلم اور مقری کے منصب پر بلند فرمایا۔

آیات ذیل پر غور کرو:

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍO وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ:151]

''اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں اپنا عظیم الشان رسول بھیجا، جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا اور پاک بناتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور یہ لوگ تو اس رسول سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔''

30 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے امراض قلوب کو بیان کیا۔ امراض کی علامات اور علاج کے طریقے بتائے جس نے قلب سلیم کی تعریف بتائی اور قیام سلامتی کی تدابیر کو واضح کر دیا۔

31 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے گناہ گار انسان کو اسرار توبہ کی تعلیم دی۔ توبہ کے اجزاء بتائے۔ ہر ایک جزو کی جداگانہ خاصیت اور ترکیبی ماہیت کو تفصیل سے سمجھایا۔

32 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے تزکیہ نفس، تصفیہ باطن کو جداگانہ ابواب میں مرتب فرمایا، جس نے اخلاق فاضلہ اور ابواب احسان کو الگ الگ کر کے بتایا۔

33 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے تقویٰ اور خشیت من اللہ، انقطاع تمام اور انس کامل، مدارج رجوع، مراتب احسان، حقیقت ورع و توکل اور روح اخلاص وصدق اور مقامات قرب ورضا کا عرفان عطا کیا۔

34 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے عبد اور معبود کے درمیان ایک حَبْلُ اللّٰهِ الْمَتِیْن (اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی) کا نشان دیا اور چاہ ضلالت میں گرے ہوؤں کو آسانی ہدایت پر پہنچ جانے کی تدبیر بتائی۔

35 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے رہزنوں کو چوپانی اور بادشاہوں کو اخوانی سکھائی، جس نے غلاموں کو سلطانی دی۔ جس نے بساط کیانی پر اونٹ چرانے والوں کو بٹھا دیا۔

36 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے علوم مابعد الطبیعیہ کو آثار نفسی و آفاقی سے مبرہن کیا۔ جس نے اعمال اور اعمال کا روح سے تعلق، جس نے میزان اور حق وباطل کا توازن بتلایا۔

37 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے شمالی عرب کو روما کی غلامی سے اور جنوبی عرب کو ایران کی غلامی سے آزاد کیا، جس نے طوائف الملوکی کا خاتمہ کر دیا، جس نے قتل وغارت گری کو قتل وغارت کر دیا۔ جس نے خون انسانی کی قدر وقیمت کو سارے جہاں کی قیمتی اشیاء سے بڑھ کر قیمتی بتایا، جس نے ایران کو فواحش سے، اور روما کو حیوانی تعیش سے نجات دی، جس نے تمام دنیا کی طرف امن کا ہاتھ پھیلایا۔ جس نے ایوان صلح کو مرتفع کیا۔ جس نے

﴿حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا﴾ [محمد:4] (یہاں تک کہ جنگ اپنے سلاحات کو رکھ دے) لیے جملہ مساعی کو ختم کر دیا۔

38 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے غلامی کے نقائص دور کرنے کی تدابیر کیں، غلاموں کو برابر کا کھانا، برابر کا پہننا، ان کی

استطاعت سے بڑھ کر کام نہ لینا فرض ٹھہرایا اور اس طرح پر غلاموں کو خاندان کا ایک جزو یا ممبر بنا دیا۔

39 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے غلام کو حق مکاتبت بخشا، جس کا مطالبہ وہ عدالت میں کر سکتا ہے اور آقا مجبور ہے کہ اسے مقررہ قیمت پر آزاد کرے۔

40 رحمۃ للعالمین وہ ہے جس نے مکاتب غلام کو چندہ دینے کا حکم سب کو دیا، حتیٰ کہ وہ آقا بھی چندہ دے جس کی غلامی سے اسے آزاد ہونا ہے۔

41 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے اسلامی سلطنت کی آمدنی صدقات میں سے 1/8 حصہ خزانہ میں غلامی کے مٹانے کے لیے مقرر فرمایا۔ وَفِي الرِّقَابِ۔ [9/التوبہ:60]

42 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے قانون شریعت میں آزادی غلاماں کے لیے مواقع نکالے۔ اس کی تفصیل مسائل طہارت وصوم و حج کے ابواب میں دیکھنی چاہیے۔

43 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے آقاؤں کو عتاق من النار کا ذریعہ آزادی غلام بتایا۔

44 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے آزاد کو آقا کے برابر حقوق عطا فرما کر آقا کو غلام کا مولیٰ اور غلام کو آقا کا مولیٰ ٹھہرایا۔

45 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے آزادی غلام کے بعد بھی آقا و غلام میں ایک ایسی نسبت، ایک ایسا علاقہ پیدا کر دیا، جو صرف خون کے رشتہ میں ہوتا ہے۔ یعنی آقا کے لاوارث ہونے پر غلام کو اور غلام کے لاوارث ہونے پر آقا کو اس کا وارث ٹھہرایا۔

46 رحمۃ للعالمین ﷺ وہ ہے جس نے غلاموں پر حصول قرابت و صہریت اور اخذ امارت و حکومت اور نصب و امامت و ولایت اور اعداء کو عطائے صلح و امام کے حقوق سے مالا مال فرمایا۔

اسلام سے پیشتر غلامی جملہ ممالک میں اور جملہ اقوام میں اور جملہ ادیان میں موجود تھی کیا حضور رحمۃ للعالمین ﷺ سے پیشتر کسی نے غلامی کے محور کو زائل کرنے اور غلاموں کو ایسے بلند مناصب تک پہنچانے میں بھی کوئی کارروائی کی؟ یہ ہندوستان ہے جہاں آج تک اچھوت اقوام کی تعداد برہموں، کھتریوں اور ویش قوموں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے اور اچھوت ہونے کی بیڑی اور طوق اس طرح ان کا لازمہ جسم و روح ہو گیا ہے کہ سینکڑوں نسلوں، ہزاروں، لاکھوں سالوں کی امتداد مدت بھی ان کو رہائی نہیں دلا سکی، اچھوت قومیں ہندو لاء کے حکم سے معاشرت تمدن، علم اور مذہب کے جملہ حقوق سے قطعاً محروم رکھی گئی ہیں۔ برہموں کو شودروں کے مال کا مالک بنا دیا گیا ہے اور کوئی برہمن کسی شودر مقتول کے قتل میں مستوجب قصاص نہیں سمجھا گیا۔

اسلام میں کوئی انسان بھی اچھوت نہیں، سب کی جان و مال کو یکساں حرمت و احترام کے حقوق حاصل ہیں۔ معاشرت اور تمدن میں سب برابر ہیں۔ ہر ایک ادنیٰ شخص سلطنت دنیوی یا امامت دینی تک فائز ہو سکتا ہے۔

ہمارا یہ مضمون طویل ہو رہا ہے اور کتاب ھٰذا کا موضوع یہ نہیں کہ ہر ایک مسئلہ کو پورے بسط سے تحریر کیا جائے۔ لہٰذا اس دلچسپ و دل ربا مضمون کو ہم اس جگہ ختم کرتے ہیں اور آپ سے یہ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین صرف حضور ﷺ کی خصوصیت ہی نہیں بلکہ یہ بطور اسم اور علم بھی مستعمل ہے اور یہ نام کسی غیر کا تجویز کردہ نہیں۔ ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں۔ کسی شاعر کے تخیل کا نتیجہ نہیں، کسی فدائی کا جوش محبت میں کہا ہوا نہیں، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کا انکشاف حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ایک صداقت کا گنجینہ ہے اور

اس گنجینہ کا نشان خود ہادیٔ مطلق نے دیا ہے۔ یہ ایک بشارت ہے جسے قدرت ربانی ہر ایک مخلوق کے کان تک پہنچانا چاہتی ہے۔ یہ ایک نوید ہے جو عالم عالمیان کو شیفتۂ احسانات الٰہیہ بناتی ہے۔

خصوصیت نمبر26

﴿ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ﴾ [الانعام:90]

''تو بھی ان سب کی ہدایت کی موافقت کر''

اقتدا کے معنی اصل لغت میں شخص ثانی کا شخص اول سے موافقت کرنا ہے۔

آیت بالا پر جو کوئی شخص بھی سرسری نظر ڈالے گا، وہ سمجھے گا کہ حضور ﷺ کو کسی دوسرے شخص کے مقتدی (پیرو) ہونے کا حکم دیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی کافۂ اہل اسلام کے اس مسلمہ اعتقاد کے خلاف ہیں کہ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں۔

لہٰذا آیت بالا شرح طلب ہے اور شرح معانی کے بعد واضح ہو جائے گا کہ آیت بالا نبی ﷺ کی فضیلت کا ثبوت ہے۔

ناظرین کو آیت ﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ [الانعام:75] سے غور شروع کرنا چاہیے، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ (18) انبیاء کا ذکر فرمایا اور اس ذکر تر تیب زمانی یا ترتیب مدارج کو چھوڑ کر ایک اور ترتیب بدیع اختیار کی گئی ہے۔

اوّل ترتیب اصول نسب

اس صنف میں نوح وابراہیم واسحٰق ویعقوب علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے، کیوں کہ جملہ انبیائے عالم کے انساب انہی پر منتہی ہوتے ہیں اور اکثر اقوام کا انتساب نسلی انہی کی جانب ہے۔

دوم ترتیب ملک وقدرت

اس صنف میں داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ السلام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

ترتیب بلحاظ مراتب صبر وشکر

اس صنف میں ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

ترتیب بلحاظ معجزات وظہور آیات

اس صنف میں موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کے نام مذکور ہوئے ہیں۔

ترتیب بلحاظ زہد واعراض عن الدنیا

اس صنف میں زکریا ویحییٰ وعیسیٰ والیاس علیہم السلام کا ذکر ہوا۔

ترتیب بلحاظ تبلیغ امم

اس صنف میں اسماعیل والیسع ویونس ولوط علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان انبیاء مذکورہ کے مختصر حالات بھی لکھ دیے جائیں۔

حضرت نوح علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: نوح بن مالک بن متوشالح بن خنوخ بن یارد بن مہلل ایل بن قینان بن آنوش بن شیث بن آدم علیہ السلام ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی عمر پانچ سو (500) سال کی تھی جب سام، حام اور یافث ان کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کی عمر کے چھ سو (600) سال بعد دوسرے مہینے کی سترہویں تاریخ کو طوفان شروع ہوا۔ چالیس (40) دن تک پانی اوپر سے برستا اور زمین سے ابلتا رہا۔ پھر بڑھنا بند ہوا اور ڈیڑھ سو (150) دن میں پانی کم ہوا۔ ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ تھی کہ کشتی اراراط کے پہاڑ پر رک گئی۔ (601) میں عمر نوح کے دوسرے مہینے کی ستائیسویں تاریخ کو حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی چھوڑ کر زمین پر قدم رکھا۔ (ایک سال 11 یوم کشتی میں رہے۔ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام 350 سال زندہ رہے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش طوفان نوح علیہ السلام سے 5375 سال بعد ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

ان کا نسب نامہ حضرت نوح علیہ السلام تک یہ ہے: ابراہیم بن آذر (تارح) بن ناحور بن سروج بن رعو بن فالج بن عابر بن شالح بن آرفکشاد بن سام بن نوح علیہ السلام۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا زمانہ 2585 سال پیشتر کا ہے۔ 75 سال کی عمر میں اپنے وطن سے ہجرت فرمائی اور کنعان کے ملک میں پہنچے۔ (کنعان بن حام بن نوح علیہ السلام کا ملک)

اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ یہ ملک تیری اولاد کو دیا جائے گا۔ پھر مصر گئے، مصر سے واپس آ کر کنعان میں ٹھہرے، یہاں سے ان کے برادر زادہ لوط علیہ السلام جو ہجرت میں ان کے ساتھ تھے علیحدہ ہوئے اور دریائے یاردن کے پرلے کنارہ پر آباد ہوئے۔ یہ علاقہ شاہ صدوم کا تھا۔ شاہ صدوم پر شاہ عیلام نے مع اپنے تین اتحادیوں کے حملہ کیا اور حضرت لوط کو بھی اسیر کر کے لے گئے۔ تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے خلاف جہاد کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کو چھڑا لیا اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔ اسی (80) سال کی عمر تھی، جب آپ کے گھر میں اسماعیل علیہ السلام (از بطن ہاجرہ خاتون جو بادشاہ مصر کی دختر تھیں) پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 99 سال کی تھی جب ختنہ کا حکم نازل ہوا۔ اسی عمر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود کیا اور اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی کرایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر 100 سال کی تھی جب حضرت اسحٰق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خطاب خلیل الرحمٰن ہے اور لقب عمود عالم اور آدم ثالث، کنیت ابو محمد اور ابو الانبیاء ایک سو پچھتر (175) سال کی عمر تھی جب "خلیل الرحمٰن" نے انتقال فرمایا۔

خانہ کعبہ اور مناسک حج حضور علیہ السلام کی نبوت کی دائمی یادگار ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد جو کوئی نبی ہوا، خواہ کسی ملک میں ہوا، وہ انہی کے خانوادہ اور نسل کا تھا۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو (100) سال کی تھی، جب ان کے ہاں اسحٰق علیہ السلام از بطن سارہ خاتون علیہا السلام پیدا ہوئے۔ سارہ خاتون علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دادا کی نسل سے ہیں اور اول الاسلام ہیں۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر چالیس (40) سال کی تھی جب ان کی شادی ربقہ خاتون سے ہوئی۔ ربقہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے برادر حقیقی نخور کی پوتی ہیں۔

ربقہ سے دو توام بچے پیدا ہوئے: عیسو و یعقوب علیہ السلام۔

حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ایک سو چالیس (140) سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام

انہی کا لقب اسرائیل بھی ہے۔ ان کے گھر میں لیاہ بیگم سے چھ فرزند، راحیل خاتون سے دو فرزند، زلفہ لونڈی سے دو فرزند اور بلہہ لونڈی سے دو فرزند پیدا ہوئے۔

جب یوسف علیہ السلام نے ان کو مصر میں مع افراد خاندان طلب کیا، تب ان کی عمر ایک سو تیس (130) سال تھی۔ سترہ (17) سال مصر میں قیام کے بعد انھوں نے مصر میں وفات پائی۔ یوسف علیہ السلام ان کا جنازہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ کنعان لائے اور وہ حضرت ابراہیم و اسحٰق علیہما السلام کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کی وفات ق۔م 1686 سال اندازہ کی گئی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

راحیل خاتون کے پہلے بیٹے ہیں، یوسف علیہ السلام کے معنی عربی میں "مزید" ہیں۔ ان کی پیدائش کے وقت ماں نے کہا تھا کہ اللہ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔

17 سال کے تھے جب چاہ میں گرائے گئے۔ تین شب چاہ میں رہے۔ چھ سال عزیز مصر کے گھر قیام فرمایا، سات (7) سال زندان میں بسر کیے۔ 30 سال کی عمر میں مصر کے حاکم مطلق باختیارات شاہی مقرر ہوئے۔ 40 سال کی عمر تھی جب یعقوب علیہ السلام سے مصر میں 23 سالہ فراق کے بعد ملاقات ہوئی۔ ہشتاد (80) سالہ فرمانروائی کے بعد 110 سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑپوتے دیکھے۔ ان کی شادی ملک مصر کے شہر "اون" کے کاہن کی دختر مسماۃ آسناتھ سے ہوئی تھی۔ ان کے ہر دو فرزند منسی و افراہیم اسی خاتون سے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: داؤد بن لیسی (یشاہ) بن عوید بن سونجز بن سلما (سلمون) بن نحسون بن عمداب بن ارام بن حصرون (حصروم) بن فارص بن یہوداہ بن یعقوب علیہ السلام۔ یہ اپنے باپ کے ساتویں بیٹے تھے۔ چھ بھائی ان سے بڑے تھے۔

ان کی ابتدائے شہرت کا باعث وہ جنگ ہوئی جو فلسطینی اسرائیلیوں سے کر رہے تھے، فلسطینی فوج میں ایک بہادر جولیت (جالوت) تھا، جس کا قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت تھا وہ پیتل کی خود اور زرہ اور موزے پہنا کرتا تھا۔ چالیس (40) دن تک وہ میدان جنگ میں نکل کر مبارز طلب کرتا رہا۔ اسرائیلیوں میں سے کسی کا حوصلہ نہ ہوا۔ حضرت داؤد علیہ السلام اپنے تین بڑے بھائیوں کی (جو شامل جنگ

تھے) خبر لانے کو رزم گاہ میں گئے۔ وہاں انھوں نے سنا کہ ساؤل شاہ بنی اسرائیل نے اس شخص کے قاتل کے لیے اپنی بیٹی کا رشتہ مع دیگر انعامات دینے کا اعلان کیا ہوا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سے اجازت لے کر جالوت کے مقابلہ کو نکلے۔ انھوں نے فلاخن سے پتھر چلایا اور وہ پتھر اس کی پیشانی کے اندر اتنا گھس گیا کہ پیشانی کے اندر جا چھپا۔ فلسطینی گر پڑا، داؤد علیہ السلام نے اسی کی تلوار اس کی کمر سے نکالی اور اس کا سر کاٹ لیا۔

بعد ازاں حضرت داؤد علیہ السلام ترقی کرتے کرتے سپہ سالار فوج ہو گئے۔ اور پھر بادشاہ کے داماد بن گئے۔ بادشاہ ان کے روز افزوں اقبال سے حسد کرنے لگا اور حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ سے جان بچاتے پھرتے۔ آخر ساؤل بادشاہ نے فلسطینیوں سے ایک مقام پر شکست کھا کر خودکشی کر لی اور اس کے ولی عہد نے بھی خودکشی کر لی۔ تب بنی اسرائیل کے اتفاق سے حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ انھوں نے چالیس (40) سال تک نہایت کامرانی و اقبال کے ساتھ سلطنت کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ازواج اور حرموں کی تعداد ننانوے (99) تھی۔ ان کے اٹھارہ (18) فرزند اور سترہ (17) لڑکیاں تھیں لیکن وراثت داؤد صرف سلیمان علیہ السلام ہی کو ملی۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً 1856 سال پہلے ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ستر (70) سال کی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام

بنت سبع دختر انعام کے بطن سے یروشلم میں پیدا ہوئے، جب کہ داؤد علیہ السلام سلطنت حاصل کر چکے تھے۔ انھوں نے شاہ مصر کی بیٹی سے شادی کی۔

انھوں نے اپنے جلوس کے چوتھے سال کے دوسرے مہینہ میں بیت المقدس کو بنانا شروع کیا۔ اصل مسجد ساٹھ (60) ہاتھ طویل بیس (20) ہاتھ عریض اور تیس (30) ہاتھ بلند تھی اور اس کے اردگرد بہت مکانات تھے۔ یہ عمارت سات سال میں ختم ہوئی تھی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چالیس (40) سال سلطنت پورے عروج اور اقبال و دولت کے ساتھ کی۔ ان کا عہد بالکل امن کا عہد تھا۔ ان کی بیگمات کی تعداد سات سو اور لونڈیوں کی تعداد تین سو (300) ہے۔

ان کا انتقال نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقریباً 1546 سال ماقبل ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے: ایوب بن آموص بن رازح بن روم بن عیص (عیسو) بن اسحٰق علیہ السلام۔ یہ ارض عوض (ایشیائے کوچک) میں رہتے تھے۔ ان کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

یہ سات ہزار (7000) بھیڑوں، تین ہزار (3000) اونٹوں، پانچ سو (500) جوڑی بیلوں اور پانچ سو (500) خر ماچہ (گدھے) کے مالک تھے۔ نوکر چاکر بہت تھے۔ اہل مشرق میں ان جیسا کوئی مالدار نہ تھا۔

جب مصیبت آئی تو ایک دن ایسا ہوا کہ ان کے سب بیٹے بیٹیاں اپنے بڑے بھائی کے گھر کھانا کھا رہے تھے کہ سخت آندھی آئی۔ اس نے مکان کی چھت کو اٹھایا اور ان پر گرا دیا۔

اسی وقت ایک دوسرے شخص نے اطلاع دی کہ بیلوں اور گدھوں کو ملک کے سب لوگ لوٹ کر لے گئے ،نوکروں کو قتل کر گئے ۔ صرف میں بچ رہا ہوں ۔

اسی وقت ایک دوسرے نے آ کر اطلاع دی کہ آسمان سے آگ پڑی اور سب بھیڑوں کو اور نوکروں چاکروں کو جلا کر خاک کر گئی ۔ اکیلا میں بچ نکلا ۔

اسی وقت ایک اور شخص آیا ،اس نے بتلایا کہ قوم کسدی کے لوگوں نے تین طرف سے حملہ کیا ۔ اونٹوں کو لے گئے اور نوکروں کو تلوار کی دھار سے قتل کیا ۔ فقط میں بچ رہا ہوں ۔

ایوب علیہ السلام نے سب کچھ سنا اور پھر سجدہ میں گر پڑے ۔ کہا میں اپنی ماں کے پیٹ میں سے ننگا پیدا ہوا تھا اور اس کے حضور میں ننگا ہی پیش ہوں گا ۔

بعد ازاں ان کے جسم میں خارش ہوئی ،وہ کھجلاتے تو وہاں پھوڑے بن جاتے ،اسی طرح سارا جسم پک گیا ،لیکن اب بھی ان کی زبان سے کوئی خطا کی بات نہ نکلی ۔ اس وقت ان کا بستر صرف راکھ کا ہوتا تھا ۔

یہ مصیبت چند سال تک رہی ۔ آخر حضرت ایوب علیہ السلام کے توبہ واستغفار پر رحمت الٰہی نے ان پر توجہ کی ،وہ تندرست ہو گئے ۔ ان کے مال ومویشی کی مقدار پہلے سے دو چند ہو گئی ۔

ان کو پھر اللہ تعالیٰ نے سات (7) بیٹے اور سات (7) بیٹیاں عطا فرمائیں ۔ انھوں نے اپنی اولاد کی چار (4) پشتیں دیکھیں اور مصیبت کے بعد ایک سو چالیس (140) سال تک دولت وحشمت اور آرام وفراغت میں بسر کر کے انتقال فرمایا ۔

ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً اکیس صدی پیشتر کا ہے ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

ان کا نسب نامہ یہ ہے :موسیٰ بن عمران بن یصہر بن قاہث بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام ۔ بعض نے عمران (عمرام) کو قاہث کا بیٹا بتلایا ہے ۔ درمیان میں یصہر کا نام درج نہیں کیا ۔ ان کے حالات قرآن پاک اور تورات میں بہت تفصیل سے ملتے ہیں ۔ انھوں نے ایک سو بیس (120) برس کی عمر پائی اور وادی موآب میں فوت ہو کر دفن ہوئے ۔

ان کا زمانہ انتقال نبی ﷺ سے تقریباً 2022 سال پیشتر کا ہے ۔

حضرت ہارون علیہ السلام

یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے ۔ ایک سال بڑے تھے ۔ انھوں نے موسیٰ سے تقریباً تین (3) سال پیشتر کوہ حور پر وفات پائی تھی ۔

حضرت زکریا علیہ السلام

مجموعہ بائبل میں کتاب زکریا شامل ہے ،یہ زرو بابل کے ہم عصر ہیں اور مسیح علیہ السلام سے پانچ صدی پیشتر ان کا سب زمانہ معلوم ہوتا ہے ۔ قرآن مجید کی سورہ مریم وآل عمران میں جس زکریا کا ذکر ہے وہ یحییٰ کے والد ہیں ۔ ان کے گھر میں مسیح علیہ السلام کی خالہ تھیں ۔ مسیح کا اصطباغ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوا تھا ۔ اس لیے وہ زکریا نہیں ہو سکتے ،جن کا ذکر بائبل میں ہے ۔ ہر دو بزرگواروں میں صرف

وحدت اسی پائی جاتی ہے۔

زکریا علیہ السلام جن کا مذکور قرآن حکیم میں ہے۔ بیت المقدس کے امام ومتولی تھے اور مریم صدیقہ علیہا السلام کے کفیل ومربی ان کا اور ان کے فرزند کی پیدائش کا واقعہ انجیل لوقا کے باب اول میں مذکور ہے۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام

ان کو بائبل میں یوحنا پتسمہ دینے والا لکھا جاتا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے بیٹے ہیں، انہی کی پیدائش کا ذکر سورہ آل عمران و سورہ مریم میں ہے۔ ان کا نام بھی منجانب اللہ رکھا گیا۔ ہوش سنبھالنے کے بعد بیابان ہی میں رہے۔ جنگلی شہد اور ٹڈ کو خوراک بنا رکھا تھا۔ بیابان میں وعظ وتذکر کا سلسلہ جاری کیا۔ یہ توبہ لینے کے وقت تائب کو پانی میں غسل دلایا کرتا تھے۔ پتسمہ کی رسم یہیں سے جاری ہوئی۔ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے چھ ماہ بڑے تھے مگر انھوں نے مسیح علیہ السلام سے چھ سال پیشتر تبلیغ شروع کر دی تھی۔

ان کے وقت میں جو تھائی ملک کا حاکم ہیرودیس رومی تھا اور اس کے ناجائز تعلقات اپنے بھائی فیلبوس کی بیوی سے تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام حاکم کے افعال پر نکتہ چینی کرتے تھے۔ حاکم نے ان کو قید کر دیا تھا۔

حاکم کی بھاوج کا نام ہیرودیاس تھا۔ وہ ہمیشہ حاکم کو یوحنا کے خلاف بھڑکایا کرتی تھی مگر حاکم اس کی بات نہ سنتا تھا۔ اتنے میں ہیرودیاس کی سالگرہ کا دن آیا۔ مسماۃ ہیرودیاس کی لڑکی اپنے چچا کے سامنے خوب ناچی گائی اور حاکم نے قسم کھائی کہ جو کچھ وہ مانگے اسے وہی کچھ دیا جائے گا۔

لڑکی نے اپنی ماں کی سکھلاوٹ پر حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر مانگا۔ حاکم نے جلاد کو حکم دیا اور اسی وقت ان کو جیل میں جا کر قتل کیا اور ان کا سر لڑکی کے حوالے کیا گیا، جسے اس نے اپنی ماں کی خدمت میں تحفہ پیش کر دیا۔

یہ واقعہ 30ء یعنی ولادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے 541 سال پہلے کا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام عبرانی میں یسوع ہے۔ ان کے خاندان کے افراد کے نام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خانوادہ عالی کے افراد کے مطابق تھے۔ ان کا نام یسوع تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ اول یوشع بن نون علیہ السلام کی یادگار میں رکھا گیا تھا۔ ان کی والدہ کا نام مریم علیہا السلام تھا جو خواہر موسیٰ علیہ السلام کا نام تھا۔ ان کے ماموں کا نام ہارون تھا۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی کا نام تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے نانا کا نام عمران تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی یہی نام تھا۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب مریم صدیقہ علیہا السلام اپنی ماں کے پیٹ میں تھیں۔ تب ان کی والدہ نے یہ نذر مانی کہ وہ اپنے پیٹ کے پھل کو محرر، آزاد، یا تدبیر یا بیت المقدس کی خدمت کے لیے مخصوص بنائے گی۔

لیکن جب لڑکی (مریم علیہا السلام) پیدا ہوئی تو وہ حیران رہ گئی کیوں کہ لڑکی کو بیت المقدس کی خدمت کے لیے قبول نہیں کیا جاتا تھا، لیکن وہ نیک خاتون اپنی نیت اور نذر کے مطابق مریم علیہا السلام کو بیت المقدس میں لے گئی اور یروشلم کے اراکین نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کو خدمت کے لیے لے لیا جائے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کا متکفل بنایا گیا۔

پھر جب مریم علیہا السلام جوان ہوئیں، تب فرشتہ نے ان کے سامنے آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم سے بشارت سنائی کہ ان کے پیٹ میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ اگرچہ ان کو کسی مرد نے نہیں چھوا۔ بشارت کے مطابق مولود پیدا ہوا تو بشارت ہی کے موافق ان کا نام (عیسیٰ علیہ السلام) یسوع رکھا گیا۔ انھوں نے طفولیت مصر میں بسر کی اور تیس (30) سال کی عمر تک یہودیوں کی حالت پر غور کرنے کے بعد انھوں نے اپنی نبوت کی تبلیغ شروع کی۔ تبلیغ میں اتنے سرگرم تھے کہ ایک رات سے زائد ایک مقام قیام نہ فرماتے تھے۔ انھوں نے فلسطین میں بنی اسرائیل کی ہر ایک بستی میں اپنی آواز کو پہنچایا۔ تین سال بعد ان کو رفع الی السماء حاصل ہوا۔ اس عرصہ میں ان کو صرف بارہ (12) شاگرد ملے جن میں سے ایک غدار نکلا۔ کتاب الاعمال کے مصنف لوقا کا خیال ہے کہ کل 124 تعداد ایسے اشخاص کی مل جاتی ہے جو ان کے معتقد تھے۔

آج تحریر مضمون ہذا کے وقت 11 ستمبر 1929 سال عیسوی کی تاریخ ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ سنہ عیسوی ولادت مسیح علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے، لیکن اب تفحص و تحقیق سے ثابت ہوا کہ مسیح علیہ السلام کی ولادت اسی سنہ سے چار سال پیشتر تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کے علمی مباحث ہماری کتب "غایت المرام" و "تائید اسلام" میں ملاحظہ طلب ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام

حضرت ادریس کا دوسرا نام الیاس علیہ السلام بھی ہے مگر اس آیت میں ان سے وہ مراد نہیں کیوں کہ اس آیت میں ذریت نوح کا ذکر ہے اور ادریس علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے آبائے کرام میں سے ہیں۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے: الیاس بن نیا بن فنحاص بن عیسراء بن ہارون۔ لہٰذا ان کا زمانہ نبی ﷺ سے تقریباً 19 صدی پیشتر کا ہے۔ بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ الیاس ابھی زندہ ہیں مگر ان کی حیات کی بابت کوئی روایت نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ خیال محض بے بنیاد ہے۔

حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام

سیدنا ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے فرزند ہیں۔ سیدہ ہاجرہ خاتون علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے۔ فلسطین ان کا مولد اور مکہ ان کا دار الہجرت اور مصر ان کا ننھیال ہے۔ حجاز و یمن و حضر موت ان کا رقبہ تبلیغ تھا۔ خانہ کعبہ کی تعمیر میں اپنے والد بزرگوار کے سہیم کار تھے (ذبیح اللہ کے گھر کے محافظ) ان کا زمانہ نبی کریم ﷺ سے تقریباً 2240 سال پیشتر ہے۔ مصری، بابلی، فلسطینی، عربی زبان کے ماہر کامل تھے۔ ان کی ایک شادی مصر میں اور ایک شادی عرب میں ہوئی۔

اولاد عرب شہزادی سے ہوئی۔ بارہ (12) بیٹے ہوئے۔ ہر ایک اپنے اپنے قبیلہ کا سردار اور جداگانہ علاقہ کا حکمران تھا۔ ان کی دختر کی شادی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے فرزند کلاں عیسو سے ہوئی تھی۔ نبی ﷺ سردار قیدار فرزند دوم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ جن کا نام بائبل میں بکثرت آتا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام برکات الٰہی میں برابر ہیں تاہم حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چند فضائل حاصل ہیں:

1. یہ بیت الحرام کے بانی اور محافظ ہیں اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کسی بیت الحرام کے بانی و محافظ نہ تھے۔
2. یہ ذبیح اللہ ہیں، گو مسلمانوں اور اہل کتاب میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے مگر آثار قدیمہ کی شہادت انھی کے حق میں ہے۔

③ یہ وہ فرزند ہیں کہ جس روز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے عہد باندھا۔ یہ اسی روز عہد میں شامل ہوئے۔ اسحٰق علیہ السلام ہنوز پیدا بھی نہ ہوئے تھے، البذا عہد کے فرزند یہی ہیں (کتاب پیدائش 17 باب)

④ ان کا رقبہ نبوت بہت وسیع تھا اور انھوں نے اپنی تبلیغ کو عرب العرباء کے سب خاندانوں تک پہنچا دیا تھا، لیکن حضرت اسحٰق علیہ السلام کے رقبہ تبلیغ کے متعلق ہم کو ایسی معلومات اسرائیلی روایات یا اسلامی روایات میں کچھ نہیں دستیاب ہوئی ہیں۔ قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ ان کا رقبہ تبلیغ بہت محدود تھا۔ والعلم عنداللہ۔

حضرت الیسع علیہ السلام

میں سمجھتا ہوں کہ الیسع علیہ السلام سے مراد یسعیاہ ہوں گے جن کی کتاب مجموعہ بائبل میں موجود ہے اور بہت سی پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔ ان کا زمانہ شاہان لوعزو یوتام کے برابر ہے۔ البذا نبی ﷺ سے یہ 1320 سال پہلے ہوئے ہیں۔

حضرت یونس علیہ السلام

ان کا ذکر قرآن مجید کی سورہ صافات وانعام ونساء میں بھی ہے اور ایک سورت بھی ان کے نام سے نامزد ہے۔ نبی ﷺ نے عداس نینوزی کے سامنے ان کو یونس بن متی فرما کر اپنا بھائی فرمایا تھا۔ انہی کو سورہ ن میں صاحب الحوت بھی فرمایا گیا ہے۔ ان کا واقعہ بہت مشہور ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے سگے بھتیجے، سفر وہجرت کے رفیق۔ مصر سے واپس آنے کے بعد یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے علیحدہ ہو کر آنرے یارڈن دریا پر رہتے تھے اور یہی علاقہ ان کی تبلیغ کے لیے تھا۔ ناپاک اور نافرمان قوم نے نبی اللہ کی تحقیر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا اور ان پر آسمان سے پتھراؤ کیا گیا۔

ہاں آیت بالا پر غور کرو۔

اصول نسب کی بنیاد پر نبی ﷺ کو یہ شرف خاص حاصل ہے کہ قیامت کے دن جملہ حسب ونسب منقطع ہو جائیں گے۔ صرف حضور ﷺ کا انتساب باقی رہے گا۔

اصول حکمت کی بنیاد پر غور کرو کہ حضور ﷺ ہی نے عرب کو پنجہ اغیار سے چھڑایا اور حضور ﷺ ہی نے عرب کو فرمان فرمائی پر پہنچایا۔

آیت بالا میں حضور ﷺ کو جملہ انبیائے کرام علیہم السلام کی صفات عالیہ اپنے اندر جمع کر لینے کا حکم ہے۔ کیوں کہ موافقت اخلاقی اسی طریق سے حاصل ہو سکتی ہے۔

گویا یہ فرمایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کو حسب ونسب میں خود صاحب عمود عالم ہونا چاہیے اور لوگوں کو نوح وابراہیم اور اسحٰق ویعقوب علیہم السلام کی جانب انتساب سے مستغنی کر دینا چاہیے۔ نبی ﷺ کو چاہیے کہ داؤد کی طرح عرب کے قبائل متعددہ اور شعوب مختلفہ کو متحد بنا دیں تاکہ وہ سب مل کر قوم واحد بلکہ شخص واحد کی شان پیدا کر لیں۔ هُمْ يَدٌ وَّاحِدٌ عَلٰى مَنْ سِوَاهُمْ اور کے مصداق بن جائیں۔

نبی ﷺ کو سلیمان علیہ السلام کی طرح امن محکم اور صلح استوار سے ملک کو سرسبز وشاداب بنا دینا چاہیے۔ نیز عبادت الٰہی کے لیے ایک ایسا معبد تیار کر دینا چاہیے جو تقدیس میں بیت المقدس سے بڑھ کر اور اعداء کی دست برد سے بالاتر ہو۔

نبی ﷺ کو صبر ایوبی کا وہ نمونہ دکھلانا چاہیے کہ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ کا توقیع خاص حضور ﷺ کے صادر ہو جائے۔

اور عفو یوسف علیہ السلام کا نمونہ بعید ترین اعداء اور سنگین ترین اشقیا کو بھی ایسا دکھلانا چاہیے کہ ان کے کینہ اور غل کا پورا پورا درمان ہو جائے اور آئندہ کے لیے ان کے دل حضور ﷺ کی محبت اور ذوق اطاعت سے پرنور ہو جائیں۔

نبی ﷺ کا کام تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح براہین صادقہ اور آیات باہرہ سے فرعون سرشت لوگوں کی اصلاح فرماتے اور سحر کاران ماہرفن پر باب نجات کھول دیتے۔ حضور ﷺ کا کام تھا کہ ایک آتشیں سرشت کی جگہ نور آگیں شریعت سے اتمام فرما دیتے۔

حضور ﷺ کی شان ہے کہ ہارون علیہ السلام کی طرح منبر کو اپنے خطاب اور محراب کو اپنی امامت سے سربلند فرمایا۔ بے جانوں میں جان ڈالی اور سوکھی ہوئی نخلوں کو درد محبت کا شناسا بنا دیا۔

نبی ﷺ ہی کا کام ہے کہ زکریا علیہ السلام کی طرح دنیا کو دعا کی طاقت سے باخبر فرمایا اور مزید آداب دعا و اوقات دعا و الفاظ دعا اور مراتب دعا سے اپنی امت کو حقیقت شناس بنا دیا۔

نبی ﷺ ہی ہیں کہ جنگلی شہد اور بیابانی بلح پر گزران کرنے والے یحییٰ علیہ السلام کی طرح خشک کھجوروں اور آب مقطر کو اپنی اور اپنے اہل بیت کی مستقل غذا قرار دیا۔ اہل وعیال والے نبی ﷺ کے گھر میں بھی مہینوں تک چولھا روشن نہ ہوا۔

الیاس علیہ السلام خشک لبوں اور بیابان نوردوں کو سیراب کرنے میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔ نبی ﷺ ہی ہیں کہ سنگلاخ زمینوں پر معرفت کے چشمے بہا دیے اور ہر ایک تشنہ لب کے سامنے جام کوثر لے کر خود آگے بڑھتے۔

اسماعیل علیہ السلام نے بیت اللہ کی عمارت کو مکمل کیا۔ حضور ﷺ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر جن وانس وملائک کا مرکز عبادت اور مسطر عبادت قرار دیا۔

یونس علیہ السلام تین (3) دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے اور نبی ﷺ تین شبانہ روز غار کے پیٹ میں سکون پذیر ہوئے۔

یونس علیہ السلام کی زبان پر استغفار تھا اور حضور ﷺ کی زبان معیت الٰہی کے عرفان سے لبریز تھی۔

لوط علیہ السلام کے مواعظ تحریم خبائث پر مشتمل تھے۔ نبی ﷺ نے بھی اس بارہ میں سعی بلیغ اور کوشش کامل فرمائی۔ مقدمات زنا کو بھی حرام ٹھہرایا اور ان اسباب وذرائع کو بھی جو فسق وفنا تک پہنچانے والے ہیں داخل محرمات کیا۔ حتیٰ کہ امت کے سامنے تقویٰ کا وہ بلند ترین مقام رکھ دیا کہ ہر ایک بندۂ رحمٰن امام المتقین بننے تک اپنی ہمت وارادہ اور عزم اور سعی کو ترقی دے سکے۔

قارئین جب دیکھیں گے کہ آیت زیر عنوان نبی ﷺ کو ان جملہ صفات عالیہ کا جامع بتلا رہی ہے تو انھیں بوثوق تام اعتراف کرنا پڑے گا کہ یہ مقام جامع بھی نبی ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ الکریم

فصل سوم 3

خصوصیات نبویہ از احادیث مصطفویہ ﷺ

صحیحین میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اُعْطِیْتُ خَمْسًا لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قَبْلِیْ نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِیْرَةَ شَهْرٍ وَّجُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا فَاَیُّمَا رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِیْ اَدْرَکَتْهُ الصَّلٰوةُ فَلْیُصَلِّ وَاُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ وَ لَا تَحِلُّ لِاَحَدٍ مِنْ قَبْلِیْ وَاُعْطِیْتُ الشَّفَاعَةَ وَ کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَ بُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ عَامَّةً۔ [1]

مجھے پانچ ایسی چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملیں۔ ① ابھی ایک ماہ کی مسافت ہو کہ دشمن پر میرا ''رعب طاری ہو جاتا ہے۔ ② ساری زمین میرے لیے مسجد اور پاکیزہ بنادی گئی ہے جو جہاں چاہے نماز پڑھ سکتا ہے۔
③ غنیمت کا مال میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا۔ ④ مجھے شفاعت کا حق دیا گیا ہے۔
⑤ پہلے نبی اپنی قوم کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔''

صحیح مسلم کی روایت میں جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے **فُضِّلْتُ عَلَی الْاَنْبِیَآءِ بِسِتٍّ** [2] فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث میں **اُعْطِیْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ** نمبر 1 پر اور **خُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ** نمبر 6 پر ہیں۔ نمبر 2 میں **نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ** اور نمبر 3 **اُحِلَّتْ لِیَ الْغَنَائِمُ** نمبر 4 پر **جُعِلَتْ لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا** نمبر 5 پر **اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً** ہیں۔

صحیحین کی ایک متفق علیہ روایت عن ابی ہریرۃ میں جوامع الکلم اور نصرت بالرعب کے بعد خزائن الارض کی مفاتیح کا خواب میں حضور ﷺ کے سامنے رکھا جانا بیان ہوا ہے۔

جملہ روایات پر اجماعی غور کرنے سے آٹھ امور حاصل ہو جاتے ہیں۔

① نصرت بالرعب ② روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا ③ حلت غنائم ④ عطائے منصب شفاعت ⑤ بعثت عامہ
⑥ عطیہ جوامع الکلم ⑦ ختم نبوت ⑧ خزائن الارض کی کلید ہا کا حضور ﷺ کے سامنے خواب میں رکھا جانا۔

لہٰذا ہر ایک کے متعلق مختصراً گزارش کیا جائے گا۔

① نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ

نبی ﷺ کے 23 سال عہد نبوت پر نظر غائر ڈالو۔ سرور عالم ﷺ تبلیغ و دعوت کے لیے شہر مکہ کے اندر اور آبادی مکہ سے باہر یکہ و تنہا رات ہو یا دن تن تنہا تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مگر کسی شخص کو حضور ﷺ پر جاں ستاں حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

منڈیوں اور میلوں میں جہاں ہزار ہا اشخاص اور پچاسوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا۔ حضور ﷺ جاتے اور کلمہ توحید کا اعلان فرماتے۔ دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ پر حملہ آور نہ ہو سکا تھا۔

مکہ سے دور دراز قبائل میں جو خشونت اخلاق اور خوں ریزی و بے باکی میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ حضور ﷺ نے تبلیغ کے

---

[1] بخاری:335، مسلم:1163، نسائی: 735,430 [2] مسلم:1167، ترمذی:1553، کنز العمال:31932، ابن ماجہ:567، احمد:412/2، مجمع الزوائد:269/8

لیے متعدد چکر لگائے۔ اس سفر میں ابوبکر صدیق ؓ کے سوا اور کوئی بھی حضور ﷺ کے ہمرکاب نہ ہوتا تھا۔ ابوبکر ؓ سے بھی ان قبائل کو کچھ تعارف نہ تھا۔ حضور ﷺ ہر جگہ دعوت فرماتے، ہر ایک پر حجت الٰہیہ ختم کرتے اور کوئی بھی حضور ﷺ کے سامنے برسرپیکار نہ آتا۔

آغاز سفر ہجرت سے تین روز پہلے ایک ایک قبیلہ کا بہادر دشمنوں نے جمع کر لیا تھا۔ انھوں نے حضور ﷺ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا لیکن ہر ایک کے دل پر کتنا رعب تھا کہ تختے توڑ کر اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی۔ ساری رات اس انتظار میں پوری کر دی کہ حضور ﷺ خود ہی باہر تشریف لائیں تو یہ حملہ کریں۔ جب حضور ﷺ تن تنہا باہر بھی نکلے تو شَاهَتِ الْوُجُوْهُ لَا يُبْصِرُوْنَ [1] کے کلام سے ان کو غصہ بھی دلایا اور مٹھی بھر خاک اٹھا کر ان کے سروں پر بھی پھینک دی۔ بایں ہمہ کسی نے سر نہ اٹھایا اور حضور ﷺ کے چہرہ تاباں کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکا۔

طائف کا حکمران اور تمام باشندے حضور ﷺ کے خلاف ہیں مگر ان کی سنگ باریاں اور شرارت صرف اسی حد تک محدود ہے کہ حضور ﷺ کی تقریر نہ ہو سکے۔ آخر وہی اہل طائف ہیں اور وہی ان کا حکمران ابن عبد یالیل کہ خود مدینہ میں حاضر ہوتے اور داخل اسلام ہو جاتے ہیں۔

نصرت بالرعب کی مثالیں اس زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہویدا ہیں۔ یمن سلطنت ایران کے قبضہ سے نکل جاتا ہے اور کسی جنگ کے بغیر مطیع اسلام ہو جاتا ہے۔ مگر یمن کی سلطنت ایران یمن کی طرف منہ بھی نہیں کرتی۔ اس لیے کہ حضور ﷺ کا رعب ان کے دل و دماغ پر مستولی تھا۔

شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے اور روما کا شہنشاہ فراہمی افواج اور حملہ آوری کا حکم بھی جاری کر دیتا ہے اور اسی کی مدافعت کے لیے حضور ﷺ عرب کی سرحد تبوک تک تشریف لے جاتے ہیں مگر ایک مہینہ کی راہ پر (یروشلم میں) بیٹھے ہوئے ایمپرر کا دل خوف سے بھر جاتا ہے اور سابقہ احکام جنگ کو منسوخ کر کے دم بخود ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

عرب کی قدیم ترین سلطنتیں حیرہ و غسان قائم ہیں۔ انھی کے دربار کے شعرائے خاص حسان بن ثابت ؓ اور کعب انصاری ؓ تاج پوش بادشاہوں کو چھوڑ کر بوریا نشین رسول ﷺ کے آستان پر حاضر ہو گئے ہیں مگر ان سلطنتوں میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا کہ اپنے شعرائے خاص کو واپس لینے کے لیے ہی اظہار طاقت کریں اور دربار عالی کے خدام تک کوئی دھمکی سے ملا ہوا فقرہ بھی پہنچا سکیں۔

ذی ظلیم، ذی یزن کی حکومتیں یمن کی جانب اور مکہ سے متصل قائم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک حکومت کے پاس باقاعدہ فوج بھی موجود ہے اور خزانے بھی معمور ہیں۔ وہ گھر بیٹھے حضور ﷺ کا کلمہ پڑھنے لگے ہیں۔ عدوان و سرکشی کا خیال تک بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔

ذوالکلاع حمیری اپنے گھر میں بیٹھا پندرہ ہزار (15000) غلاموں سے سجدہ کرواتا اور خدا کہلاتا ہے لیکن ایسے رسول ﷺ سے وہ بھی دل ہی دل میں ڈر رہا ہے۔ جس نے کئی ایسے دعاوی فرعونیت کو غرقاب کر دیا ہے۔ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کہلانے کا رعب مسجود و معبود بننے والے کو مغلوب کیے ہوئے ہے۔

نبی ﷺ کی یہ صفت خاص نزدیک و دور ہر جگہ جلوہ گستر تھی۔ امیر المؤمنین علی المرتضیٰ ؓ کا فقرہ مَنْ رَّاٰهُ بَدِيْهَةً هَابَه [2]

---

[1] مسلم: 4619 [2] ترمذی: 3638

جو کوئی حضور ﷺ کے سامنے یکا یک آجاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا۔

یہ وہ نصرت الٰہیہ تھی جو رعب بن کر حضور ﷺ کی حشمت وعظمت کو دوبالا کر رہی تھی۔

و صلی اللہ علی حبیبہ محمد و آلہ و بارك وسلم۔

② روئے زمین کا مسجد و طہور ہونا

یہود اپنے کنیسہ اور عیسائی اپنے کلیسا کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے۔ مجوسی بھی پاک آگ کے آتش کدہ کے بغیر سرگرم عبادت نہ ہوا کرتے تھے۔ ہنود کا یہی حال مندروں کے متعلق تھا۔

مسلمانوں کی نماز نہ محراب عبادت کی محتاج اور نہ کسی نبی ہادی کی قبول توبہ کی ان کو حاجت ہے۔ ان کا گرمایا ہوا دل اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور ضیا سے بے نیاز ہیں۔ اس لیے روئے زمین کا ہر ایک بقعہ اور ایک ایک قطعہ ان کی سجدہ ریزی کے لیے موزوں ہے۔ ان پر ﴿ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ [آل عمران:191] کھڑے، بیٹھے، اور لیٹے لیٹے ذکر کی حالت طاری ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو حضور ﷺ کی مسجد بنا دیا۔

زنہار کہ بیرون روم از سجدہ گہ خویش
آنجا کہ خدا ہست مرا سجدہ رواہست

یہ شرف اسی حقائق شناس کو ملا جس کی نگاہ میں کائنات کا پتہ پتہ توحید کے ترنم میں ہے۔ جس کے سامنے ریگستان کا ذرہ ذرہ انوار قدسی کا آئینہ دار ہے۔ جسے ہر شئے مظہر جمال لم یزلی اور مرآۃ جلال قدسی نظر آتی ہے۔ جس کے کانوں میں پتھروں کی تسبیح اور سبزہ کی تحمید ہر وقت گونج رہی ہے۔ جسے آسمان وزمین کی فضا نعرہ تکبیر و زمزمہ تہلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے۔ اسی لیے تمام روئے زمین مسجد بنا دی گئی۔

طہور سے مراد وضو ہے۔ اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے۔ وضو نماز کے لیے شرط ہے، مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیے اور جہاں وضو کے لیے پانی میسر نہ ہو وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیے۔

لیکن کیا نماز ان لوگوں پر معاف ہو جاتی ہے جو گھاس کے پتے پتے سے وحدہ لاشریک لہ سننے والے اور درخت کے پتے پتے کو دفتر معرفت جاننے والے ہیں۔

ضروری تھا کہ انسان حصول طہارت کے لیے کوئی دوسری تدابیر اختیار کرتا، انسان مٹی ہی سے بنا ہے، مٹی ہی اس کی اصل ہے اور مٹی ہی اس کو بن جانا ہے۔ مٹی ہی مخلوقات کا گہوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائنات ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے۔ اس لیے اس مٹی ہی کو طہور بھی بنا دیا گیا۔

ہندوؤں میں سندھیا کے لیے ہون ضروری ہے اور ہون کے لیے 30 چیزوں کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں سے ایک گھی بھی ہے۔ گھی کے سولہ (16) چمچے آگ میں ڈالنے ضروری ہیں۔ ہر ایک چمچہ 6 ماشہ کا ضرور ہو۔ (ستیارتھ پرکاش)

سندھیا کے لیے ہون کی شرط نے ہون کے لیے چھبیس (26) چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے

محروم کر دیا ہے۔

مٹی کہاں نہیں مل سکتی؟ جہاں پانی نہ ہوگا، وہاں پر مٹی تو ضرور مل جائے گی۔ خاک آلود ہاتھوں کا چہرے پر پھر لینا اس عجز و تقرر کو ہی ظاہر کرتا ہے، جس نے طہور تراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔

الغرض یہ خصوصیت نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ نے تراب روئے زمین کو ہمارے لیے طہور بنا دیا اور حضوری بارگاہ ربانی سے کسی حالت میں بھی دور و مجبور نہ ہونے دیا۔

③ حلت مغانم

حضرت موسیٰ علیہ السلام و حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی فتوحات میں جس قدر مغانم حاصل ہوتے تھے ان کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا توراۃ میں جانوروں تک کو جلا دینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

نبی ﷺ کے غزوات میں سب سے پہلے غزوہ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی۔ مال غنیمت جمع بھی ہوا اور تقسیم بھی کیا گیا۔ لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو شریعت موسوی کی نظیر پر مال غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہی کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿ لَوْ لَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ ① فِیْ مَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا ﴾

”اگر اللہ کی طرف سے پہلے کتاب میں ایسا نہ ہوتا تب جو کچھ تم نے وصول کیا ہے اس کے لیے تم پر بڑا عذاب ہوتا۔ اب تم غنیمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔“ [الانفال:68-69]

دوسری جگہ ہے:۔

﴿ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَیَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴾ [الفتح:20-21]

”اللہ نے تم سے مغانم کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کرو گے لہٰذا یہ تو تم کو جلد ہی دے دی (خیبر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا ہے تاکہ مومنین کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تم کو اللہ صراط مستقیم پر چلائے گا اور بھی مغانم بہت ہیں تم کو ان پر قدرت نہیں مگر اللہ نے ان پر احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔“

یہ مغانم کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روما پر فتوحات حاصل کرنے پر مسلمانوں کو حاصل ہوئیں۔ چونکہ یہ وعدہ مومنین کو مخاطب فرما کر کیا گیا تھا اس لیے اس وعدہ کا ایفا بھی خلافت راشدہ کے وقت میں ہوا۔ جب کہ سرور کائنات ﷺ عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔

واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا بلکہ مومنین سے تین وعدے کیے گئے تھے۔ دوسرا وعدہ یہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے۔ اس وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کے وقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آ سکا تھا۔

---

① یہ اشارہ سورۂ نساء کی آیت ﴿ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ﴾ [النساء:94] کی طرف ہے۔

تیسرا وعدہ برائیت صراط مستقیم کا تھا اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا جس طرح پہلے دو وعدے۔
اس آیت سے مجاہدین عہد خلافت راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

④ عطائے منصب شفاعت

① شفاعت شفع سے ہے۔ شفع کے معنی ہیں ایک شے کو دوسری شے کے برابر جو اس کی جنس سے ہو، شامل کر دینا۔ اکثر اوقات کسی اعلیٰ مرتبت شخص کو کسی ادنیٰ کے ساتھ مل کر کوئی کام سرانجام دینے کے معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔

② مسئلہ شفاعت کفار عرب میں بھی مسلم تھا اور یہود و عیسائیوں میں بھی تسلیم کیا جاتا تھا۔ کفار اور عیسائی یہ سمجھتے تھے کہ شفیع اپنی عزت و وقار اور ذاتی اقتدار و اختیار سے جسے چاہے اسے اللہ کے عذاب سے چھڑا سکتا ہے۔ شفیع ان سب کو جو اسی کے ہو کر رہیں، نعمائے اخروی و دنیوی عطا فرما سکتا ہے۔ ان عقیدہ والوں کو اللہ کی ہستی اور اس کی قدرت کا انکار نہ تھا، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ الٰہی اقتدار ان اشخاص کو بھی حاصل ہے جو ان کے شفیع ہیں۔ لہٰذا شفیع کی عبادت کرنا اللہ کی عبادت سے مستغنی کر دیتا ہے۔ شفیع کی رضامندی اللہ کی رضامندی سے مقدم تر ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر غضب ناک بھی ہو اور اس کا شفیع راضی ہو تو وہ اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالے گا۔ لیکن اگر شفیع غضب ناک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس شفیع کو بندہ پر مہربان نہ کر سکے گا۔ اسی عقیدہ کو کسی بے دین و مشرک پنجابی شاعر نے اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے۔

ہَر رُوٹھے تب ٹھوڑ ہے، گورو روٹھے نہیں ٹھوڑ
ہر روٹھے گورو میل سی، گورو روٹھے ہر ناہ

خدا روٹھ جائے تب پناہ کی جگہ باقی رہتی ہے مگر مرشد کے روٹھ جانے سے کوئی جائے پناہ نہیں ملتی۔ خدا روٹھ جائے گا تب مرشد ملا دے گا، لیکن اگر مرشد روٹھ جائے تب خدا نہیں ملا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے انہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے:

﴿ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ [یونس:۱۸]

''یہ لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ فائدہ کر سکتے ہیں یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ تو ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، اللہ کے پاس۔''

انہی لوگوں کے حق میں دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [الزمر:۳]

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو اولیاء بنا رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ کے قرب میں لے جائیں گے۔''

عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا شفیع بناتے ہیں اور پھر اسی کو اپنا خداوند (مثل) خدا کہتے ہیں۔ اسی کو دعا اور مناجاتوں میں پکارتے، اسی سے مرادیں مانگتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تخت پر اس کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے، جو کوئی اسے پکارتا ہے اس

سے مدد مانگتا ہے، اسے اپنا کارساز جانتا ہے، اس کو مسیح خود ہی اپنے باپ خدا سے بچالیتا ہے اور بخشوالیتا ہے۔

قرآن مجید نے اول تو کافروں اور عیسائیوں وغیرہ کے اس عقیدہ کا بطلان فرمایا ہے اور اس کے رد و بطلان کے لیے مختلف اسلوب کے ساتھ کلام الٰہی نازل ہوا اور پھر شفاعت کبریٰ کا اثبات فرمایا اور اس اثبات کو دو اصول پر منحصر رکھا۔

1. ﴿مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ [البقرۃ:255]

"کون ہے وہ ایسا جو اللہ کے پاس اس کے اذن کے بغیر شفاعت کر سکے؟"

نیز فرمایا:

﴿یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ صَفًّا لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ [النبأ:38]

"اس دن سب فرشتے اور جبریل صف باندھے ہوئے کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بولے گا مگر وہی ایک جس کو اذن ملے گا۔"

اصول اولین سے ثابت ہوا کہ اذن الٰہی کا قبل از شفاعت حاصل ہونا ضروری ہے۔

2. ﴿وَ قَالَ صَوَابًا﴾ (النبأ:38) وہ شفیع ٹھیک ٹھیک بات کہے گا۔

یہ اصول دوم ہے کہ شفیع نہایت صادق، راست باز، پوری پوری بات کہنے والا ہوگا۔

آیت مَنْ اَذِنَ لَهٗ سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ شفیع صرف ایک ہوگا۔

ہمارا ایمان ہے اور یہ ایمان قرآن و حدیث کے اخبار پر مبنی ہے کہ وہ شفیع سیدنا و مولانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

﴿عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾ [بنی اسرائیل:79]

"تیرا رب تجھے مقام محمود پر ضرور کھڑا کرے گا۔"

مقام محمود ہی وہ مقام شفاعت ہے کہ جب نبی ﷺ اس مقام پر ایستادہ ہوں گے تو جملہ اولین و آخرین حضور ﷺ کی تعریف کریں گے (تفسیر خازن) اس آیت کی تفسیر میں وہ حدیث صحیح موجود ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ، امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی اپنی تفسیر میں بروایت انس رضی اللہ عنہ درج فرمایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا، تب ان کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ ہم اگر اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی کو شفاعت کے لیے پیش کریں (تو خوب ہے) تاکہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس جگہ سے نجات دے۔ تب لوگ آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا۔ پھر جنت میں ٹھہرایا، پھر فرشتوں نے آپ کو سجدہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے جملہ اسماء کی تعلیم آپ کو دی۔ لہٰذا آپ ہماری شفاعت کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہاں سے نجات (راحت) دے۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں کرسکتا۔ پھر وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کر کے کہیں گے کہ تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ پہلے رسول ہیں۔ تب لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ نوح علیہ السلام کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کریں گے اور فرمائیں گے، تم ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہے۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ بھی اپنی خطا کو یاد کریں گے اور اللہ تعالیٰ سے حیا کا ذکر کریں گے۔ کہیں گے موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی کی اور انھیں تورات بھی دی۔ وہ کہیں گے: نہیں، میں نہیں۔ وہ اپنی خطا کا ذکر کریں گے اور حیا کا۔ پھر کہیں گے کہ عیسیٰ روح

اللہ علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ وہ کہیں گے: میں نہیں۔ تم محمد علیہ السلام کے پاس جاؤ۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اگلا پچھلا سب کچھ معاف کر دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تب لوگ میرے پاس آئیں گے اور تب میں اپنے رب سے اذن حاصل کروں گا۔ مجھے اذن دیا جائے گا۔ پھر جب میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر پڑوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ مجھے دعا سکھائے گا وہ جو کچھ چاہے گا میری زبان سے کہلائے گا۔

تب اللہ تعالیٰ فرمائے گا: يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ ۔ قُلْ تُسْمَعْ ، سَلْ تُعْطَ، اِشْفَعْ تُشَفَّعْ۔

"اے محمد ﷺ اپنا سر اٹھاؤ۔ بولو، تمھاری سنی جائے گی۔ مانگو، تم کو دیا جائے گا۔ شفاعت کرو، تمھاری شفاعت قبول ہوگی۔"

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں سر اٹھاؤں گا اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا۔ وہ تحمید مجھے اللہ تعالیٰ ہی سکھلا دے گا۔ پھر میں شفاعت کروں گا۔ پھر میرے لیے ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں اتنے لوگوں کو آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا۔ [1]

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تیسری دفعہ یا چوتھی دفعہ میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں کہہ دوں گا: اے رب اب تو آگ میں وہی رہ گیا ہے جس کو قرآن نے روک رکھا ہے۔ یعنی وہی جس پر خلود واجب ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ ہے کہ نبی ﷺ نے پھر یہ آیت ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴾ [بنی اسرائیل:79] پڑھی اور فرمایا کہ مقام محمود جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی سے کیا ہے، وہ یہی مقام ہے۔ [2]

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ منصب شفاعت بالتخصیص نبی ﷺ ہی کو عطا ہوا آدم ونوح وموسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام بھی شفاعت کی جرأت نہ کریں گے اور بالآخر سب کے نزدیک حضور ﷺ ہی اس منصب علیا اور شفاعت کبریٰ کے اہل ثابت ہوں گے۔

لوگوں کا حضور ﷺ سے پہلے دیگر انبیاء اولوالعزم علیہم السلام کی خدمت میں جانے سے یہ نکتہ حاصل ہوتا ہے کہ کسی شخص کو یہ شبہ باقی نہ رہے کہ اگر ہم سرور عالم ﷺ کے سوا کسی دوسرے کے پاس جاتے تو ممکن تھا کہ وہ بھی شفاعت کر ہی دیتے۔ اب جب ہر جگہ صاف جواب مل جائے گا تو سب کو یہ یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ منصب شفاعت میں کوئی نبی، کوئی مرسل، کوئی اولوالعزم بھی حضور ﷺ کا سہیم وسہیم وشریک نہیں اور یہی امر حضور ﷺ کی خصوصیت خاصہ کا مظہر ہے۔

(5) بعثت عامہ

اس کے متعلق قبل ازیں خصوصیت ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الانبیاء:28] کے تحت میں لکھا جا چکا ہے۔ قارئین اس کتاب میں اسے ملاحظہ فرمالیں۔

(6) جوامع الکلم کا عطیہ

بعض اہل قلم نے "جوامع الکلم" سے مراد قرآن مجید کو سمجھا ہے۔ کون ہے جو قرآن مجید کے جامع ہونے سے انکار کر سکے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام قدسی نظام مراد ہے، جسے "حدیث نبوی" علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کہا جاتا ہے۔

---

[1] بخاری:4712,741، مسلم:193، احمد:116/3 [2] بخاری:741، مسلم:193، مسند احمد:116/3

جب کوئی شخص ان الفاظ پاک پر غور کرے گا، جو حضور ﷺ پر نور کے دل و زبان سے گوش عالمیان تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام ''کلام نبوت'' ہے۔ مختصر، سادہ، صاف، پر صدق معانی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ۔

اس کتاب کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کا اندراج کیا گیا ہے، ناظرین کو تدبر اور تفکر کے بعد کلام نبوی ﷺ کی جامعیت کا حال کھل جائے گا اور بخوبی سمجھ آ جائے گا کہ یہ کلام صدق نظام صرف مطلع نبوی ﷺ ہی سے جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ تیمناً و تبرکاً ایک حدیث درج کی جاتی ہے:

اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَ لَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا لا وَ تَنَافَسُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَ لَا تَدَابَرُوْا وَ کُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانًا کَمَا اَمَرَکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَ لَا یَخْذُلُہٗ وَ لَا یَحْقِرُہٗ بِحَسْبِ امْرَءٍ مِنْ الشَّرِّ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاہُ الْمُسْلِمِ کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُہٗ وَ دَمُہٗ وَعِرْضُہٗ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی صُوَرِکُمْ وَ اَجْسَادِکُمْ وَ لٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ وَاَعْمَالِکُمْ۔ اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ اَلَا لَا یَبِیْعُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَ کُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانًا وَ لَا یَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ یَھْجُرَ اَخَاہُ فَوْقَ ثَلَاثٍ وَاَخْرَجَہُ السِّتَّۃُ اِلَّا النَّسَائِیْ وَھٰذَا لَفْظُ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ۔ [1]

① ''خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے۔ ② لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا۔ ③ اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا۔ ④ بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا ⑤ باہمی حسد نہ کرنا ⑥ باہمی بغض نہ رکھنا ⑦ کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا۔ ⑧ اے اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے۔ ⑨ مسلم مسلم کا بھائی ہے۔ بھائی پر نہ کوئی ظلم کرے ⑩ نہ اسے رسوا کرے نہ حقیر جانے ⑪ انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھے ⑫ مسلم کا خون، عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے ⑬ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور جسموں کو بالکل نہیں دیکھتا۔ وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے۔ ⑭ دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ تقویٰ یہاں ہے۔ ⑮ خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔ ⑯ اللہ کے بندو! بھائی بھائی بنو۔ ⑰ مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے (نسائی کے سوا صحاح میں ہے۔)''

خصوصیت معراج

﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ﴾ [بنی اسرائیل:1]

معراج نبوی ﷺ کا ذکر اس کتاب کی جلد اول میں کیا جا چکا ہے اور جلد دوم میں بھی۔ ہر دو مقامات پر واقعہ الگ الگ

[1] یہ حدیث مختلف احادیث مبارکہ کا مجموعہ ہے۔ حوالہ جات درج ذیل ہیں: بخاری: 6951,2442,6077,6066، مسلم: 2580,58,2560,25,2563,28، 2564، ابوداؤد: 4882,4893,4914,49114917، ترمذی: 1927,1426,1932، نسائی: 7291,9161، ابن ماجہ: 4213

اسلوب سے بیان ہوا ہے۔

اب اس مضمون خصائص النبی ﷺ میں بھی اس عنوان کا شامل ہونا ضروری تھا۔ الحمدللہ کہ اس جگہ تیسرے طرز بدیع میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قارئین یاد رکھیں کہ معراج نبی ﷺ ان خصوصیات میں سے ہے جس میں اور کوئی نبی ورسول حضور ﷺ کا سہیم نہیں۔

لفظ معراج کا مادہ ''عروج'' ہے۔ چوں کہ احادیث میں الفاظ عُرِجَ بِیْ استعمال فرمائے گئے ہیں، لہٰذا اس واقعہ مبارکہ کے لیے لفظ معراج خاص ہو گیا۔

لفظ معراج کے معنی زینہ بھی ہیں، چوں کہ عروج وارتقاء منزل بہ منزل ہوا تھا۔ لہٰذا اس واقعہ باطنی کے لیے یہ تشبیہ ظاہری بھی خوب ہے۔

تعدد معراج

علماء میں سے بعض تعدد کے قائل ہوئے ہیں اور لفظ ''اسریٰ'' ولفظ معراج کے معانی کا فرق بتلایا ہے اور اسی لیے انھوں نے ان واقعات کے لیے مختلف سالوں اور مہینوں کا ذکر کیا ہے مگر حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ [1] نے جو بڑے محقق ہیں اپنی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ تعدد معراج کا قول مطلقاً بے سند ہے اور احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بھی مخالف ہے۔

تعین زمانہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تین سال قبل از ہجرت تھی۔ دوسری روایت ہے طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات فرضیت نماز پنجگانہ سے پیشتر تھی۔ (بخاری عن عائشہ) نتیجہ یہ ہوا کہ واقعہ معراج کے بعد از وفات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا تھا اور اس واقعہ کو ہجرت سے تین سال زیادہ کا تاخر نہیں دے سکتے۔

ذکر ہجرت کا آغاز عقبہ کی اس اولین ملاقات سے جس میں انصار کے صرف چھ (6) اشخاص حضور ﷺ سے ملے تھے، شروع ہو جاتا ہے لہٰذا واقعہ معراج کو ہجرت سے قریب ترین تعلق ہے۔ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے واقعہ معراج کو دیباچہ الاستیعاب میں 52 ولادت نبوی کا بتلایا ہے۔ نیز انھوں نے لکھا ہے کہ اس کی تفصیلی بحث انھوں نے کتاب ''التمہید'' میں کی ہے۔ زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ وامام ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری رحمہ اللہ اور امام نووی (حبعاللرافعی) نے معراج کے لیے ماہ رجب کا تعین کیا ہے۔

حافظ عبدالغنی بن عبدالواحد بن علی بن سرور المقدسی رحمہ اللہ (التوفی 13 ربیع الآخر 600ھ) نے ستائیسویں (27) رجب کو جملہ اقوال پر ترجیح دی ہے اور لکھا ہے کہ ہمیشہ سے عملاً اسی تاریخ پر اتفاق کیا گیا ہے۔

مندرجہ بالا اقوال کا نتیجہ ہے یہ ہوا کہ معراج ستائیسویں (27) رجب 52 ولادت نبوی ﷺ کو ہوا تھا۔

میں نے نبی ﷺ کی سیرت مبارکہ کے متعلق 23 سالہ جنتری خود تیار کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہ رجب 52 کا پہلا دن جمعہ تھا۔ لہٰذا ستائیسویں (27) رجب کی شب کے بعد طالع ہونے والا دن چہارشنبہ (بدھ) تھا اور اسلامی طریق سے شب معراج

---

[1] الامام عمادالدین ابوالفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر قریشی، دمشقی رحمہ اللہ (متوفی 774ھ) بہت بڑے عالم وزاہد اور مصنف کتب کثیرہ تھے۔ البدایہ والنہایہ اور تفسیر ابن کثیر انھیں کے مشہور علمی شاہکار ہیں۔

بھی چہارشنبہ (بدھ) تھی۔

راویان احادیث معراج مع حوالہ کتب احادیث

ذیل میں دکھلایا جاتا ہے کہ احادیث معراج کن کن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کن کن دواوین حدیث میں مروی ہے۔

① حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

①	صحیح بخاری وابن جریر	بطریق شریک بن عبداللہ عن انس رضی اللہ عنہ
②	صحیح مسلم	بطریق ثابت عن انس رضی اللہ عنہ
③	نسائی وابن ماجہ	بطریق یزید بن مالک عن انس رضی اللہ عنہ
④	ابن ابی حاتم	بطریق دیگر از یزید بن مالک
⑤	ابن جریر وابن مردویہ	بطریق عبدالرحمن بن ہاشم عن انس رضی اللہ عنہ
⑥	احمد و ترمذی، بیہقی، عبد بن حمید، ابن جریر و ابن مردویہ، ابونعیم	بطریق قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ
⑦	ابوداؤد واحمد	بطریق عبدالرحمن بن جبیر عن انس رضی اللہ عنہ
⑧	ابن مردویہ	بطریق قتادہ وسلیمان التیمی وعلی بن زید عن انس رضی اللہ عنہ
⑨	ابن سعد، سعد بن منصور، بزار، بیہقی، ابن عساکر	عن ابی عمران الجونی عن انس رضی اللہ عنہ

② حدیث جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: صحابی بن صحابی

①	صحیح بخاری وصحیح مسلم	عن جابر رضی اللہ عنہ

③ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ

①	صحیحین	من طریق قتادہ عن ابی العالیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
②	صحیح مسلم	ایضاً عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
③	احمد وابونعیم، ابن مردویہ بسند صحیح	من طریق قابوس عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
④	احمد، ابویعلی، ابونعیم، ابن مردویہ	من طریق عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
⑤	احمد، نسائی۔ بزار، طبرانی، بیہقی، ابن مردویہ	من طریق شہر بن حوشب عن ابن عباس رضی اللہ عنہ

④ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ

①	صحیح بخاری	من طریق علقمہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

②	صحیح مسلم	من طریق مرۃ الہمدانی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ
③	صحیح مسلم و بیہقی وابونعیم	من طریق زر عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ
④	احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور وحاکم **صححه**	من طریق موثر بن غفار عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ
⑤	ترمذی، وحشنہ وابن مردویہ	من طریق عبدالرحمن عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ
⑥	بزار۔ ابویعلی، حارث بن ابی اسامہ، طبرانی، ابونعیم، ابن عساکر	من طریق عاتمہ عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ

⑤ حدیث مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ [1]

⑥ حدیث ابی ذر رضی اللہ عنہ

①	صحیحین	**من طریق الزهری عن انس قال کان ابو ذر یحدث بسنده عن ابی ذر** رضی اللہ عنہ

⑦ حدیث ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ

①	صحیح مسلم واحمد وابن مردویہ	من طریق ابی سلمہ
②	احمد، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ	**من طریق ابی الصلت**
③	ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بزار، ابویعلی بیہقی	من طریق ابن العالیہ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ
④	ابن مردویہ	من طریق سلیمان التیمی
⑤	سعید بن منصور ابن سعد	عن ابی وہب مولی ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ
⑥	صحیح بخاری ومسلم واحمد مالک حدثہ	من طریق قتادہ عن انس رضی اللہ عنہ

⑧ حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

①	احمد بن ابی شیبہ۔ ترمذی، حاکم صححہ ونسائی وابن جریر وابن مردویہ، بیہقی	عن حذیفہ رضی اللہ عنہ

---

[1] نہایت قلیل الروات ہیں۔ یہی ایک حدیث ان سے بطریق صحیح محفوظ ہے جو نہایت اتفاق سے مروی ہے۔

⑨ حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

①	ابن مردویہ	عن سمرہ رضی اللہ عنہ

⑩ حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

①	ابن عساکر	عن سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

⑪ حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ

①	ابن ابی حاتم، بیہقی، وصححہ، بزار، طبرانی، ابن مردویہ	عن شداد رضی اللہ عنہ

⑫ حدیث صہیب رضی اللہ عنہ

①	طبرانی، ابن مردویہ	عن صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ

⑬ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ

①	ابوداؤد، طبرانی (اوسط)، بیہقی	عن ابی عمر رضی اللہ عنہ

⑭ حدیث ابن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ

①	ابن مردویہ	عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

⑮ حدیث عبداللہ بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ: صحابی بن صحابی

①	بزار، ابن قانع، ابن عدی، بغوی، ابن عساکر	عن عبداللہ بن اسعد رضی اللہ عنہ

⑯ حدیث ابوایوب رضی اللہ عنہ

①	ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ	عن ابی ایوب رضی اللہ عنہ

⑰ حدیث ابی حیہ رضی اللہ عنہ

①	طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی حیہ رضی اللہ عنہ

⑱ حدیث ابی العمراء رضی اللہ عنہ

①	طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ	عن ابی العمراء رضی اللہ عنہ

⑲ حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ

①	ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر۔	ابن ہارون العبدی

2	ابن مردویہ	من طریق ابی نضرۃ عن ابی سعید
3	ابن مردویہ من وجہ آخر	عن ابی نضرۃ
4	ابن مردویہ من وجہ آخر	من طریق قحمہ عن ابی سعید

20 حدیث ابی یعلی رضی اللہ عنہ

1	طبرانی (اوسط) ابن مردویہ	من طریق محمد بن عبدالرحمن

21 حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

1	ابن مردویہ، حاکم وصححہ، بیہقی	من طریق زہری عن عروہ

22 حدیث اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہا

23 حدیث ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا

1	ابن اسحٰق، ابن جریر	عن الکلبی عن ابی صالح عن ام ہانی رضی اللہ عنہا

24 حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ

1	احمد	عن عبید بن آدم عن امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ
2	ابن مردویہ	من طریق مغیرہ بن عبدالرحمن

25 حدیث ابی سفیان اموی رضی اللہ عنہ

1	ابونعیم عن محمد بن کعب القرظی	عن سفیان بطریق ایما (موقوف)

26 حدیث امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ

1	طبرانی	من طریق الحسین عن ابیہ
2	ابونعیم	من طریق محمد بن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ
3	ابن مردویہ	من طریق زید بن علی بن آباءہ عن علی

27 حدیث عبدالرحمٰن بن قرط الثمالی رضی اللہ عنہ

1	سعید بن منصور، طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم (فی المعرفہ)	عن عبدالرحمن بن قرط

28 حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ

1	ترمذی، حاکم، صححہ وابونعیم، ابن مردویہ، بزار	عن بریدہ رضی اللہ عنہ

صحابہ رضوان اللہ علیہم جس قدر راویان حدیث ہیں، ان میں مکی مہاجر بھی ہیں اور مدنی انصار بھی۔ واقعہ معراج مکہ معظمہ میں ہوا لیکن یہ خیال غلط ہے کہ انصار اصحاب رضی اللہ عنہم نے بعد میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ مہاجرین سے سنا ہوا تھا۔

اول تو راوی نے صحابہ کی خود صراحت کہ انھوں نے حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ اس بارے میں کافی دلیل ہے۔

دوم یہ قدرتی امر ہے کہ جب انصار کبار نے معراج کے متعلق اپنے مہاجر بھائیوں سے کچھ سنا تو ان کے شوق و ذوق کا تقاضا یہی ہونا چاہیے تھا کہ وہ خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سننے کی درخواست کرتے، جیسا کہ محدثین میں ہمیشہ علو اسناد کے حاصل کرنے کا شوق پایا گیا ہے۔ یہ صرف قیاس ہی نہیں بلکہ بعض روایات میں صراحۃً اس کی بابت الفاظ موجود ہیں۔ حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ میں ہے۔

قُلْنَا يَارَسُوْلَ اللهِ كَيْفَ اُسْرِيَ بِكَ [1] لفظ قُلْنَا پر غور کرنا چاہیے کہ یہ درخواست ایک مجمع صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے تھی۔

صحیحین کی روایت مالک بن صعصعہ میں ہے: اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَهُمْ [2] ''خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حدیث بیان فرمائی۔''

لہٰذا معراج کی احادیث مرفوعہ خواہ ان کے راوی مہاجرین ہیں یا انصار سب کی سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی ہیں۔

بعض صحابہ مثلاً ابن عباس اور انس رضی اللہ عنہم ایسے بھی ہیں جنھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت براہ راست بھی کی ہے اور بالواسطہ کسی دوسرے صحابی سے بھی۔ ان کی طرف سے ہر دو گونہ روایات ہیں۔ اس تمیز کو قائم رکھنا بھی ثابت کرتا ہے کہ انھوں نے مرسل کو مرفوع کہنے کی جرأت کبھی نہیں کی۔ یہ امر اور بھی موجب اطمینان ہے کہ صحیحین کی احادیث واقعہ معراج کے متعلق زیادہ مکمل اور زیادہ مفصل ہیں۔

اب واقعات معراج کو بیان کیا جاتا ہے

1 صحیح مسلم کی حدیث میں طریق ثابت عن انس رضی اللہ عنہ میں ہے: ''میں سواری پر سوار ہوا اور بیت المقدس پہنچا۔ سواری کو اسی حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ مسجد میں جا کر میں نے دو رکعت نماز ادا کی اور وہاں سے آسمان کی طرف عروج ہوا۔ [3]

2 ابن ابی حاتم کی ایک روایت عن یزید بن ابی مالک عن انس میں نماز بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ:

''میرے پہنچ جانے کے بعد وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ اذان دی گئی اور اقامت کہی گئی۔ صفیں درست ہوئیں۔ میں انتظار میں تھا کہ نماز کون پڑھائے گا۔ جبریل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے آگے کھڑا کر دیا۔ بعد از نماز جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پیچھے کن لوگوں نے نماز پڑھی؟ میں نے کہا نہیں۔ جبریل علیہ السلام نے کہا: یہ سب انبیاء ہیں جو منجانب اللہ مبعوث ہو چکے۔'' [4]

3 امام احمد کی روایت عن عبید بن آدم میں بیت المقدس کے متعلق یہ صراحت ہے کہ

''جب امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے، تب کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیے، اس نے کہا صخرہ کے

---

[1] کشف الاستار: 53، مجمع الزوائد: 236 [2] بخاری: 3207، مسلم: 164 [3] مسلم: 411 [4] تفسیر ابن کثیر: 189/3

پیچھے۔امیر المومنین نے کہا نہیں۔میں وہاں پڑھوں گا جہاں نبی ﷺ نے پڑھی تھی۔'' [1]

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ کی حدیث من طریق انس رضی اللہ عنہ بھی موجود ہے۔

مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ نہایت قلیل الروایت ہیں۔حتیٰ کہ اکثر محدثین کا خیال ہے کہ اس ایک حدیث کے سوا ان سے اور کوئی حدیث مروی نہیں ہے،ایسے بزرگوار نے حدیث کو نہایت ہی اتقان کے ساتھ یاد رکھا اور روایت کیا ہوگا،کیوں کہ ان کی ساری عمر کی کمائی یہی ہے اور غالباً یہی پختہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے خود مرفوعاً روایت کرنے کے بعد بھی بزرگوار ابن صعصعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنا اپنے لیے موجب فخر ومسرت سمجھا۔اب مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا(قتادہ نے لفظ''حطیم'' کی جگہ کہیں لفظ''حجر'' بھی استعمال کیا ہے۔دونوں نام ایک ہی مقام کے ہیں۔یعنی خانہ کعبہ کے اندر کی وہ زمین جسے قریش نے باہر چھوڑ دیا تھا۔جب آنے والا (جبریل علیہ السلام) میرے پاس آیا۔اس نے اپنے ساتھی (میکائیل علیہ السلام) سے کہا کہ ان تین میں سے درمیان والے نبی ﷺ ہیں۔پھر وہ میرے پاس آیا،سینہ سے لے کر زیر ناف تک میرا جسم شق کیا۔پھر سونے کا طشت لایا گیا جو ایمان وحکمت سے پر تھا۔میرے قلب کو دھویا اور ایمان وحکمت سے بھر دیا۔پھر زخم درست کر دیا۔پھر میرے لیے سواری لائی گئی جس کا قد خچر سے کم اور حمار(گدھا) سے اونچا تھا۔اس کا قدم اس کی حد بصر تک پڑتا تھا۔مجھے سوار کیا گیا۔جبریل علیہ السلام میرے ساتھ چلا۔آسمان دنیا تک مجھے لے کر پہنچایا گیا۔دروازہ کھلوایا،اندر سے پوچھا کون ہے؟ کہا جبریل علیہ السلام۔کہا تمھارے ساتھ کون ہیں؟ کہا: محمد ﷺ۔انھوں نے کہا کیا آپ کو بلوایا گیا ہے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا: ہاں۔فرشتوں نے مرحبا کہا اور کہا خوب تشریف لائے۔دروازہ کھلا۔میں اندر گیا تو وہاں آدم تھے۔جبریل علیہ السلام نے کہا یہ تمھارے ابا آدم علیہ السلام ہیں،سلام کیجیے۔میں نے سلام کیا۔انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح ونبی صالح فرما کر مرحبا بھی کہا۔

پھر جبریل علیہ السلام دوسرے آسمان تک پہنچا۔دروازہ کھلوایا(وہی گفتگو پہلے آسمان والی ہوئی) میں اندر گیا تو وہاں یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام تھے۔یہ دونوں خالہ زاد ہیں۔جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام ہیں۔سلام کیجیے۔میں نے سلام کیا۔انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح ونبی صالح کہہ کر مرحبا بھی کہا۔

پھر تیسرے آسمان پر گئے۔(وہی گفتگو ہوئی،دروازہ کھلا) وہاں یوسف علیہ السلام تھے۔سلام وجواب کے بعد انھوں نے بھی اخ صالح ونبی صالح کے الفاظ میں مرحبا کہا۔

پھر جبریل علیہ السلام چوتھے آسمان تک بلند ہوا۔دروازہ کھولنے کو کہا۔پوچھا کون؟ کہا جبریل علیہ السلام۔پوچھا تمھارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد ﷺ۔پوچھا کیا بلوائے گئے ہیں؟ کہا: ہاں۔فرشتوں نے مرحبا کہا اور میرے آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔اندر گئے تو وہاں ادریس علیہ السلام تھے۔میں نے سلام کیا۔انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح ونبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

اسی طرح پانچویں آسمان والے فرشتوں کی بات جبریل علیہ السلام سے ہوئی۔میں اندر گیا۔وہاں ہارون علیہ السلام ملے۔سلام کا جواب دے کر مجھے اخ صالح ونبی صالح کے ساتھ مرحبا کہا۔

اسی طرح چھٹے آسمان پر جبریل علیہ السلام اور فرشتوں کی گفتگو ہوئی۔میں اندر گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام ملے۔میں نے سلام کیا۔انھوں نے جواب دیا اور اخ صالح ونبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

میں ان سے آگے کو چلا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے،پوچھا گیا کہ تم کیوں روئے؟ کہا یہ نوجوان میرے بعد نبی ہوا اور اس کی امت

---

[1] مسند احمد: 38/1؛ تفسیر ابن کثیر،سورۃ الاسراء

کے لوگ میری امت سے بہت زیادہ تعداد میں داخل جنت ہوں گے۔

پھر ساتویں آسمان پر جبریل علیہ السلام پہنچا۔فرشتوں سے گفتگو ہوئی اور وہاں میں نے دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام موجود ہیں۔میں نے سلام کیا۔انھوں نے جواب دیا اور ابن صالح و نبی صالح کہہ کر مرحبا کہا۔

پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک اٹھایا گیا۔اسکا پھل بڑی چاٹیوں جیسا اور اسکے پتے ہاتھی کے کان جیسے بڑے ہیں۔جبریل علیہ السلام نے بتایا کہ سدرۃ المنتہیٰ یہی ہے۔وہاں چار نہریں دیکھیں، دو اندر بہتی تھیں، دو کھلم کھلی۔جبریل نے بتایا کہ اندر اندر چلنے والے دریا تو بہشت کے دریا ہیں اور کھلے چلنے والے نیل و فرات۔

پھر سامنے ''بیت المعمور'' نمودار ہوا۔(قتادہ جو راوی حدیث ہیں انھوں نے کہا کہ حسن رضی اللہ عنہ نے ہم کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انھوں نے نبی ﷺ سے یہ بیان کیا تھا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ بیت المعمور میں ستر ہزار (70000) فرشتے روزانہ داخل ہوتے ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتے۔اس قدر ایزدی کے بعد قتادہ رضی اللہ عنہ نے پھر حدیث انس کی طرف رجوع کیا) نبی ﷺ نے فرمایا۔پھر میرے سامنے شراب اور دودھ اور شہد کے برتن پیش کیے گئے، میں نے دودھ لے لیا۔جبریل علیہ السلام نے کہا یہی وہ فطرت ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہے۔پھر پچاس (50) نمازیں فرض کی گئیں۔روزانہ پچاس (50) نمازیں۔پھر میں نیچے آیا اور موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا تو انھوں نے پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا: پچاس (50) نمازیں روزانہ۔موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ کی امت میں اس کی استطاعت نہ ہوگی اور میں قبل ازیں لوگوں کا امتحان کر چکا ہوں اور بنی اسرائیل کی تدبیر کرتا رہا ہوں۔آپ اپنے رب کی طرف واپس جائیں اور امت کے لیے تخفیف کا سوال کیجیے۔میں واپس گیا، دس (10) نمازیں کم کر دیں گئیں۔میں لوٹ کر یہی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا وہ بولے کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔میں واپس گیا، اور دس (10) نمازوں کی تخفیف کر دی گئی۔میں نے پھر موسیٰ علیہ السلام کو یہی آکر بتلایا۔انھوں نے کہا کہ پھر واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔میں واپس گیا۔تب دس نمازوں کی اور تخفیف کر دی گئی۔انھوں نے پھر کہا کہ واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔میں اسی طرح جاتا رہا۔حتیٰ کہ پانچ نمازوں کا حکم ہو گیا اور میں نے موسیٰ علیہ السلام کو بتلایا۔انھوں نے کہا کہ آپ کی امت میں استطاعت بھی نہ ہوگی۔مجھے لوگوں کا خوب تجربہ ہے اور میں نے بنی اسرائیل کے لیے بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں لہٰذا واپس جایئے اور تخفیف کا سوال کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا کرتا شرمسار ہو گیا ہوں۔اب تو میں اس کو خوشی سے مانوں گا اور تسلیم کروں گا۔اس وقت پکارنے والے کی ایک آواز آئی کہ میں نے اپنے فریضہ کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف بھی کر دی۔[1]

[5] شیخین کی حدیث عن انس میں مزید یہ ہے کہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے یوں روایت کیا کرتے تھے کہ:

آدم علیہ السلام جب دائیں جانب دیکھتے تب ہنستے اور جب بائیں جانب دیکھتے تب روتے۔جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کے پوچھنے پر بتلایا کہ دائیں بائیں اولاد آدم کی ارواح ہیں۔دائیں جانب اہل جنت ہیں اور بائیں اہل نار، دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنس

---

[1] بخاری:3207,3393,3430,3878،مسلم:416،ترمذی:3346،نسائی:447،مسند احمد:208/4 یعنی نمازیں پانچ اور ثواب پچاس کا۔

پڑتے ہیں اور بائیں جانب کو دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔ [1]

(6) زہری کہتے ہیں کہ ابن حزم نے مجھے بتلایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ابوحبہ الانصاری یہ بھی کہا کرتے تھے کہ:

''نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے بلندی پر لے جایا گیا اور میرے سامنے مستوی آ گیا، میں صریف الاقلام سنتا تھا۔

پانچ نمازوں کی تعیین کے بعد موسیٰ علیہ السلام بھی میرے ساتھ چلے۔ میں سدرۃ المنتہیٰ پر واپس آیا۔ اس پر ایسے رنگا رنگ الوان پڑ رہے تھے کہ جن کی صفت بیان سے باہر تھی۔ پھر مجھے جنت میں لے جایا گیا، جس کی کنکریاں آبدار موتی ہیں اور جس کی زمین مشک خالص کی ہے۔ [2]

ساتوں آسمانوں پر آٹھوں انبیاء کی ملاقات کا راز

مختلف آسمانوں پر الگ الگ انبیاء علیہم السلام کی ملاقات بہت سی نصائح دینی پر مشتمل ہے:۔

(1) پہلی بات تو یہ ہے کہ جس طرح شاہان عالم معزز مہمان کے اکرام کے لیے اپنی سرحد خاص سے لے کر دربار خاص تک درجہ بدرجہ امرائے عظام کو مقرر کیا کرتے ہیں۔ اس طرح ان انبیاء کرام علیہم السلام کا تعین بھی آسمان اول سے آسمان ہفتم تک کیا گیا۔

(2) آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ اول الانبیاء ہیں۔ اس لیے ان کا تعلق آسمان اول سے ایک خصوصیت رکھتا ہے۔ آدم علیہ السلام ہیں جن کو ترک جنت کا الم اٹھانا پڑا۔ مگر جب زمین پر آئے اور خلافت الارض کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا اور ان کی اولاد ورفقا سے زمین آباد ہو گئی تب ان کا وہ الم مبدل بہ سرور ہو گیا۔

نبی ﷺ بھی اَحَبُّ الْبِلَادِ عِنْدَاللّٰهِ [3] کو ترک کرنے والے تھے، لیکن اقامت مدینہ طیبہ اشاعت اسلام اور نشر علوم کا سبب تھی۔ یہیں سے نصرت وفتح کے اعلام بلند ہوئے اور یہی بلدہ طیبہ حضور کے خلفاء کا بھی مستقر ثابت ہوا۔

(3) یحییٰ وعیسیٰ علیہم السلام میں قرابت بھی ہے۔ مسیح نے اصطباغ بھی یحییٰ علیہ السلام سے پایا تھا۔ احوال زہد ومحنت میں بھی دونوں متحد الاحوال ہیں۔ اس لیے وہ دونوں ایک ہی مقام پر جمع تھے اور دونوں کو نبی ﷺ کے زہد وتوکل اور اعراض عن الخلق و مستقبل کا دکھلانا بھی مقصود تھا۔ یحییٰ علیہ السلام نے اپنا کام عیسیٰ مسیح علیہ السلام پر چھوڑا تھا اور عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے اکمال صداقت اور اتمام حقانیت کا حضور ﷺ کے ہاتھوں سے پورا ہونا بتلایا تھا۔ لہٰذا ضروری تھا کہ دونوں بزرگوار اپنی بہترین تمناؤں کو مکمل شدہ حالت میں دیکھ لیتے۔

(4) یوسف علیہ السلام کے احوال مبارکہ کو نبی ﷺ سے مماثلت کلی ہے۔ دونوں صاحب الجمال والکمال ہیں۔ دونوں کو امتحانات ساتھ دینے پڑے۔ دونوں میں عفو وکرم کا وفور ہے۔ دونوں نے اخوان جفا پیشہ کو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کے مژدہ سے جان بخشی فرمائی ہے۔ دونوں صاحب امر وحکومت ہیں اور دنیا سے پوری کامرانی وحکمرانی اور جاہ وجلال کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

(5) چوتھے فلک پر ادریس علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ کثرت درس اور توغل تعلیم اور شغف تدریس میں ادریس علیہ السلام کا خاص درجہ ہے اور یہی کیفیت نبی ﷺ کی تھی ﴿يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ﴾ [الجمعۃ:2] حضور ﷺ ہی کے القاب گرامی میں داخل ہے۔

(6) پانچویں پر ہارون علیہ السلام ملے۔ ہارون علیہ السلام اپنی قوم وامت میں ہر دل عزیز اور محبوب قلوب تھے۔ ہارون مسجد کے امام تھے۔ ہارون علیہ السلام تفرقہ بازی کو سب سے برا سمجھتے تھے اور یہ وہ صفات عالیہ ہیں جن کے انوار حضور ﷺ کی سیرت میں واضح وآشکار ہیں۔

(7) چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب شریعت بھی ہیں اور صاحب کتاب بھی ہیں۔ غازی ومجاہد ہیں، مہاجر و

---

[1] بخاری:3342، مسلم:163/263 [2] بخاری:3342,1636,34، مسلم:163، تفسیر ابن کثیر:192/3

[3] مسلم:1528، ابن خزیمہ: 1293، کنز العمال: 20719

مناظر بھی۔ نبی ﷺ کے ساتھ ان محاسن میں مشابہ تر ہیں۔ ان کا رتبہ ان مجموعی محاسن کی وجہ سے پانچوں آسمانوں والے انبیاء سے بڑھ کر خاص امتیاز رکھتا ہے۔

8 ساتویں آسمان پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نظر آئے۔ یہی بانی کعبہ مقدسہ ہیں اور یہی کعبہ آسمانی (بیت المعمور) کے مہتمم ہیں۔ یہی امام خلق ہیں، خلیل الرحمٰن ہیں۔ نبی ﷺ نے کعبہ کو ارجاس اوثان سے پاک کیا۔ نبی ﷺ کی مرضی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے کعبہ کو قبلہ نماز بنایا۔ نبی ﷺ ہی نے ملت حنیفیہ کو زندہ کیا۔ نبی ﷺ ہی نے مناسک حج کو سنت ابراہیمیہ کے مطابق محکم فرمایا۔ نبی ﷺ ہی نے درود پاک میں اپنے نام کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک کے نام کو شامل فرمایا۔

نبی ﷺ حلیہ کے لحاظ سے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے نہایت مماثل تھے۔

رفعت، حضور ﷺ کو مقام ابراہیم (بیت المعمور) سے اوپر حاصل ہوئی۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ ہی مقام محمود والے ہیں اور حضور ﷺ ہی اٰدَمُ وَ مَنْ دُوْنَهٗ، تَحْتَ لِوَائِیْ فرمانے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ [1]

قرآن کریم اور معراج شریف

قرآن کریم نے واقعہ معراج کو دو سورتوں میں ذکر فرمایا ہے:

1 سورہ بنی اسرائیل جس کے آغاز ہی میں یہ آیات ہیں:

﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴾ [بنی اسرائیل:1]

کلمہ سبحان تنزیہہ کے لیے آتا ہے اور شروع کلام میں اس لیے لایا جاتا ہے کہ جن واقعات کا ذکر آئندہ کیا جائے گا اللہ کی قدرت اور طاقت اس کو ظہور میں لانے سے عاجز و درماندہ نہیں۔ لَیْلًا کی تنوین رات کی مقدار قلیل کو ظاہر کرتی ہے۔

﴿ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ اسی مقام کے قرب و جوار میں اشجار مثمرہ اور انہار جاریہ اور شجرہ مبارکہ زیتون کی کثرت ہے۔ اسی کا حوالی انبیائے کثیر کا مہبط وحی اور معجزات باہرات کا مصدر رہا ہے۔

﴿ مِنْ اٰیٰتِنَا ﴾ سے مراد وہ نشانات ارضی بھی ہیں جو بنی اسرائیل کے اقبال و ادبار اور شرف و ذلت کی زندہ زبان ہیں۔

اور وہ نشانات عظمیٰ بھی اسی لفظ میں شامل ہیں جو حضور ﷺ نے مسجد اقصیٰ سے عروج کے بعد ﴿ ملکوت السّمٰوٰت والارض ﴾ ملاحظہ فرمائے۔

2 سورہ نجم میں ذکر ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر تدبر کرو۔

1 ﴿ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴾ [النجم:18] ''اس نے اپنے رب کی ان آیات کو دیکھا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ''کبریٰ'' بزرگ ترین ہونے کی صفت سے موصوف ہیں۔''

اس کے تحت میں جبریل علیہ السلام کا بصورت اصلی یا سدرۃ المنتہیٰ اور اس پر چھا جانے والے انوار قدسیہ کا بصورت تجلّی یا جنت و نار کا بہ ہیئت موجودہ یا عجائبات ملکوت کا تفصیل سے معائنہ کچھ بھی لکھ دیا جائے لیکن یہ سب کے سب اپنی مجموعی شان میں بھی لفظ کبریٰ کے

---

[1] ترمذی:3184

سامنے کم ہی ہوں گے۔ اس لیے ان کا حصر و تعقل دشوار ہے۔

2 ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى﴾ [النجم:17] اس آیت میں نبی ﷺ کے شوق دید کا بھی بیان ہے اور مراعات حسن ادب کا ذکر ہے اور نبی ﷺ کے ثبات و وقار اور تحمل و استعداد رؤیت کا بھی تذکرہ ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے حال میں فرمایا گیا ہے ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ {7،الاعراف 143}

'جب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر تجلی ڈالی، تب پہاڑ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے''

سیدنا حضرت محمد ﷺ خوب آنکھیں بھر کر ان انوار کو دیکھ رہے ہیں۔ مشتاق آنکھ نہ جھپکتی ہے نہ ادھر ادھر تاکتی ہے۔ قوت ربانیہ متوجہ نمائش ہے اور بصارت محمدیہ کمال قوت و نظارہ کے ساتھ وقف دید۔

3 ﴿مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى﴾ [النجم:11] ''جو کچھ آنکھوں نے دیکھا، دل نے اسے نہیں جھٹلایا''

بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ روشن صاف آنکھیں ایک شے کو دیکھتی ہیں اور دل آنکھ کی دیکھی ہوئی حالت کو جھٹلاتا ہے۔ مثلاً ہم ہر صبح کو دیکھتے ہیں کہ سورج ایک زریں طشت کی صورت میں مشرق سے نمودار ہوتا ہے۔ اس کا قد و قامت اس وقت اتنا چھوٹا نظر آتا ہے کہ کرہ ارض سے کروڑوں حصے کم ہو گیا، لیکن دل کہہ دیتا ہے کہ ایسا سمجھنا آنکھ کی غلطی ہے۔ یہ تو زمین سے کروڑوں حصے بڑا ہے اور یقیناً بڑا ہے۔

ہم پانی کے اندر گری ہوئی چیزوں کو دیکھتے ہیں تو وہ ابھری ہوئی نظر آتی ہیں حالانکہ آنکھ کا اسے ایسا دیکھنا غلط ہوتا ہے۔

ہم سورج کی روشنی کو دیکھ کر اسے صرف ایک صاف، سفید روشنی سمجھتے ہیں حالانکہ دل بتلاتا ہے کہ اس روشنی میں سات (7) رنگوں کا اجتماع ہے۔

جب دیدہ و دل میں ایسا اختلاف پایا جاتا ہے تب یہ سمجھنا کہ آنکھ حقیقت اصلیہ کو دیکھ رہی ہے، غلط ہوتا ہے، لیکن حقائق کی اصلیت اور انکشافات کی حقیقت پر دل و دیدہ کا یقین، وثوق اور اعتبار مجتمع ہو جائے تو شک نہیں کہ یہ نظارہ بصیرت افروز ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہی مقصود ہے کہ نبی ﷺ کے نظارہ پاک کو جملہ ظنون و شکوک سے برتر اور جملہ صداقتوں اور حقیقتوں پر حاوی یقین کرنا چاہیے۔

4 ﴿فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى﴾ [النجم:10] ''پھر اپنے بندہ پر جو وحی بھی بھیجنی تھی وہ بھیجی۔''

آیات بالا میں دیدہ و دل کی کیفیات کا ذکر تھا۔ اس آیت میں گوش و دل کے حقائق کا ذکر ہے۔ مَاۤ اَوْحٰى کا لفظ اجمال کے لیے نہیں بلکہ تفخیم کے لیے ہے۔ اس سے تفخیم وحی بھی مقصود ہے اور یُوْحٰۤى اِلَیْهِ کی تعظیم بھی اور ان کی عظمت اصلیہ تو لفظ عبد میں پنہاں ہے۔ پنہاں بھی ہے اور عیاں بھی۔

کچھ شک نہیں کہ واقعہ معراج نبی ﷺ کے مقامات اعلیٰ سے ایک برترین مقام ہے اور اس واقعہ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں بھی اور سورہ النجم میں بھی لفظ عبد ہی کا استعمال فرمایا ہے تاکہ مخلوق الٰہی خوب سمجھ لیں اور اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیں کہ اس مقدس ہستی کے لیے بھی جس کی شان ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' سے آشکار ہے۔ سب سے بلند ترین مقام عبودیت ہی کا ہے اور ہم سب کو اسی مقام عبودیت میں ارتقا (بقدر قابلیت و استعداد) کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ ﴿فَاعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ﴾ [الزمر:2] ''اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسی کے لیے دین کو خالص کرو'' بیشک الصلوٰۃ معراج المومنین کے معانی بھی اس نکتہ سے حل ہوتے ہیں کیوں کہ اظہار عبودیت و بیان عجز و افتقار اور تشکل بندگی و ابتہال کے لیے نماز سے بڑھ کر اور کوئی صورت متحقق نہیں۔

بیداری وخواب کی بحث

بعض علماء کو آیت سے ﴿ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ [بنی اسرائیل:60]
''اور ہم نے آپ کو جو خواب دکھایا وہ لوگوں کے لیے ماسوائے فتنہ کے کچھ نہیں'' سے یہ خیال ہوا ہے کہ اس آیت کا اشارہ معراج کی طرف ہے اور چونکہ اسے رؤیا سے تعبیر کیا گیا ہے لہٰذا معراج کے واقعات خواب میں نظر آئے تھے۔

اس اشکال کو امام لغت ابن وجیہہ رحمہ اللہ نے حل کر دیا ہے کہ رؤیت و رؤیا کا استعمال بمعنی واحد ہوتا ہے۔ لغت کا قول ہے: رَأیت رؤیة ورؤیا قربة و قربیٰ اب یہ وہم اٹھ گیا رؤیا صرف خواب ہی کے لیے مستعمل ہے۔

زمخشری رحمہ اللہ نے جو ائمہ لغت ومعانی وبیان میں سے ہیں، اپنی تفسیر میں پر آیت بالا کے تحت میں لکھا ہے کہ اس رؤیا کا تعلق بدر سے ہے۔ جبکہ حضور ﷺ نے ہر ایک کافر کے گرنے کا نشان ومقام بھی بتلا دیا تھا اور کفار حضور ﷺ کے اس ارشاد کو استہزاء ہی بتاتے رہے۔ بعد ازاں لفظ قبل کے ساتھ اس نے یہ بیان کیا ہے:

اِنَّمَا سَمَّاهَا رُؤْيَا عَلٰى قَوْلِ الْمُكَذِّبِيْنَ حَيْثُ قَالُوْا لَهٗ، لَعَلَّهَا رُؤْيَاءٌ رَاَيْتَهَا وَخَيَالٌ خُيِّلَ اِلَيْكَ۔ [1]

لفظ رؤیا کا استعمال مکذبین کے استعمال کے موافق ہے۔ وہ معراج کا حال سن سن کر کہتے تھے کہ شاید یہ ایک خواب ہے یا پھر خیال جو اس کے دماغ میں آیا۔

اس کی مثال ان آیات میں ہے: ﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ ﴾ [الصافات:90] ''یعنی آپ (ابراہیم علیہ السلام) چپ چاپ ان کے معبودوں کے پاس چلے گئے'' ﴿ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ ﴾ [القصص:62] ''کہاں ہیں میری ہمسری کے دعویدار''
﴿ ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴾ [الدخان:49] ''چکھ (عذاب) بلاریب تو تو بڑا رعب اور عزت والا بنا تھا۔''

اب محدثین کی سنیے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کی کتاب التفسیر میں آیت ﴿ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ [2] کے تحت میں بروایت عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ الفاظ تحریر کیے ہیں۔

هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ اُرِيَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِهٖ یہ آنکھ کا نظارہ تھا جو نبی ﷺ کو شب اسریٰ دکھلایا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ بحبر امت محمدیہ اور بدعائے رسول پاک ﷺ بہترین مفسر قرآن ہیں اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لغت وادب کے بھی ائمہ عظام میں سے ہیں۔ ان کا قول:

''میرا ایمان ہے کہ نبی ﷺ کا معراج بیداری اور جسم کے ساتھ تھا'' یہی اعتقاد اکثر ائمہ اہل سنت محدثین وفقہائے تابعین وصحابہ کا ہے جو لوگ واضح ثبوت کے بعد بھی معراج کو خواب ہی سمجھا کریں وہ حدیث ذیل پر ذرا غور کریں۔

عَنِ الشَّيْخَيْنِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا كَذَّبَنِيْ قُرَيْشٌ حِيْنَ اُسْرِيَ بِيْ اِلٰى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَّى اللّٰهُ لِيْ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا

---

[1] کشاف جلد دوم: 191

[2] میرے سامنے جو صحیح بخاری موجود ہے وہ بمقام بمبئی 1268ھ میں لکھی گئی اور 1270ھ میں چھاپی گئی، اس میں لفظ رؤیۃ (بالتاء) ہے۔ آیت میں بھی اور تفسیر ابن عباس کے الفاظ میں بھی۔ اس لیے میں نے اس جگہ بالتاء نقل کیا ہے مگر میرے پاس ایک پرانی قلمی صحیح بخاری ہے اس میں وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا کو رسم الخط قرآنی کے مطابق لکھا ہے اور یہی صحیح ہے۔ بخاری: 3888، ترمذی: 3134، ابن حبان: 56، احمد: 374/1، سیر اعلام النبلاء: 130/1

اَنۡظُرُ اِلَیۡہِ۔ ①

”صحیح بخاری و مسلم میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کفار نے میرے بیت المقدس تک جانے کو جھٹلایا (اور نشانات پوچھنے لگے) تب میں حطیم میں کھڑا ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو میرے سامنے کر دیا۔ میں عمارت کو دیکھتا جاتا تھا اور جو جو نشان وہ پوچھتے تھے، میں ان کو بتاتا جاتا تھا۔“

یہ ظاہر ہے کہ اگر حضور ﷺ نے واقعات معراج کو خواب کے رنگ میں بیان کیا ہوتا تو کفار بیت المقدس کے نشان پتے دریافت کرنے کا کیا حق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو بھی کیا ضرورت تھی کہ بیت المقدس کو حضور کے سامنے ظاہر و جلوہ گر کر دے اور حضور ﷺ اسے دیکھ دیکھ کر سب نشانات کے جوابات بھی دیتے ہیں۔ خواب کے لیے تو اتنا ہی جواب کافی تھا کہ میں تو اپنا خواب بیان کر رہا ہوں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ کو اپنی آیات کبریٰ دکھلائیں اور وراء الوراء کی سیر کرائی۔

طے کنم ایں نامہ را گر کنم چہ کنم!
حوصلہ خامہ نیست تاب رقم داشتن

---

① بخاری:4710، مسلم:428، ترمذی:3132، ابن حبان:55، مسند احمد:377/3

فصل چہارم 4

معجزات نبویہ ﷺ

لفظ ''معجزہ'' عجز سے بنایا گیا ہے۔ عجز کا استعمال لفظ قدرت کے مقابلہ میں کیا جاتا ہے۔ دراصل عجز سے یہ مفہوم لیا گیا ہے۔ عجز انسان کے پچھلے حصہ کو کہتے ہیں: ﴿ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴾ [القمر:20] میں یہی معنی ملحوظ ہیں۔ پھر اس عجز سے کسی کام میں مؤخر رہنے کا مفہوم اور پھر اس سے درماندگی کا مفہوم لیا جاتا ہے۔

''عجوز'' اس مرد یا عورت کو کہتے ہیں جو پیرانہ سالی کی وجہ سے بہت سے امور کرنے سے درماندہ وعاجز رہ جائے۔

قرآن مجید میں ہے کہ جب قابیل کے سامنے ایک کوے نے دوسرے کوے پر مٹی ڈال کر اسے زیر خاک کیا۔ تب قابیل بولا: ﴿ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ ﴾ [المائدہ:31]

''(افسوس میں تو اس کوے جیسا بھی نہ ہوا) کوے جیسا بننے میں عاجز رہ گیا۔''

اللہ تعالیٰ نے سرکش کفار سے فرمایا ہے:

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ﴾ [التوبہ:2] ''یاد رکھو کہ تم لوگ اللہ کو عاجز نہ کرسکو گے۔''

اس لغوی معنی کے بعد لفظ معجزہ کا استعمال عام طور پر انبیاء اللہ کے ان افعال نبوت پر کیا جانے لگا ہے جو ان کی شان نبوت کے مظہر ہوتے ہیں۔

بروئے تواریخ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ لفظ معجزہ کا استعمال اس خاص معنی میں کس زمانہ سے ہونے لگا اور وہ پہلا کون شخص ہے جس نے اس مفہوم میں اس کا استعمال کیا۔ مگر اس امر کا مجھے اطمینان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یا نبی ﷺ کے کلام میں یا کسی دوسرے نبی کے کلام میں اس لفظ کا اس معنی میں استعمال کہیں بھی نہیں ہوا۔

اب لفظ معجزہ کی تعریف کی طرف آیئے۔

''معجزہ'' کو معنی معینہ بالا میں معجزہ کہنے والے کہتے ہیں کہ معجزہ وہ ہے جو خارق عادت ہو۔

اس تعریف کے بعد ہی وہ اس بحث میں پڑ جاتے ہیں کہ کیا خرق عادت ممکن بھی ہے یا نہیں؟

عادت کے معنی کیے جاتے ہیں: ''استمرار قوانین فطرت''

اور خرق کے معنی کیے جاتے ہیں: ''بطلان استمرار مذکورہ''

مبحث کے اس مقام پر پہنچ کر اہل قلم چند اصناف پر منقسم ہو جاتے ہیں۔

1. وہ جو فطرت کے لیے کسی مقررہ قانون کا ہونا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ان لوگوں پر بازار معقولات میں خوب خوب آوازے کسے جاتے ہیں۔
2. وہ جو قانون فطرت کو تسلیم کرتے ہیں اور ایسے قانون کی تنسیخ (یعنی خرق) جائز نہیں سمجھتے۔ یہ قسم بھی دو اصناف پر مشتمل ہے۔

① جو خرق عادت کو نہ مانتے ہوئے کسی ثابت شدہ واقعہ کا وجود یا امکان بھی نہیں مانتے۔

② وہ جو کسی ثابت شدہ واقعہ کی ایسی تاویل کرتے ہیں جس سے خرق عادت کا ہونا صحیح سمجھا جائے۔

③ وہ ہیں جو قانون فطرت میں مستثنیات کا اندراج بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس لیے ہر ایک ثابت شدہ واقعہ کو خود قانون فطرت ہی مان لیتے ہیں' اس لیے کہ استثنائے قانون کا وجود بھی پہلے سے اس قانون کے اندر موجود تھا۔

معجزات کے منکرین مؤولین یا قائلین کا شمار انھیں اقسام ثلاثہ میں آ جاتا ہے۔

ان اقسام ثلاثہ کا تعلق متعلقین لفظ خرق عادت سے تھا' لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جو لفظ معجزہ کی تعریف خرق عادت سے نہیں کرتے اور لفظ خرق عادت کا استعمال ہی نہیں کرتے۔

وہ صرف یہ کہا کرتے ہیں کہ ''معجزہ نبی اللہ کے اس فعل کو کہتے ہیں جو اس وقت دوسروں کو ویسا فعل کرنے سے عاجز بنا دے۔''

ان تمام لفظی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے علمائے محققین نے یہ راہ اختیار کی کہ جب صحف سماویہ میں لفظ ''معجزہ'' اور لفظ ''خرق عادت'' آتے ہی نہیں' تو اس خارزار میں دامن الجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

قرآن مجید تو لفظ ''آیت'' کا استعمال کرتا ہے اور انجیل و تورات میں بھی لفظ شان ہی کا استعمال ہے۔ اس لیے ہم بھی لفظ ''آیت'' ہی کا استعمال کریں گے۔

استعمال ھذا میں چند فوائد اور بھی ہیں:

① لفظ ''آیت'' نہایت وسیع المعنی ہے۔

② اس کا استعمال مادیات پر بھی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو آیت بتلایا۔

﴿فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ [العنکبوت:15]

''پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی اور کشتی کو سب کے لیے ایک نشان بنایا۔''

اللہ تعالیٰ نے رات اور دن کو آیت بتلایا:

﴿وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ﴾ [یٰسٓ:37] ''ان کے لیے رات ایک نشانی ہے۔''

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ﴾ [فصلت:37] ''دن اور رات اس کی نشانیوں میں سے ہیں۔''

انسانوں کا مٹی سے بنایا جانا بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ [الروم:20] ''اللہ کی نشانیوں میں سے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔''

بجلی کی چمک اور بادل کی کڑک کو بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ﴾ [الروم:24] ''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ تمھیں بجلی کی چمک دکھلاتا ہے''

آسمان و زمین کی موجودہ بناوٹ و استقامت کو بھی آیت بتلایا:

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ﴾ [الروم:25]

''اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس کے حکم سے آسمان اور زمین ٹھہرے ہوئے ہیں۔''

امن عامہ کشائش وآسودگی، ترفہ اور سرسبزی کو بھی آیت بتلایا

﴿ لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِي مَسَاكِنِهِمْ آيَةٌ ﴾ [سبا:15] ”سبا والوں کو اپنے وطن میں نشانی تھی۔“

فرعون کی مردہ لاش کو بھی جو عبرت بخش عالم ہے۔ آیت بتلایا:

﴿ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ﴾ [یونس:92]

”تا کہ تو پچھلے آنے والوں کی نشانی بنے۔ اس لیے تیرا لاشہ باہر پھینکا جائے گا“

سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو بھی آیت بتلایا:

﴿ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ﴾ [الاعراف:73] ”یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے نشانی ہے۔“

یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے عصائے موسیٰ علیہ السلام اور ید موسیٰ علیہ السلام کی نسبت بھی جب کہ ان کا ثعبان اور بیضاء ہو جانے کا امتحان کرا دیا گیا، فرمایا:

مادہ پرست پہلی آیت کو سن کر ان اشیاء مادی کا آیت یا نشان ہونا قابل توجہ بھی نہ خیال کریں گے، لیکن اگر ان واقعات کے مقابلہ میں کوئی ایسا واقعہ جس میں ذرا سی ندرت ہو، بیان کیا جائے تو جھٹ اس کا انکار کر بیٹھیں گے اور اسے خرق عادت قرار دیں گے۔

میں کہتا ہوں کہ ہر ایک وہ واقعہ جسے بزبان عوام معجزہ کہا جاتا ہے فی الواقع آیت ہے، جیسا کہ یہ واقعات بھی آیات ہیں جن کو فہم کی نارسائی یا عدم تدبر سے آیت نہیں سمجھا گیا۔

ذرا غور کرو، کیا کشتی نوح آیت الٰہی نہیں۔ غور سے معلوم ہوگا کہ وہ ضرور آیت ہے۔ ایک ایسے طوفان میں جس نے طوفان زدہ رقبہ کے پہاڑوں کو بھی چھپا لیا ہو، ایک معمولی کشتی کا بچ رہنا اس کی سواریوں کا جانبر ہونا جیسا کہ قبل ازیں ان کو یقین دلایا گیا تھا حقیقۃً آیت ہے۔

کیا شب و روز کا وجود آیت نہیں؟ رات، اس کی تاریکی، اس کی دہشت، اس کا سکون، رات کو چرند و پرند انسان و حیوان کا طبعاً استراحت پذیر ہو جانا کیا قدرت کا بڑا نشان نہیں؟ دن اس کی روشنی، اس کی تجلی، اس کے اشغال، زندگی کی ہنگامہ آرائیاں، ہر جاندار شے کا اپنے اپنے مساکن سے نکلنا، طلب روزی وغیرہ کا انہماک کیا قدرت کا نشان نہیں؟

کیا انسان کا مٹی سے مخلوق ہونا آیت قدرت نہیں، انسان اپنے لیے ہر ایک چیز مٹی سے بناتا ہے، یا ہر ایک چیز مٹی سے پاتا ہے۔ معدنیات، فلزات، جواہرات، اینٹ، پتھر، سیم و زر، گھاس پات، رزق و فواکہ، مکان و ایوان سب کچھ مٹی ہی کے ہیں۔ اگر انسان خود مٹی کا نہ ہوتا تو مٹی میں اس کے اتنے حقوق بھی نہ ہوتے۔

کیا بجلی کی چمک آیت نہیں؟ دن صاف نکھرا ہوا ہے، ہوا رکی ہوئی ہے، اتنے ہی میں کون سی طاقت ہے جو چلتی ہوئی ہوا کو بند کر دیتی ہے؟ سمت مقابل سے دوسری ہوا آتی ہے۔ وہ بادل کو ساتھ ساتھ لاتی ہے۔ بادل سورج کو چھپا لیتے ہیں۔ آبادی پر چھا جاتے ہیں، ٹکراتے ہیں، غراتے ہیں، گویا بیسیوں شیر ہیں جو جنگل میں منگل بنا رہے ہیں۔ انسان کے بچے سہم رہے ہیں، دہل گئے ہیں، لوگ کاروبار کو مختصر کر کے اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانے کی کوشش کرتے ہیں کہ بجلی بھی کوندنے لگتی ہے، وہ چمکتی ہے تو سینکڑوں کوس تک روشنی پھیل جاتی ہے۔ مسافر ڈرتا ہے اور زمین دار بے اختیار خوشی سے ہنس رہا ہے کہ اب خوب برسے گا۔ غلہ آئے گا، قحط ٹوٹے گا، قرض ادا ہوگا، بیٹے

بیٹی کا قرض بھی اتار سکوں گا۔

ایک ہی چیز ہے جس نے خوف وطمع کے مختلف تاثرات پیدا کر دیے۔ اب وہی بجلی ہے جو ٹیلی گراف (Telegraph) میں کام کرتی ہے جو لاسلکی اخبار کے لیے تجربہ میں آ چکی ہے۔ وہی بجلی ہے جس نے رونٹجن بن کر گوشت کے نیچے چھپے ہوئے اعصاب اور استخوان کو آنکھ کے سامنے کر دیا ہے۔ ابھی معلوم نہیں کہ یہ کیا کیا نشان دکھلائے گی اور کن کن علوم میں 'آیت' بن کر درخشاں ہوگی۔

کیا اس زمین کا قیام آیت نہیں؟ اگر زمین کی حقیقت یہی ہے کہ وہ سورج میں سے ٹوٹا ہوا ایک ٹکڑا ہے تو اس کا بہ عہد ماضی سورج ہی کا جزو اور جزو ہو کر گرم و درخشاں ہونا ضرور ایک نشان تھا اور پھر اس گرمی سے درخشندگی سے قطعی جدا ہو کر ایک اور صورت میں جلوہ گر ہو جانا ضرور دوسرا نشان ہے۔ کیا یہ نشان لاٹھی سے سانپ اور سانپ سے لاٹھی کے نشان سے کم ہے۔

کیا عالم بالا کا وجود اور اس وجود کا قیام آیت نہیں۔ ہزار دو ہزار، ثوابت وسیار کا مقررہ دور، مقررہ انضباط کے ساتھ چلنا پھرنا، موسموں کا تغیر اور لیل ونہار کا انقلاب ظہور میں آنا کیا آیت نہیں؟

ہاں! قدرت الٰہیہ کی ہر شے آیت ہے اور جب عوام کے اذہان افہام اسے آیت سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں تو انبیائے کرام کے بیان سے ان کا آیت ہونا مسلم ہو جاتا ہے۔

مجھے ان سب معجزات کے تسلیم کرنے میں کوئی پس وپیش نہیں' جن کا ثبوت قطعی ہو' اگرچہ کسی سائنس دان کا فہم اس کی علت و اسباب کے سمجھنے میں عاجز بھی ہو۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات (غیر مادی) میں جس قدر خواص پیدا کیے ہیں۔ ان سب کا احاطہ نہ انسان سے ہو سکتا ہے اور نہ کبھی کسی انسان نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسولوں پر اسرار کائنات کا انکشاف کر دیتا ہے، وہ کیمیاوی تدبیر جو قلت کو کثرت سے بدل دے یا ہوا کو پانی بنا دے، ان کے علم وتجربہ میں ہوتی ہیں۔ نیز ان کا علم، تجربہ اور تدابیر اہل دنیا کی طرح آلات یا مشق یا تدریجی معلومات کا منت پذیر نہیں ہوتا۔

ہم یہ سب باتیں معجزات انبیاء کو قریب بہ فہم کے لیے کہہ رہے ہیں' لیکن ایمان کی بات یہ ہے کہ کُنْ فَیَکُوْنُ ارشاد کرنے والے کی طاقت اور قدرت انبیاء اللہ کی تائید ونصرت میں ہوتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ کسی مقدس ہستی کا برگزیدہ بارگاہ ربانی کا ہونا عوام پر ثابت کر دے تب اسی طاقت وقدرت کو انبیاء اللہ کے توسط سے ظاہر فرماتا رہتا ہے۔ اسی کو آیات الٰہی کہتے ہیں اور اسی کو معجزات۔

سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے جو معجزات بروایات صحیحہ ثابت ہیں' ان کا شمار بہت زیادہ ہے اور ہر ایک نبی کے معجزات سے ان کی تعداد بھی افزوں ہے اور ندرت میں بھی ان کا شان اعلیٰ ہے۔

ذیل میں چند معجزات کا ذکر کیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کی ترقی ایمان کا موجب ہو اور نبی کریم ﷺ کی عظمت اور عظمت کے ساتھ محبت بھی زیادہ دل نشین ہو جائے۔

میرا ارادہ معجزات پر ایک جداگانہ کتاب لکھنے کا ہے۔ اس وقت مختلف عنوانات کے تحت مختصر واقعات لکھ دینا کافی ہیں۔

نَبۡعُ الۡمَآءِ...... پانی کا معجزہ

قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَاِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ؕ فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ﴾

''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی سیرابی کے لیے دعا کی تو ہم نے کہا کہ پتھر کو اپنا عصا مارو۔ تب پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔'' [البقرۃ:60]

سورہ اعراف رکوع 20 میں بھی یہی مذکور ہے۔ فرق یہ ہے کہ سورہ اعراف میں ﴿ فَانۡۢبَجَسَتۡ ﴾ ہے اور بقرہ میں ﴿ فَانۡفَجَرَتۡ ﴾ ہے۔ لفظ انجاس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پانی پہلے تھوڑا تھوڑا نکلنے لگا تھا اور لفظ انفجار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ پھر پانی خوب بہہ نکلا تھا۔

آیات بالا سے یہ مستفیض ہے کہ جب پانی کا فقدان ہو اور ساتھ کی تمام جماعت پانی نہ ملنے کی وجہ سے زندگی اور آرام سے مایوس ہو جائے، تب لوگ نبی اللہ کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں اور اس وقت نبی اللہ کی دعا اور برکت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پانی مل جایا کرتا ہے۔

توراۃ کی کتاب الخروج کے ملاحظہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ واقعہ بیابان سور میں تین دن تک سفر کرنے کے بعد رونما ہوا تھا۔ 15/21 خروج۔ کتاب مذکور میں 12 چشموں کا عصائے موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے برآمد ہونا نہیں بتلایا گیا' بلکہ ظاہر کیا ہے کہ مقام ایلیم میں ان کو وہ جگہ مل گئی جہاں پانی کے بارہ (12) چشمے اور سبز درخت کھجور کے تھے۔ الخروج۔

اہل اسلام میں جو لوگ معجزات کی تاویلات کرنے میں مشاق ہیں انھوں نے معجزہ موسوی میں تاویل اس طرح کر دی کہ پہاڑ میں سے پانی کا رسنا، بہنا ایک معمولی امر ہے۔ کسی چشمہ کا اور سوت کا بیرونی رکاوٹوں سے بند ہو جانا بھی ایک معمولی بات ہے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اس پتھریلی زمین میں دبے ہوئے چشموں کا نشان بتلا دیا۔ چشموں کو عصا سے پھر نکال لیا گیا اور چشمے بہنے لگے۔

یہ تاویل خواہ الفاظ قرآنی سے کتنی ہی بعید کیوں نہ ہو' مگر نفی معجزہ پھر بھی نہیں ہوتی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم سے ہدایت ملنا اور موسیٰ علیہ السلام کے فعل سے برکت کا ظاہر ہونا پھر بھی مسلمہ رہتا ہے۔

اب عہد سرور کائنات ﷺ کی فضیلت بھی آشکار ہو جائے، پتھریلی زمین کی جگہ اب گوشت پوست میں سے پانی کے نکلنے کا عجیب ترین معجزہ ظہور میں آتا ہے

واضح ہو کہ فوران ماء و فیضان آب کے واقعے نبی ﷺ کی ذات اقدس سے بار بار اور مختلف اسلوب سے ظہور میں آئے ہیں۔ احادیث کے تتبع سے واقعات کا تعین کیا جا سکتا ہے۔

محرم 7ھ

(1) جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم میں بصراحت مذکور ہے کہ ہم غزوہ ذات الرقاع اور وادی افیح میں تھے کہ نبی ﷺ نے وضو کے لیے پانی

طلب فرمایا۔ جابر ڈھونڈ آئے۔ لشکر میں ایک قطرہ پانی نہ ملا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے جابر رضی اللہ عنہ اس انصاری کے پاس پہنچے جو حضور ﷺ کے پینے کا پانی رکھا کرتے تھے۔ وہاں بھی دیکھا تو ایک پرانی مشک (شجب) کے دہانہ پر ایک قطرہ آب نظر آیا اور بس حکم دیا وہی لے آؤ۔ پھر کاٹھ کا کٹہرہ منگایا گیا۔ نبی ﷺ نے اس میں اپنا ہاتھ انگلیاں پھیلا کر رکھ دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے حکم کے مطابق بسم اللہ کہہ کر وہ قطرہ آب اس بحر سخا کے دست مبارک پر ڈال دیا۔ جابر رضی اللہ عنہ کی عینی شہادت ہے کہ سب انگلیوں میں سے پانی فوارہ وار نکلا۔ پانی نے لکڑی کے کٹہرے کو بھی چکر دے دیا۔ سب کو بلایا گیا اور سب نے سیرابی حاصل کی۔ جب حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا لیا تب بھی وہ کٹہرہ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ (1)

رحمۃ للعالمین جلد دوم کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس غزوہ میں چار سو غازی ہمرکاب مصطفوی ﷺ تھے۔

ذی قعدہ 6ھ

(2) صحیح بخاری میں جابر بن عبداللہ الشہید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں نبی ﷺ نے وضو کیا۔ پانی ایک رکوہ (کوزہ) میں تھا۔ مسلمان اسے دیکھ کر ٹوٹ پڑے۔ نبی ﷺ نے پوچھا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ پانی نہ وضو کے لیے ہے نہ پینے کے لیے۔ بس یہی کوزہ آب ہے جو حضور ﷺ کے سامنے رکھا ہے۔ حضور ﷺ نے اسی کوزہ میں ہاتھ رکھ دیا۔ تب پانی حضور ﷺ کی انگلیوں میں سے پھوٹ پڑا اور تمام لشکر سیراب ہو گیا۔ سب نے وضو بھی کر لیے۔ جابر ﷺ نے سالم ابن ابی جعد کے سوال پر بتلایا کہ اس وقت ہم پندرہ سو (1500) تھے۔ یہ بھی کہا کہ اگر ایک لاکھ (100000) بھی ہوتے تب بھی وہ پانی سب کو کفایت کر جاتا۔ (2)

(3) مقام حدیبیہ ہی کا دوسرا واقعہ بھی جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے جو صحیح بخاری میں موجود ہے۔ چونکہ حدیبیہ میں نبی ﷺ کا قیام ایک ہفتہ تک رہا تھا اس لیے جمع بین الاحادیث کے قاعدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ اول پہلے روز کا ہے۔ اس کے بعد پانی کی پھر ضرورت لاحق ہوئی۔ تب نبی ﷺ اس چاہ پر تشریف لے گئے' جس کا نام حدیبیہ تھا اور یہ مقام اسی چاہ کے نام سے معروف تھا۔ چاہ کا پانی خشک ہو چکا تھا۔ بخاری کی روایت بالا میں ہے: فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَفِيْرِ الْبِئْرِ فَدَعَا بِمَآءٍ فَمَضْمَضَ وَمَجَّ فِي الْبِئْرِ فَمَكَثْنَا غَيْرَ بَعِيْدٍ ثُمَّ اسْتَقَيْنَا۔ یعنی نبی ﷺ چاہ کی منڈیر پر آ بیٹھے' پانی منگایا' کلی کی اور چاہ میں ڈال دی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ہم چاہ سے پانی لینے لگے اور سیراب ہوئے۔ (3)

ڈیڑھ ہزار (1500) کے لشکر کے لیے یہ مستقل انتظام تھا۔ امام بخاری نے اس واقعہ کو براء رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں: ثُمَّ اِنَّهَا اَصْدَرَتْنَا مَاشِئْنَا نَحْنُ وَرِكَابُنَا۔ (4)

امام احمد رحمہ اللہ کی روایت سے ظاہر ہے کہ چاہ کا پانی ابل پڑا۔ ہم سے آخری شخص چادر لے کر بھاگا کہ کہیں ڈوب نہ جائے اور پھر یہ پانی بہہ نکلا۔ (5)

---

(1) مسلم: 1203/74 (2) بخاری: 169,3575 (3) بخاری: 4151,4150,3577 (4) بخاری: 4151,4150,3577
(5) مسند احمد: 18148,18111، زوائد المسند: 3508، مجمع الزوائد: 14105

9 ہجری

{4} عمران بن حصین رضی اللہ عنہ [1] سے روایت ہے کہ ہم سفر میں تھے (معارج النبوۃ میں اسے سفر تبوک بتایا گیا ہے) صبح کی نماز دن چڑھے پڑھی گئی کیوں کہ سب سوتے رہ گئے تھے۔ مجھے نبی ﷺ نے آگے آگے چلنے کا حکم دیا ہم کو سخت پیاس لگی۔ راہ چلتے ہوئے ہم کو ایک عورت ملی جس کے ساتھ پانی کے دو مشکیزے تھے اس سے معلوم ہوا کہ پانی اس گاؤں سے ایک دن ایک رات کی مسافت پر ہے۔ صحابہ اس عورت کو نبی ﷺ کے پاس لے گئے۔ وہاں عورت نے یہ بھی کہا کہ وہ یتیموں کی ماں ہے۔ نبی ﷺ نے اس کے مشکیزوں کو ہاتھ سے چھو دیا۔ **فمسح عزلاوین** پانی بہہ نکلا۔ چالیس (40) صحابہ نے جو سخت پیاسے تھے سیر ہو کر پانی پی لیا اور مشک مشکیزے جتنے ساتھ تھے وہ بھی بھر لیے۔ اونٹوں کو وہ پانی نہیں پلایا۔ عمران رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس وقت وہ مشکیزے پانی سے ایسے بھرے دیکھے جاتے تھے گویا اب پھوٹ پڑیں گے۔ وَهِیَ تَكَادُ تَنْقَضُ مِنَ الْمَآءِ۔

اس عورت نے گھر جا کر لوگوں سے کہا کہ میں سب سے بڑے جادوگر سے مل کر آئی ہوں یا اسے نبی کہنا چاہیے، جیسا کہ اس کے ساتھیوں کا یقین ہے۔

اس عورت کی اس اطلاع پر یہ دور افتادہ لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور وہ بھی اسلام لے آئے۔ [2]

عجب معجزہ ہے کہ دیکھنے والی اس وقت غیر مسلمہ ہے اور حضور ﷺ کا ذکر اَسْحَرُ النَّاسِ کے لفظ کے ساتھ کرتی ہے مگر سننے والی قوم فوراً اس نتیجہ پر پہنچ جاتی ہے کہ سحر میں یہ طاقت کہاں کہ پیاسے سیر بھی ہو جائیں اور مشک مشکیزے بھی پر کر لیں۔

سحر تو صرف نظر بندی کا نام ہے۔ ساحر قوت مسمریزم (Mysmerism) سے ناظرین کی قوت متخیلہ پر اور نظر پر اثر ڈالتا ہے اور ایسا معمول کسی شے کو اس کی حقیقت کے خلاف کچھ اور شے سمجھنے اور دیکھنے لگ جاتا ہے۔ یہ تغیر صرف دیکھنے والے معمول کی نگاہ اور تخیل پر ہوتا ہے ورنہ وہ شے جوں کی توں اپنی اصلیت پر موجود ہوتی ہے۔ سحر کی قریب تر مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ایک رسی کو اندھیرے میں سانپ سمجھ لیتا ہے اور اپنی سمجھ کی وجہ سے اس پر آثار خوف و ہراس وغیرہ ویسے ہی طاری ہو جاتے ہیں جیسے اصل سانپ کی موجودگی سے ہوتے۔ حالانکہ وہ رسی رسی ہی ہوتی ہے اور اس ڈرپوک پر وہ بذات خود کسی طرح مؤثر نہیں ہوتی۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزات میں حقیقت اصلیہ ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو نبی کو ساحر سے بلند و ارفع و اعلیٰ اور پاک و برتر ثابت کرتی ہے۔

قرآن مجید میں ساحران موسیٰ کا قصہ موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے فن میں کمال رکھتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِیْمٍ﴾ [الاعراف:116] اب یہ معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سحر عظیم کیا تھا؟

﴿فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ إِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعٰى﴾ [طٰہٰ:66]

''ان کی رسیاں اور ان کی لاٹھیاں ان کے سحر کی وجہ سے دوڑتی ہوئی خیال کی جاتی تھیں۔''

ساحروں کی اس نمائش کا نتیجہ کیا ہوا ﴿وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ﴾ [الاعراف:116] ''لوگوں کو ڈرا دیا۔'' بس ساحروں کی سب سے

---

[1] یہ قوم خزاعہ سے ہیں اور فضلاء صحابہ میں سے ہیں، سنہ خیبر میں مسلمان ہوئے اور 58ھ میں بمقام بصرہ وفات پائی۔ [2] بخاری: 344-3571

بڑی کائنات یہی تھی کہ لوگوں کو یہ تماشا دکھا کر ڈرا دیا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے وہ اپنا عصا پھینک دیتے ہیں۔ وہ اژدہا بن جاتا ہے اور جادوگروں کی سب لاٹھیاں اور رسیوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ اگر معجزہ موسوی کی حقیقت صرف اتنی ہی ہوتی کہ وہ عصا صرف ساحروں کی نگاہ میں اژدہا نظر آنے لگ جاتا ہے تو ساحروں کے دلوں پر بھی اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا فرعون کے دل پر ہوا تھا یعنی: اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ (یہ تمہارا بڑا گرو ہے) مگر ساحر تو فوراً سمجھ گئے کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام ان رسیوں اور لاٹھیوں کو ہڑپ کر جانے کا نظارہ صرف تخیل ہی نہ تھا بلکہ حقیقتاً تھا اور بہترین صداقت رکھتا تھا۔ اسی اصلیت پر فائز ہو جانے کے بعد وہ ساحر لوگ جھٹ سحر سے تائب ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ لیا۔ وہ انکشاف حقیقت کے بعد فرعون کی پھانسی سے ڈرے اور نہ دست و پا کی قطع و برید کا عذاب ان کو اسلام سے مرتد کر سکا۔ رحمت الٰہیہ کو دیکھیے کہ یہ ساحر میدان مقابلہ میں آئے تھے۔ اس وقت بارگاہ روحانیت کے مقہور و مخذول تھے اور تھوڑی ہی دیر کے بعد آستان رحمانیت کے منظور و مقبول بن گئے تھے۔

یہی حال اس عورت اور اس کے قبیلہ کا ہوا جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے۔ حدیث بالا کو صحیح بخاری و صحیح مسلم دونوں نے روایت کیا ہے ہم نے بخاری کے الفاظ کو یہاں لیا ہے۔

بیہقی کی روایت میں اس قدر اور متزاد ہے کہ راویان حدیث کو خود نبی ﷺ نے بھیجا تھا اور فرمایا تھا کہ اس طرف کو جاؤ۔ تمھیں ایک ایسی عورت ملے گی۔ اندریں صورت یہ روایت نہ صرف ایک معجزہ پر بلکہ ایک اور پیش گوئی پر بھی (جو اقسام معجزہ سے ہے) مشتمل ہے۔

(5) (1) صحیح بخاری میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار نماز کا وقت آ گیا۔ جن لوگوں کے گھر قریب تھے وہ گھروں میں جا کر وضو کر آئے، جو باقی رہ گئے۔ نبی ﷺ کے لیے پتھر کے پیالہ میں پانی لایا گیا، وہ اتنا چھوٹا تھا کہ اس میں نبی ﷺ کا پورا ہاتھ نہ پھیل سکتا تھا۔ اسی پانی سے 80 سے زیادہ لوگوں نے وضو کیا۔ [1]

(2) بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے اس پیالہ میں اپنی چار انگلیاں ڈالی تھیں۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس وقت دیکھا کہ انگلیوں سے پانی پھوٹ کر نکل رہا ہے۔ یہ واقعہ مقام قبا کا ہے۔ [2]

(3) صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایسی ہی روایت مقام زوراء کی بابت بھی ہے کہ حضور ﷺ نے پیالہ میں ہاتھ رکھ دیا اور پنجہ مبارک سے پانی بہہ نکلا۔ اس روز حضور ﷺ کے ہمراہیوں کی تعداد تین سو (300) کس تھی۔ [3]

(6) صحیح بخاری میں ایک روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بھی ایسی ہی ہے کہ حضور ﷺ نے برتن میں ہاتھ رکھ دیا اور پانی حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں سے پھوٹ نکلا اور نبی ﷺ نے زبان مبارک سے فرمایا: حَيَّ عَلَى الطَّهُوْرِ الْمُبَارَكِ وَالْبَرَكَةُ مِنَ اللهِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پانی سے سب ہی نے وضو کر لیا تھا۔ [4]

نبی ﷺ نے اس پانی کو طہور و مبارک فرمایا ہے۔ علمائے امت کا اتفاق ہے کہ برکت و عزت میں آب زمزم سے بڑھ کر وہ پانی تھا جو حضور اقدس ﷺ کی انگلیوں سے نکلا تھا۔ ایسے ہی واقعات اور بھی ہیں اور روایات کی خصوصیتوں پر غور کرنے سے واضح

---

[1] بخاری:200، مسلم:5941 [2] ترمذی:3631، نسائی:76 [3] بخاری:3572، مسلم:5944,5943 [4] بخاری:3579

ہو جاتا ہے کہ انگشتان مبارک سے پانی پھوٹ پڑنے کے واقعات بار بار ہوئے بہ کثرت ہوئے۔ بے شک عرب جیسے گرم اور خشک ملک میں اور غزوات کے سفر ہائے طول وطویل میں اگر یہ معجزہ نہ ہوتا تو اس بے سروسامانی کی حالت میں جو بعہد نبوی ﷺ اسلامی لشکروں میں پائی جاتی تھی ضرور تھا کہ مجاہدین ہلاک ہو گئے ہوتے۔ میں کہتا ہوں کہ اس معجزہ کی مثال عہد موسوی میں نزول من اور حصول سلوی کی صورت میں پائی جاتی ہے، لیکن پھر بھی معجزہ نبوی ﷺ کا درجہ عہد موسوی کے معجزات سے اسی قدر زیادہ بڑھا ہوا ہے جس قدر بقائے حیات میں پانی درجہ طعام پر فائق ہے۔

میں یہ بھی عرض کروں گا کہ نبی ﷺ کے اس معجزہ اور اس خصوصیت لاثانی کی خبر پر بھی انبیائے پیشین کے مبارک کلام میں دے دی گئی تھی۔

یسعیاہ میں ہے:

''خداوند خشک بیابانوں میں پانی کے چشمے بہائے گا۔''

ہم کو ان الفاظ کی تاویل کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فی الواقع ان خشک میدانوں میں جہاں پینے کو پانی نہ ملتا تھا نَبْعُ الْمَآءِ کے معجزات متواترہ نے چشمے جاری کر کے دکھلا دیے تھے' وللہ الحمد۔

دودھ کی برکت

پانی کے بعد جس شے کا درجہ ہے وہ دودھ ہے۔ شب معراج کی حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے دودھ اور شراب کے پیالے آسمان پر پیش کیے گئے اور حضور ﷺ نے ان میں سے دودھ کو پسند فرمایا اور جبریل امین علیہ السلام نے یہ نظارہ دیکھ کر کہا: اِخْتَرْتَ الْفِطْرَةَ حضور ﷺ نے فطرت کو پسند کیا۔ اسی لیے اسلام کو بھی دودھ کے ساتھ تشبیہ دی جایا کرتی ہے۔ [1]

انسان کا ہر ایک بچہ دودھ سے پلا ہے' مگر ایک بچہ بھی دنیا میں ایسا نہیں جس کی رضاعت شراب سے ہو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دودھ فطرت انسانی کا راز دار ہے۔

داعی ایمان و ہادی اسلام ﷺ نے اپنی امت کو تعلیم پاک کے دودھ سے بھی پرورش کیا اور ان کے لب وکام کو معجزانہ دودھ سے بھی ذوق آشنا بنایا۔ ایسے واقعات بہت ہیں۔

[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ اور حضور ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی گزران کا کیا حال تھا؟ اس باب میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے۔ جو معجزات نبوی ﷺ کی بھی مظہر ہے اور یہ حقیقت بھی ظاہر کرتی ہے کہ سرور کائنات وفخر موجودات ﷺ کی حیات طیبہ اس دنیا میں کیسی زاہدانہ تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کے مارے کبھی ایسا ہوتا کہ جگر کو تھام کر زمین پر گر جاتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ پیٹ پر پتھر باندھ لیتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں سر راہ آ بیٹھا' جہاں سے لوگ آیا جایا کرتے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور میں نے ان سے قرآن پاک کی ایک آیت کی بابت دریافت کیا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کچھ کھلا بھی دیں گے۔ وہ یونہی چلے گئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آ نکلے۔ ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا غرض وہی تھی کہ کچھ کھانے کو دیں گے۔ وہ بھی یونہی چلے گئے۔ اتنے میں ابوالقاسم ﷺ تشریف

---

[1] بخاری: 3207، مسلم: 162، مسند احمد: 149,148/3

لائے' مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میرے جی کی بات سمجھ گئے۔ میرے چہرہ کو تاڑ لیا، ارشاد فرمایا: ابوہریرہ ؓ ساتھ ساتھ چلے آؤ۔ میں پیچھے پیچھے ہولیا۔ حضور ﷺ گھر میں گئے۔ وہاں حضور ﷺ نے پیالہ میں دودھ دیکھا۔ گھر والوں نے حضور ﷺ کو اس شخص کا نام بتلایا جس نے دودھ کا یہ ہدیہ بھیجا تھا۔ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا ابوہریرہ ؓ جاؤ، اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ اہل صفہ وہ لوگ ہوتے تھے جن کا کوئی گھر بار نہ ہوتا تھا۔ جن کو کسی شخص کا کوئی سہارا نہ ہوتا یہ اَضْیَافُ الْاِسْلَامِ (اسلام کے مہمان) ہوتے۔ نبی ﷺ کی سیرت پاک یہ تھی کہ کوئی صدقہ آتا تو سب کا سب ان کو دے دیتے تھے اور ہدیہ آتا تو ان کو اپنے ساتھ شامل فرما لیتے تھے۔

ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ میں نے سمجھا اہل صفہ میں اس دودھ کی حقیقت کیا ہوگی۔ اگر مجھے ہی مل جاتا مجھ میں کچھ سکت آ جاتی۔ اب دیکھیے اس میں کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں۔ یہی حالات تھے اور اطاعت اللہ اور رسول کے بغیر چارہ کار نہ تھا۔ میں سب کو بلا لایا۔ آ کر بیٹھ گئے۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوہریرہ ؓ یہ پیالہ لو اور سب کو پلاؤ۔ میں نے پیالہ لے لیا۔ ہر ایک کو دیتا جاتا تھا۔ جب ایک شخص پی پی کر سیراب ہو جاتا تب دوسرے کو وہی پیالہ دیتا تھا۔ اسی طرح سب سیر ہو گئے، تو میں نے آخر میں نبی ﷺ کے سامنے پیالہ پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے لے کر اسے دست مبارک پر رکھ لیا۔ مجھے دیکھا اور مسکرائے اور فرمایا: ابوہریرہ ؓ اب تو میں رہ گیا یا تو رہ گیا۔ میں نے کہا حضور ﷺ سچ ہے۔ فرمایا اچھا اب تو پی لے۔ میں بیٹھ گیا اور میں نے دودھ پی لیا' فرمایا اور پیو۔ میں نے اور پیا' پھر حضور ﷺ یہی فرماتے رہے: پیو، پیو۔ آخر میں نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ اب تو گنجائش بالکل نہیں رہی۔ فرمایا لاؤ۔ پیالہ میں نے پیش کر دیا۔ حضور ﷺ نے اللہ کا شکر کیا۔ بسم اللہ پڑھی اور پیالہ ختم کر دیا۔ [1]

یہ حدیث تو ایک ہے لیکن آیات وعلامات نبوت کی اتنی جامع ہے کہ دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔

① سرور عالم وعالمیان ﷺ کا گھر ہے اور اس میں جسمانی غذا نام ونشان کو بھی نہیں۔

② کسی نے ہدیۃً کچھ بھیجا بھی ہے تو دودھ کا ایک پیالہ۔

پیالہ کتنا بڑا تھا؟ ابوہریرہ ؓ کہتے کہ صرف ایک آدمی کے پی لینے کا۔

③ نبی ﷺ اتنی سی خوراک پر ان سب کو بلا لیتے تھے جو گھر بار کو تج کر' جو اہل وعیال کو چھوڑ کر' جو مال ومنال سے منہ موڑ کر دبستان نبوت میں پہنچ گئے تھے۔

یہ حالات واخلاق محمدی ﷺ کے مظہر ہیں۔

④ اب آیات نبوت ملاحظہ ہوں کہ ایک شخص نے سیر ہو کر دودھ پیا اور پیالہ بھرا کا بھرا رہ گیا۔ ابوہریرہ ؓ نے تو یہاں تک پیا کہ حلف کرنا پڑا کہ اب گنجائش ہی نہیں رہی۔

⑤ کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس پیالہ کو کوئی بڑی سے بڑی تعداد ختم کر سکتی تھی؟ ہرگز نہیں۔ لاکھ (100000) ہوتے تو کیا اور دس لاکھ (1000000) ہوتے تو کیا۔ سب ہی اس سے سیراب ہو سکتے تھے۔ اس پیالہ کو ختم کرنے کی طاقت بھی اسی میں تھی جس کی برکت ویمن سے وہ چیز سب کے لیے کفایت کر گئی تھی۔

⑥ حدیث پر مکرر غور کرو کہ پیالہ ہاتھ میں لے کر اللہ کی حمد کی۔ یہی وہ چیز ہے جو تعلیم نبوت ﷺ کی روح رواں ہے۔

[1] بخاری: 6452

7 ممکن ہے کہ کوئی غیر نبی ایسے عجوبہ کو دیکھ کر اپنی بڑائی کا خیال کر بیٹھے۔ ممکن ہے کہ کوئی شخص اسے ذاتی کمالات میں شمار کرنے لگے مگر اللہ کا نبی ہر وقت اپنے مالک و قادر کو یاد کیا کرتا اور جملہ عطیات کو اسی کی جانب سے قرار دیا کرتا تھا جس کی ربوبیت اس شکل میں جلوہ گر ہوتی تھی۔

2 سفر ہجرت میں نبی ﷺ کا گزر ام معبد عاتکہ بنت خالد بن خلید خزاعیہ کے خیمہ پر ہوا۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی اور خیمہ کے سامنے بیٹھی رہتی۔ آئے گئے کو پانی پلاتی۔ کھجوریں وغیرہ فروخت کر لیا کرتی تھی۔ اس وقت نبی ﷺ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے جو حضور ﷺ کے ساتھ پچھلی نشست پر سوار تھے۔ دوسری سواری پر عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ تھے [1] یا ابن اریقط رضی اللہ عنہ تھا۔ جو اس راہ کا واقف تھا اور اسے اجرت پر ساتھ لے لیا گیا تھا۔ یہ مبارک قافلہ اس خیمہ پر ستانے، آرام لینے کے لیے ٹھہر گیا۔ بڑھیا سے پوچھا گیا کہ اس کے پاس کچھ کھانے پینے کو بھی ہے۔ وہ بولی نہیں۔ اگر کچھ ہوتا تو میں خود پیش کر دیتی۔ (ان ایام میں قحط بھی سخت پڑا ہوا تھا)

ام معبد کے بھائی جیش بن خالد (قتیل البطحا) [2] کا بیان ہے کہ خیمہ میں ایک دبلی کمزور بکری کھڑی تھی۔ نبی ﷺ نے اس بکری کی بابت پوچھا۔ ام معبد نے جواب دیا کہ یہ کمزور بہت ہے۔ ریوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ اس لیے یہاں رہ گئی۔ نبی ﷺ نے کہا کہ اگر اجازت ہو تو ہم اسے دھولیں۔ وہ بولی اگر آپ کو دودھ نظر آتا ہے تو دھو لیجیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ایک بڑا برتن لاؤ۔ پھر بسم اللہ کہہ کر بکری سے دودھ نکالنا شروع کیا۔ برتن بھر گیا تو سب کو پلایا۔ دوبارہ دودھ نکالا، برتن بھر گیا تو دوبارہ پھر سب کو پلایا گیا۔ آخر نبی ﷺ نے پیا۔ سہ بارہ دودھ نکالا اور گھر والوں کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ [3]

آیت نبوت نے دودھ پلایا اور خلق محمدی ﷺ نے بھی اپنا معجزہ دکھلایا کہ رفقائے راہ کو حضور ﷺ پہلے سیراب فرماتے ہیں اور خود سب کے بعد نوش جان فرماتے ہیں اور اہل خانہ کے لیے کافی ذخیرہ چھوڑتے ہیں۔

تکثیر طعام

تکثیر طعام سے مراد وہ معجزہ ہے کہ تھوڑا سا طعام بہت کے لیے کافی ہو جائے۔ انجیل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس معجزہ کا ظہور مسیح علیہ السلام سے بھی ہوا۔ انھوں نے چار (4) روٹیوں اور تین (3) مچھلیوں سے بہت بڑی جماعت کو سیر کیا۔

نبی ﷺ کی آیات نبوت میں بھی ایسے واقعات کا ذکر احادیث صحیحہ میں بکثرت ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعہ خندق کے ایام میں میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ نے پیٹ کو باندھ رکھا ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے بھوک کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ اسی حالت میں حضور ﷺ اہل صفہ کو سورہ نساء کی تعلیم دے رہے تھے۔

1 انس رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ (شوہر والدہ) کو بتلایا۔ انھوں نے کچھ مزدوری کی اور جو حاصل کیے۔ ان کی والدہ نے ادھ سیر جو پیس لیے۔

---

[1] یہ غلام تھے۔ اسلام لے آئے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو خرید اور آزاد کر دیا تھا۔ 4ھ کو واقعہ بیئر معونہ میں شہید ہوئے ان کی لاش نہیں ملی۔
[2] فتح مکہ کے دن یہ جیش اور کرز بن جابر فہری شہید ہوئے تھے۔ اس لیے ان دونوں کو قتیل البطحا کہتے تھے۔ [3] سیر اعلام النبلاء: 168/1، السیرۃ لابن کثیر: 258/2، مستدرک: 9/3 تا 11، دلائل النبوۃ للبیھقی: 228/1 تا 237، الاستیعاب: 495/4 تا 498، الخصائص الکبریٰ للسیوطی: 188/1، السیرۃ لابن ھشام: 225/2، طبقات ابن سعد: 330/1، انساب الاشراف: 262/1، و صححہ البیھقی و ابن عبدالبر و ابن شاھین و ابن السکن و الطبرانی وغیرھم (زرقانی جلد 1 ص 340)

روٹی پکائی کہ نبی ﷺ اکیلے تشریف لے آئیں تو بخوبی سیر ہو سکتے ہیں۔ایک آدھ کوئی ساتھ آ گیا تب بھی کفایت سے کام چل جائے گا۔انس ؓ کو ماں باپ نے بھیجا۔اچھی طرح سمجھا دیا کہ لوگوں کے سامنے کچھ نہ کہنا۔جب حضور ﷺ اٹھ کر اندر گھر میں جانے لگیں تب عرض کر دینا کہ ہمارے ہاں تشریف لے چلیے۔

انس ؓ پہنچے تو نبی ﷺ انبوہ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے۔فرمایا تجھے ابوطلحہ ؓ نے بھیجا ہے۔عرض کی ہاں۔فرمایا کھانے کے لیے۔عرض کی ہاں، نبی ﷺ نے فرمایا:لوگو! چلو ابوطلحہ ؓ کے گھر۔سب اٹھ کھڑے ہوئے۔انس ؓ نے لپک کر باپ کو اطلاع دی۔اس نے بیوی سے کہا کہ ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو پوری جماعت کے ساتھ آ رہے ہیں۔

یہ خاتون بلند پایا سمجھ گئی کہ کیا ہوگا۔بولی: اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔نبی ﷺ کو ابوطلحہ نے آگے بڑھ کر بتلا بھی دیا کہ ایک ٹکیا موجود ہے۔حضور ﷺ نے وہاں پہنچ کر فرمایا کہ (عکہ) گھی کی کپی لے آؤ۔کپی سے چند قطرے گھی کے نکلے۔نبی ﷺ نے انگشت مبارک سے روٹی چپڑ دی۔روٹی پھولنے لگی۔برتن سے اونچی ہوگئی۔نبی ﷺ نے مردانہ مکان کھلوایا۔روٹی رکھ دی اور زبان سے فرمایا: بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اَعْظِمْ فِیْھَا الْبَرْکَۃَ دس دس آدمی روٹی پر بیٹھتے جاتے اور سیر ہو ہو کر اٹھتے جاتے تھے۔اسی طرح اسی (80) شخصوں نے اس روز کھانا کھایا۔[1]

[2] جابر ؓ کا بیان ہے کہ ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے اور بھاری قرض چھوڑ گئے تھے۔جب کھجور کی فصل آئی، میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ حضور ﷺ چلیں تاکہ قرض خواہ حضور ﷺ کو دیکھ کر مجھ سے رعایت کریں۔فرمایا تم چلو۔ہر قسم کی کھجوروں کی ڈھیریاں الگ الگ لگا دو۔میں نے تعمیل کر دی۔اتنے میں سرور عالم ﷺ آ گئے۔حضور ﷺ نے بڑے ڈھیر کو تین بار پھر کر دیکھا اور بعد ازاں وہیں بیٹھ گئے۔فرمایا قرض خواہوں کو بلاؤ۔وہ آ گئے تو ہر ایک کو ناپ ناپ کر حضور ﷺ نے کھجوریں دینی شروع کیں حتیٰ کہ سب قرض دار نپٹ گئے اور وہ ڈھیر مجھے جوں کا توں نظر آتا تھا۔گویا ایک دانہ بھی اس میں سے کم نہیں ہوا۔

میں تو اتنے ہی پر خوش تھا کہ ساری پیداوار قرض خواہ لے لیں اور مجھے گھر لے جانے کو ایک کھجور بھی نہ ملے۔[2]

[3] صحیحین میں حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ سب قرض داروں کو چکا دینے کے بعد پھر ایک یہودی بھی آ گیا۔اس کا قرض 30 وسق کھجور کا تھا۔نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو ڈھیریاں باقی ہیں انھیں یہودی لے لے۔یہودی نے انکار کر دیا۔نبی ﷺ ایک بار ان ڈھیروں میں سے گزر گئے' پھر حکم دیا کہ یہودی کو ناپ کر دو۔چنانچہ اس کے 30 وسق پورے ہو گئے اور 17 وسق ابھی اور بھی باقی رہ گئے۔عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ جب حضور ڈھیروں میں سے ہو کر نکلے تھے میں تب ہی سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں برکت ڈال دے گا۔[3]

[4] صحیح مسلم میں ہے کہ ام مالک کے گھر ایک کپی گھی کی تھی۔وہ اس میں سے نبی ﷺ کے لیے گھی نکال نکال کر بھیجا کرتی تھی۔اس کے بچے جب سالن مانگتے اور سالن نہ ہوتا تو اس کپی میں سے گھی نکال کر ان کو دیا کرتی۔تو یہی طریقہ جاری رہا۔ایک روز ام مالک نے اس کپی کو نچوڑ لیا۔بعد ازاں اس میں سے گھی نہ نکلا۔یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَوْ تَرَکْتِیْھَا مَا زَالَ قَائِمًا۔[4]

---

[1] بخاری:3578 [2] بخاری:4053,2127 [3] بخاری:2396,2127 [4] مسلم:5945

ثانیاً: ''اگر تم نچوڑ نہ لیتیں تو اس میں سے ہمیشہ گھی پایا جاتا۔''

5 ابن ابی شیبہ اور احمد اور طبرانی اور ابن سعد نے خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت کیا ہے کہ ان کا والد جہاد پر چلا گیا۔ نبی ﷺ ان کے گھر آتے اور بکری کا دودھ دھو جاتے۔ گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ سے بھر جاتا۔ جب خباب رضی اللہ عنہ واپس آ گئے انھوں نے دودھ نکالا تو اتنا ہی نکلا جتنا پہلے اس بکری کا ہوا کرتا تھا۔ [1]

6 صحیح بخاری میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک سفر میں 130 افراد نبی ﷺ کے ہمراہ تھے۔ جب منزل پر اترے تو حضور ﷺ نے پوچھا کہ کسی کے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے۔ ایک صحابی کے پاس قریباً دو سیر آٹا تھا۔ وہ گوندلیا گیا۔ پھر ایک شخص ریوڑ لیے ہوئے وہاں پہنچا۔ اس سے ایک بکری خرید لی گئی۔ بکری کی کلیجی آگ پر بھون لی گئی اور سب حاضرین کو تقسیم کر دی گئی۔ بعد ازاں وہی کلیجی دو برتنوں میں ڈالی گئی۔ سب نے اسے سیر ہو کر کھایا۔ پھر بھی وہ ختم نہ ہوئی تو اسے ہم نے اونٹ پر رکھ دیا۔ [2]

نباتات پر اثر

حنین جذع

حنین لغت میں مشتاق کی اس آواز کو کہتے ہیں کہ جو فراق محبوب میں اس کے منہ سے نکلے۔ جذع کھجور کے کٹے ہوئے تنا کو کہتے ہیں۔ ہم اس جگہ جس روایت کا اندراج کرنے والے ہیں اسے دواوین حدیث میں سے صحیح بخاری صحیح مسلم صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان اور مسند شافعی و مسند احمد و سنن نسائی و ترمذی و ابن ماجہ و مستدرک حاکم و بیہقی و طبرانی اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام میں اس روایت و رویت عینی کے بیان کرنے والے: سید القراء ابی بن کعب رضی اللہ عنہ (المتوفی 19ھ) و جابر بن عبداللہ الشہید رضی اللہ عنہ (المتوفی 72ھ) و خادم الرسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ (المتوفی 92ھ) و عاشق السنہ عبداللہ بن عمر الفاروق (المتوفی 73ھ) و ابن عم النبی عبداللہ بن عباس (المتوفی 88ھ) و سہل بن سعد الساعدی (المتوفی 91ھ) و ابو سعید سعد بن مالک الخدری (المتوفی 78ھ) و بریدہ بن الخطیب اسلمی (63ھ) و ام المومنین ام سلمہ (المتوفیہ 59ھ) اور مطلب بن ابو رواعہ القرشی رضی اللہ عنہم ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ جب مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر کی گئی تو شروع شروع میں کوئی منبر نہ تھا۔ [3] نبی ﷺ خطبہ کے وقت کھجور کے خشک ٹنڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد تمیم داری رضی اللہ عنہ [4] نے نبی ﷺ کی اجازت سے کر با قوم نجار سے جو ایک انصاریہ کے غلام تھے منبر تیار کرا لیا۔ وہ تین زینہ کا تھا۔ یعنی دو زینے اور تیسری نشست کی جگہ۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب پہلی دفعہ نبی ﷺ نے منبر پر خطبہ شروع فرمایا اور کھجور کا ٹنڈ حضور ﷺ کے ٹیک لگانے کی عزت سے محروم رہ گیا۔ تب اس سے آواز گریہ آنی شروع ہوئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صَاحَتِ النَّخْلَةُ صَاحَ الصَّبِيِّ (یعنی وہ بچوں کی طرح چلایا) اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: سَمِعْنَا لِذٰلِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا كَصَوْتِ الْعِشَارِ (دس ماہہ حاملہ اونٹنی کی سی آواز ہم نے اس کی سنی) نبی ﷺ منبر سے اترے، اس پر دست شفقت رکھا تو وہ چپ کر گیا۔ [5]

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ پھر نبی ﷺ نے اسے منبر کے متصل دفن کرا دیا (زیادہ تفصیل راقم کے سفرنامہ حجاز میں درج ہے)

---

[1] ابن کثیر: 112/2، دلائل النبوۃ للبیہقی: 136/6 [2] بخاری: 5382,2216 [3] منبر: آواز بلند کرنا' منبر آواز بلند کرنے کی جگہ۔ [4] تمیم بن اوس بن خارجہ۔ دار ایک قبیلہ بن لخم کا قبیلہ ہے۔ قبل از اسلام یہ عیسائی عالم تھے۔ [5] بخاری: 3585,3584,2095,918

ابن ابی حاتم نے کتاب مناقب الشافعی [1] میں درج کیا ہے کہ امام شافعی نے ایک دفعہ فرمایا ہمارے نبی ﷺ نے جو عطیات عطا فرمائے تھے وہ کسی نبی کو نہیں ملے۔ کسی شخص نے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ احیائے موتی [2] کے بالمقابل حضور ﷺ کو کیا عطا ہوا تھا؟ امام نے فرمایا کہ حنین جذع کا واقعہ موجود ہے جس کا تھر تھرانا (روایت نسائی) اور رونا چلانا (بروایت صحیحین وغیرہم) سے ثابت ہے۔

---

[1] محمد بن ادریس القرشی المطلبی ﷫ از ائمہ اربعہ، ولادت 150ھ وفات 202ھ مصر میں مدفون ہیں۔ از روئے نسب جملہ ائمہ دین کے اندر نبی ﷺ سے یہی قریب تر ہیں۔ [2] ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس معجزہ نمائی کی طاقت عطا فرمائی تھی کہ وہ باذن اللہ کسی مردہ کا احیا فرمائیں۔ ان کی اس خصوصیت کا ذکر قرآن مجید کی سورہ آل عمران میں ہے: ﴿و احیی الموتی باذن اللہ﴾ اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ کبھی عملاً اس کا ظہور بھی ہوا۔ معالم التنزیل میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی گئی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چار شخصوں کو زندہ کیا تھا۔

﴿1﴾ عاذر، مسیح کا دوست جسے تین دن کے بعد قبر سے نکالا۔ ﴿2﴾ ایک بڑھیا کا بیٹا جس کا جنازہ لے جا رہے تھے اور لوگوں کے کندھوں سے اتر کر گھر آ گیا۔

﴿3﴾ ایک چونگی کے محصول لینے والے کی بیٹی، ایک دن کی مری ہوئی گھر میں پڑی تھی۔ ﴿4﴾ سام بن نوح۔ واضح ہو کہ صاحب معالم التنزیل نے اس روایت کو بلا سند روایت کیا ہے۔ لہٰذا محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار ہے۔ اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ مصنفین اناجیل اربعہ نے بھی ایسا کوئی واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا درج کیا ہے یا نہیں۔

(الف) العذر کا ذکر صرف انجیل یوحنا میں ہے۔ وہ اس عورت کا بھائی ہے جس نے مسیح علیہ السلام کے قدموں پر قدرتی عطر انڈیل دیا تھا۔ یوحنا کہتا ہے کہ یہ واقعہ یروشلم سے ایک کوس کے فاصلہ پر ہوا تھا اور اسی وقت مشہور ہو گیا تھا۔ تعجب ہے کہ مصنفین اناجیل دیگر سے یہ واقعہ کیوں کر پوشیدہ رہا۔

(ب) بڑھیا کے بیٹے کا ذکر اناجیل میں مطلق نہیں۔

(ج) ابن عباس کی روایت میں جسے بنت العاشر کہا ہے اس کا ذکر لوقا مرقس نے کیا ہے اور اسے عبادت خانہ کے سردار کی بیٹی بتلایا ہے۔ انجیل نگار لکھتے ہیں کہ سردار کے گھر سے اطلاع آئی کہ لڑکی مر گئی اور مسیح علیہ السلام نے کہا کہ وہ نہیں مری۔ مسیح علیہ السلام ان کے گھر پر گیا۔ لوگ اور بھی تھے۔ مسیح علیہ السلام نے لڑکی کو دیکھ کر کہا کہ وہ نہیں مری۔ لڑکی کو فرمایا کہ وہ اٹھ بیٹھے۔ وہ اٹھ بیٹھی۔ ہم مسلمان مسیح علیہ السلام کے منہ کے لفظ کو صحیح سمجھتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ لڑکی نہ مری تھی بلکہ اس پر سکتہ یا ضعف طاری ہو گیا تھا اور مسیح علیہ السلام کی برکت سے اس نے شفا پائی۔

(د) سام بن نوح کے زندہ کرنے کا قصہ بھی اناجیل میں نہیں۔ میرا مقصود اناجیل کے ان حوالہ جات کا اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کی قوت احیائے موتی پر اناجیل خاموش ہیں اور ادھر شہادت اور روایت اور تواتر میں بڑھا ہوا واقع حنین جذع ہے۔

ہاں اناجیل کی صحت سے زیادہ صحت اور ثبوت والی روایت ہمارے دواوین میں بھی موجود ہے۔ جسے طبرانی اور ابو نعیم و ابن مندہ اور ابن ابی الدنیا نے انس بن مالک ؓ سے روایت کیا ہے اس روایت کو امام ابن عبد البر نے کتاب الاستیعاب میں اور قاضی عیاض نے کتاب الشفا میں اور قسطلانی نے مواہب اللدنیہ میں درج کیا ہے کہ زید بن خارجہ کا بعہد خلافت عثمان ذوالنورین راہ چلتے ہوئے گر کر انتقال ہو گیا تھا۔ عصر کے وقت ان کے کوچہ میں سے مردہ اٹھایا گیا اور گھر پہنچایا گیا۔ مغرب و عشاء کا درمیانی وقت تھا۔ ان کی لاش پر پردہ رکھی ہوئی تھی۔ کپڑا پڑا ہوا تھا۔ گھر کی عورتیں جمع تھیں کہ اَنْصِتُوْا اَنْصِتُوْا کی آواز آئی سب چونکتے ہو گئے کہ یہ آواز کدھر سے آئی۔ دیکھا تو کپڑے کے نیچے سے آواز آ رہی ہے۔ مرد عورت جمع ہو گئے۔ زید کے چہرہ سے کپڑا اتار دیا گیا تو انھوں نے مندرجہ ذیل کلام کیا:

محمد [1] رسول اللہ النبی الامی و خاتم النبیین کان ذلک فی الکتب الاول صدق صدق۔ السلام علیک یارسول اللہ و رحمۃ و برکاتہ ،احمد احمد فی الکتاب الاول۔ ابوبکر ن لصدیق الضعیف فی نفسہ القوی فی امر اللہ فی الکتب الاول صدق صدق عمر بن الخطاب القوی الامین فی الکتاب الاول صدق صدق عثمان علی منہاجہ مضت الاربع و بقی سنتان اتت الفتن و کل الشدید الضعیف و قامت الساعۃ و سیاتیکم خبر بیر اریس و ما بیر اریس۔ [2]

''اللہ کے رسول محمد (ﷺ) ہیں وہ نبی الامی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کو ختم کر دینے والے ہیں۔ سچ سچ لوح محفوظ میں اسی طرح ہے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر اللہ کا صلوٰۃ و سلام اور برکتیں ہوں۔ میں اللہ کی حمد کتاب اول میں کرتا ہوں، ابوبکر صدیق ؓ جسم میں کمزور مگر اللہ کے حکم میں بہت مضبوط۔ کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ سچ عمر ؓ قوی، مضبوط اور امین ہے۔ کتاب اول میں اسی طرح ہے۔ سچ سچ عثمان ٹھیک راستے پر تھے۔ چار سال نکل گئے، دو رہ گئے فتنے اور مضبوط کو کمزور کا نگل جانا آ پہنچا۔ قیامت قائم ہو گی۔ تم کو چاہ اریس کی خبر ملے گی۔ خبر بھی کیسی کچھ۔''

واضح ہو کہ اس روایت کی صحت اندراجات انجیل سے ضرور بڑھ کر ہے۔ زید بن خارجہ، باپ بیٹا دونوں صحابی ؓ اور سرداران انصار میں سے ہیں۔ فقط۔

---

[1] ان الفاظ کو شرح شفاء مصنفہ ملا علی قاری اور کتاب الاستیعاب سے نقل کیا گیا ہے۔

[2] اس واقعہ میں بھی ایک پیش گوئی موجود ہے جسے چاہ اریس کا واقعہ بتلایا ہے۔ نبی ﷺ کی انگشت پاک کی خاتم مبارک حضور ﷺ کے بعد صدیق ؓ اور صدیق ؓ کے بعد فاروق ؓ اور فاروق ؓ کے بعد ذوالنورین ؓ (درجہ بدرجہ) انتقال خلافت کے بعد پہنا کرتے تھے۔ آخر ایام خلافت میں ذوالنورین ؓ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے وہ خاتم اس میں گر گئی اور تلاش کرنے سے بھی نہ ملی۔ اسی دن سے اختلال خلافت کا آغاز ہوا۔ اسد الغابہ: 345/2

راقم عرض کرتا ہے کہ احیائے موتیٰ سے مراد جسم موتیٰ میں اس وقت حیات کا اعادہ ہے۔ جو شخص میت میں پہلے بھی حاصل تھی۔ مگر گریۂ نخل تو اس سے بھی عجیب تر ہے۔ یعنی ایک نباتی جسم کے اندر ایک ایسی صفت کا پیدا ہو جانا جو خاص انسانی صفت ہے۔ یہ انسانی صفت نہ صرف تھرتھرانا' کپکپانا اور رونا ہے بلکہ فراق محبوب کا احساس اور فقدان شرف کا علم بھی اس کے اندر حاصل ہے۔ بلکہ یہ تو ایک عاشقانہ رنگ ہے جو ایک کھجور کے ٹنڈ میں نظر آیا۔

امام حسن بصری رحمہ اللہ [1] اس واقعہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے تو کہا کرتے تھے، اے دعویداران بشر، فراق رسول ﷺ میں ایک ٹنڈ کا یہ حال تھا تو اب اپنی حالتوں کا بھی اس سے مقابلہ کرو۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس واقعہ کو قاضی عیاض رحمہ اللہ و دیگر محدثین کرام نے مشہور و متواتر تسلیم کیا ہے۔

میرا فہم ناقص یہ ہے کہ نبی ﷺ کا اس نخلہ کو دفن کرا دینا غالباً اسی لیے تھا کہ وہ صفات انسانی کا مظہر بن گیا تھا۔ اس نکتہ کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل میں اور زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔

حیوانات پر اثر

1. مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک غزوہ نبی ﷺ کے ہمرکاب گیا تھا۔ میرا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا اور چل نہ سکتا تھا۔ نبی ﷺ مجھے راہ میں مل گئے۔ پوچھا اونٹ کو کیا ہے؟ میں نے کہا: بیمار ہے۔ نبی ﷺ نے اونٹ کو ڈانٹا اور دعا بھی فرمائی، وہ سب سے آگے چلنے لگا۔ حضور ﷺ نے پھر مجھ سے پوچھا تو میں نے عرض کر دیا کہ اب وہ اچھا ہے اور اسے حضور ﷺ کی برکت کا حصہ مل گیا ہے۔ [2]

2. مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو بلایا اس نے حاضر ہو کر کہا کہ میری اونٹنی ایسی ہو گئی ہے کہ مجھے حاضر ہونے میں دیر لگی۔ حضور ﷺ نے اونٹنی کے ایک ایڑ لگائی' وہ سب سے آگے نکلنے لگی۔ [3]

3. مسند احمد میں خباب رضی اللہ عنہ کی بیٹی سے روایت ہے کہ خباب رضی اللہ عنہ جہاد پر گئے ہوئے تھے۔ نبی ﷺ ہماری خبر گیری فرماتے اور ہماری بکریاں دھو جاتے اور گھر کا سب سے بڑا برتن دودھ کا بھر جاتا۔ جب خباب رضی اللہ عنہ واپس آ گئے تو بکریوں کا دودھ بھی اتنا رہ گیا۔ جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔ [4]

4. بیہقی نے جعیل سے روایت کی ہے کہ میں ایک غزوہ میں نبی ﷺ کے ساتھ تھا۔ میرے پاس ایک کمزور دبلی سی گھوڑی تھی اور میں سب سے پیچھے رہا کرتا تھا۔ نبی ﷺ مجھے آ ملے۔ فرمایا گھوڑی والے چلو۔ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ تو دبلی بھی ہے اور کمزور بھی۔ نبی ﷺ نے اپنا چابک اسے لگایا اور یہ الفاظ بھی زبان سے فرمائے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لَهٗ فِیْهَا۔ پھر تو وہ ایسی تیز ہو گئی کہ مجھے اس کی لگام سنبھالنا اور سب سے آگے نکل جانے سے روکنا مشکل ہو گیا تھا۔ بعد ازاں میں نے اس کے شکم کے دس بچھڑے بھی فروخت کیے۔ [5]

5. ابن سعد ابویعلی برادر ابن مندہ، بیہقی و ابونعیم اور حاکم نے (مع تصحیح) سفینہ رضی اللہ عنہ سے جو حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے روایت کی ہے کہ انھوں نے بحری سفر کیا۔ کشتی ٹوٹ گئی اور ایک تختہ پر بہتے ہوئے ایک ساحل پر پہنچ گئے۔ جس کے ساتھ جنگل تھا۔ اس میں شیر تھے۔ ایک شیر میری طرف آیا، میں نے کہا! او شیر! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں، شیر دم ہلانے لگا اور میرے برابر برابر چلتا ہوا مجھے رستہ پر ڈال گیا۔ جب میں اس سے الگ ہوا تو وہ دھاڑتا تھا گویا مجھے رخصت کر رہا تھا۔ [6]

---

[1] امام حسن بصری ابوسعید، ابوالحسن یسار نام ولادت 21ھ وفات یکم رجب 110ھ۔ [2] بخاری: 2097، مسلم: 1089، ابن حبان: 7143، نسائی: 299/7۔
[3] بخاری: 2969,2867، مسلم: 2307/48۔ [4] ابن کثیر: 102/2، دلائل النبوۃ للبیہقی: 138/6۔ [5] کنز العمال: 35384، الطبرانی: 315/2
[6] البیہقی: 46/6، مستدرک حاکم: 606/3۔

افلاک پر اثر اور معجزہ شق قمر

نبی ﷺ کے اشہر معجزات میں سے شق قمر کا معجزہ ہے۔ کفار نے علمائے یہود سے دریافت کیا تھا کہ ہم کو محمد ﷺ سے اس کی صداقت کا کیا نشان طلب کرنا چاہیے انھوں نے کہا کہ سحر کا اثر صرف زمین تک محدود ہے۔ تم کہو کہ ہم کو چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھلا دے۔ امید ہے کہ محمد ﷺ کچھ نہ دکھلا سکے گا۔ انھیں کی سکھلاوٹ سے کفار نے شق قمر کا سوال کیا تھا۔ [1]

احادیث شق القمر کے راوی عبداللہ بن مسعود، امیر المومنین علی المرتضیٰ، جبیر بن مطعم نوفلی، انس بن مالک، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر فاروق رضی اللہ عنہم ہیں۔ صحیحین میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

اِنْشَقَّ الْقَمَرُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِرْقَتَيْنِ فِرْقَةٌ فَوْقَ الْجَبَلِ وَفِرْقَةٌ دُوْنَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْهَدُوْا۔ [2]

''رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کے ادھر اور دوسرا اس سے نیچے تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دیکھو، گواہ رہنا۔''

اس روایت میں لفظ اِشْهَدُوْا اس لیے ہے کہ شق قمر کا وقوع طلب کفار کے بعد بطور معجزہ رسول اختیار واقع ہوا تھا۔ ورنہ تاکید شہادت کے کیا معنی؟

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیحین میں ہے:

اِنَّ اَهْلَ مَكَّةَ سَاَلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً فَاَرَاهُمُ انْشِقَاقَ الْقَمَرِ شِقَّتَيْنِ حَتّٰى رَاَوْا حِرَاءَ بَيْنَهُمَا۔ [3]

اہل مکہ (کفار) نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ ان کو کوئی بڑا نشان دکھایا جائے، نبی ﷺ نے انھیں چاند کا پھٹنا دکھلایا، اس کے دو ٹکڑے تھے۔ کوہ حرا ان دونوں کے درمیان تھا۔

صحیحین کی ایک روایت عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں یہ بھی صراحت ہے کہ یعنی اِنْفَلَقَ الْقَمَرُ وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جب چاند پھٹا ہے تو اس وقت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی مع دیگر صحابہ کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ [4]

علی ھذا بیہقی اور ابو نعیم نے جو روایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کی ہے اس میں بھی یہ صراحت ہے کہ اِنْشَقَّ الْقَمَرُ وَنَحْنُ بِمَكَّةَ ہم مکہ میں تھے جب شق قمر کا واقعہ ہوا۔ [5]

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اجلہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں تین بزرگوں سیدنا علی و عبداللہ بن مسعود و جبیر بن مطعم نوفلی رضی اللہ عنہم کی شہادت چشم دید ہے اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت مرسل صحابی ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں جسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ ہر دو احتمال ہو سکتے ہیں اور غالب ظن یہ ہے کہ

---

[1] مسلم:2802، احمد:3/163، ترمذی:3286 مجھے خیال گزرتا ہے کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام کے سب سے بڑے معجزے فلق بحر سے شق قمر کا تخیل پیدا کیا تھا۔ وہ قطعاً جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا معجزہ دکھلانا ہی دوسرے کے لیے محال ہے۔ چہ جائیکہ ایسا معجزہ جو پہلے معجزہ کے مقابلہ میں زمین و آسمان کا فرق رکھتا ہو۔ [2] بخاری:3636، 3869 مسلم:7072 [3] بخاری:3637،3868، مسلم:7076،7077 [4] بخاری:3869، مسلم:7072،7074، ترمذی:3285 [5] ترمذی:3289

وہ بھی چشم دید راوی ہیں۔ کیوں کہ ان کے آخری لفظ یہ ہیں: فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ گواہ رہنا (کہ میں نے کفار کو یہ نشان دکھلا دیا ہے۔) [1]

اس معجزہ کی توثیق

قرآن مجید سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴾ [القمر: 1-2]

''وقت آ گیا اور چاند پھٹ گیا اور کفار جب کوئی بڑا نشان دیکھتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہوتا رہا ہے۔''

علماء جانتے ہیں کہ قرب کی بجائے اِقْتَرَبَ کا استعمال وقوع کی تاکید کے لیے ہے' السَّاعة سے مراد خواہ قیامت ہے اور شق قمر جیسے واقعات اس تغیر عظیم کے قریب ہونے کی خبر دینے والے ہیں' جیسا کہ شمس و قمر اور نجوم و کواکب اور جبال و ارض سب کے سب ہی تلف ہو جائیں گے۔

خواہ اَلسَّاعَةَ سے مراد وقت مقررہ ہے جو علم الٰہی ہی واقعہ شق قمر کے لیے تھا۔ اس معنی کا اطلاق قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیات سے ثابت ہے۔

① ﴿ لَمْ يَلْبَثُوْا اِلَّا سَاعَةً ﴾ [یونس: 45] ② ﴿ مَا لَبِثُوْا اِلَّا سَاعَةً ﴾ [الاحقاف: 35] لیکن ان مقامات پر معرف بالام نہیں۔

شبہ کرنے والے بیان شبہ سے نہیں چوکا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ دراصل قمر میں انشقاق نہ ہوا تھا' بلکہ روایت انس رضی اللہ عنہ میں لفظ اَرَاھُمْ واقع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کی آنکھوں کو چاند کا دو ٹکڑوں میں ہو جانا دکھلایا گیا تھا۔

کاش یہ لوگ اسی روایت میں اور اسی لفظ اَرَاھُمْ سے پہلے کے الفاظ سَاَلُوْا اَنْ يُّرِيَهُمْ اٰيَةً کو دیکھ لیتے! کیا کفار کا سوال بھی یہی تھا کہ ''چاند خواہ شق ہو یا نہ ہو، مگر ہم کو شق شدہ نظر آ جائے۔ یقیناً ان کا یہ سوال نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا اَرَاھُمْ تو اس يُرِيَهُمْ کے وقوع کی اطلاع ہے۔

دوسروں کا شبہ یہ ہے کہ یہ تو زمان مستقبل کے متعلق اطلاع ہے کہ چاند پھٹ جائے گا لیکن اِقْتَرَبَتْ اور اِنْشَقَّ دونوں لفظ صیغہ ماضی کے ہیں۔

اور مزید برآں خود کفار نے اسے دیکھ کر سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ کہا ہے۔ اگر اس کا تعلق مستقبل سے ہوتا تو وہ اس واقعہ کو سحر مستمر سے کیوں تعبیر کرتے۔

الغرض شک و شبہ کے شبہات پیدا کرنے کے بعد بھی واقعہ ہذا بکمال صحت ثابت ہے۔

پرانے زمانے کے متکلک جو قیانوسی ہیئت سے روشنی گیر تھے۔ خرق و التیام، اجرام سماوی کے امکان و عدم امکان پر بھی بحث کیا کرتے تھے۔ لیکن اب نہ تو ان کی وہ زمین باقی ہے اور نہ آسمان اس لیے وہ اعتراضات بھی باور ہوا ہو گئے۔

کاش ان لوگوں کو زلزلہ ارضی سے سبق ملتا کہ کس طرح زلزلہ کے جھٹکے سے ہموار زمین میں غار پڑ جاتے ہیں اور کیوں کر وہی غار

---

[1] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے 73ھ میں بعمر 86 سال انتقال کیا۔ یعنی ان کی عمر ابتدائے ہجرت کے وقت 13 سال کی تھی۔ ان کا اسلام اپنے والد کے ساتھ 6 نبوت میں تھا اور واقعہ شق قمر 9 نبوت کا ہے۔ لہٰذا شہادت چشم دید ہے۔

دوسرے جھٹکے میں پھر ہموار شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

ہم کو اپنے زمانہ میں جو اعتراض سننا پڑتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اگر چاند پھٹ گیا ہوتا تو کیا ہندوؤں اور عیسائیوں کی کتابوں میں یہ واقعہ مذکور نہ ہوتا۔

ہندوؤں کا اعتراض تو تب صحیح ہوتا جب ان کے ہاں تواریخ کی کتابیں بھی پائی جاتیں' جس ملک میں سرے سے کوئی تاریخ ہی موجود نہ ہو' جہاں واقعات ملک وقوم کی کوئی یادداشت موجود نہ ہو، ان کو دوسرے ملک کی بابت کہنا کہ ہماری کتابوں میں اس کا ذکر نہیں' کہاں تک زیبا ہو سکتا ہے۔

مصریوں کو دیکھو' یہ بھی تہذیب قدیم کے بلند دعاوی میں ہندوؤں سے بڑھے ہوئے ہیں' مگر ان کی کتابوں میں واقعات موسیٰ علیہ السلام کا کہیں نشان نہیں ملتا جس ملک کی تاریخ ایسے ایسے واقعات ارضی سے خالی ہو۔ ان سے یہ توقع کہ ان کے ہاں جملہ واقعات سماوی بھی ضروری درج ہونے چاہئیں کیوں کر درست ہو سکتی ہے۔

ہاں' یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھیے کہ وہ کتاب یشوع 12 / 10 کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

''یسوع نے کہا! اے آفتاب جیعون پر ٹھہرا رہ اور اے ماہتاب تو وادی ایلون کے مقابل 13 / 10 تب آفتاب نے درنگ کیا اور ماہتاب کھڑا رہا' یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے دشمنوں سے انتقام لیا۔''

10/13 قریب دن بھر کے سورج پچھم کی طرف مائل نہ ہوا۔''

کیوں جناب سورج اور چاند کا 12 گھنٹے کے لیے اپنی رفتار سے رک جانا کس قدر عجیب ہے۔ شق القمر کا واقعہ تو رات کا تھا۔ ہزاروں مقامات پر لوگ سو رہے ہوں گے۔ ہزاروں انسان گھروں کے اندر ہوں گے۔ لیکن سورج کا 12 گھنٹے رک جانا تو سارے جہاں میں تہلکہ ڈال دینے والی بات تھی۔ مگر اس کا ذکر یسوع کی معاصر کتابوں میں کہیں بھی نہیں ملتا اور بایں ہمہ آپ اس واقعہ کی صحت پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اب ہم آپ کو دکھلانا چاہتے ہیں کہ اگر مکہ معظمہ میں یہ واقعہ رات کے 9 بجے وقوع پذیر ہوا تو اس وقت دنیا کے بڑے بڑے ممالک کے اوقات کیا تھے؟ [1]

نام ملک	گھنٹے	منٹ	نام ملک	گھنٹے	منٹ
ہندوستان	12	50۔شب	انگلستان' آئرلینڈ' فرانس	6	دن
ماریشس	12	20۔شب	بلجیم، سپین، پرتگال	6	دن
رومانیہ' بلغاریا' ٹرکی' یونان	8	20۔دن	جبل الطارق، الجیریا	6	دن

[1] یہ نقشہ اوقات سٹینڈرڈ ٹائم کے حساب سے ہے۔

جرمنی لیگزمبرگ ، ڈنمارک	8	20۔دن	پیرو تہامہ، جمیکا، بھامس	1	20 نیم شب
سویڈن	8	20۔دن	امریکہ	1	// // //
آئیس لینڈ۔مڈیریا	5	20دن	سموا	6	20دن
مشرقی برازیل	2	20بعد نیم شب	نیوزی لینڈ	6	50۔دن
متوسط برازیل و چلی	2	20////	تسمانیہ، وکٹوریہ، نیوساؤتھ	5	22 صبح
برٹش کولمبیا	10	20 قبل دوپہر	جنوبی آسٹریلیا	4	50 صبح
کولون	9	24// //	جاپان۔کوریا	4	20بعد دوپہر
برہما	1	50بعد نیم شب	مغربی اسٹریلیا، شمالی بورینو	3	20 // //
سمال لینڈ مڈغاسکر	10	20 شب	جزائر، فلپائن، ہانگ کانگ	3	20// //
ریاستہائے ملایا	2	20// //	چین	3	20// //
جزائر سنڈوک	7	50۔دن			

معجزات کی قسم دوم

یعنی اطلاع اخبار مستقبلہ وواقعات آئندہ

عہد مستقبل کا علم کسی انسان کو حاصل نہیں ﴿ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّا ذَا تَكْسِبُ غَدًا ﴾ [لقمان:34] ''کسی شخص کو بھی یہ پتا نہیں کہ آنے والے کل کو وہ کیا کیا کرے گا۔''

علم غیب کا مالک صرف رب العالمین ہے ﴿ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [الکھف:26]

رب العالمین ہی اپنے برگزیدہ انبیاء ورسل پر علم غیب کا اس قدر حصہ ظاہر فرماتا رہا ہے جس کی ان کو ضرورت ہوئی یا جس کی ضرورت ان کی صداقت ورسالت کا یقین دلانے کے لیے پائی گئی۔

﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ [الجن 28-27]

''وہ غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس رسول سے وہ خوش ہو۔''

معجزات مادی کا انکار کرنے والے اور شکوک واوہام کے دام میں گرفتار تو بہت پائے جاتے ہیں' مگر اخبار مستقبلہ کی اطلاع صحیح کی تاویل ایسے لوگ بھی نہیں کر سکتے' لہٰذا یہ بھی معجزات میں داخل وشامل ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی کے نزدیک اظہار اخبار غیب کا درجہ بڑا ہے۔

صدیقہ بنت صدیق ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے صحیحین میں مروی ہے کہ نزول وحی سے پیشتر حضور ﷺ پر رویائے صادقہ کا باب کھولا گیا تھا۔ حضور ﷺ پر نور جو کچھ خواب میں دیکھ لیتے' بیداری میں وہ واقعہ اسی طرح ظہور پذیر ہوتا۔ [1]

انبیاء علیہم السلام کے رویا کو دیگر اکابر صالحین کے رویا پر یہی فوقیت ہے کہ اوروں کے خواب تمثیلی رنگ میں بھی ہوتے ہیں مگر انبیاء علیہم السلام کا

---

[1] بخاری: 3,4953؛ مسلم: 403,405

رؤیا میں جلوہ حقیقت ہوتا ہے۔ ذبح پسر کے متعلق امام الخلائق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں: ﴿يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى﴾ [الصافات:102] ''پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں' تم غور کرو کہ اس میں تمھاری رائے کیا ہے؟''

خلیل الرحمن علیہ السلام کا فرزند ذبیح اللہ علیہ السلام کا منصب پانے والے کا آرزومند نبی بن نبی جواب دیتا ہے

﴿يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ ''بزرگ باپ جو حکم آپ کو ملا اس پر عمل کیجیے۔''

غور کرو کہ صورت مرئیہ منام کا نام انھوں نے امر الٰہی رکھا ہے۔ چنانچہ اس کی تعمیل ٹھیک اسی صورت کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے بھی ایک خواب کا ذکر سورۃ الفتح میں فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾ [الفتح:27]

''اللہ نے اپنے رسول ﷺ کے اس خواب کو پوری حقانیت کے ساتھ پورا کر دیا کہ تم ان شاء اللہ کعبہ میں داخل ہو گے۔ اس وقت بعض مسلمانوں نے سر منڈائے ہوئے ہوں گے اور بعض نے بال کٹوائے ہوئے۔''

یہاں بھی مسجد الحرام اور حلق و قصر اپنے اصلی معنی میں تھے۔

خواب کے بعد نبی کریم ﷺ کے وہ مشاہدات اور علامات ہیں جن میں حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر دنیا کو مطلع فرمایا ہے۔ عنوان بالا کے تحت ہم ایسے ہی واقعات کا ذکر بالاختصار کرتے ہیں۔

اطلاع اخبار مستقبلہ

① حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ کھڑے ہوئے اور حضور ﷺ نے ہر ایک بات جو قیامت تک ہونے والی تھی بیان فرما دی۔ جسے یاد ہے اسے یاد ہے، جو بھول گیا وہ بھول گیا۔ میرے سامنے بھی جب وہ ایسا واقعہ آ جاتا ہے جو میں بھول چکا تھا تو اسے دیکھتے ہیں سمجھ جاتا ہوں۔ جیسے ہم کسی شخص کو بھول جایا کرتے ہیں اور پھر اس کا منہ دیکھ کر اسے پہچان لیا کرتے ہیں [1]

صحیح مسلم بروایت ابوزید رضی اللہ عنہ روایت بالا کے متعلق یہ مزید صراحت ہے کہ حضور ﷺ نے نماز فجر کے بعد نماز ظہر تک خطبہ فرمایا۔ نماز پڑھ کر پھر خطبہ شروع کر دیا۔ غروب شمس تک یہی ہوتا رہا۔ اس خطبہ میں واقعات تا قیامت کا ذکر فرمایا تھا جسے وہ خطبہ زیادہ محفوظ رہ گیا ہے وہ ہم میں سے زیادہ عالم ہے۔ [2]

جہاز بحری کی اطلاع

② انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی ﷺ نے ام حرام رضی اللہ عنہا کے گھر آرام فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو حضور ﷺ ہنس رہے تھے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے وجہ پوچھی، فرمایا: مجھے میری امت کے وہ غازی دکھلائے گئے جو سمندر میں جہاد کے لیے سفر کریں گے۔ وہ اپنے جہازوں پر ایسے بیٹھے ہوں گے جیسے ملوک اپنے اپنے تخت پر نشست کرتے ہیں۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی میرے لیے بھی دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے۔ حضور ﷺ نے دعا کر دی اور پھر لیٹ گئے۔ پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے'

[1] بخاری: 6604، مسلم: 7262، ابوداود: 4240 [2] مسلم: 2892

فرمایا: مجھے میری امت کے دوسرے غازی جہازوں پر سوار ہو کر جہاد کرنے والے دکھلائے گئے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا نے کہا، دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔ فرمایا نہیں 'تو پہلے لوگوں میں سے ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بحری جہاد کو گئے تو یہ ام حرام رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر کیساتھ گئیں۔ غزوہ سے واپسی کے وقت ام حرام رضی اللہ عنہا کے لیے سواری لائی گئی، وہ سوار ہونے لگیں تو جانور نے لات ماری اور ان کا وہیں انتقال ہو گیا۔ (1)

پیش گوئی

(3) صحیح بخاری میں عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے حضور میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے فاقہ کی شکایت کی، دوسرا آیا اس نے ڈکیتیوں کی شکایت کی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "کہ اے عدی رضی اللہ عنہ اگر تمھاری عمر لمبی ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ایک بڑھیا حیرہ سے اکیلی چلے گی اور خانہ کعبہ کا طواف کرے گی، وہ اللہ کے سوا اور کسی سے نہ ڈرتی ہو گی۔" (میں نے اپنے دل میں کہا کہ طے کے ڈکیت کدھر چلے جائیں گے، جنھوں نے تمام بستیوں کو اجاڑ رکھا ہے۔ پھر فرمایا: "اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانوں کو جا کھولو گے۔" میں نے پوچھا کیا کسریٰ بن ہرمز؟ فرمایا: "ہاں کسریٰ بن ہرمز۔" پھر فرمایا: "اگر تیری عمر لمبی ہوئی تو تو دیکھ لے گا کہ ایک شخص زکوۃ کا سونا اور چاندی لیے ہوئے پھرے گا اور اسے کوئی نہ ملے گا جو زکوۃ کا پیسہ لینے والا ہو۔"

عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایسی بڑھیا کو بھی حج کرتے دیکھ لیا جو کوفہ سے اکیلی حج کو آئی تھی اور اللہ تعالیٰ کے سوا اسے کسی کا خوف نہ تھا اور خزائن کسریٰ کی فتح میں تو میں بھی شامل تھا۔ تیسری بات بھی تم اے لوگو! دیکھ لو گے۔ (2)

امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی سلطنت میں تیسری بات بھی پوری ہو گئی کہ زکوۃ دینے والے کو تلاش سے بھی کوئی فقیر نہ ملتا تھا اور وہ اپنا مال گھر واپس لے جایا کرتا تھا۔

پیش گوئی متعلق فتوحات ممالک

(4) بیہقی رحمہ اللہ و ابو نعیم رحمہ اللہ نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ خندق کھودتے ہوئے ایک بہت بڑا اور بہت سخت پتھر نکل آیا جس پر کدال کا اثر نہ ہوتا تھا۔ ہم نے نبی ﷺ سے یہ حال عرض کیا حضور ﷺ نے پتھر کو دیکھا' کدال کو ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ کہہ کر ضرب لگائی۔ ایک تہائی پتھر ٹوٹ گیا۔ اس وقت حضور ﷺ نے فرمایا: **اَللّٰهُ اَكْبَرُ اِنِّيْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْفَارِسِ وَاللّٰهُ لَاَبْصُرُ قَصْرَ الْمَدَائِنِ الْاَبْيَضِ** (مجھے ملک فارس کی کنجیاں عطا کی گئیں اور میں اس وقت مدائن کے سفید محل کو دیکھ رہا ہوں)۔ پھر دوسری ضرب لگائی اور ایک تہائی پتھر پھر ٹوٹ گیا پھر فرمایا: **اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ** (مجھے ملک شام کے خزانے اور کنجیاں عطا کی گئیں) بخدا! میں نے وہاں کے سرخ سرخ محلات کو ابھی دیکھ لیا ہے۔ پھر تیسری ضرب لگائی اور سارا پتھر چکنا چور کر دیا اور فرمایا: **اَللّٰهُ اَكْبَرُ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ وَاللّٰهُ اِنِّيْ لَاَبْصُرُ اَبْوَابَ صُنْعَاءَ مِنْ مَكَانِيَ السَّاعَةَ** "مجھے ملک یمن کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ واللہ! میں یہاں سے اس وقت شہر صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔" (3) یہ پیش گوئی اس وقت فرمائی تھی جب مدینہ پر کفار کے عساکر

---

(1) بخاری: 2788، احمد: 423/6، اسد الغابہ: 305/7 (2) بخاری: 3595، 1413، شرح السنۃ: 5/ 31 (3) سنن النسائی: 3176، ابوداؤد: 4302، دلائل النبوۃ للبیہقی: 421/3، سنن الکبریٰ للنسائی: 65/2، ابن ہشام: 173/3

حملہ آور ہو رہے تھے اور ان سے بچاؤ کے لیے شہر کے گرداگرد خندق کھودی جارہی تھی' ایسے ضعف کی حالت میں اتنے ممالک کی فتوحات کی اطلاع دینا اللہ کے نبی ہی کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرف بہ حرف پورا فرمایا۔

فتح مصر کی پیش گوئی

(5) نبی ﷺ نے فرمایا:

اِنَّکُمْ سَتَفْتَحُوْنَ اَرْضًا یُذْکَرُ فِیْهَا الْقِیْرَاطُ فَاسْتَوْصُوْا بِاَهْلِهَا خَیْرًا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَ رَحِمًا فَاِذَا رَاَیْتُهُمْ رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلَانِ عَلٰی مَوْضَعِ لَبِنَةٍ فَاخْرُجْ مِنْهَا۔ [1]

''تم عنقریب اس ملک کو فتح کرلوگے جہاں سکہ قیراط ہے۔ تم وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا کیوں کہ ان کو ذمہ اور رحم کے حقوق حاصل ہیں (پھر ابوذر سے فرمایا) جب تم دیکھو گے کہ دو شخص ایک اینٹ برابر کی زمین پر جھگڑ رہے ہیں تب وہاں سے چلے آنا۔''

ابوذر رضی اللہ عنہ نے فتح مصر کو بھی دیکھا اور وہاں بود و باش بھی اختیار کی اور یہ بھی دیکھا کہ (ربیعہ اور عبدالرحمٰن بن شرحبیل) اینٹ برابر زمین کے لیے جھگڑ رہے ہیں تب یہ وہاں سے چلے بھی آئے۔ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ لَهُمْ ذِمَّةً وَ رَحِمًا کی تفسیر بیہقی و ابو نعیم کی حدیث عن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ میں موجود ہے کہ ہاجرہ ام اسماعیل علیہ السلام اور ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا ام ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ مصریہ ہیں۔ حدیث بیہقی و ابونعیم میں ملک مصر کا نام صراحۃً ہے۔

ملک عرب سے ممالک مفتوحہ کے قطع تعلق کی پیش گوئی

(6) نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنَعَتِ الْعِرَاقُ دِرْهَمَهَا وَ قَفِیْزَهَا وَ مَنَعَتِ الشَّامُ مُدَّهَا وَ دِیْنَارَهَا وَ مَنَعَتِ الْمِصْرُ اَرْدَبَهَا وَدِیْنَارَهَا وَعُدْتُّمْ مِنْ حَیْثُ بَدَاْتُمْ۔ [2]

''عراق نے اپنے درہم وقفیز کو شام نے اپنے مد و دینار کو اور (مصر نے) اپنے اردب و دینار کو روک لیا اور تم ویسے کے ویسے رہ گئے' جیسے شروع میں تھے۔'' ☐

یحیٰی بن آدم کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس حدیث میں صیغہ ماضی کا استعمال فرمایا۔ حالانکہ اس کا تعلق عہد مستقبل سے تھا اس لیے کہ علم الٰہی میں ایسا ہی مقدر ہو چکا تھا۔

حدیث بالا اس زمانہ کے متعلق پیش گوئی ہے، جب مدینہ منورہ میں خلافت راشدہ کا زمانہ ختم ہوگیا اور دمشق میں سلطنت امویہ کا قیام ہوگیا تھا کہ پھر حجاز میں ان ممالک سے مالیہ نہ بہ شکل سکہ اور نہ بہ شکل جنس کبھی حجاز کو حاصل نہ ہوا۔ یہ پیش گوئی اب تک بارہ صدیوں سے اسی طرح چلی آتی ہے۔

---

[1] مسلم: 6494,6493، کنز العمال: 31767، دلائل النبوۃ: 321/2، بیہقی: 206/9 [2] مسلم: 7277، ابوداؤد: 3035، احمد: 262/2،

☐ قفیز، مد اور اردب اناج کے پیمانے ہیں۔ قفیز ہکوک کا مد اور 1/13 رطل یا بقول بعض 2 رطل کا اور اردب 24 صاع کا ہوتا ہے۔ مجمع البحار۔

پیش گوئی کہ شہنشاہ ایران کے کنگن سراقہ اعرابی کو پہنائے جائیں گے

⑦ نبی ﷺ نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

كَيْفَ بِكَ إِذَا لَبِسْتَ سِوَارَيْ كِسْرٰى۔

''تیری کیا شان ہوگی جب تجھے کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے۔''

بیہقی کی دوسری روایت میں ہے کہ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس فتح ایران کے مال غنیمت میں کسریٰ کے کنگن پہنچے تو انھوں نے سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اسے وہ کنگن پہنائے جو سراقہ کے بازوؤں کے اوپر تک پہنچے۔

فاروق رضی اللہ عنہ نے کنگن پہنا کر زبان سے کہا: اللہ کا شکر ہے جس نے کسریٰ بن ہرمز سے جو اپنے آپ کو رب الناس کہلاتا تھا یہ کنگن چھین لیے اور آج سراقہ رضی اللہ عنہ بن مالک اعرابی مدلجی کو پہنائے۔ [1]

امام شافعی رحمہ اللہ نے تحریر کیا ہے کہ یہ کنگن سراقہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ کی پیش گوئی کی تعمیل میں پہنائے گئے تھے۔

حدیث بالا کے مختصر فقرہ پر غور کرو جو تین پیش گوئیوں پر مشتمل ہے:

① خلافت فاروق رضی اللہ عنہ کی صداقت پر، جس نے نبی اللہ کے ارشاد کو پورا کیا۔

② فتح ایران کو۔

③ فتح ایران تک سراقہ کے زندہ رہنے پر۔ کتاب لاستیعاب سے واضح ہے کہ سراقہ نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔ یعنی فتح ایران سے صرف چند سال بعد وہ زندہ رہے۔

معجزات قسم سوم

اب ایسی پیش گوئیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کا اندراج کتب احادیث میں پہلے سے ہو چکا تھا اور ان کتب کو عالم اسلام میں تداول بین الناس اور اشاعت تام کا درجہ حاصل تھا، پھر ان پیش گوئیوں کا ظہور دنیا کے سامنے بعد میں ہوا۔

اس سے ثابت ہوگا کہ ایسی پیش گوئیوں کی نسبت تصنع یا ساخت کا وہم بھی نہیں کیا جا سکتا' نیز ان سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ قرب قیامت کی علامات وشرائط جن احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں اور جن کا ظہور آج 1348ھ تک نہیں ہوا۔ ان کا ظہور بھی یقیناً اپنے اپنے اوقات پر (جو علم الٰہی میں مقرر ہے) اپنے ظاہری الفاظ اور کمال تطابق کے ساتھ بصیرت افزائے مومنین ہوگا۔

393 سال پیشتر کی پیش گوئی

سنن نسائی وبیہقی میں غزوہ ہند کی پیش گوئی بایں الفاظ درج ہے:

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ وَعَدَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ الْهِنْدِ. [2]

''رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ مسلمان ہندوستان میں غزوہ کریں گے۔''

---

[1] ساری تفصیل درج ذیل کتب میں دیکھیں: الشفا بالقاضی: 674/1، الاستیعاب رقم: 721، الاصابہ رقم: 3122، اسد الغابہ: 414/2

[2] نسائی: 3175، مستدرک: 514/3، دلائل النبوۃ: 336/6، بیہقی: 176/9

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حدیث امام نسائی نے اپنی صحیح میں درج کی ہے۔ امام نسائی 215ھ کو پیدا ہوئے اور 303ھ کو وفات پائی۔

نسائی طاہر 215 بزاد وز جہاں فیروز 303 رفت

ہند پر سب سے پہلے سلطان محمود نے 393ھ کو حملہ کیا تھا۔ یعنی اشاعت کتب سنن نسائی سے قریباً ایک صدی بعد، جب کہ سن ہجرت 393 تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اہل اسلام کی کتابوں میں ہند دریائے اٹک کا نام ہے اور اسی مناسبت سے انھوں نے ماورائے اٹک کے رہنے والی قوم کا نام ''ہندو'' رکھا تھا (انگریزی میں ہندوستان کا نام انڈیا بھی اسی مناسبت سے ہے) لہٰذا حدیث بالا کا مصداق وادی غزوہ ہو سکتا ہے، جسے اٹک سے عبور کیا گیا۔

654 سال پہلے کی پیش گوئی

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَخْرُجَ نَارٌ مِّنَ الْحِجَازِ تُضِيْءُ اَعْنَاقَ الْإِبِلِ بِبُصْرٰى۔ ①

''قیامت نہیں آئے گی جب تک حجاز میں ایسی آگ نمایاں نہ ہو جو بصریٰ کے اونٹوں پر اپنی روشنی نہ ڈالے گی۔''

یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں موجود ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ 256ھ کو امام مسلم بن الحجاج رحمہ اللہ نے 261ھ کو انتقال فرمایا تھا اور ان ائمہ کبار کی ہر دو کتب صحیحین ان کی زندگی ہی میں جملہ ممالک اسلام میں داخل درس و تدریس ہو چکی تھیں اور روز افزوں اشاعت کی وجہ سے یہ کتابیں ہر ایک اسلامی علاقہ میں کثرت کے ساتھ پائی جاتی تھیں۔

نبی ﷺ کے فرمودہ الفاظ کا ظہور جمادی الثانی 654ھ کو ہوا یعنی تحسین الحدیث کی وفات سے بھی چار صدیوں کے بعد۔

گواہان عینی نے اس آگ کے متعلق جس کی ابتداء پہاڑ کی آتش فشانی سے ہوئی۔ جداگانہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ شیخ صفی الدین رحمہ اللہ مدرس مدرسہ بصریٰ کی شہادت موجود ہے کہ جس روز اس آگ کا ظہور حجاز میں ہوا اسی شب بصریٰ کے بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو دیکھا اور شناخت کیا۔

یہ آگ یکم جمادی الثانی کو پہاڑ سے پھوٹ پڑی تھی۔ دوسری تاریخ کو زلزلہ کی رفتار تیز محسوس ہوتی تھی۔ تیسری کو زلزلہ کی شدت اور بڑھ گئی۔ چوتھی کو زلزلہ کے ساتھ گرج کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ گویا رعد فلک زور زور سے کڑک رہا ہے۔ پانچویں کو دھوئیں نے زمین و آسمان اور افق کو چھپا لیا۔ آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، پتھر پگھلنے لگے۔ ایسا نظر آتا تھا کہ پہاڑ پر سے نہر احمر کی آبشار گر رہی ہے۔ روز بروز آگ کا رخ جانب شہر مدینہ تھا۔ باشندگان مدینہ نے جمعہ کی شب مسجد نبوی ﷺ میں حاضر رہ کر بسر کی اور تمام شب تضرع و زاری کرتے رہے۔ صبح کو دیکھا کہ آگ کا رخ پلٹ گیا ہے۔

تعجب خیز امر یہ تھا کہ اس شدت نار کے وقت بھی مدینہ میں جو ہوا آتی تھی وہ ٹھنڈی نسیم ہوتی تھی۔

656 سال پہلے کی پیش گوئی

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوْهِ ذُلْفَ الْاُنُوْفِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ۔ ②

① بخاری: 7118، مسلم: 2902، ابن حبان: 6839، مسند احمد: 144/5 ② بخاری: 2928، 3585، حمیدی: 1101، ابوداود: 4304، کنز العمال: 38404، احمد 530/2، مستدرک 474/4

''قیامت قائم نہ ہوگی (کئی باتوں کے بعد فرمایا) جب تک تم ان ترکوں سے جنگ نہ کرلو گے جو چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے، سرخ چہرے والے، پست ناک والے ہوں گے۔ ان کے چہرے ڈھال جیسے چوڑے ہوں گے۔''

یہ فتنہ تاتار کی خبر ہے۔ ہلاکو خاں کے لشکروں نے خراسان و عراق کو تباہ کیا، بعد کو لوٹا تھا اور بالآخر ان کو بھی ایشیائے کوچک میں شکست عظیم ہوئی تھی۔ یہ واقعہ 656ھ کا ہے۔ اور صحیحین میں پانچ صدی پیشتر سے درج چلا آتا تھا۔

700 برس پہلے کی پیش گوئی

طبرانی و ابونعیم نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اُتْرُكُوا التُّرْكَ مَا تَرَكُوْكُمْ بِاَنَّ اَوَّلَ مَنْ يُّسْلِبُ اُمَّتِيْ مُلْكَهُمْ۔ [1]

ترکوں کو نہ چھیڑنا جب تک وہ تم کو نہ چھیڑیں کیوں کہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری امت سے ملک چھین لے گی۔

855 سال پیشتر کی پیش گوئی

مسند امام احمد میں اور صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سنن ابی داؤد میں بروایت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فتح قسطنطنیہ کا ذکر موجود ہے۔ [2]

امام ہمام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا انتقال 241 میں ہوا۔ مہوران کی کتاب مسند تاریخ تدوین سے ہمیشہ علمائے امت اور ائمہ محدثین کے پیش نظر رہی۔

محمد فاتح سلطان رحمہ اللہ نے قسطنطنیہ کو 855ھ (1353ء) میں فتح کیا۔ یعنی کتاب مسند سے چھ صدیوں اور سال ہجرت سے ساڑھے آٹھ صدیوں کے بعد دنیا نے نعم الامیر اور نعم الجیش کا نظارہ دیکھ لیا جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا۔

1348 سال کی پیش گوئی

فتح مکہ کے دن (پنج شنبہ 20 رمضان 8ھ) نبی ﷺ نے شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بیت اللہ کی کلید عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

خُذُهَا خَالِدَةً تَابِدَةً لَا يَنْزِعُهَا يَا اَبِيْ طَلْحَةَ مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ۔ [3]

لو یہ کنجی سنبھال لو، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ تم سے یہ کلید کوئی نہ چھینے گا مگر وہی جو ظالم ہوگا۔

ان مختصر الفاظ میں تین پیش گوئیاں مندرج ہیں:

1. خاندان ابوطلحہ کا دنیا میں برابر باقی رہنا، نسل قائم رہنا۔
2. کلید بیت اللہ کی حفاظت و خدمت کا انھی کے متعلق رہنا۔

---

[1] ابوداود: 4302، کنز العمال: 10934، مجمع الزوائد: 304/5، بیہقی: 176/9

[2] مسلم: 7278، ابوداود: 4294,4295، مسند امام احمد: 576,535/2

[3] قرطبی: 256/5، اتحاف السادۃ: 128/3

3 ان کے ہاتھوں سے کلید چھیننے والے کا نام ظالم ہوتا۔

نمبر 2،1 کی بابت اب تک کل دنیا کو معلوم ہے کہ یہ کلید بنو شیبہ میں آج تک موجود ہے اور یہ نسل اب تک جاری ہے۔

نمبر 3 کی بابت مؤرخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے ان سے یہ کلید چھین لی تھی۔ اس کے بعد پھر یہ 1333 سال کا زمانہ شاہد صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔

پیش گوئی جس کی تصدیق زمانہ حال ہمارے سامنے بھی کر رہا ہے

صحیح مسلم میں ابو مستورد قرشی رضی اللہ عنہ کی روایت موجود ہے کہ انھوں نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فاتح مصر کے سامنے یہ بیان کیا کہ آخری زمانہ میں یورپین عیسائیوں کا دنیا میں زور ہو جائے گا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے اسے روکا اور کہا کہ دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا میں تو وہی کہہ رہا ہوں جو میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے۔ عمرو بولے تب تو درست ہے۔ [1]

قارئین غور کریں کہ یہ روایت صحابی رسول ﷺ نے اس وقت بیان کی جب عساکر اسلام جملہ اطراف عالم میں مظفر و منصور تھے۔ جب ان کو عراق و شام و مصر خراسان و ایران وسوڈان کی فتوحات میں کہیں ایک جگہ بھی شکست نہ ہوئی تھی۔ عیسائی مسلمانوں کے سامنے جملہ ممالک میں پیچھے ہٹ رہے تھے اور عقل و وہم و قیاس کے نزدیک یورپین اقوام کی کثرت و غلبہ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہ آ سکتی تھی۔

دنیائے اسلام کی یہی حالت امام مسلم (المتوفی 261ھ) کی زندگی تک موجود تھی مگر صحابی رضی اللہ عنہ روایت کرتا ہے اور امام الحدیث اسے اپنی کتاب میں ایمان وایقان صحت کے ساتھ درج بھی کر دیتا ہے۔ آج دنیا دیکھ لے کہ امریکن (جو اپنی اصلی زاد و نہاد کے اعتبار سے یورپین ہیں) برطانیہ، اطالیہ، پرتگال، سویڈن، ناروے، سوئٹزر لینڈ، سپین، جرمنی وغیرہ کی حالت کیا ہے؟

پیش گوئی جس کی صداقت کی شہادت موجودہ زمانہ ادا کر رہا ہے

بیہقی و حاکم نے ابو ہریرہ و معاویہ رضی اللہ عنہما اور طبرانی نے عوف بن مالک اشجعی سے نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ (لمبی روایت میں) بیان کیے ہیں:

تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثَۃٍ وَ سَبْعِیْنَ فِرْقَۃً ''میری امت میں تہتر فرقے بن جائیں گے۔'' [2]

نزول قرآن پاک کے وقت امت محمدیہ کے جملہ افراد کا منفرداً و مجتمعاً ایک ہی نام تھا یعنی مسلم جیسا کہ قرآن پاک میں ﴿ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [الحج:78] ''تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔'' امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز تک یہی واحد اور جامع نام سب کا معرف رہا۔ لیکن خروج خوارج کے بعد نئے نئے فرقے اور ان فرقوں کے نئے نئے نام نکلنے شروع ہو گئے۔ ہر ایک فرقہ کو اپنے مختص نام پر ناز ہے۔

یہ پیش گوئی ایسی ہدایت اور صداقت کے ساتھ پوری ہوئی اور ہو رہی ہے کہ کروڑوں مسلمانوں کے متدعو یہ دعاوی اس کی تصدیق میں موجود ہیں۔

جامع کتاب کا مقصد صرف سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کے معجزات (اخبار عن الغیب) کی شکل میں بیان کرنا ہے۔ الحمد

---

[1] مسلم: 7229

[2] ابو داود: 4596، ترمذی: 2640، ابن ماجہ: 3991، ابن حبان: 6247، 6731، مسند احمد: 332/2

لہٰذا کہ جو کچھ اس بارہ میں لکھا گیا ہے وہ ثبوت مقصد کے لیے کافی ہے۔ ہر چند کہ حصر دشوار ہے۔

قسم چہارم از معجزات نبوی ﷺ

بندوں کی دعاؤں کا قبول فرمانا رب العالمین کے صفات علیا میں سے ہے۔ وہ رؤف الرحیم ہر ایک بندہ کی دعا کو بشرطیکہ پورے افتقار و اضطرار سے کی گئی ہو، قبول فرماتا ہے۔

﴿ اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ﴾ [النمل:62]

''کون ہے (اللہ کے سوا) جو مضطر کی پکار کو قبول فرماتا ہے۔''

وہ رحمٰن الدنیا ورحیم الآخرۃ اہل اطاعت کی دعاؤں کو خصوصیت سے منظور فرماتا ہے

﴿ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾ [البقرۃ:186]

''جب مجھ سے مانگنے والے مجھ سے مانگتے ہیں تو میں ان کی پکار کو سن لیتا ہوں اور درخواست کو منظور کر لیتا ہوں۔''

وہ عزیز الحکیم اپنے عبد اور رسول ﷺ کی عزت اور بزرگی کو جہاں و جہانیاں کے دلوں میں مستحکم و استوار کرنے کے لیے ان کی دعاؤں کو بہ سرعت و بہ کثرت منظور فرماتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ علامت بجائے خود ایک معجزہ (دنیا کو اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز کرنے والی) ایک نشان (طالبان ہدایت کو راہ ہدایت پر ملانے والی) ایک آیت (اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچانے والی) بن جاتی ہے۔

سینکڑوں ایسے نظائر موجود ہیں کہ نبی ﷺ کی زبان صدق سے جو الفاظ نکلے وہ پورے طور پر اسی طرح منجانب اللہ پورے کیے گئے جیسا کہ ان الفاظ کے معانی لغوی کا اقتضا تھا۔

ایسے نظائر کا حصر دشوار ہے، مگر سیرت نگار کا فرض ہے کہ اس چمن فردوس بہار کی شمیم سے قارئین کے دماغ کو عنبر آگین بنانے کی سعی کرے۔

(1) صحیح بخاری و صحیح مسلم میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (1) کہ عہد نبوی میں قحط پڑا۔ انہی ایام میں نبی ﷺ جمعہ کا خطبہ منبر پر بیان کر رہے تھے کہ ایک اعرابی اٹھا، اس نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ مال تباہ ہو گیا اور عیال بھوک سے نڈھال ہے۔ ہمارے لیے دعا فرمائیے۔ نبی ﷺ نے دونوں ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے۔ اس وقت آسمان پر کوئی بدلی بھی نہ تھی۔ اللہ کی قسم ابھی حضور ﷺ نے ہاتھ نیچے بھی نہیں کیے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل جمع ہو گئے۔ پھر حضور ﷺ ابھی منبر سے نہ اترے تھے کہ حضور ﷺ کی ریش مبارک پر قطرات بارش نظر آنے لگے۔ اس روز سارا دن برستا رہا۔ پھر اگلے دن بھی اور اس سے اگلے دن بھی۔ غرض دوسرے جمعہ تک یہی حال رہا اور پھر وہی اعرابی حضور ﷺ کے سامنے کھڑا ہوا۔ کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! اب تو مکانات گرنے لگے۔ نبی ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر یہ الفاظ کہے: اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا لَا عَلَيْنَا الٰہی گرد و نواح میں برسے، ہم پر نہ برسے۔ پھر حضور ﷺ جدھر کے بادلوں کی طرف اشارہ فرما دیتے تھے۔ وہی پھٹ جاتے تھے حتیٰ کہ مدینہ صاف نکھر گیا اور شہر سے باہر جل تھل کا منظر ہو گیا اور باہر سے بھی جتنے لوگ آئے سب نے بارش کا ہونا بتلایا۔ (2)

(1) بخاری: 1021، مسلم: 897، ابوداود: 1174، ابن حبان: 2858، 2859، مسند احمد: 194/3......

(2) بیہقی و ابن عساکر نے اس موقع پر حضور ﷺ کی دعائے استسقاء کے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا هَنِيْئًا مَرِيْئًا غَدَقًا طَبَقًا عَاجِلًا غَيْرَ رَائِثٍ نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ تَمْلَأُ بِهِ الضَّرْعَ وَتُنْبِتُ بِهِ الزَّرْعَ وَتُحْيِيْ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ (خصائص الکبریٰ ج 3 ص 163) منہ

قتل سے مصئون رہنے کی دعا

﴿2﴾ طبرانی نے اوسط میں روایت کی ہے کہ ضمرہ بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں آئے اور درخواست کی کہ میرے شہید ہونے کی دعا فرمائی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَ ابْنِ ثَعْلَبَةَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ "الٰہی میں مشرکین پر ابن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا خون حرام کرتا ہوں۔" ﴿1﴾

یہ بزرگ جہاد میں دشمن پر بے دھڑک حملے کیا کرتے اور ان کی صفوں کو چیرتے ہوئے نکل جاتے اور پھر صحیح سلامت واپس آ جاتے۔

دعائے عفت

﴿3﴾ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں آیا۔ عرض کیا' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے زنا کی اجازت مل جائے۔ لوگ سنتے ہی اسے دیکھنے اور جھڑکنے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قریب آؤ اور بیٹھ جاؤ۔ وہ جوان قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تو اپنی ماں کے لیے یہ پسند کرتا ہے؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی ماں کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں، نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی شخص بھی اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی بہن کے لیے یہ چیز پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں' نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بھی اپنی بہن کے لیے یہ پسند نہیں کرتا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: تم اپنی پھوپھی کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا: قربان جاؤں' نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی انسان بھی اپنی پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتا۔

پھر پوچھا: تم اپنی خالہ کے لیے یہ بات پسند کرتے ہو؟ وہ بولا' قربان جاؤں' نہیں۔

فرمایا: ہاں، کوئی بشر بھی اپنی خالہ کے لیے اسے پسند نہیں کرتا۔

بعد ازاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست مبارک اس پر رکھا اور یہ الفاظ زبان سے کہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ وَ اَحْصِنْ فَرْجَهٗ

"الٰہی اس کا گناہ دور کر دے، اس کا دل پاک کر دے اور اس کا ستر محفوظ کر دے۔" ﴿2﴾

اس دعا کے بعد یہ جوان کبھی ایسی بات کا خیال بھی نہ کیا کرتا تھا۔

حاشیہ ترجمہ: اے اللہ! تو ہم پر ایسی بارش نازل فرما جو مدد کرنے والی ہو، خوشگوار ہو، آسانی والی ہو، مسلسل اور موسلا دھار ہو، جلدی آئے، مدت کر دیر سے۔ فائدہ بخش ہو، نہ ضرر والی۔ جس سے (دودھ والے جانور کے) دودھ بھر جائیں اور کھیتیاں اگ آئیں اور زمین کو بنجر ہو جانے کے بعد اس کو زندہ کر دے۔

﴿1﴾ طبرانی 368/8

﴿2﴾ شعب الایمان للبیہقی: 5415، احمد 257/5، تفسیر ابن کثیر 70/5، کنز العمال 4661 جامع الحکم: 9876

قبل از دعا نبی ﷺ اسے استدلالاً سمجھانا چاہتے تھے کہ اگر زنا کی اجازت دی جائے تو زانیہ بہر حال کسی نہ کسی کی بیٹی، یا بہن، یا ماں یا خالہ یا پھوپھی وغیرہ ہوگی اور یہ رشتے ایسے ہیں کہ خود سائل اور جملہ دیگر اشخاص بھی فطرتاً اس کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی ایسی قرابت میں زنا کا وجود پایا جائے۔ لہٰذا جوازِ زنا کی درخواست جیسا کہ ایک غیور انسان کی فطرت کے خلاف ہے، اسی طرح وہ جملہ نوعِ بشری کی غیرت وحمیت کے خلاف ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی انسان زنا کو پسند نہیں کر سکتا۔ یہ نکتہ سمجھانے کے بعد پھر حضور ﷺ نے اس کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔

④ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسریٰ (خسرو پرویز) نے نبی ﷺ کے فرمانِ دعوت کو پڑھ کر چاک کر ڈالا تھا۔

نبی ﷺ نے اس کے حق میں فرمایا: مَزِّقُوْا كُلَّ مُمَزَّقٍ ”وہ خود پارہ پارہ ہو گئے۔“ [1]

قوم پارسی کو دیکھو اور وطن سے ان کی جدائی کا خیال کرو اور دیکھو کہ اب وہ کیسی تفریق اور پراگندگی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

بیہقی نے بروایت عبدالرحمٰن بن عبدالباری بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا: مَزَّقَ كِسْرٰى مُلْكَهٗ ’کسریٰ نے اپنی سلطنت کو چاک کر ڈالا۔‘ [2] صفحہ امان پر تلاش کرو کہ جب سے آخری کسریٰ خلیفہ ارشد عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے لشکر سے ہلاک کیا گیا اس کے بعد کوئی کسریٰ بھی ہوا؟ پارسی قوم میں حکومت یا سلطنت کا نام ونشان بھی کہیں پایا جاتا ہے؟ خسرو کا انجام بہت ہی حسرت ناک ہوا۔ اس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں ”شیریں“ پر عاشق ہو گیا۔ باپ کو رشک رقابت میں خنجر سے ہلاک کر دیا۔

چاک فرمانِ نبی کی ہے سزا چاکِ شکم — دیکھ اے خسرو پرویز یہ بیداد نہیں

⑤ بیہقی نے بروایت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ بجیر بن بجیرہ رضی اللہ عنہ نے جو قوم طے سے تھا، واقعہ دومۃ الجندل کے متعلق اپنا شعر رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ حضور ﷺ نے خوش ہو کر فرمایا: تو نوے (90) برس کی عمر تک پہنچے۔ لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ ان کی سب ڈاڑھیں اور دانت سالم تھے۔ [3]

سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

⑥ صحیح بخاری میں جعد بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سائب بن یزید 94 سال کے ہو کر فوت ہوئے اور با ایں ہمہ مضبوط و متعدل تھے انھوں نے کہا کہ یہ نبی ﷺ کی دعا کا ثمرہ ہے کہ میری بینائی وشنوائی اب تک درست ہے۔ [4]

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اَحَدُ الْعَشْرَةِ مُبَشَّرَةِ کے لیے دعا

⑦ صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے عبدالرحمٰن کو بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فرمایا تھا۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ اس کی برکت سے اب تک یہ ہے کہ اگر میں پتھر اٹھاتا ہوں تو توقع ہوتی ہے کہ یہاں سے مجھے سونا یا چاندی دستیاب ہوگی۔ [5]

---

[1] بخاری: 4424,64 [2] دلائل النبوۃ للبیہقی: 388/4

[3] کنز العمال: 30276، دلائل النبوۃ للبیہقی: 251/5، ابن کثیر: 17/5، ابن ہشام: 139/4 شعر یہ ہیں۔

تبارك سائق البقرات إني — رأيت الله يهدي كل هاد

فمن يك حائدا من ذي تبوك — فإنا قد أمرنا بالجهاد

[4] بخاری: 5670,3540، مسلم: 6087، ترمذی: 3643 [5] بخاری: 5167,2049، مسلم: 2540,1967، احمد 11/3، دلائل النبوۃ 218/6:3، اسد الغابہ 478/3

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

(8) صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے ان الفاظ میں دعا دی تھی: اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَہٗ وَوَلَدَہٗ وَ بَارِکْ لَہٗ مَا رَزَقْتَہٗ ''الٰہی! اس کے مال اس کی اولاد کو بڑھا اور جو کچھ تو اسے عطا فرمائے اس میں برکت دے۔'' انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں بخدا! میرے پاس مال کثیر ہے اور میرے بیٹوں اور پوتوں کا شمار ایک سو (100) کے قریب تک ہے۔ (1)

ترمذی اور بیہقی میں ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کے پاس ایک باغ تھا جس کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتے۔ اس باغ کا ایک ایسا پھول تھا جس کی خوشبو کستوری جیسی تھی۔ (2)

مالک بن ربیعہ سلولی رضی اللہ عنہ کے لیے دعا

(9) ابن عساکر اور ابن مندہ نے یزید بن ابو مریم سے روایت کی ہے کہ میرے والد مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا تھا کہ نبی ﷺ نے میرے لیے کثرت اولاد کی دعا فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اسی (80) فرزندان نرینہ عطا فرمائے۔ (3)

تکبر کی سزا

(10) صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''دائیں ہاتھ سے کھاؤ'' وہ بولا، میں نہیں کھا سکتا۔ یہ جواب اس نے صرف غرور میں آ کر دیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''تو نہ کھا سکے''۔ بعد ازاں اس کا داہنا ہاتھ منہ تک نہ اٹھ سکتا تھا۔ (4)

(11) شکستہ استخوان کی درستگی کا معجزہ

صحیح بخاری میں براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ قتل ابورافع کے بعد زینہ سے اترے تو گر پڑے اور ان کی پنڈلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں۔ انھوں نے نبی ﷺ سے ذکر کیا۔ فرمایا: پاؤں پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دیا۔ حضور ﷺ نے اس جگہ دست مبارک رکھ دیا۔ فوراً میں ایسا تندرست ہو گیا گویا کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔ (5)

---

(1) بخاری: 1982، مسلم: 6372، ترمذی: 3829، مسند احمد: 188,108/3 (2) ترمذی: 3833، دلائل النبوۃ للبیہقی: 195/6
(3) الاصابہ: 345/3 (4) مسلم: 5268
(5) بخاری: 4039، مصنف عبدالرزاق: 5383، مطالب العالیہ لابن حجر: 4350، مجمع الزوائد: 201/6، مستدرک: 434/6، بیہقی: 256/3

فصل پنجم 5

اسماءُالرسول ﷺ

ہمارے سیدنا وآقا خواجہ ہر دوسرا کا مقدس نام محمد ﷺ ہے۔ یہ نام قدرت الٰہیہ کی طرف سے خود آیت عظیم ہے کہ اس کا مسمی ضرور امام الانبیاء اور سرتاج کائنات ومافیہا ہے۔ اس کی شرح آیت محمد رسول اللہ ﷺ کے تحت میں موجود ہے۔

ہاں! حضور ﷺ کے چند بزرگوں کے اسماء پر غور دلانا ضروری ہے۔ ان اسماء کو ''ارہاص نبوت'' قرار دینا صحیح ہوگا۔

حضور ﷺ کے والد بزرگوار کا نام عبداللہ ہے' والدہ مکرمہ ومعظمہ کا نام آمنہ ہے۔ حضور ﷺ کی دایہ (انّا) کا نام حلیمہ ہے۔

یعنی حضور ﷺ ہی ایسے مقدس ہیں، جن کا پیکر اطہر عبودیت کے خون سے بنا۔ جنھوں نے امن کے بطن میں مراتب وجود کو مکمل فرمایا، جن کی تربیت حلم، بردباری کے شیر سے ہوئی۔

کیا ایسے اسماء کا اجتماع محض اتفاق ہے؟ نہیں بلکہ قدرت اس مولود مسعود کی شان رفیع کی آئینہ داری فرما رہی ہے اور بتلا رہی ہے کہ جس بچے کے پیکر عنصری میں ایسے فضائل کی جامعیت نمودار ہو ضرور ہے کہ وہ بچہ حقیقتاً محمد ﷺ ہو۔

اب غور کرو کہ لغوی معنی کے تحت میں ایک پیش گوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب والشہادۃ کی جانب سے جملہ عوالم واہل عالم پر یہ راز آشکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسمّی کی مدح وثنا دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ توالی وتواتر کے ساتھ کی جائے گی۔

وہ کون ہے؟ جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب پر ساری ہے، وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی نوبت شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی سیرت پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ و ہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے۔

وہ کون ہے؟ جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم میں محسود ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے۔

وہ کون ہے؟ جس کی تعلیم کی وسعت بر و بحر پر چھائی ہوئی ہے۔

بے شک وہ ''محمد ﷺ'' ہے۔ اسم بھی محمد ﷺ اور مسمّیٰ بھی محمد ﷺ ہے اور حمد کو اس کی ذات ہمایوں سے نسبت خاص ہے۔

﴿1﴾ اس کے مقام شفاعت کا نام ''مقام محمود'' ہے اور اسی کی امت ''حمادون'' کے لقب سے روشناس ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب کا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ سے افتتاح ہوتا ہے۔

﴿2﴾ ہاں اسی کا نام ''احمد ﷺ'' ہے۔ یہ بھی اسی سرچشمہ ''حمد'' سے نکلا ہے۔ دونوں نام اپنے منبع وماخذ کے اعتبار سے اتحاد تام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار و برکات خاص سے مختص بھی ہیں۔

وہ ''محمد ﷺ'' ہے اور اسی لیے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر و مدح خواں ہے۔

وہ ''احمد ﷺ'' ہے اور اسی لیے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرات سے بڑھ کر اپنے مالک' اپنے خالق' اپنے رازق، اپنے ہادی' اپنے معطی کی حمد وثنا پھیلائی ہے۔

ہاں! وہ ''محمد ﷺ'' ہے اور کل دنیا اس کی مداح ہے۔

وہ ''احمد ﷺ'' ہے اور وہ کل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔

ترا محمد و احمد زمین خواند و زمان — حمید باشد و محمود ذات ربانی

فزوں تر از تو کسے را نہ مدح گفت زماں — نہ بر تراز کسے گفت حمد سبحانی

مُحمّد — **احمد**

ہاں وہ پیارا ہے، اسی نے دشمن و دوست سب سے پیار کیا ہے۔

وہ حبیب ہے اور اس نے محبت کا تاجِ اکمال سے مزین فرمایا ہے۔

﴿1﴾ وہ محبوب ہے مگر محبین سے بے نیاز ہے۔

﴿2﴾ وہ مطلوب ہے مگر طالبین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔

﴿3﴾ وہ متبوع ہے اور اس کی تبعیت دوسرے کو مطاع بنا دیتی ہے۔

﴿4﴾ وہ نبی ﷺ ہے اور اس کی نبوت نے ہزاران ہزار حجاب چشم بصیرت ہٹا دیے ہیں

﴿5﴾ وہ رسول ﷺ ہے اور اس کی رسالت نے نوع بشر کو اتمامِ نعمت اور اکمالِ دین اور رضوان رحمٰن کے انعامات سے ممتاز فرما دیا ہے۔

﴿6﴾ وہ عبد ﷺ ہے اور اسی عبودیت نے عبودیت کو اورنگ خلافت پر متمکن کر دیا ہے۔

﴿7﴾ وہ معلم ﷺ ہے اور اس کی تعلیم نے مسیح علیہ السلام کے اس قول اور امید کو پورا کر دیا ہے کہ وہ صداقت کی ساری تعلیم دے گا۔

اس نے اپنی درس گاہ قدس کے دروازے کھول رکھے ہیں۔ اس نے اپنی تعلیم پر کوئی فیس مقرر نہیں کی۔ وہ مرموزات و تمثیلات میں تعلیم نہیں دیتا ہے۔ اس نے اپنے اور ارشد تلامذہ کے درمیان اشارات خاص نہیں تجویز کیے ہیں۔ اس کے ادبستان پر ﴿يُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوا تَعْلَمُوْنَ﴾ [البقرۃ:151] کا کتبہ لگا ہوا ہے۔ اس کے پاس دروس کا آغاز انسان کے جانے پہچانے علوم و معارف کے انجام سے ہوتا ہے۔

﴿8﴾ وہ امین ﷺ ہے، اس کا یہی نام یوحنا رسول کے مکاشفات میں بتایا گیا ہے ﴿1﴾ اور اس کا یہی نام قریش کی زبان پر جاری ہوا۔ ﴿2﴾ اسی نام سے حضور ﷺ کا احتشام و وقار نمایاں ہے اور اسی نام سے حضور ﷺ کا وحی آسمانی کا امانت دار ہونا واضح ہے۔ اس معنی کی طرف حدیث مسلم عن ابی سعید رضی اللہ عنہ میں صراحت کی گئی ہے۔ ﴿3﴾ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کا شعر ہے۔

أَمِيْنٌ مُحِبٌّ لِلْعِبَادِ مُسَوَّمٌ — بِخَاتَمِ رَبٍّ قَاهِرٍ لِلْخَوَاتِمِ

﴿9﴾ وہ امی ﷺ ہے اور ام القریٰ کی عزت و وقعت اسی نسبت قدسیہ سے ہے۔

وہ اُمی ﷺ ہے اور ولید سعید کی طرح جملہ افعال و اقوال سے معصوم ہے۔

وہ اُمی ﷺ ہے اور اسکی تعلیم حروف کتابی یا نقوش مرئیہ کی احتیاج مند نہیں ہے۔

﴿1﴾ عہد نامہ جدید، یوحنا: 11/19 ﴿2﴾ ابن ہشام: 209/1 ﴿3﴾ مسلم: 442/2، الزکاۃ

(10) وہ برہان ہے' قرآن مجید میں ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ [النساء:174] ''اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل روشن آ چکی ہے۔'' فرمایا گیا ہے اور امام سفیان بن عیینہ نے اس کی تفسیر میں برہان آنحضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے۔ (1)

ہاں! وہ برہان ہے اور حجت اللہ ہے۔ وہ برہان ہے اور حضور ﷺ کی ذات ہمایوں بذات خود ایک روشن دلیل ہے۔

(11) وہ بشر ہے اور ﴿ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ ﴾ ''بے شک میں بشر ہوں۔'' [الکہف:110] کے تاج سے متوج ہے۔ آدم علیہ السلام کے لیے ابوالبشر ہونا اس لیے صد گونہ افتخار کا موجب ہے کہ حضور ﷺ بشر ہیں۔

ہاں وہ بشر ہے اور حضور ﷺ کے حسن ظاہر و جمال اطہر اہل لغت کو اس معنی لغوی کی تعلیم دیتا ہے۔

(12) وہ بشیر ہے اور ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا ﴾ ''بے شک ہم نے تجھے بھیجا ہے حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا۔'' کے خطاب سے مخاطب ہوا۔

وہ مبشر بھی ہے اور مسیح علیہ السلام کی نبوت کا مقصد حضور ﷺ ہی کی بشارت کا پہنچا دینا ہے۔ ﴿ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾ [الصف:6] ''اور میں (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) اپنے بعد ایسے رسول کی تمہیں خوشخبری دے رہا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔'' وہ بشارت رساں بھی ہے اور اہل ایمان وایقان کے لیے ہزار در ہزار بشارت کا اعلام فرمانے والا ہے۔

(13) وہ بینہ ہے۔ وہ خود آیات باہرہ اور علامات واضحہ اور دلائل حقہ کا مجموعہ ہے۔ اس کا وجود سراپا صداقت ہے اور اس کا پیکر سراپا حقانیت ہے۔ یہی بینہ اہل کتاب اور مشرکین کی ظلمات کو دور کرنے والا ہے۔ تاریکیوں کو اٹھا دینے والا۔ عالم تیرہ وتار میں اجالا پھیلانے والا ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب کی مثال حضور ﷺ ہی پر صادق آتی ہے۔

(14) وہ حبیب اللہ ﷺ ہے اور اس تقرب کا مالک ہے، جس کا ذکر حدیث صحیح میں بندہ عابد وساجد کے لیے ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

فَاِذَآ اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ يَسْمَعُ بِهٖ وَلِسَانَهُ الَّذِیْ يَنْطِقُ بِهٖ ۔ (2)

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔''

(15) وہ حلیم ہے، حلیم، حلم بالضم سے بھی ہے اور یہ لفظ وفور دانش اور کمال عقل پر دال ہے۔ حلیم حلم بالکسر سے بھی ہے۔ وہ مصائب کا برداشت کرنے والا، دشمنوں کے ہاتھوں سے پتھر کھانے والا، وہ جواہر لٹانے والا، گالیاں سننے والا اور دعائیں کرنے والا ہے۔

حضور ﷺ کا یہ اسم گرامی قبل از نبوت مشہور عالم تھا۔ سردار ابوطالب فرماتے ہیں

حَلِيْمٌ رَشِيْدٌ عَادِلٌ غَيْرُ طَائِشٍ
يُوَالِيْ اِلٰهًا لَيْسَ عَنْهُ بِغَافِلٍ

''وہ (محمد ﷺ) بردبار، نہایت زیرک، عدل کرنے والا نہ کہ زیادتی پسند ہے۔ اس کا دوست اس کا اللہ ہے جو کسی دم بھی اس سے غافل نہیں۔''

(16) وہ خازن ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت ہے: اَنَا الْخَازِنُ اَضَعُ حَيْثُ اُمِرْتُ (3) ہاں وہ خزینہ دار ربانی ہے' وہ گنجور رحمانی ہے'

(1) قرطبی: 27/7 (2) بخاری: 6502 (3) بخاری: 103/4، مسند امام احمد: 324/2

عطائے سبحانی کی تقسیم اسی گھر سے ہوتی ہے۔ گہر پاشی اسی ید مبارک کا خاصہ ہے۔

(17) وہ خلیل الرحمٰن ہے۔ اہل عرب کے نزدیک محبت کے دس مراتب ہیں۔ (1) علاقہ دل کا ذرا سا اٹکاؤ۔ (2) ۔ ارادہ وہ میلان جو علاقہ کے بعد نمودار ہو۔ (3) صبابت، صبا بصبا ء پانی کا نشیبی زمین پر بہہ نکلنا ہے اور اسی جگہ بے اختیاری شوق کا نام ہے۔ (4) غرامٌ غرام قرض یا تاوان کو کہتے ہیں اور یہاں اس محبت لازم کا نام ہے، جو قرض ہو کر چمٹ جاتی ہے اور کسی وقت بھی علیٰحدہ نہیں ہوتی۔ (5) وداد۔ خلوص محبت اور مغز محبت کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا نام بھی ودود بتلایا ہے۔ (6) شغف۔ شغافٌ پردہ دل اور شغف وہ محبت جو قعر دل تک جا پہنچے۔ (7) عشق، یہ عشقہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل ہوتی ہے، زرد رنگ کی جس درخت سے لپٹ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے اور عشق کی تاثیر بھی عاشق کے حق میں یہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ اسی حالت سے استفادہ فرمایا کرتے۔ (8) التیمٌ انکسار اور عجز تمام کو کہتے ہیں۔ یتیم کا نام بھی یتیم اسی لیے ہوا ہے کہ وہ انکسار اور عجز تام کا مورد ہوتا ہے۔ (9) التعبد، جب کہ محبت جملہ دعاوی تملیک نفس وعزت سے دستبردار ہو کر سارے دل وجان سے دوسرے کا غلام بن جائے۔ (10) خلت: جب کہ دل وسوسہ غیر سے اور عقل تعقل غیر سے اور نیت وعزم وتعبد وتشوق غیر سے کلیہ خالی ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ کی تکمیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمائی ہے۔

مشہور عوام یہ ہے کہ درجہ خلت ابراہیم کے لیے وہ خلیل الرحمٰن ہیں اور درجہ محبت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور وہ حبیب اللہ ہیں، لیکن دو حدیث صحیحہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیل الرحمٰن ہونا بھی ظاہر فرمایا گیا ہے: (1) اِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِیْ خَلِیْلًا كَمَا اتَّخَذَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلًا (2) لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ اَهْلِ الْاَرْضِ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِیْلًا وَّلٰكِنَّ صَاحِبَكُمْ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ ۔ [1]

’’ بلا ریب اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا دوست بنایا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا تھا اور اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو دوست بناتا، لیکن تمہارے دوست کا خود اللہ تعالیٰ دوست ہے۔‘‘

(18) وہ خطیب الانبیاء ہے، حدیث الشفاعت میں ہے: كُنْتُ اِمَامَ الْاَنْبِیَآءِ وَخَطِیْبَهُمْ ۔ [2]

(1) خطیب، خطب سے ہے۔ خطب کے معنی فصاحت زبان ہیں اور خطیب وہ ہے جو صاحب فصاحت وبلاغت ہو۔ قرآن مجید میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کی صفت فصاحت کا ذکر فرمایا ہے: ﴿ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا ﴾ ’’وہ مجھ سے زیادہ زبان آور ہے۔‘‘ اور حدیث بالا میں ہے کہ جملہ انبیاء کے مقدس ترین گروہ میں یہ شرف حضور علیہ السلام ہی کے لیے خاص ہے۔ صحیح مسلم حدیث میں ہے: اُوْتِیْتُ جَوَامِعُ الْكَلِمَ [3] سادہ صاف الفاظ شستہ ترکیبٗ مختصر عبارت میں ایسے معانی عالیہ کو بھر دینا جو عمیق بھی ہوں اور دقیق بھی، داخل کمال فصاحت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب الانبیاء ہونا اسی اعتبار سے ہے۔

(2) خطیب، خطابت سے ہے اور اس سے مراد امر ونواہی اور مواعظ وامثال کا بیان کرنے والا ہے۔

---

[1] بخاری:3904,466؛ مسلم:6172,6170؛ ترمذی:355,3660 [2] ترمذی:3613؛ ابن ماجہ:4314؛ مسند احمد:169,137/5؛ تفسیر ابن کثیر سورۃ الاسراء

[3] مسلم:1167؛ ترمذی:1553؛ کنز العمال:31932؛ ابن ماجہ:567؛ مجمع الزوائد:269/8؛ احمد:412/2

③ خطیب کے معنی وہ شے بھی ہے جس میں الوان بوقلموں شامل ہوں اور خطیب وہ ہے جو جملہ انواع کلام اور اسالیب خطاب کا ماہر وقادر ہو۔

⑲ وہ خافض ہے، یہ نام قرآن مجید کی آیت ذیل سے مستنبط ہے:

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الحجر:88] ''آپ اپنے بازوؤں کو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں۔''

طیور کو دیکھو، وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کیسی محبت، کیسے پیار، کیسی ہوشیاری اور کیسی نگہداشت سے اپنے شہپروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت و پیار اور نگہداشت و حفاظت کا سلوک اسی مثال سے بڑھ کر تھا۔

⑳ وہ خیرۃ اللہ ہے۔ خیرۃ کو علمائے لغت نے بکسر خاء اور بفتح خاء ہر دو صورت روایت کیا ہے۔ اس اسم کے معنی یہ ہیں کہ حضور خیر الناس ہیں، خیر البریہ افعال خیر میں افضل و اکثر ہیں۔

㉑ وہ داعی الی اللہ ہے، کسی شخص کی طرف سے کسی کا دعوت دینے کا حق اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ وہ اذن یافتہ بھی ہو۔ دنیا میں دیکھو، اگر کسی کا ملازم کسی کو دعوت طعام دے آئے، مہمان صاحب خانہ کے ہاں پہنچیں اور تب میزبان کو اور مہمان کو پتا لگے کہ نہ کسی نے بلایا اور نہ کوئی بلایا گیا۔ تب طرفین کو کس قدر ندامت اور رنج کا احساس ہوگا اور وہ دعوت دینے والا کس قدر ذلیل و حقیر اور جانبین کی طرف سے ہدف ملامت سمجھا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا اسم مبارک داعیاً الی اللہ تجویز کیا ہے۔ تو کلام پاک میں اس کے ساتھ ساتھ بِإِذْنِهٖ بھی شامل فرما دیا اور اہل عالم پر ظاہر کر دیا کہ محمد ﷺ کو اختیار کلی دیا گیا ہے کہ سب کو اللہ کے گھر کا مہمان بنائیں اور تقرب و رضوان کی دعوت دیں۔ یہ اسم حضور ﷺ کے اسمائے خاصہ میں سے ہے۔

㉒ وہ رحمت ہے اور آیت قرآنیہ میں حضور ﷺ کو رحمۃ للعالمین فرمایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کو ﴿ رب العالمین ﴾ [الاعراف:54] فرمایا اور قرآن حکیم کو ﴿ ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ [یوسف:104] خانہ کعبہ کو ﴿ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ [آل عمران:96] کشتی نوح اور مریم و مسیح کو ﴿ اٰيَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ بتایا، مگر ﴿ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾ صرف حضور ﷺ ہی کو فرمایا ہے رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے ارشاد کو پیش نظر رکھو اور دیکھو کہ رحمۃ للعالمین کے خطاب میں کتنی وسعت، کتنی برکت اور کتنا فیض موجود ہے۔ حضور ﷺ کی رحمت کا فیضان اہل ایقان کو بھی پہنچا، جو دنیا میں حکمران بنے اور آخرت میں مغفرت و رضوان کے مستحق ٹھہرے۔ منکرین اور اہل خسران کو بھی پہنچا جو بہ برکت دعائے مصطفوی ﷺ عذاب دنیوی و غرق و خرق اور ہلاکت و تباہی سے مامون کیے گئے۔

عورتوں، بچوں، یتیموں، رانڈوں، مسافروں، اسیروں، غلاموں، لونڈیوں، رعایا و برایا طبقہ امراء و گروہ حکم فرما کو بھی پہنچا۔ جن کی راحت و آسائش اور حقوق و مفاد کے متعلق حضور ﷺ نے مستحکم آئین شرح متین ضابطہ مبین، دستور اساسی اور اصول مدنی و سیاسی وضع فرمائے اور ان سب پر اپنی حیات طیبہ میں خود بھی عمل فرما رہے اور تمام امت کو بھی پابند عمل فرمایا۔

حضور ﷺ کی رحمت کا فیض طیور و وحوش اور مراکب و مواشی کو بھی پہنچا، جن کے ذبح و شکار کے قواعد اور تغذیہ و تربیت کے متعلق احکام نافذ فرمائے گئے۔

حضور ﷺ کا فیض شوارع اور طوارق اور مشارب وموارد کو بھی پہنچا' جن کو پُرامن اور مصفا و پاکیزہ رکھنے، نیز انجاس وارجاس وقاذورات سے پاک رکھنے کے قواعد مرتب فرمائے گئے۔ الغرض اس رحمت سے نہ کوئی کشتنی وگردن زدنی عدو محروم رہا اور نہ کوئی ذبح شدنی ان سے مہجور کیا گیا۔

لہٰذا حضور ﷺ کا سراپا رحمت ہونا اور بہ ہمہ وجوہ رحمۃ للعالمین ﷺ ہونا مسلم وثابت ہے۔

(23) وہ روح الحق ہے' اس خطاب کا استعمال سب سے پہلے مسیح علیہ السلام نے اپنی اس آخری تقریر میں فرمایا جو انھوں نے دنیا چھوڑنے سے پیشتر اپنے خلفاء کے سامنے فرمائی تھی۔ (دیکھو 16 باب از 11 تا 16 درس)

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اناجیل اربعہ میں عام طور پر اسم روح القدس کا استعمال ہوا ہے اور اس سے وہ ملکوتی قوت وشخصیت مراد ہے' جسے اہل اسلام جبرائیل علیہ السلام کہتے ہیں اور جسے مسیحی صاحبان اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم ارکان تثلیث میں سے ایک رکن بتاتے ہیں اور بایں ہمہ اس کی ہستی کے متعلق وہ ذرا بھی عرفان نہیں رکھتے۔

ہاں صرف یہی ایک مقام ہے جس میں اسم روح الحق کا استعمال ہوا۔ اس کے کام اور اس کی شان اور اس کی علامات کا اعلام کیا گیا ہے۔ وہ روح الحق ہے اور ساری صداقت کی تعلیم دینا اس کا خاصہ ہے۔ وہ روح الحق ہے اور طالبان خاک نشین کو پستی سے اٹھا کر زندگی کے بلندترین کنگرہ پر پہنچا دینا اس کا کام ہے۔ وہ روح الحق ہے اور زندگی بخش کلام اس کے منہ میں ہے۔ وہ روح الحق ہے اور قلوب مردہ کو حیات روحانی کا عطا کرنا اس کے فرائض میں سے ہے۔ اس کی تعلیم ظاہر کو پاک اور باطن کو طاہر' دماغ کو روشن اور قلب کو منور کرنے والی ہے۔

(24) وہ سید ہے اور سیادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے ۔

اے کے برتخت سیادت زازل جاداری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

وہ سید کہلانے سے بے نیاز ہے' وہ سید ہے اور اپنے سید (اللہ تعالیٰ) کا عبد کہلانے پر زیادہ خوش ہوتا ہے۔ وہ سید ہے اور اسباط رسولؐ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (1) کے خطابات صحیحہ سے معزز ہیں۔

وہ سید ہے اور اس کے وزراء بھی اسی اعزاز سے مشرف ہیں:

عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِيْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ هٰذَانِ سَيِّدَا كُهُوْلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ اِلَّا النَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ ۔ (2)

''انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر وعمر یہ دونوں اہل جنت کے گزرے ہوئے اور آنے والے تمام بزرگوں کے سردار ہیں، سوائے انبیاء ومرسلین کے۔''

وہ سید ہے اور اس کے حلقہ نشین بھی اسی علم گرامی سے روشناس ہیں۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی سواری دیکھ کر حضور ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ ۔ (3)

---

(1) ترمذی: 3768، 3781؛ ابن حبان: 6959، 6960؛ مسند احمد: 3/3، 62
(2) ترمذی: 3764؛ ابن ماجہ: 100
(3) بخاری: 3043، 3804؛ مسلم: 1768؛ ابوداؤد: 5215؛ ابن حبان: 7026، 7028؛ احمد: 22/3

وہ سید ولد آدم ہے۔ وَلد جمع ہے ولد کی۔ اس خطاب سے حضور ﷺ کا سید اولاد آدم ہونا آشکار ہے۔ ظاہر ہے کہ ولد آدم کے دائرہ میں ہر ایک بشر، ہر ایک انسان، ہر ایک آدم زاد داخل ہے۔ جملہ اولین و آخرین اسی جملہ میں شامل ہیں۔ کیا کوئی وجہ التباس موجود ہے کہ خود آدم علیہ السلام بھی اسی میں داخل ہیں یا نہیں۔ شک کی ضرورت نہیں۔ دوسری صحیح حدیث میں اٰدَمُ وَمَنْ دُوْنَهٗ تَحْتَ لِوَائِیْ [1] موجود ہے اور ہر دو احادیث بصر افروز و بصیرت افزا ہیں۔

(25) وہ شارع ہے۔ شریعت بیان کرنا آسان بات نہیں موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت ہیں اور ان کے بعد بنی اسرائیل میں دو ہزار (2000) سال تک کوئی بھی صاحب شریعت نہ نکلا۔

''بزرگو! مسیح علیہ السلام نے بھی فرمایا: یہ مت سمجھ کہ میں تورات منسوخ کرنے کو آیا ہوں بلکہ اسے مضبوط کرنے آیا ہوں۔'' [2]

ہنود میں منوجی مہاراج ہوئے ہیں جنھوں نے سمرتی پیش کی ہے۔ میں دنیا کی تمام قانون ساز کونسلوں اور ضوابط و قواعد مرتب کرنے والی حکومتوں سے درخواست کروں گا کہ وہ ان ہر سہ شریعتوں کو دیکھیں اور رپورٹ کریں کہ ان میں سے کون سی شریعت زیادہ مکمل، زیادہ مفصل جزئیات پر حاوی، کلیات پر مشتمل، ضروریات انسانی پر محتوی اور تمدن کی حامی ہے۔ ع

بس ایک بات پر ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

جب شرائع موجودہ عالم کی جانچ پڑتال ان اصولوں پر کی جائے گی تو شریعت محمدیہ ﷺ کی فوقیت اور حضور ﷺ فِدَاهُ اَبِیْ وَ اُمِّیْ کا تفوق خود بخود آشکار اور واضح ہو جائے گا۔

(26) وہ شافع ہے، شفاعت کے معنی لوگوں نے کیا سمجھے؟ کسی نے کہا کہ شفیع وہ ہے جو اپنے اختیار و اقتدار سے غفران ذنوب فرماتا ہے۔ اس عقیدہ کے موجد عیسائی ہیں۔ یہ لوگ شفیع بہ معنی غفور استعمال کرتے ہیں۔ لیکن خود لفظ شفیع اس معنی کا متحمل نہیں۔ کسی نے شفاعت کو بے جا بادُ بتایا اور اس کے وجود کا انکار ہی کیا۔ اسلامی شفاعت دو اصول پر مبنی ہے (1) مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ''جسے اللہ اذن دے۔'' (2) وَقَالَ صَوَابًا ''جو ٹھیک ٹھیک بات بیان کرے۔'' ہر دو اصول بالا شفاعت اسلامی کو ہر دو فریق کے افراط و تفریط سے الگ کر دینے والے شفاعت کو معقول اور قابل تسلیم بنا دینے والے ہیں۔ ہاں! حضور ہی صاحب مقام محمود ہیں اور حضور ﷺ ہی شفاعت کبریٰ کی خصوصیت سے ممتاز ہیں۔

(27) وہ شاہد ہے اور اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جس کی شہادت واقعات صحیحہ کو کتمان سے بروز میں لے آئے، جس کی شہادت بے خبروں کو باخبر اور بے علموں کو باعلم اور غائبین کو مثل حاضر بنا دے۔ نبی ﷺ شاہد ہیں اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت جملہ عالم کے سامنے حضور ہی نے ادا فرمائی ہے اور اپنی شہادت سے رب العالمین کے لیے استحقاق الوہیت و معبودیت ثابت کیا ہے۔ عبادات و استعانت بغیر اللہ کے مسئلہ میں سینکڑوں مذاہب سرگرداں و حیران و پریشان تھے۔ حضور ﷺ ہی کی شہادت نے ان حقائق خفیہ کو آشکار کیا۔ حضور ﷺ ہی نے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت ادا کی۔ رسالت و نبوت کے خصائص وحی ربانی کی حقیقت و اعمال کا روح سے تعلق، جزا و سزا کا اعمال پر ترتب، شریعت کی ضرورت اور شرائع الٰہیہ و نوامیس حکمیہ کا استحکام۔ یہ سب حضور ﷺ ہی

---

(1) ترمذی: 3148,3615

(2) انجیل متی: 17/5

کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبرا۔ شاہد کیسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے کہ داوری گاہ علم میں شہادت کے لیے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار در ہزار بندگان الٰہی کو اس شہادت پر قائم بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کے سامنے ان کو بھی شاہد بنا گیا اور **تَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ** کی سند عطا فرما گیا۔

28 وہ صاحب ہے، صاحب کے معنی ساتھ رہنے والا ہے۔ مسیح علیہ السلام نے حضور ﷺ کا نشان ان ہی الفاظ میں دیا ہے کہ وہ تمھارے ساتھ رہے گا۔ اس سے حضور ﷺ کی نبوت کا ابدی ہونا ثابت ہو گیا۔ یہ ثابت ہے وہ نوع انسان کے ساتھ ساتھ اس وقت تک رہے گی، جب تک کہ خود یہ نوع باقی رہے۔ منکرین مکہ بھی حضور ﷺ کو صاحب قریش کے نام سے یاد کیا کرتے تھے۔ انھوں نے یہ لفظ خواہ کیسی ہی نیت سے وضع کیا تھا لیکن قدرت الٰہیہ نے اسے پاک ترین معنی میں استعمال کیا۔ اور ﴿ **وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ** ﴾ [التکویر: 22] فرمادیا۔ انبیاء علیہم السلام میں ایسے بزرگوار بھی ہوئے ہیں جنھوں نے امت عاصی کے مفسدات اور قابل نفرت افعال کو دیکھ کر نفرت کا اظہار کیا اور ان کو چھوڑ کر خود ان سے علیحدہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کے استقامت وصبر کی طبع وثنا فرماتا ہوا ظاہر کرتا ہے کہ اس نبی کے خصائص میں سے یہ بھی ہے کہ یہ نافرمانوں کی اصلاح سے مایوس نہیں ہوتا' ان کو اپنے دربار سے دور نہیں کرتا۔ خود ان سے علیحدگی کو پسند نہیں فرماتا۔ وہ صابر ہے اور اس کا صبر صرف اللہ ہی کی نصرت ومعیت پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج تم اسے اپنا صاحب کہتے ہو کل کو تمھیں خود اس کا صحابی بننا موجب شرف وعزت بن جائے گا۔

29 وہ صادع ہے صدع بیان واشگاف کو کہتے ہیں۔ امر الٰہی کو صاف صاف بیان کرنا دنیا کی مخالفت ومخاصمت کی پروا نہ کرنا' دباؤ اور دھمکی کو وقعت نہ دینا۔ اعداء کی تدابیر فاسدہ اور مکائد کاسدہ سے مرعوب نہ ہونا حضور ﷺ کا خاصہ ہے۔

وہ صادع ہے۔ اس نے عرب جیسے خونخوار، وحشی، خونریز بت پرستوں کو صاف صاف سنا دیا ﴿ **اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ** ﴾ [الانبیاء: 98] ''تم بھی اور تمھارے معبود بھی جہنم کا ایندھن بنائے جاؤ گے۔'' وہ صادع ہے جس نے یہودی قوم کو تجارت کے مالک واحد ہونے کی وجہ سے تمام عرب پر چھائے ہوئے تھے اور جن کے سود اور قرضے کی زنجیریں ہر ایک امیر وغریب کی گردن میں پڑی ہوئی تھیں۔ نیز مسیحیوں کو جن کی حکومتیں شام، مصر ویمن اور ایشیائے کوچک ویورپ میں پھیلی ہوئی تھیں۔ صاف صاف لفظوں میں یہ سنا دیا تھا ﴿ **قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ** ﴾ [المائدہ: 86] ''اے یہودیو! اے عیسائیو! تم تو سچائی کے کسی درجہ پر نہیں ہو جب تک کہ تم (1) تورات اور (2) انجیل اور (3) اللہ کے اس کلام پر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، قائم نہ ہو جاؤ۔''

ہاں صادع وہ ہے جو اپنے کلمہ پڑھنے والوں کو بھی فرما دیتا ہے۔ ﴿ **قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا** ﴾ '' اے نبی! کہہ دیجیے کہ میں تمھارے نقصان یا بہبودی کا مالک نہیں۔'' ﴿ **قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا** ﴾ [الجن: 21] ''کہہ دیجیے کہ مجھے اللہ سے اور کوئی بھی پناہ نہ دے سکے گا اور میں تو اس کے سوا اور کسی کو اپنا سہارا بھی نہیں پاتا۔''

ہاں صادع وہ ہے جو اپنے عزیز واقارب کی نسبت بھی یہ پیغام سناتا ہے: ﴿ **وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ** ﴾ [الشعراء: 214] اپنے خاندان کے قریب ترین اشخاص کو بھی ڈرا دے۔

30 وہ صادق ہے۔ منازل روحانی میں صدق کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے۔ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی معیار احوال صدق ہی

وہ دروازہ ہے جو دربار ذوالجلال تک پہنچاتا ہے۔ صدق ہی بنیادِ دین ہے اور صدق ہی کی چوب پر یقین کا خیمہ کھڑا کیا جاتا ہے۔ صدق ہی ہے جس کا سوال خلیل رب العالمین نے فرمایا تھا:

﴿ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴾ [الشعراء:214] ''میرا ذکر خیر آنے والے لوگوں میں بھی قائم رکھو۔''

صدق ہی ہے جس کی مجلس دربارشاہی کے قریب منعقد ہوئی۔ ﴿ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴾ [القمر:55] ''پاکیزہ اور راستی والی بیٹھک میں اپنے عزت والے بادشاہ کے پاس'' نبی ﷺ ہی صادق ہیں اور حضور ﷺ کا یہ نام یوحنا کو مکاشفات میں بتایا گیا ہے۔ حضور ﷺ ہی صادق ہیں، اپنی قوم میں اور اپنے وطن میں اطراف واکناف میں حضور ﷺ اسی نام سے قبل از نبوت روشناس ہوئے۔ ﴿ اَلَّذِيْ جَاءَ بِالصِّدْقِ ﴾ [الزمر:330] ''وہ جو صدق کو لے کر آیا'' حضور ﷺ ہی ہیں جس کے متبعین صدیقیت ومحدثیت کے مراتب پر فائز ہوئے۔

31 وہ مصدوق ہے، اس کے صدق پر زمین وآسمان گواہ ہیں۔ اس کے صدق کی شہادت میں بروبحر تر زبان ہیں۔ عیسائیوں کے رہبان اور احبار یہودیوں کے ائمہ اور ربیون اس کی صداقت کے کلمہ خواں ہیں۔ لات منات وعزیٰ کے پجاری اپنے اپنے کذب وبطلان اور حضور ﷺ کے صدق وحقانیت کے معترف ہیں۔ زبور اور امثال ذی الکفل اور دانیال، یسعیاہ، حبقوق وحزقائیل، حجی وملاکی، زکریا ویحییٰ علیہم السلام کے صحیفے اس کے صدق وحقانیت کے بیان سے مملو ہیں۔ عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ جو عیسائیوں کے مشہور بشپ تھے اپنے قصیدہ نعتیہ میں فرماتے ہیں۔

فَاٰمَنْتُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ اَنَا عَبْدُهٗ ... وَخَالَفْتُ مَنْ اَمْسٰى يُرِيْدُ الْمَهَالِكَا
وَوَجَّهْتُ وَجْهِيَ نَحْوَ مَكَّةَ قَاصِدًا ... وَبَايَعْتُ بَيْنَ الْاَخْشَبَيْنِ الْمُبَارِكَا
نَبِيٌّ اَتَانَا بَعْدَ عِيْسٰى بِنَاطِقٍ ... مِنَ الْحَقِّ فِيْهِ الْفَضْلُ كَذَالِكَا

① میں ایمان لایا اس اللہ تعالیٰ پر جس کا میں بندہ ہوں۔ گزشتہ کل ہی اس کی مخالفت کر کے ہلاکت وبربادی کا موجب ٹھہرا۔

② مکہ کا ارادہ کر کے میں نے اپنے چہرہ کو اس کی طرف متوجہ کیا اور میں نے اس کی بیعت دو کھردرے کناروں کے درمیان کی۔

③ وہ ایسا نبی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آیا ہے، اپنے رب کی مرضی سے بولتا ہے اور یہی اس کی فضیلت وتوقیر ہے۔

32 وہ طٰہٰ ہے۔ وہ زهرة الحيوة الدنيا سے دور ہے۔ وہ نعمت ہائے باقیہ سے پرورش یافتہ ہے۔ وہ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا کی سند ہاتھ میں لے کر آیا۔ اس کی راحت، اس کی آسائش اس کی خوشنودی، اس کی رضا کا رب العالمین خود نگران ہے۔

33 وہ طیب ہے۔ اس کی اصل، اس کی نسل اس کی ازواج، اس کی ذریت، اس کا پیکر اس عنصر ارجاس وانجاس وعیوب ونقائص قبائح اور رذائل سے پاک ہے۔ وہ زکی ہے، وہ طاہر ہے طیبون اس کے ثنا گستر ہیں اور قدوسی اس پر درود خواں، سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

صَلَّى الْاِلٰهُ وَ مَنْ يَحُفُّ بِعَرْشِهٖ
وَالطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ اَحْمَدِ

اللہ رب العزت اور اس کے عرش کو گھیرنے والے فرشتے اور نیک لوگ احمد مجتبیٰ ﷺ کی بابرکت ہستی پر درود بھیجتے ہیں۔

34 وہ طاہر ہے، وہ حسب ونسب میں عالی ہے، آبائے اولین جو اسی کے نور کے حامل تھے۔ سفاح سے پاک رہے اور عمود نسب سے جملہ

بزرگان محترمین میں اغیار کی غلامی سے آزاد۔

وہ طاہر بھی ہے اور مطہر بھی۔ اس نے طہارت کی تعلیم دی اور اسی نے طہارت ظاہری و باطنی سے اپنے متبعین کو پاک ٹھہرایا۔ اس کی تعلیم نے ﴿ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ [التوبہ:108] کی جماعت کو قائم فرمایا اور اسی کے احکام وافعال کی غایت ﴿ تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ ﴾ [التوبہ:103] کو ٹھہرایا ہے۔

(35) وہ عبداللہ ہے۔ عبودیت ہی کمال انسانیت ہے اور عبودیت کی تکمیل منازل نبوت ہی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی نبی اللہ کا ذکر پیار اور محبت اور قبولیت کے لہجہ میں فرماتا ہے تو اس جگہ لفظ عبد کا اضافہ فرماتا ہے۔

﴿ واذکر عبدنا داو'د ذالاید ﴾ [ص:17] ''ہمارے بندے داؤد (علیہ السلام) کو یاد کرو جو بڑی قوت والے تھے۔''

﴿ وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَيُّوْبَ ﴾ [ص:41] ''اور ہمارے بندے ایوب علیہ السلام کو یاد کرو۔''

﴿ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴾ [مریم:2]

''یہ تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر ہے جو اس نے اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر کی تھی۔

نبی ﷺ کی عبودیت وہ شجرہ طیبہ ہے جس کے پھل نہایت شیریں ہیں۔

① ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ ﴾ [الفرقان:1] نزول قرآن کا سبب عبودیت کاملہ ہے۔

② ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ [الزمر:36] کفایت الٰہیہ کا سبب عبودیت ہے۔

③ ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴾ [بنی اسرائیل:1] معراج عبودیت کا ثمرہ ہے۔

④ ﴿ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴾ [النجم:10] خطابات عالیہ کا شرف عبودیت پر عطا ہوا۔

یہ سچ ہے کہ مسیح علیہ السلام نے بھی صدیقہ مریم علیہا السلام کی گود میں اِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ کہا تھا۔

اور حضور ﷺ کو بھی آیت ﴿ وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُاللّٰهِ ﴾ [الجن:19] میں عبداللہ فرمایا گیا ہے لیکن ہر دو مقامات پر تفاوت درجات کا نور اپنی اپنی ضیا میں روشن ہے۔ اِنِّيْ عَبْدُاللّٰهِ حضرت مسیح کا اپنا قول ہے۔ ہنوز فعل اس کی معیت میں نہیں۔ نبی ﷺ کو خود رب العالمین نے عبداللہ فرمایا اور حضور ﷺ کی قیام بر عبادت اور قیام بر دعوت کا تذکرہ بھی ساتھ ہی ساتھ موجود ہے۔

ہاں وہ عبداللہ ہے اور اس کی عبودیت کا شاہد خود معبود و مسجود ہے۔

وہ عبداللہ ہے اور دعوت عبودیت میں وہ سب سے زیادہ کامیاب ہے۔ وہ عبداللہ ہے اور اس نے کلمہ توحید میں اپنے مبارک ومحمود اسم کے ساتھ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کو جزو لاینفک بنادیا ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص کلمہ شہادت پڑھنا چاہے اور وہ اسم اللہ کے ساتھ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اور اسم محمد کے ساتھ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ نہ پڑھے۔

اے مالک میں بھی اس مقام پر کلمہ شہادت کو دہراتا ہوں اور تیرے خزائن رحمت میں بطور امانت سپرد کرتا ہوں:

اَشْهَدُ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) نَبِيًّا وَ بِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا۔ [1]

---

[1] سلسلہ ضعیفہ: 970

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وحدہ لاشریک ہے اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ کو اپنا رب، اسلام کو دین اور محمد کو آخری نبی اور قرآن کریم کو اپنا امام ماننے پر راضی ہوا۔''

(36) وہ عفو ہے۔ عفو اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے اور نبی ﷺ کی صفات عالیہ میں سے بھی جملہ صفات نبوی ﷺ اللہ تعالیٰ ہی کی صفات الٰہی کے ظلال ہیں اور حضور ﷺ کے جملہ محاسن عطیات ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔

1. کوہ تنعیم کے اسی (80) اعدائے دین کو جنھوں نے حضور ﷺ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروف نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا' معاف کر دینے والا وہی ہے۔ [1]
2. زینب بنت الحارث بن اسلام خیبری کو جو مسموم گوشت کا ہدیہ لے کر آئی اقبال جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ [2]
3. سرداران قریش نے 13 سال تک اشاعت اسلام کو روکا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشق ستم اور ہدف تیر و نیزہ بنایا۔ مغلوب کر لیے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ [3]
4. ابن سلول رئیس المنافقین اور اس کی جماعت اہل یثرب کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی بچگانہ حرکات سے درگزر کرنے والا وہی ہے۔
5. جنگ حنین کے چھ ہزار (6000) قیدیوں کو ایک زبانی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔ حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

عَفُوٌّ عَنِ الزَّلَّاتِ يَقْبَلُ عُذْرَهُمْ
فَإِنْ أَحْسَنُوْا فَاللّٰهُ بِالْخَيْرِ أَجْوَدُ

''وہ نبی عفو (معاف کرنے والا) دشمنوں کے عذر کو قبول کر کے ان کو معافی دینے والا ہے۔ اگر وہ نیکی کریں تو اللہ تعالیٰ بھلائی میں بہت سخی ہے۔''

دنیا کی تاریخ ایسے عفو و درگزر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(37) وہ فاتح ہے اگر فتح کے معنی کشور کشائی و ملک گیری ہیں تو یقیناً حضور ﷺ کی سیرت پاک میں اس کے نمونے بہت کم ملیں گے۔ حضور ﷺ کے مشہور غزوات جن میں لڑائی بھی ہوئی۔ بدر و احد، احزاب و خیبر اور حنین ہیں۔ ان پانچ میں سے فاتحانہ قبضہ صرف خیبر پر کیا گیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ وہاں کی ارضیات پر انہی دشمنوں کا قبضہ قائم رکھا گیا اور ان سے صرف حق مالکانہ کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔ باقی چار مقامات کی بابت سنو کہ احد اور احزاب کی جنگ خود مسلمانوں کی اپنی زمین پر ہوئی اور بدر و حنین میں فتح کے بعد بھی کوئی علاقہ شامل خالصہ نہ ہوا تھا۔

یہ وجوہات بالا ضروری ہے کہ اسم فاتح کے معنی پر غور کیا جائے۔ قرآن مجید میں سورہ اِنَّا فَتَحْنَا موجود ہے اور اسی میں حضور ﷺ کی فتح مبین اور نصرت عزیز کا اعلان فرمایا گیا ہے۔ وہ فتح صرف اسی ایک استحقاق حاصل کرنے کا نام ہے کہ آئندہ تبلیغ اسلام میں قریش مداخلت نہ کریں گے۔

---

[1] مسلم: 4679، ابوداؤد: 2688، ترمذی: 3264، احمد: 290,124/3 [2] بخاری: 5777,2617
[3] سنن الکبریٰ بیہقی: 118/9، سیرت ابن ہشام: 412/4، تاریخ طبری: 61/3

ہاں حضور ﷺ فاتح ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی تعلیم سے ناواقفوں کے سینے کھول دیے۔ اسرار روحانی واضح کر دیے بصراط مستقیم پر چلنے والوں کے سامنے جو موانع موجود تھے ان کو دور فرما دیا، حریت عطا فرمائی اور آزادی دین کے حقوق سے سب کو بہرہ مند فرمایا۔ عمان کا حکمران اکیدر کا بادشاہ، حبشہ کا تاج ور، یمن کا فرمان روا، شام کا حاکم مختار اپنے اپنے مقامات پر مقیم اور اپنے اپنے ممالک پر متصرف اور اورنگ نشین ہیں۔ لیکن ان کے دل و دماغ کو اس حبیب اللہ ﷺ نے فتح کر لیا ہے اور اب ان کو فدوی باخلاص کہلانے میں وہ مزہ ملتا ہے جو شاہ گردوں، قباب کہلانے میں نصیب نہ تھا۔

وہ دلوں کا فاتح ہے، وہ قلوب پر قبضہ کرنے والا ہے' وہ روح وروان ہے اور تاب وتوان کی جان ہے۔

38 وہ قاسم ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث میں ہے: اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ مُعْطِيْ [1] ''دینے والا اللہ ہے اور تقسیم کرنے والا میں ہوں۔'' حضور ﷺ نے کن کن فیوض و برکات کو عام کیا اور کن کن تجلیات وتدلیات کو بصیرت افروز بنایا' کن کن آلاء ونعم سے دنیا کو متمتع کیا اور کن کن عطایا سے اہل دین کو ممتاز بنایا۔ یہ ایک وسیع بیان ہے۔

اس عرب کو جو گوسنہ علوم اور تشنہ حقائق تھا۔ حضور ﷺ ہی کی تقسیم نے سیر اور سیراب بنایا' جن نعمتوں کے گنجینہ دار اہل زرتشت تھے اور جن آلاء کے خازن اسرائیل تھے اور جس پر شاد کے بھنڈاری گنگا' جمنا پر قبضہ کرنے والے تھے، ان جملہ خزائن و دفائن کو حضور ﷺ نے نکالا اور عرب پر تقسیم کر دیا۔ وہ عرب جو اب تک ریگ بیابان اور سنگلاخ وادی کے سوا اور کسی شے کے مالک نہ تھے انہی لوگوں نے اپنی عطیات کا حصہ دار ہر ایک انسان کو بنایا۔ انہی نے ہر ایک صادر و وارد کو اپنے دستر خوان پر بٹھلایا' انہی نے مساکین و ابنائے سبیل کے لیے مشرق و مغرب تک لنگر جاری کیے۔ پیاؤ بٹھلائے' برابر کا بٹھلایا، برابر کا پلایا' غیروں کو اپنا کیا اور دشمنوں کو چھاتی سے لگایا اور اسی طرح پر آج تمام دنیا زلہ خوار کرم مصطفیٰ ﷺ ہے اور جملہ اہل عالم نمک خوار احمد مجتبیٰ ﷺ ہے ورنہ یہ حقائق، یہ معارف دنیا کو کہاں نصیب تھے؟

39 وہ مصطفیٰ ہے۔ نبی ﷺ کے خاص اسمائے مبارکہ میں سے ہے۔ حتیٰ کہ اسم مصطفیٰ اب حضور ﷺ کے لیے بطور علم مستعمل ہے اور دوسرے کے لیے نہیں آیات قرآنیہ سے واضح ہے کہ آدم اور نوح اور ابراہیم و موسیٰ علیہم السلام خصوصیت سے وہ بزرگوار ہیں، جن کے لیے فعل اصطفیٰ کا اطلاق ہوا ہے اور اصطفیٰ کا سبب یا ذریعہ کلام الٰہی اور وحی ربانی کا نزول تھا۔ یہ وجوہ امتیاز بدرجہ اتم و اکمل وجود نبی ﷺ میں موجود ہیں۔ کتاب استثناء کے باب 18 میں نبی ﷺ کی خاص وجہ شناخت یہی فرمائی گئی ہے کہ اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہوگا۔ وحی کا نزول اور اس کا تسلسل تنزیل اور تکمیل کی کیفیت جو کچھ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے وہ اور کسی دوسری کتاب میں نہیں۔ لہٰذا محمد ﷺ ہی وہ برگزیدہ و چیدہ ہستی ٹھہرے جن کا نام مصطفیٰ ہوا اور جن کا اصطفیٰ ہر ایک مقدس کے اصطفیٰ سے برتر واعلیٰ ہے۔

قرآن مجید میں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾

''اللہ تعالیٰ نے آدم ونوح وآل ابراہیم اور آل عمران کو دنیا جہان پر فضیلت بخشی۔'' [آل عمران:33]

فرمایا گیا ہے۔ آل ابراہیم میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام خود اور حضور ﷺ کی آل ہر دو شامل ہیں اور اس اسلوب کلام کے اختیار کرنے کی وجہ ہی یہی کہ آل ابراہیم کا اصطفیٰ حضور ﷺ ہی کی شمولیت پر مبنی ہے۔

---

[1] بخاری: 3116,71؛ طبرانی: 329/19

40 وہ مطاع ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت کرنے والوں کی شناخت کے لیے یہ معیار مقرر کر دیتا ہے کہ انبیاء الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے اور اطاعت انبیاء سے گریز کرنے والے ہی اطاعت ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیے جائیں گے۔ اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے بطور قانون حکم ظاہر فرما دیا ہے: ﴿ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ [النساء:46] ''نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کی اطاعت کی گئی۔''

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی ﷺ کی نسبت خصوصیت سے فرما دیا۔ ﴿ وَ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ [النساء:80] اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی۔ بعد ازاں فرمایا:

﴿ اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾ [النور:54] ''اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب بن جاؤ گے۔''

قرآن مجید میں ﴿ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴾ [التکویر:21] حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے اور سورہ تحریم میں ﴿ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ﴾ [التحریم:14] نازل کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ مطاع آسمانی اور امین وحی ربانی بھی حضور ﷺ کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مومنین۔ ہر دو آیات نے نبی ﷺ کا سب سے بڑھ کر مطاع ہونا واضح فرما دیا ہے۔

لہٰذا اب کوئی نبی یا مرسل، کوئی ملک یا حامل وحی' کوئی پیر و مرشد، کوئی امام' کوئی شہید، یعنی مخلوق الٰہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیدنا و مولانا محمد ﷺ کے سامنے مطاع کہلانے کی جرأت کر سکتا ہو یا جس کی اطاعت محمد ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر باعث ہدایت و قرب ربانی بن سکتی ہو۔ حدیث پاک وَ لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا لَّمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ [1] 'اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے لیے بھی میری اطاعت کے بنا کوئی چارہ نہ تھا۔'' اسی راز کی کاشف ہے۔ ہاں ہر ایک کلمہ خواں اسلام کا دین و ایمان یہی ہے کہ قرب الٰہی اور رضوان سبحانی اور مغفرت ونجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اطاعت محمدی ﷺ ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا مدعی بن کر حضور ﷺ کی اطاعت سے اظہار استغفار کرے تو وہ مغفرت ونجات سے دور ہے اور قرب و رضوان کے منازل عالیہ سے مہجور۔

نبی ﷺ ہی مطاع ہیں اور حضور ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ ائمہ دین اور اصحاب کرام کے مدارج و مناسب اس لیے دیگر مخلوق سے برتر و عالی ہیں کہ یہ بزرگوار حضور ﷺ کی اطاعت میں مستحکم اور کامل ترین ہیں۔

محمدؐ عربی کا بروئے ہر دوسرا ست
کسے کہ خاک درش نیست خاک برسر اوست
پندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز درپے مصطفےٰ

41 وہ ماحی ہے۔ صحیحین کی متفق علیہ حدیث پاک عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ میں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:
اِنَّ لِيْ خَمْسَةَ اَسْمَآءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ وَ اَنَا اَحْمَدُ وَ اَنَا الْمَاحِي الَّذِيْ يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَ اَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ

[1] دار قطنی: 9، دارمی: 116,115/1، مسند احمد: 87/3

يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدِيْ نَبِيٌّ۔ (1)

حضور ﷺ ماحی ہیں، کفر وضلالت کو محو کرنے والے، شرک اور ماسوا پرستی کو مٹا دینے والے۔ حجاب رسم ونفس کو اٹھا دینے والے، کفران وخذلان کے غاروں کو بھر دینے والے طغیان وعصیان کی بلند چوٹیوں کو پیوست کر دینے والے حضور ہی ہیں جنھوں نے عرب کے تین سوساٹھ بتوں کو ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ [بنی اسرائیل:81] کا حکم سنا کر اوندھے منہ گرایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کے ارشادات کے بعد نصاریٰ نے سیدہ مریم علیہا السلام کو والدہ خدا کہنے سے اجتناب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کی تعلیم نے مانی مشرک کی ناپاک تعلیم سے ایران کو نجات دی۔ حضور ﷺ ہی ہیں جن کی ہدایت نے دام مارگیوں چتر رنگدیوں جیسے فحش پسند فرقوں کا بیڑہ غرقاب کیا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنھوں نے معصوم بچیوں کو پیوند خاک ہونے سے اور ناکردہ گناہ دلہنوں کو زندہ نذر آتش بنائے جانے سے بچایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنھوں نے خمر وقمار کو رجس ونجس بتایا۔ حضور ﷺ ہی ہیں جنھوں نے ایک نشلی چیز کو جوہر صحت انسانی کا دشمن ظاہر کیا۔ الغرض مفاسد ورذائل کو مٹانا، کارہ وماثم کو محو کرنا حضور ﷺ ہی کی پاک اور طیب تعلیمات کا خاصہ ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کا ماحی ہونا مسلم ہے۔

(42) وہ حاشر ہے، قیامت کے دن مرقد پاک اور آرام گاہ خاص سے سب سے پہلے سر اٹھانے والے احیائے موتٰی کی کیفیت کو ملاحظہ کرنے والے، منادِ رب العباد کی ندا پر سب سے پہلے لبیک پکارنے والے، عذر خواہی امت کی سب سے پہلے چارہ گری فرمانے والے حضور ﷺ ہی ہیں۔

(43) وہ عاقب ہے۔ سب سے پیچھے آنے والا۔ جملہ انبیاء علیہم السلام کی اقتدا کو جمع کرنے والا عدیم النظیر، عدیم المثال آغاز نبوت کا انجام اور انجام رسالت کا اتمام۔

(44) وہ نور ہے اسی کے دین پر چلنے والا ﴿ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ [الزمر:22] کے نورانی خلعت سے ممتاز ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب کو نور بتلایا گیا ہے۔ ﴿ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ﴾ [الاعراف:157] اس نور کا اتباع کیا جو اس پر نازل کیا گیا ہے۔

اسی کا مبارک نام سورہ مائدہ میں نور بتلایا گیا ہے: ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ [المائدۃ:15]

خازن ومعالم میں نور کو نبی ﷺ ہی کی ذات بتایا ہے۔ حضور ہی وضوح امر اور تبیین نبوت میں نور ہیں اور حضور ﷺ ہی کی تعلیم تنویر قلوب کے لیے نور ہے۔

حبیب اللہ ﷺ کی دعائے ذیل پر غور کرو اور دیکھو کہ مجیب الدعوات سے روزانہ کس شے کا سوال ہے؟ کیا ذات سبحانی کسی کا سوال رد بھی فرماتی ہے؟

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَمِيْنِيْ نُوْرًا وَ يَسَارِيْ نُوْرًا وَ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّ تَحْتِيْ نُوْرًا وَ اَمَامِيْ نُوْرًا وَّ خَلْفِيْ نُوْرًا وَ اجْعَلْ لِّيْ نُوْرًا وَّ فِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ دَمِيْ نُوْرًا وَ فِيْ عَصَبِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ شَعْرِيْ نُوْرًا وَّ فِيْ بَشَرِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ نُوْرًا۔ (2)

(1) بخاری:3532، مسلم:2354، ترمذی:2840، نسائی فی الکبریٰ:11590 (2) بخاری:6316، مسلم:763، ابوداود:5043، ابن ماجہ:508، ابن حبان:2636

"الٰہی! میرے قلب میں نور ہو، میری آنکھوں میں نور، میرے کانوں میں نور، میرے داہنے نور، میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، میرے آگے نور، میرے پیچھے نور، نور کو میرا بنا دے، میری زبان میں نور ہو، میرے خون میں نور ہو، میرے پٹھوں میں نور ہو، میرے بالوں میں نور ہو، یا اللہ مجھے نور عطا فرما۔ یا اللہ میرے نور کو بڑھا، یا اللہ مجھے نور ہی بنا۔"

کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدہ "بانت سعد" میں کہتے ہیں:

ع — اِنَّ الرَّسُوْلَ لَنُوْرٌ يُسْتَضَاءُ بِهٖ

45 وہ مدثر ہے۔ تدثیر کے معنی ہیں طائر کا اپنے گھونسلے کو درست کر لینا، کاشانہ عالم حضور کے علو مراتب کے مقابلہ میں ایک آشیانہ کی حیثیت رکھتا ہے اور حضور ﷺ کا اس آشیانہ کو درست و محکم بنا دینا اہل عالم کی ضروریات مادی و اخلاقی و روحانی کو مکمل فرما دینا ہے۔ یہ تکمیل انذار اور تکبیر و تہلیل ربانی اور تطہیر خلائق از علائق مادی و قلبی کی تدابیر سے فرمائی گئی ہے۔ رجز و رجس کو دور فرما کر طہارت ظاہری و باطنی سے اہل عالم کو مطہر بنانا اسی مدثر کا کام ہے۔

46 وہ مزمل ہے: اس کی آنکھیں دنیائے تیرہ و تاریک کے بدنما چہرہ کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اس کے کان زور کے کذب و بہتان کو نہیں سن سکتے۔ وہ گھبرا کر غار حرا کے خلوت کدہ میں چلا جاتا ہے، اس کی پاک فطرت کے مطابق تجلیات قدسیہ کو اس کے سامنے کھول دیا جاتا ہے۔ ملکوت اعلیٰ کے مظاہر کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ کلام لم یزلی سامع نواز بن جاتا ہے۔ اس وقت تر ہب وتبتل کا راز آشکار کر دیا جاتا ہے۔

جو لوگ ظلمت کدہ آفرینش سے بیزار ہوئے اکثر انھوں نے راہ فرار اختیار کی۔ دانش مند بدھ مرتاض دیو جانس، رشی وید بیاس وغیرہ ہم نے جو آسمان تاریخ کے روشن کواکب ہیں، اسی روش کو پسند فرمایا، ہزاروں نن اور منک نے نیک نیتی سے رہبانیت ہی کو اس دنیائے غدار سے چھوٹنے کی اعلیٰ تدبیر سمجھا۔ ہزاروں چینی درویش اسی ریاضت میں اپنی جان پر کھیل گئے۔

قدرت ربانیہ نے تبتل کا نسخہ اس مزمل کو بتایا۔ وہ فوراً کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس کا سارا دن مخلوق کی رہنمائی اور عقدہ کشائی میں پورا ہو جاتا ہے۔ اس کی ساری رات اپنے مالک کے سامنے معروضات کے پیش کرنے میں گزر جاتی ہے۔ اس کی انذار و بشارت بعض کے سامنے فرعونیوں کے انجام کو قریب کر دیتی ہے اور بعض کو ہلاکت و تباہی کے بحر احمر سے بخیر و سلامت گزر جانے کے لیے دلیل راہ بن جاتی ہے۔ ہاں وہ مزمل ہے، وہ فرعونیوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام جیسا شکوہ اور ایمانیوں کے لیے عیسیٰ علیہ السلام جیسا یقین اور مذموم عاقبت والوں کے لیے ہدی محمد ﷺ لے کر آیا ہے۔

47 وہ مشہود ہے، امام قرطبی کا بیان ہے کہ انبیاء علیہم السلام شاہد ہیں اور محمد ﷺ مشہود ہیں۔ قرطبی کا فرمودہ درست ہے۔ سیدنا یعقوب، موسیٰ داؤد، سلیمان، وشعیاہ، ودانی ایل و یرمیاہ و حبقوق و یوحنا و مسیح علیہم السلام نے حضور ﷺ کی شہادت ادا کی۔ حضور ﷺ کے خیر مقدم کی اطلاعیں دی ہیں۔ حضور ﷺ کا حلیہ، حضور ﷺ کا مقام ولادت و ہجرت، حضور ﷺ پر کلام اللہ کا نزول، حضور ﷺ کی پاک تعلیم اور راست بازی کاملہ کے دروس پاک کا ذکر فرمایا ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ انبیاء علیہم السلام کی زبان پر بالتحقیق مشہود ہیں۔

کارلائل، سرمور واشنگٹن، جان ڈیون، ایڈورڈ گبن جیسے بے باک آزاد خیال بھی حضور ﷺ کی روشن ضمیری، خیر خواہی

خلائق، بےلوث زندگانی، پاک ترین حیات، پاک ترین مقصود کے لیے پاک ترین تدابیر کے عمل میں لانے کے مدحت طراز اور توصیف نگار ہیں۔

ہاں! وہ زمین و آسمان جس میں روزانہ اس کی عبودیت و رسالت کی شاہانہ نوبت اوقات خمسہ میں بلند آوازہ ہے۔ حضور کا مشہور ہونا تسلیم کر رہے ہیں۔

(48) وہ رؤف اور رحیم ہے۔ ہر دو اسماء یقیناً اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے کلام میں حضور کو ﴿بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [التوبہ:128] ہونا مسلم ہے۔ اختصار نگار کے لیے یہی سند کافی ہے۔

(49) وہ مذکر ہے۔ رات کی تاریکی میں جب کہ قافلہ بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتا ہو، وہ آگے بڑھتا ہے۔ خشک پتھروں کی اوٹ اور ریت کے بستر پر لیٹنے والوں کی تذکیر فرماتا ہے اور وہی مبارک نام جس کی تذکیر فرمائی گئی، سننے والوں کے دل و زبان پر بطور ذکر دوام جاری ہو جاتا ہے۔

وہ مخالفین کی محفلوں، سالانہ منڈیوں، پر رونق میلوں، ٹھیلوں میں جاتا ہے اور يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْا ''اے لوگو! کلمہ حق کی گواہی دے دو فلاح پا جاؤ گے۔'' [1] کی تذکیر فرماتا ہے۔

وہ پہاڑ پر جاتا ہے، پتھر کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا پاک نام غافلوں کی جماعت تک پہنچاتا ہے۔ وہ میدان جنگ میں نرغہ اعداء میں گھرا ہوا ہے، اس کا بازو، اس کا سر، اس کے دو دندان سنگباری سے مجروح ہیں، لیکن وہ اس حالت میں بھی تذکیر فرما رہا ہے، وہ بستر پر پڑا ہوا ہے۔ دو دن سے شدید تپ ایک منٹ کے لیے بدن سے الگ نہیں ہوئی۔ دردِ سر بھی ہے، ضعف و ناتوانی کا غلبہ ہے، لیکن وہ تذکیر میں مشغول ہے۔ وہ وصایا و نصائح سے امت کے مستقبل کی فکر فرما رہا ہے اور اللہ پاک کا نام تلقین کر رہا ہے۔ وہی مذکر ہے اور تذکیر اسی پر ختم ہے۔

(50) وہ مبارک نام ہے۔ لفظ برکت، بَـرَكَ الْبَـعِيْـرُ سے ماخوذ ہے۔ اونٹ کا جم کر بیٹھ جانا۔ اس لفظ کا مفہوم لغوی ہے۔ برکت میں استقرار اور دوام کے معنی داخل و شامل ہیں۔ وہ مبارک ہے۔ اس کا دین ہمیشہ تک رہنے والا ہے۔ اس کی شریعت نسخ سے مبرا ہے۔ وہی تا قیام قیامت سب کا ہادی ہے۔ اسلام جہاں پہنچ گیا، جم گیا۔ سب ملک اسی کے ہیں، وہ ہر جگہ کو اپنا وطن سمجھتا ہے۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے اس اسم کا استعمال کیا ہے۔

صَلَّى الْاِلٰهُ وَ مَنْ يَّحُفُّ بِعَرْشِهٖ
وَ الطَّيِّبُوْنَ عَلَى الْمُبَارَكِ اَحْمَدُ

''درود بھیجتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عرش عظیم کے ارد گرد فرشتے اور نیک و پاکیزہ لوگ احمد ﷺ کی مبارک ذات گرامی پر۔''

سیدنا عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ نے جو راہب نصرانی تھے اپنے نعتیہ قصیدہ میں کہا ہے:

وَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ نَحْوَ مَكَّةَ قَاصِدًا
وَ بَايَعْتُ بَيْنَ الْاَخْشَبَيْنِ الْمُبَارَكَ

(51) وہ مہاجر ہے۔ قرآن مجید مہاجرین و انصار کے فضائل و مدائح سے مملو ہے۔ مہاجرین کو انصار پر مزیت خاص و امتیاز خاص ہے۔

---

[1] بخاری: 6316

مہاجرین وہی ہیں جنھوں نے حضور ﷺ کی اقامت کو پورا کیا، گھر بار، خویش وتبار، وطن و دیار کو ترک کر دیا، مگر حضور ﷺ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مہاجرین کی ہجرت حضور ﷺ ہی کی ہجرت سے مقبول ربانی ہوئی۔ حضور ﷺ مہاجر ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم ولوط و اسماعیل وموسیٰ وہارون علیہم السلام بھی مہاجر تھے۔

52 وہ ہادی ہے۔ ہدایت کے معنی ومفہوم دو ہیں۔ ① کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا۔ آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ﴾ [القصص:۵۶]

''تو ہدایت نہیں دے سکتا اسے جسے تو پسند کرتا ہے، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کسی کو بھی وہ چاہے۔''

② کسی کو ایمان ویقین کی طرف بلانا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل وبراہین روحانی یا عقلی سے اور اپنے افعال حمیدہ واقوال حکیمہ سے مستحکم کرنا بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزش طمع خالصۂ خیر خواہی ونیک سگالی کے فرائض ادا کرنا اس مفہوم کی تکمیل نبی کریم ﷺ کی ذات پر ہوتی ہے اور آیت ذیل میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے۔

﴿ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴾ [الشوریٰ:52]

''تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔''

نبی ﷺ نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جملہ بہترین طریقوں کو جمع فرمادیا تھا۔ کشادہ روئی، نرم خوئی، خلق عظیم ایسی صفات تھیں کہ دشمن بھی حضور ﷺ کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی، واضح بیانی ایسی کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا، سامع کے قلب میں اتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وارد کرنے میں حضور ﷺ نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ژولیدہ تقریروں اور مغلق الفاظ اور الزام خصم وغیرہ کے جملہ مسلک ترک کر دیے تھے۔ حضور ﷺ کے دلائل انفسی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کر دینا یا انسان کے ماحول کو انسان کے لیے دلیل راہ بنا دینا حضور ﷺ کا مبارک شیوہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ پر ان قوانین فطرت کو کھول دیا تھا، جن پر مخلوق کی آفرینش ہوئی ہے۔ لہٰذا حضور ﷺ کے دلائل بھی براہ راست سرشت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ وبیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

مع ہذا حضور ﷺ نوع انسانی کے لیے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور ﷺ کے افعال، حضور ﷺ کے اقوال کے مصداق ہوتے تھے اور حضور ﷺ کے اقوال حضور ﷺ کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر باطن کے توافق اور افعال واقوال کے تطابق نے حضور ﷺ کو نوع بشر کا سچا ہادی بنا دیا تھا۔ ضرار بن الخطاب الفہری رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن حضور ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے:

یَا نَبِیَّ اللّٰهِ الْهُدٰی اِلَیْكَ لِجَاجِیْ   قُرَیْشٌ ولدت حین لجاء

''اے اللہ تعالیٰ کے نبی آپ میری پناہ گاہ ہیں اور قریش اب آپ ہی سے پناہ طلب کر رہے ہیں۔''

نابغہ جعدی کا شعر ہے:

اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ بِالْهُدٰی   وَیَتْلُوْا كِتَابًا كَالْمُجَرَّةِ نَیِّرَا

''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا جب وہ ہدایت کے ساتھ آئے اور کتاب (قرآن کریم) پڑھ رہے ہیں جو روشن

اور چمکتی ہوئی کہکشاں کی مانند ہے۔''

(53) وہ یٰسٓ ہے۔ وہ سید ہے، وہ سید الناس ہے، وہ سید البشر ہے۔ اس کا صدق، اس کی دیانت' اس کی راستی سب پر ثابت ہو چکی، اب خواہ اس کا اعتراف کریں یا نہ کریں۔ قرون ماضیہ میں بعض اقوام کے پاس یکے بعد دیگرے تین تین نبی بھیجے گئے اور وہ صرف ایک نسمہ طیبہ کو جنت تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سید وہ ہے جو اکیلا آیا' سینکڑوں اور ہزاروں کو ظلمات سے نکالنے اور نور میں پہنچانے کا سبب ٹھہرا۔ وہ کبھی عرب سے باہر نہیں گیا۔ مگر اس کی تبلیغ نے دنیا کے ہر ایک بر اعظم پر قبضہ کیا۔ وہی اندھوں کے لیے بینائی ہے اور وہی بیناؤں کے لیے روشنی' دلوں پر گرے ہوئے پردوں کو اٹھا دینے والا، بہرے کانوں تک صدائے حق پہنچا دینے والا' اسرائیلیوں اور اسماعیلیوں کی منافرت کو دور کرنے والا' عرب اور عجم کو ایک کر دینے والا، وہ احرار کا سید اور غلاموں کا مولیٰ ہے۔ امویہ، عباسیہ، فاطمیہ، زنشیدیہ مغلوں اور ترک افریقی و مراکشی الجزائری و حجازی اگرچہ اپنی اپنی فرماں روی و حکمرانی میں اپنے آپ کو لاثانی سمجھتے ہیں۔ ایک سلطنت دوسری سلطنت کی ابہت شوکت سے انکاری ہے' لیکن حضور ﷺ کی کفش برداری کو ہر ایک تاجدار اپنا افتخار سمجھتا ہے۔ حضور ﷺ کے دربار میں خاک پر جگہ مل جانے کو تخت واورنگ کی نشست سے بہتر جانتا ہے۔ درحقیقت حضور ﷺ ہی سید ہیں اور حضور ﷺ ہی سرور عالم ہیں۔

(54) وہ خاتم النبیین ﷺ ہے۔ آیت قرآنیہ میں ﴿ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ﴾ [الاحزاب:40] فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں کیسی برقی طاقت موجود ہے۔ طبائع انسان پر اس کو کتنی قدرت حاصل ہے۔

اس آیت سے پیشتر ہی بنی اسرائیل میں سینکڑوں اور ہزاروں کو نبی تسلیم کیا گیا۔ ہندوؤں میں کروڑوں اشخاص کو دیوتا مانا گیا' چین وایران میں بھی سروش یزدانی کا نزول اور ملکوتی جلال کی تدلیات ہزاروں پر اترتی رہیں' مگر اس آیت کا اترنا تھا کہ تمام مذاہب اور جملہ ممالک اور جمیع اقوام کے علم وخیال اور دل ودماغ سے وجود نبوت اور اس کے دعویٰ کے اظہار کا تصور وتخیل ہی اٹھ گیا۔ سب نے اپنے اپنے گھروں میں بھی نبوت کے دروازوں پر قفل ڈال دیے اور ہر ایک مذہب نے اپنے طریق عمل سے صحت مضمون آیت پر صادر کر دیا۔

دیکھیے اسے کہتے ہیں نصرت ربانی اور اسے کہتے ہیں کلام ربانی، جس کے نزول کے بعد منکرین نے بھی اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور مخالفین نے بھی اس مسئلہ پر اپنا عملی اتفاق پیش کر دیا۔ انظامی گنجوی فرماتے ہیں۔ عباس بن مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [1]

يَا خَاتَمَ النُّبَآءِ إِنَّكَ مُرْسَلٌ بِالْحَقِّ كُلُّ هُدَى السَّبِيْلِ هُدَاكَا

''اے خاتم الانبیاء بلاشبہ آپ کو حق کے ساتھ بھیجا گیا، ہر رشد وہدایت کا راستہ آپ ہی کی طرف سے ہے۔''

اب میں اس مضمون کو جو اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے، اسم مبارک احمد ﷺ کے اعداد (54) پر ختم کرتا ہوں۔ ان شاء اللہ پھر کبھی اسم مبارک محمد ﷺ کے اعداد (92) تک وسعت دی جائے گی اور معانی ولطائف بھی ذرا وسعت وفسحت سے کام لیا جائے گا اور پھر بھی یہی ہوگا کہ اس اعتراف کو مکرر، سہ کرر دہراتا رہوں گا ۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں تو از تنگی داماں گلہ دارد

دامن اپنا ہی تنگ ہے ورنہ گل اور پھول حسن تو بہت ہیں۔ گل وبہار کی زیادتی کے سامنے دامن اپنی تنگی پر شکوہ کناں ہے۔

[1] تاریخ دمشق ص: 248، ترجمہ العباس بن مرداس

فصل ششم 6

سنت مصطفویہ وطریقہ محمدیہ ﷺ

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے کتاب ''الشفاء فی بیان حقوق المصطفیٰ'' میں حدیث ذیل بہ روایت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیان کی ہے۔اس سے نبی ﷺ کے محاسن اخلاق اور مکارم عادات کا وضوح بخوبی ہوتا ہے۔

مصنف کا جو درجہ حدیث میں ہے، وہ ان کی کتاب اکمال شرح صحیح مسلم اور ''مشارق الانوار'' سے بخوبی نمودار ہے۔ نبی کریم ﷺ کے فضائل وشیم وخصائل کے بیان صحیح میں جوان کو شغف قلبی ہے وہ ان کی کتاب ''الشفاء فی بیان حقوق المصطفیٰ'' سے خوب واضح ہے' مصنف کی ثقاہت اور امانت فی الدین توثیق حدیث کے لیے ملتفی ہے۔مع ہذا جملہ کلمات واردہ کی تطبیق دیگر روایات متعددہ سے ہوجاتی ہے۔

شرح حدیث کے وقت خوش قسمتی سے علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن بکر بن ایوب بن سعد الزرعی الدمشقی الفقیہ الحنبلی المفسر النحوی الاصولی المتکلم الشہیر بابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ کی کتاب مدارج السالکین بھی مل گئی۔ یہ کتاب شیخ الاسلام الہروی عبداللہ بن محمد بن علی الصوفی القدوۃ الحافظ الاعلام کی السائرین کی شرح ہے۔اس شرح میں ہر دو کتب سے پورا پورا استفادہ کیا گیا ہے۔جزاہما اللہ عنا خیر الجزاء

حدیث یہ ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ سُنَّتِهٖ فَقَالَ مَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِيْ وَ الْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِيْ وَالْحُبُّ اَسَاسِيْ وَالشَّوْقُ مَرْكَبِيْ وَ ذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِيْ وَالثِّقَةُ كَنْزِيْ وَالْحُزْنُ رَفِيْقِيْ وَالْعِلْمُ سَلَاحِيْ وَالصَّبْرُ رِدَائِيْ وَالرِّضَا غَنِيْمَتِيْ وَالْعِجْزُ فَخْرِيْ وَالزُّهْدُ حِرْفَتِيْ وَالْيَقِيْنُ قُوْتِيْ وَالصِّدْقُ شَفِيْعِيْ وَالطَّاعَةُ حَسْبِيْ وَالْجِهَادُ خُلُقِيْ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ۔ (1)

علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا طریقہ (سنت) کیا ہے؟ فرمایا:معرفت میرا راس المال ہے،عقل میرے دین کی اصل ہے' محبت میری بنیاد ہے' شوق میری سواری ہے' ذکر الٰہی میرا انیس ہے،اعتماد میرا خزانہ ہے،حزن میرا رفیق ہے۔علم میرا ہتھیار ہے،صبر میرا لباس ہے،رضا میری غنیمت ہے۔ عجز میرا فخر ہے،زہد میرا حرفہ ہے۔یقین میری خوراک ہے،صدق میرا ساتھی ہے،اطاعت میرا بچاؤ ہے،جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

(1) اَلْمَعْرِفَةُ رَاْسُ مَالِيْ

معرفت میری اصل پونجی ہے۔

رأس المال اس رقم کو کہتے ہیں جس کے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہو سکتا' جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمایا گیا ہے۔

(1) الشفاء: 80/1

معرفت لغت میں شناخت کو کہتے ہیں۔ اصطلاح عرفاء میں اس کا استعمال ہدایت پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔

واضح ہو کہ معرفت کی ابتداء خود نفس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے۔ سعید وہ ہے جس کے شعور کا آغاز خود اپنے عیوب کی شناخت سے ہو۔

بائبل اور قرآن مجید میں سیدنا آدم علیہ السلام کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے انھوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں، پھر اسی وقت انھوں نے درختوں کے پتے جمع کیے اور ان کو ٹانک ٹانک کر اپنی برہنگی کا پردہ بنایا۔

پدر اعظم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اس کے ازالہ کی تدبیر کرنا چاہیے۔

لغت اور شرع میں معرفت اور علم کے دو الفاظ ہیں جو شناخت کے لیے آتے ہیں۔ اہل علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظ معرفت سے برتر ہے' گو متصوفین کی اصطلاح میں اب لفظ معرفت کا درجہ لفظ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

① ﴿ وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ﴾ [المائدۃ 83]

''جب انھوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اتارا گیا، تب ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ انھوں نے حق کی شناخت کر لی۔''

② ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ﴾ [یونس 45]

''جس دن ہم ان کو اٹھائیں گے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی کے برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے۔''

③ ﴿ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ ﴾ [یوسف 58]

''جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسفؑ نے ان کو شناخت کر لیا۔''

④ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ [البقرۃ 146]

''جن کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت ان کو اپنے فرزندوں کی ہے۔''

ہر چہار آیات بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور اس فعل کے فاعل انسان ہیں۔

اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات میں دیکھو۔

① ﴿ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾ [ہود 41] ''جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔''

② ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ [النساء 166] ''اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔''

③ ﴿ قُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ [طٰہٰ 116] ''اے نبی! یہ دعا کیجیے کہ اے رب مجھے علم میں بڑھائیو۔''

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔

بلحاظ معنی معرفت و علم میں فرق یہ ہے کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا اطلاق اس شے کے اندرونی احوال پر آتا ہے۔

لہٰذا معرفت کو تصور اور علم کو تصدیق کہا جا سکتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو راس المال فرمانے سے اسی ابتدائی سلوک کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے جب کہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی شناخت یہی احساس بندہ کے لیے ہادی راہ بن جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اہل تصوف نے امارت اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''عارف کو تعلقات سے کیا علاقہ، محب کو شکوہ سے کیا نسبت، بندہ کو دعویٰ سے کیا تعلق۔ [1] جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا پانی کا رنگ ظرف کے رنگ کا سا نظر آیا کرتا ہے۔'' [2]

اس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر الوان عبودیت کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ کبھی ابتلائے ربانی کے سامنے صابر ہوتا ہے اور کبھی نعمائے ربانی کے سامنے شاکر۔ کبھی وعدہائے صدق کی بشارت سے اس کا قلب خلد بہار ہوتا ہے اور کبھی مواعید الٰہی سے وہ سراپا عجز و انکسار۔

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں:

1. نور معرفت پر نور ورع غالب ہو۔
2. اعتقاد باطن حالت ظاہر سے متناقض نہ ہو۔
3. نعم الٰہیہ کی فراوانی سے محارم الٰہیہ میں نہ گر پڑے۔ [3]

حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے اور اس ہیبت ہی کے اندر انس و انشراح ہوتا ہے۔

حدیث صحیح میں ہے: اَنَا اَعْرَفُكُمْ بِاللّٰهِ وَاَشَدُّكُمْ لَهٗ خَشْيَةً۔ [4]

''میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کے سامنے خشیت والا ہوں۔

گو معنی بالا کو الفاظ بالا میں ظاہر فرما دیا گیا ہے۔''

یاد رکھنا چاہیے کہ معرفت وہ نور ہے جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ صفات کو سمجھ سکے اور شواہد و براہین کا استعمال کر سکے۔

عارف صفات پر ایمان رکھتا ہے اور ان کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا، وہ تشبیہ کی نفی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے۔ آگے بڑھ کر وہ صفات و ذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھ کر وہ جملہ وسائل و وسائط، براہین و شواہد سے منہ موڑ کر اپنے قلب و روح کو اپنے مالک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے۔ تب اسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔

﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾ [الفاتحہ:7] کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے۔

2 اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِيْ

میرے دین کی جڑ عقل ہے۔

عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں۔ وہ عقیدہ تثلیث کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد فہم انسانی سے بالاتر ہے۔

---

[1] مدارج السالکین: 338/3 [2] نفس المصدر: 342/3 [3] مدارج السالکین: 338/3 [4] کشف الخفاء للعجلونی: 231/1

وہ شاگرد کو تثلیث کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو حلق سے نیچے نگل جاؤ، خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔

مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا، عقل اور عاقلین کی فضیلت آیات قرآنیہ سے بخوبی ہویدا ہے۔

1 ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ [الروم:28]

''ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں۔''

2 ﴿ وَلَقَدْ تَّرَكْنَا مِنْهَآ اٰيَةًۢ بَيِّنَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ [العنکبوت:35]

''ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں، عقل والوں کے لیے۔''

قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

3 ﴿ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾ [یونس:100]

''رجس انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔''

بتلایا گیا ہے کہ علم و عقل لازم و ملزوم ہیں اور ان ہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں۔

4 ﴿ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ [العنکبوت:43]

ان باتوں کی عقل اہل علم ہی کو ہے۔

بے شک جو شخص احکام شریعت کو پڑھے گا اور ان احکام پر بھی غور کرے گا جن کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا تو اسے بالیقین معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے ساتھ احکام شرعیہ کا تعلق بطریق مستحکم ہے۔

نماز کے لیے یہ حکم پڑھو:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ﴾ [العنکبوت:45]

''نماز بدکاریوں اور برے کاموں سے روکنے والی ہے اور تحقیق اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔''

روزے کے لیے یہ حکم پڑھو۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ [البقرۃ:183]

''تم پر روزے لکھ دیے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

ادائے زکوۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کرو۔

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ [ابراہیم:7] ''اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔''

حج کی بابت جو حکم ہے اس کے فوائد پر غور کرو۔

﴿ لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ ﴾ [الحج:28] ''تاکہ تم اپنے نفع کو دیکھ لو۔''

قصاص کا اثر مجرم کے لیے:

﴿ لِيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ﴾ [المائدۃ:95] ''تاکہ اپنے برے کام کا وبال دیکھے۔''

قصاص کا فائدہ ملک کے لیے:

﴿ وَلَكُمْ فِى الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ [البقرة:179] ''تمھاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے۔''
ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتلایا گیا ہے۔ عقل ہی برہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے اور اس لیے مخالفین کو فرمایا گیا ہے:

﴿ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ [البقرة: 256]
''کہہ دیجیے کہ تم اپنی برہان پیش کرو اگر تم سچے ہو۔''
عقل جبر واکراہ کے مخالف ہے اور اسی لیے کتاب حمید میں ہے:
﴿ لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ﴾ [البقرة:256] ''دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں''
ان جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجر پاک سرزمین عقل میں لگایا گیا ہے اور علم کے پانی سے اسے پالا گیا ہے۔
نبی الامی ﷺ کا یہ فرمانا کہ اَلْعَقْلُ اَصْلُ دِيْنِىْ اس دین کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل حتمی ہے۔
﴿ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ [البقرة:269] ''نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل مند لوگ''
مسلمان نوجوانوں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل وفہم سمجھا کرتے تھے۔ یہ نادانستگی کی پہلی دلیل ہے۔
جو لوگ قانون سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں، جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی ایجادات کے قفل اتارنے سے عاجز ہیں۔ ان کا کیا حق ہے اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

3 وَالْحُبُّ اَسَاسِىْ

محبت میری بنیاد ہے۔

واضح ہو کہ تغزل وادبیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے مگر فرقان حمید اور حدیث پاک میں لفظ عشق اور اس کے مشتقات کا استعمال نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دلیل لفظ ہے اور اصل لغت کے لحاظ سے معنی حب سے عاری ہے۔ قاموس میں ہے: اَلْجُنُوْنُ فُنُوْنٌ وَالْعِشْقُ مِنْ فَنِّهٖ جنون کی بہت اقسام ہیں، عشق بھی یکے ازاں جملہ ہے۔
لہٰذا لفظ حب کی تحقیق پر زیادہ توجہ کرنا چاہیے۔ زبان عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں:

1. حَبَبُ الْاَسْنَانُ: دانت روشن اور صاف ہیں۔
2. حَبَبُ الْمَاءُ: پانی تھرا ہوا پاکیزہ ہے۔ انہی معنی کے لحاظ سے بلبلے کو حباب کہتے ہیں جس میں غلو اور صفائی پائی جاتی ہے۔
3. حَبَّ الْبَعِيْرُ: اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیے۔ اس محاورہ میں حب کو لزوم وثبات کے معنی میں لیا گیا ہے۔
4. حَبٌّ: دانہ وتخم یا اصل شے۔ اس لیے سویدائے دل کو حَبَّةُ الْقَلْبِ کہتے ہیں، اسی لیے دانہ کو حب (جس کی جمع حبوب ہے) بولتے ہیں۔
5. حَبُّ الْمَاءُ: وہ جو ہڑ جس میں پانی ٹھہر جاتا ہے یہاں حفاظت ونگہداشت کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حب کو جب کہ وہ بطور اسم مستعمل ہوتا ہے۔ حرکت ضمہ دی گئی، جو جملہ

حرکات میں قوی تر ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ حب میں اوصاف صفا و بہا اور علو و ارتقاء اور لزوم و ثبات کا ہونا پایا جائے۔ حب ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے اور حب ہی کے حفظ و تمسک کو سرمایۂ حیات انسانی ثابت کیا جائے۔

بے شک محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی و مشتمل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اثبات محبت کے متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے:

﴿ يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ [البقرۃ:156]

''یہ لوگ غیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عزوجل سے ہونا (ہر دو امور کا) ثابت فرمایا ہے۔

﴿ فَسَوْفَ يَاْتِى اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ﴾ [المائدۃ:54]

''اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو اسلام میں لائے گا' جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے۔''

احادیث پاک میں بھی اس امر کو وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

(1) اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ ثُمَّ الْجِهَادِ۔ [1]

''اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے، پھر جہاد۔''

(2) اَحَبُّ الْعَمَلُ اِلَى اللّٰهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهٗ۔ [2]

''سب سے پیارا عمل اللہ کے ہاں وہ ہے، جس پر عمل والا مداومت کرے۔''

(3) اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُّؤْخَذَ بِرُخَصِهٖ۔ [3]

''اللہ کو پسند ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے۔''

(4) اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ الصَّلٰوةُ عَلٰى اَوَّلِ وَقْتِهَا۔ [4]

''سب اعمال سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے جو اول وقت پر پڑھی جائے۔''

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ذکر تھا جو اسے اپنے بندوں کے اعمال سے ہے۔ اب بندوں کی محبت کا ذکر ذات پاک کے ساتھ ہونا آیت ذیل میں بصراحت ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ [التوبۃ:24]

''کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے ماں باپ، بیٹے بیٹیاں، بہن بھائی، بیویاں اور خویش قبیلہ اور مال جسے تم سمیٹتے ہو اور تجارت

---

(1) بخاری: 2518، مسلم: 84,83، ترمذی: 1658، ابن حبان 153,152، مسند احمد 5/150,268 (2) بخاری: 5861,730، مسلم: 1827، ابوداود: 1338، نسائی: 761، ابن ماجہ: 942، شمائل ص: 315 (3) مصنف عبدالرزاق: 20569، کنز العمال: 5341 مجمع الزوائد: 3/163، الکامل فی الضعفاء لابن عدی: 2/621، ارواء الغلیل: 3/12، احمد: 2/108، ابن حبان: 914,545، ابن خزیمہ: 2027 (4) بخاری: 2782، مسلم 140/85، ابن حبان: 1479,1475

جس کے گھٹنے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں، تب انتظار مہلت کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔''

اس آیت میں انسان کی اس محبت کا جو اسے مادر و پدر، دختر و پسر، برادر و خواہر، خویش و قبیلہ، تجارت و منفعت، قصر و باغ اور مال وزر سے ہوتی ہے، اثبات فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان سب اشیاء کی محبت کا انسان کو ہونا ایک فطری امر ہے۔

اس کے بعد محبت کا مسئلہ شروع فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان جملہ انواع محبت پر غالب تر ہے تب تو سب کچھ ٹھیک' لیکن اگر خدانخواستہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے ان اشیاء کی یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی تب معاملہ سخت مشکل ہے اور اس بارہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی حکم جاری فرمائے گا۔

حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن و تجمل کا راز منکشف کر دیا اور توحش و ترہب کو چھوڑ کر افراط و تفریط کے وسط میں شاہراہ عدل قائم فرما دی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے' وہ عبودیت ہے۔ یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسن اعمال کی سرچشمہ ہے۔

محبت ہی سے انابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف و رجا کا معدن ہے۔

محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقام رضا پر اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔

صبر بھی وہی صبر ہے جس کی بنا محبت پر ہو ورنہ اس کا نام بے چارگی ہوگا۔

زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو' ورنہ اس کا نام عدم دسترس ہوگا۔

حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت ہو، جو ادب و تعظیم کی ہوا میں پلی ہو ورنہ اس کا نام انفعال طبع ہوگا۔

فقر بھی وہی فقر ہے جو محب کو بجانب محبوب ہو اور دل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کے جود و نوال کی جانب منجذب ہو جائے ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔

الغرض محبت ہی قُوْتُ الْقُلُوْب ہے۔

اور محبت ہی غِذَا الْاَرْوَاح ہے۔

محبت ہی قُرَّةُ الْعُیُوْن ہے۔

محبت ہی حیات الابدان ہے۔

محبت ہی دل کی زندگی ہے۔

محبت ہی زندگی کی کامیابی ہے۔

محبت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی ہے۔

محبت ہی بقا کو تخت ارتقاء پر بٹھلاتی ہے۔

اب ہم مدارج محبت کا ذکر کرتے ہیں۔

(1) محبت کی ابتداء علاقہ سے ہوتی ہے، یعنی دل کا تعلق جو کسی جانب پیدا ہو جائے۔

(2) اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔

(3) اب کشش پیدا ہوتی ہے اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے اسی طرح محبّ کو محبوب کی طرف وہ کشش لیے جاتی ہے۔

(4) اب سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت جلن رہنے لگتی ہے۔

(5) اب پیار نمودار ہوتا ہے اور صفت وداد سے دل آشنا ہو جاتا ہے۔

(6) اس پر ترقی و افزونی ہوئی تو شغف کا تسلط ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قعر قلب (دل کا گہراؤ) تک پہنچ جاتا ہے۔ مصائب کے برداشت اور موانعات کی ہیچی نظر آنے لگتی ہے۔ تدابیر قرب اور مواصلات وصل کی درستی میں شب و روز گزرنے لگتے ہیں۔
محبوب کے سوا باقی دیگر تفکرات منقطع ہو جاتے ہیں۔ محبوب ہی کا تصور جسم پر اور محبوب ہی کی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔

(7) اس سے اگلی حالت کا نام عشق ہے' یہ لفظ اسم عشقہ سے بنایا گیا ہے۔ یہ ایک بیل زرد پھولوں والی ہوتی ہے جس درخت پر چڑھ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے۔ اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

(8) اس سے آگے درجہ تیم کا ہے۔ "تیم" کے معنی "غلامی" ہیں۔ اس وقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بن جاتا ہے اور ان سے رہائی پانا اس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

(9) اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے۔ جب کہ محبّ ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہو جاتا ہے' جب کہ دنیا میں کوئی شے اس کی نہیں رہ جاتی ہے، جب کہ اس کا جسم، اس کا دل' اس کی روح' اس کی تمنا اس کی مراد خود اپنے لیے نہیں رہ جاتی اور وہ ان سب کو خوشی خوشی چھوڑ کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کا عبد کہلایا کرے۔

(10) اس سے بھی بالاتر درجہ خلت کا ہے۔ اب تو جسم کا ایک ایک بال اور نبض کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متفق المراد بن جاتے ہیں۔ جذبات اور متمنیات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دل و دماغ' طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ ایک ہی محبوب کا خالص رضوان مقصود و مطلوب بن جاتا ہے' وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محبّ کا مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصود محبّ کا مطلوب نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔

عام طور پر فہم انسانی اس کیفیت کے تعلق سے نارسا ہے اور اس درجہ کی تکمیل صرف سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اور سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ نے کی ہے۔ الفاظ درود پاک میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبہ و مشبہ بہ کی طرح واقع ہوئے ہیں۔ ایک کو تقدیم کی اولیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی افضلیت۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اختتام سے پیشتر ان اسباب کا ذکر کر دیا جائے جو جالب محبت اور جاذب محبت ہیں تا کہ کوئی سعادت مند ان سے تمتع حاصل کر سکے۔

اسباب بقاوارتقائے محبت الٰہیہ میں درج ذیل ہیں۔

1. قراءت فرقان حمید: قراءت کے تحت میں تادیرِ معانی اور فہم مرادِ ربانی (ہر دو) شامل ہیں۔
2. نماز فرائض کے علاوہ نوافل کی مواظبت وکثرت۔
3. دوامِ ذکر۔ اس لفظ کے اندر ذکرِ لسانی وقلبی دونوں شامل ہیں۔ ذکر بالحال اور ذکر بالعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔
4. اسماء وصفات الٰہی کا مطالعہ ومشاہدہ بذریعہ قلب۔
5. اللہ عزوجل کی نعمت ہائے ظاہری وباطنی اور احسانات مادی وروحانی کا تذکار۔
6. مقاماتِ عبادت میں کمال ادب اور حضورِ تام کے ساتھ وقوفِ قلبی۔
7. ذوقِ حضور میں قلب کا انکسارِ کلی۔
8. اپنی خواہشات کا احکامِ ربانی پر ایثار۔
9. محبین صادقین کی مجالست۔
10. ان اسباب سے منافرت جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور بندہ ناچیز کے درمیان دوری کا موجب ہیں۔

ان امور کی مواظبت سے امید ہے کہ وہ سرچشمہ محبت جو انسان کی سرزمین قلب ودیعت ہے اور جسے خس وخاشاک علائق نے بند کر رکھا ہے۔ پھر فوارہ سا جوش زن ہو اور پوری رفتار سے چلتا ہوا کشت زارِ تمنا کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ۔ [1] ''اے اللہ اپنی محبت عطا فرما اور ایسے محبوب اعمال جو مجھے تیری محبت تک پہنچادیں۔''

قاری کتاب کو حضور ﷺ کے الفاظ اَلْحُبُّ اَسَاسِیْ پر ایک بار تدبر کر لینا چاہیے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد محبت ہو وہ عمارت کیا ہوگی اور اس مکان کا مکین کس شان کا ہوگا۔

یہی سبق ہے جو سیرت محمدیہ ﷺ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہیے۔

4 وَالشَّوْقُ مَرْکَبِیْ

شوق میری سواری ہے۔

واضح ہو کہ قرآن مجید میں لفظ ''شوق'' وارد نہیں ہوا اور بجائے اس کے لفظ ''لقاء'' کا استعمال ہوا ہے۔

اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علمائے فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ حصول دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ ''شوق'' تو اس سفر کا نام ہے جو محب کو بجانب محبوب لے جاتا ہے لہٰذا جب منزل مقصود پر پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود خاتمہ ہو گیا۔

مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ حدیث زیر شرح میں بھی اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

اَسْاَلُکَ لَذَّۃَ النَّظْرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَالشَّوْقَ اِلٰی لِقَآئِکَ [2]

''تیرے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کی لذت اور تیرے لقاء کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔''

---

[1] ترمذی: 3491، کنز العمال: 3672، میزان الاعتدال: 3334، ابونعیم: 226/1 [2] نسائی: 1306، احمد: 264/4، السنۃ لابن العاصم: 185/1

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے اور اس کا درجہ اصل محبت سے کم تر ہے۔ کیوں کہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

ہاں شوق! وہ چنگاری ہے جو دل کو گرمائے رکھتی ہے، وہ لپٹ ہے جو شمع قلب سے اٹھتی ہے۔

شوق ہی اعضاء و جوارح کو منقاد اعمال بناتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مداومت پیدا کرتا ہے۔

شوق ہی ہے جو آلائے اخروی کو نعم دنیوی سے بھی قریب تر دکھلاتا ہے اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کو مائل پرواز کرتا ہے۔

شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناپتا اور پہاڑوں کی چوٹیوں کو لکد کوب بناتا ہے۔

یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشعل افروزی کرتا ہے اور یہ شوق ہی ہے جو کسی درمیانی منزل پر محبّ آبلہ پا کو آرام نہیں لینے دیتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدار شوق مقدار محبت پر مبنی ہے۔ یہ محال ہے کہ فروانی محبت میں شوق قاصر پایا جائے یا کمی محبت کی صورت میں شوق کثیر الوجدان ہو۔

سچ ہے کہ سالک کے لیے شوق سے بڑھ کر کوئی اور سواری نہیں۔

یہ وہی مرکب ہے جو گھاٹیوں کو پھاندتا ہے اور امتحان کے خطرناک پل سے صاف گزرتا ہوا جنت اللقاء تک پہنچا دیتا ہے۔

فَطُوْبٰی لِلْمُشْتَاقِیْنَ وَ طُوْبٰی لِلْمُحِبِّیْنَ۔

5 ذِكْرُ اللّٰهِ اَنِيْسِيْ

اللہ کا ذکر میرا مونس ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: [1]

ذکر ہی اہل ایمان کا زاد راہ ہے جسے لے کر وہ سفر کیا کرتے ہیں۔

ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے، جس کے بغیر اجساد بمنزلہ گور رہ جاتے ہیں۔

ذکر ہی وہ ہتھیار ہے جس سے رہزنوں اور دشمنوں کو ہٹایا جاتا ہے۔

ذکر ہی وہ پانی ہے جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے۔

ذکر ہی وہ دوا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے۔

فَاِذَا مَرِضْنَا تَدَاوَيْنَا بِذِكْرِكُمْ
فَنَتْرُكُ الذِّكْرَ اَحْيَانًا فَنَنْتَكِسُ

جب ہم بیمار ہو جاتے ہیں تو تیرے ذکر کو اپنی دوا بنا لیتے ہیں، جب کبھی ذکر چھوٹ جائے تو ہم منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان فرمایا گیا ہے۔

---

[1] مدارج السالکین: 432/2

(1) ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔

◇1 حکم مطلق بھی:

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ﴾ [الاحزاب:41]

''اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کیا کرو، بہت ذکر کرنا۔''

◇2 حکم مقید بھی:

﴿ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّ خِیْفَةً ﴾ [الاعراف:205]

''اپنے رب کو یاد کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے۔''

﴿ وَسَبِّحُوْهُ بُکْرَةً وَّاَصِیْلًا ﴾ [الاحزاب:42]

''اللہ کی تسبیح کیا کرو صبح وشام۔''

(2) غفلت ونسیان ذکر سے نہی فرمائی گئی۔

﴿ وَ لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰاھُمْ اَنْفُسَھُمْ ﴾ [الحشر:19]

''مت بنو تم ویسے جنھوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے ان کو نسیان میں چھوڑا۔''

(3) فلاح ونجات کو کثرت ذکر پر معلق فرمایا ہے۔

﴿ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ [الانفال:45]

''اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو کہ تم فلاح پاؤ۔''

(4) اہل ذکر کی مدح وثنا فرمائی ہے:

﴿ وَالذّٰکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْرًا وَّالذّٰکِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ [الاحزاب:35]

''مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنے والے ان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم رکھا ہے۔''

(5) غافلین ذکر کے خسران کا اعلان فرمایا گیا ہے:

﴿ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ ج وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ [المنافقون:9]

''اے ایمان والو! تمھارا زر و مال اور تمھاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔ جس نے ایسا کیا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔''

(6) ذکر کو جملہ اعمال سے افضل واعلیٰ بتلایا ہے:

﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ﴾ [العنکبوت:45]

''نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے ہٹا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔''

(7) قرآن مجید پر تدبر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمال صالحہ کا اختتام بیان ذکر پر ہوتا ہے۔

(1) حکم نماز پر غور کرو۔

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ [النساء:103]

''جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو کھڑے، بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے ہوئے۔''

(2) اختتام حکم نماز جمعہ کو پڑھو۔

﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [الجمعۃ:10]

''جب نماز ہو چکے، تب اپنی اپنی جگہ پھیل جاؤ اللہ کے فضل کو تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

(3) اختتام حکم صیام پر تدبر کرو۔

﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ﴾ [البقرۃ:185]

''تاکہ تم اللہ کی بزرگی کرو، اس لیے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔''

(4) اختتام حج کو دیکھو:

﴿فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ [البقرۃ:200]

''جب تم مناسک پورے کر چکو تب اللہ کا ذکر کرو۔''

(5) اختتام حیات بھی اگر ذکر پر ہو تو اس کے لیے حدیث پاک میں داخلہ جنت کا وعدہ ہے۔ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔ [1]

(8) ذاکرین کو ہی صاحبان عقل و ہوش فرمایا گیا ہے:

﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ [آل عمران:190-191]

''آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے الٹ پلٹ کر آنے میں بے شک نشانیاں ہیں عقل و مغز والوں کے لیے جو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔''

(9) ذکر الٰہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ہی روح الاعمال ہے۔ نماز کے متعلق ہے:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾ [طٰہٰ:14] ''نماز قائم کر میرے ذکر کے لیے۔''

حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے ان کا ذکر الٰہی کے لیے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے۔

اِنَّمَا جُعِلَ الطَّوَافُ بِالْبَيْتِ وَالسَّعْیُ بَيْنَ الصَّفَاءِ وَالْمَرْوَةَ وَرَمْیُ الْجِمَارِ لِاَقَامَةِ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ [2]

''خانہ کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی اور کنکریوں کا چلانا ذکر الٰہی کی اقامت کے لیے مقرر ہوا ہے۔''

صحیح مسلم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں اہل ذکر کو مفردون فرمایا گیا ہے۔ یعنی اہل تفرید و توحید۔ [3]

---

[1] ابوداود [2] ابوداود: 1888، ابن خزیمہ: 2970،2882 [3] مسلم: 2676

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مسند امام احمد میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَ اَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيْكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِي دَرَجَاتِكُمْ وَ خَيْرٍ لَّكُمْ مِنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوْا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوْنَ اَعْنَاقَكُمْ قَالُوْا وَ مَاذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ۔ [1]

''کیا میں تمھیں آگاہ نہ کروں کہ تمھارے اعمال میں بہتر کیا ہے اور تمھارے مالک کے نزدیک سب سے ستھرا کیا ہے اور تمھارے درجات میں سب سے بلند تر کیا ہے اور جو زر و سیم کے خرچ سے بھی بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں کو ملو اور ان کی گردنیں کاٹو یا وہ تمھاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ فرمایا: اللہ کا ذکر۔''

صحیح مسلم میں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ غَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنْ عِنْدَهٗ۔ [2]

''جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کو بیٹھتے ہیں۔ فرشتے ان کے گرداگرد آجاتے ہیں رحمت ان پر چھا جاتی ہے، سکینہ ان پر نازل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔''

صحیح مسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو؟ ؟عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں۔ اس امر پر کہ ہمیں اسلام کی راہ دکھلائی اور ہم پر احسان فرمایا۔ فرمایا: کیا قسمیہ کہتے ہو؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ہاں قسمیہ عرض کرتے ہیں: فرمایا:

اَمَا اِنِّيْ لَمْ اَسْتَحْلِفْكُمْ تُهْمَةً لَكُمْ وَلٰكِنْ اَتَانِيْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرَنِيْ اِنَّ اللّٰهَ يُبَاهِيْ بِكُمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔ [3]

سنو میں نے تم سے حلف نہیں لیا بہ سبب جھوٹ تہمت کے، لیکن میرے پاس تو جبریل علیہ السلام ابھی آئے تھے انھوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمھاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ فرمایا:

اَنْ تُفَارِقَ الدُّنْيَا وَلِسَانُكَ رَطْبٌ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ [4]

''جب تو دنیا چھوڑے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے تر و تازہ ہو۔''

ایک اور شخص نے عرض کی کہ مجھے احکام اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجیے۔ فرمایا:

لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ [5] ''تیری زبان برابر ذکر الٰہی میں جاری رہنی چاہیے۔''

---

[1] ترمذی:3377، ابن ماجہ:3790، الحلیۃ:111/6، مسند احمد:195/5 [2] مسلم:2700، ابوداود:1435، ترمذی:2945، ابن ماجہ:3791، ابن حبان:855، بیہقی فی الاسماء:337/1، احمد:447/2، 92/3 [3] مسلم:2701، ترمذی:3379، مسند احمد:92/4، ابن حبان:813 [4] ابن حبان 818

[5] ترمذی:3375، ابن ماجہ:3793، مسند احمد:190/4، ابن حبان:814

مسند وغیرہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ ارْتَعُوْا فِيْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔ ''اے لوگو! چمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔''

لوگوں نے عرض کیا کہ چمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں؟ فرمایا:

مَجَالِسُ الذِّكْرِ ذکر کی مجلسیں۔

اُغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَاذْكُرُوْا مَنْ كَانَ يُحِبُّ اَنْ يَّعْلَمَ مَنْزِلَةَ عِنْدَاللّٰهِ فَلْيَنْظُرْ كَيْفَ مَنْزِلَةُ اللّٰهِ عِنْدَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ يُنْزِلُ الْعَبْدَ مِنْهُ حَيْثُ اَنْزَلَهٗ مِنْ نَّفْسِهٖ۔ [1]

''صبح وشام ذکر الٰہی برابر کیا کرو تم میں سے جو کوئی یہ چاہتا ہے کہ اپنا درجہ اللہ کے ہاں دریافت کرے اسے لازم ہے کہ اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اس کے دل میں کیا ہے؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ بندہ کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اس کے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔''

صحیح ترمذی ومسند وغیرہ میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پدر بزرگوار ابراہیم علیہ السلام سے روایت کیا ہے:

اِقْرَاْ اُمَّتَكَ مِنِّى السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اِنَّ التُّرْبَةَ الْجَنَّةِ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَآءِ وَ اَنَّهَا قِيْعَانٌ وَ اَنَّ غُرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ [2]

اپنی امت سے میرا سلام کہہ دیجیے اور بتا دیجیے کہ جنت پاکیزہ زمین، میٹھے پانی والی ہے، وہ سفید جگہ ہے اور وہاں کے گل بوٹے **سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ** ہیں۔

صحیحین میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

مَثَلُ الَّذِيْ يَذْكُرُ رَبَّهٗ وَالَّذِيْ لَا يَذْكُرُهٗ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ۔ [3]

''جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص اللہ کا ذکر نہیں کرتا، اس کی مثال مردہ جیسی ہے۔''

روایت صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا:

مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ نَفْسِهٖ ذَكَرْتُهٗ فِيْ نَفْسِيْ وَ مَنْ ذَكَرَنِيْ فِيْ مَلَاٍ ذَكَرْتُهٗ فِيْ مَلَاٍ خَيْرٍ مِّنْهُمْ۔ [4]

''جو کوئی شخص میرا ذکر چپکے چپکے کرتا ہے، میں بھی اس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں جو کوئی میرا ذکر کسی گروہ کے اندر کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر ایسے گروہ سے کرتا ہوں جو ان کے گروہ سے بہتر ہے۔''

یاد رکھو کہ ذکر کے تین طریقے ہیں:

1. صرف زبان ذکر کر رہی ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔
2. صرف دل ذکر کر رہا ہو، یہ متوسط درجہ ہے۔
3. دل اور زبان دونوں ذکر کر رہے ہوں، یہ درجہ اعلیٰ ہے۔

---

[1] فتح الباری: 294/11 [2] ترمذی: 3462، ابن حبان: 821، مسند احمد: 418/5

[3] بخاری: 6407، مسلم: 779، ابن حبان: 854

[4] بخاری: 7405، مسلم: 2675، ترمذی: 3603، ابن ماجہ: 3822، ابن حبان: 812,811,810

یہ بھی یاد رکھو، اقسام ذکر بھی تین (3) ہیں:

1. اسماء وصفات اور ان کے معانی کا ذکر، ثنائے ربانی اور توحید الٰہی۔
2. امر ونہی...... حلال وحرام کا ذکر
3. اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام، احسان اور عطیات کا بیان۔

یاد رکھو کہ مراتب ذکر بھی تین (3) ہیں:

1. وہ ذکر جو غفلت ونسیان کو اڑا دیتا ہے۔
2. وہ ذکر جو قیود سے چھڑا کر بقائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔
3. وہ ذکر جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقانی ہی کے ساتھ وابستہ وزندہ کر دیتا ہے۔

مبارک ہے وہ انسان، جس نے ذکر ربانی کو اپنا فریضہ بنالیا ہے۔

مبارک ہے وہ صاحب ایمان جس نے فنائے عالم کا سبق بقائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے۔

6 اَلثِّقَـةُ كَنْـزِىْ

اعتماد الٰہی میرا خزانہ ہے۔

اصل اس بارہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ﴾ [القصص:7]

”جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو، تب اسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف کھانا نہ غم کھانا۔“

یہ ظاہر ہے کہ اس خاتون بلند پایہ کو اگر اللہ عزوجل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈال دیتی۔

لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعتماد ہی چشم توکل کی پتلی ہے۔

اور اعتماد ہی دائرہ تفویض کا مرکز ہے۔

اور اعتماد ہی قلب سلیم کا سویدا ہے۔

یہ اعتماد بوقت یاس بھی ہوتا ہے اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے خلاف نہ زبان پر کوئی حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی وسوسہ۔

یہ اعتماد بوقت امید بھی ہوتا ہے اور انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی سابقہ ربوبیت اور اپنے عدم استحقاق کی حقیقت بخوبی منکشف ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد تام نظام عالم پر چشم بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ انسان کو نظر آ جاتا ہے کہ جمادات کا ذرہ ذرہ، نباتات کا پتہ پتہ، ارضیات وسماویات کا ریزہ ریزہ ہر ایک عرض کا جوہر اور ہر ایک جوہر کا وجود اسی کے انعام سے فیض یاب اور اسی کے احسان کی دولت سے مالا مال ہے۔

⑦ وَالْحُــزْنُ رَفِيْــقِيْ

اندوہ دل میرا رفیق ہے۔

خوف وخشیت بھی ایسے دولفظ ہیں جو اردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں' لیکن زبان عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم الگ الگ ہے۔

خوف کا اطلاق زیادہ تر حسی اشیاء پر ہوتا ہے۔

خشیت کا اطلاق غیر حسی اشیاء پر بکثرت ہوتا ہے۔

حزن اس اندوہ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری و بہبودی کے متعلق دل ہی دل میں جوش زن ہوتا ہے۔ گو لب خاموش ہوتے ہیں' کتاب اللہ میں لفظ حزن کا استعمال انبیاء واصفیاء کے لیے بکثرت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی بابت فرمایا:

﴿ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ﴾[یٰسٓ:76]

''ان کی باتوں سے اے نبی آپ کو حزن نہ ہونا چاہیے۔''

چونکہ نبی ﷺ کی شفقت ورافت نوع انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ﷺ ان نافرمانوں کے عواقب امور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہ گیں رہتے تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور ﷺ کو ارشاد فرمایا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی کریم صلی ﷺ نے غار ثور میں رفیق صادق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی۔ یعنی لَا تَحْزَنْ۔

صدیق رضی اللہ عنہ کا فدائی دل نبی ﷺ کے رنج وآزار کو دیکھ کر پاش پاش ہو رہا تھا' تب نبی ﷺ نے ﴿ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾ فرما کر باب حزن سے قصر انس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں نقطہ لطیف یہ تھا کہ اس معیت ربانی کا درجہ جس میں نبی ﷺ وصدیق رضی اللہ عنہ داخل وشامل تھے اس حزن سے برتر واعلیٰ ثابت کیا جائے جسے عشق نے سلامتی یار کے متعلق بھیا نک بنا دیا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسم اعظم ''اللہ'' کے ظلال میں جو معیت شامل ہے' وہ جملہ اسماء حسنیٰ کے ظلال سے بدرجہ علیا ہے اور کمالات عارف کی تکمیل اسی اسم ذات ''اللہ'' کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیت الٰہی کا ظہور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسماء کی عظمت ورفعت بھی اسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب وعلل ساقط و مضمحل ہو جاتے ہیں۔

مادر موسیٰ علیہ السلام کو جو وحی ربانی ہوئی، وہ یہ تھی۔

﴿ لَا تَخَافِيْ وَ لَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَ جَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ [القصص:7]

''تو نہ خوف کیجیے اور نہ حزن کیجیے۔ ہم اسے تیرے پاس واپس کریں گے۔ ہم اسے مرسلین سے بنائیں گے۔''

ذرا غور کرو کہ خوف حسی کے مقابلہ میں بھی ایک بشارت موجود ہے اور حزن غیر حسی کے ساتھ بھی ایک بشارت شامل ہے۔

خوف کے مقابلہ میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دے گی، اللہ تعالیٰ اسے تیرے ہی پاس واپس کر دے گا۔

حزن غیر حسی کے مقابلہ میں یہ کہ اسے نبوت کی وہ نعمت ملے گی، جس کا ادراک حواس نہیں کر سکتے۔

ان آیات پر تدبر اور تتبع کے بعد حدیث زیرِ عنوان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ وہ حزن جو ہر وقت پیرا ہن دل پاک رکھتا تھا، وہ یا تو امت آثمہ کی بخشش کا تھا یا امت عاصیہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی منزل میں خلق خدا کی محبت بھری تھی اور عامۃ الناس کی ہمدردی و غم گساری حضور ﷺ کے رگ و پے میں ساری تھی۔ ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضور ﷺ کو اسی طرح رہتا جیسے گڈریا کو اپنی ایک ایک بکری کا۔ اس کی سو (100) بکریوں میں سے اگر ایک بھی علیحدہ ہو جاتی اور جھاڑیوں میں رہ جاتی ہے تو گڈریا سمجھتا ہے کہ اگر اسے ساتھ نہ لیا گیا تو وہ بھیڑیے کا شکار ہونے والی ہے۔ وہ اس ایک کے پیچھے جاتا ہے اور اسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔

نبی ﷺ کا یہ حزن کبھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا۔ بسا اوقات تہجد کا سارا سارا وقت امت کے لیے دعا کرنے میں وقف فرما دیتے۔ ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری فرما دی۔ [1]

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَ اِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ [المائدہ:118]

''اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے گا تب تو غالب حکمت والا ہے۔''

(8) وَالْعِلْمُ سَلَاحِيْ

میرا ہتھیار علم ہے۔

واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ حال سے کم قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔

علم حاکم ہے، حال محکوم ہے۔

علم ہادی ہے، حال تابع ہے۔

علم امام ہے، حال ماموم ہے۔

دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے۔ دائرہ حال صرف صاحب حال تک ہے۔

حال ایک تیغ براں ہے، اگر علم کی حفاظت نہیں تو یہ تلوار اسی کی کاٹ کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ہو۔

حال ایک آگ ہے، جس پر کسی کی نگرانی نہ ہو۔

حال ایک منہ زور گھوڑا ہے، اگر اس کے منہ میں علم کا لگام نہیں تو وہ اپنے سوار کا اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن علم ہی ہے جو حیات القلوب ہے، نور البصائر ہے، شفاء الصدور ہے، ریاض العقول ہے۔ علم ہی لذت الارواح ہے اور علم ہی مونس متوحشین ہے۔

---

[1] نسائی: 1011، ابن ماجہ: 1350، احمد: 170,149/5

علم ہی وہ میزان ہے، جس میں اقوال واحوال واعمال وزن کیے جاتے ہیں۔
علم ہی وہ حاکم ہے جو شک ویقین اور ضلالت وارشاد میں فیصلہ دیتا ہے۔
علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے۔
اور علم ہی سے رب العالمین کی تحمید و تمجید و توحید نصیب ہوتی ہے۔
علم ہی حلال وحرام میں فرق بتلاتا ہے۔
علم ہی مواریث وارحام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل وشرب سے بھی قوی تر ہے۔ آب وخورش کی ضرورت تو شبانہ روز میں دو بار پڑتی ہے مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر۔ [1]

علم ہی ہے، جس کی تلاش میں کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام نے سفر طویل اختیار کیا تھا اور اس سفر میں تین مسائل کو ثمر سفر قرار دیا تھا۔
علم ہی ہے، جس کی طلب و درخواست کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تھا۔
﴿قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾ [طٰہٰ:114] ''پڑھا کر، اے اللہ! مجھے علم میں بڑھایا کر۔''

ذرا یہ تو خیال کرو کہ وہ کتا یا باز جسے شکار پر سدھایا گیا اور شکار پر لگایا گیا ہو، جسے عرب میں معلم کہتے ہیں، وہ تھوڑا سا علم سیکھنے سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے اور اس جنس کے دوسرے حیوان غیر معلم کا پکڑا ہوا شکار حرام۔

یہ معلم جارحہ انسانی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، جب کہ اسکے ابنائے جنس نجس العین ہی رہتے ہیں۔ یہ درجہ اس کو کیوں ملا؟ اس کا سبب صرف علم ہے، صرف علم۔

اب یہ بھی یاد رکھو کہ علم وہ ہے، جس کی ابتدائی علامت اقامت دلیل ہے اور جس کی آخری شناخت رفع جہل ہے۔
اہل علم کے تین مدارج ہیں:

درجہ اول: (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوت باصرہ کے واسطہ سے حاصل ہوتا ہے۔
وہ جو استفاضہ صحیحہ سے قوت سامعہ کو حاصل ہوتا ہے۔ وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواتر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

درجہ دوم: وہ علم ہے جو اجسادِ زکیہ و باطن طاہرہ میں پیدا ہوتا ہے۔
وہ جو اہل ہمت عالیہ کے انفاس صادقہ کو عطا ہوتا ہے، ایسی حالت میں جب کہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی ہوتی ہے۔

درجہ سوم: وہ علم ہے جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ علم عبودیت کا ثمرہ اور متابعت احکام حقہ کا پھل ہوتا ہے۔ جب کمال انقیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب مشکوٰۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے تب جواد مطلق کی جانب سے وہ معارف ایمانیہ اور حقائق اصلیہ کھول دیے جاتے ہیں، جس تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا۔ ایسا علم خود اپنے لیے دلیل بھی ہے اور دوسرے کے لیے مدلول بھی۔

اس مقام پر ان مخالفین ومعترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے ہیں کہ ''اسلام بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے۔''

[1] مدارج السالکین: 470/2

غور کرو کہ نبی ﷺ تو علم کو اپنی تلوار بتلا رہے ہیں اور ان فتوحات عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں ثمرات علم قرار دیتے ہیں۔

درحقیقت نبی اللہ ﷺ کا فخر اینٹ، چونہ پتھر کی دیواروں، خندقوں پر قابض ہوجانے میں نہیں، سکندر و تیمور، ہلاکو خاں، بونا پارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے، نبی اللہ ﷺ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حصون کو فتح کر لینے میں ہے۔

یہ نظارہ خیبر میں نظر آیا کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے ان یہودیوں کے (جو ہمیشہ اہل ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتش جنگ وجدال کو بھڑکائے رکھتے تھے) چند قلعے فتح کر لیے تو انہی ایام میں نبی ﷺ کے حضور میں حبش کے نومسلم سرداران دربار میں حاضر ہوئے اور اسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں کو کھلی آنکھ سے دکھلایا جائے کہ وہ اللہ کے اس کے رسول کے مقابلہ میں اینٹ پتھر کی دیواروں کے بھروسہ پر اڑے بیٹھے ہیں، جس کا علم سمندر پار حبش کو فتح کر رہا ہے۔ جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنا علم صداقت نصب کر رہا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز کے زیر نگین نہ ہوئے تھے۔

یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل اوٹرم (Genral Otrem) نے یمن کو فتح کر کے ساٹھ ہزار (60000) فوج کا لشکر جرار مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبۃ اللہ کے گرانے کے لیے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر لا ڈالا تھا۔

یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحاب الفیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی ﷺ کی ولادت اقدس سے صرف پچاس (50) دن پہلے کا ہے۔ [1]

ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا کہ خود ان کا بادشاہ رسول حجازی ﷺ کی کفش برداری کی تمنا کرے گا اور سارا ملک اسی کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سر عبودیت کو جھکائے گا۔

معشر مسلمین! کسی ملک، کسی قوم کو بزور شمشیر فتح یا مغلوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حملہ آور کے پاس شمشیر زن بھی موجود ہوں، جن کی دھاک ایسی بندھی ہوئی ہو کہ لوگ ان کی تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہوجائیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا کہ ایسے بہادر، ایسے تلوار یے ضرار بن الازور، شرحبیل بن حسنہ، عدی بن حاتم، عکرمہ بن ابی جہل، مقداد بن الاسود الکندی، مقدام بن معدی کرب، خالد بن الولید، زبیر بن العوام اور علی مرتضی رضی اللہ عنہم جیسے کیوں کر اس شخص کے مطیع ومنقاد ہوگئے تھے۔

ان کی تلواروں پر نہتے، غریب ومسکین، بکریاں چرانے والے یتیم نے کیوں کر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے جری، ایسے بطل تو خوف شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہوں گے اور انھوں نے تو صرف خوف جان سے اپنے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔

جب یہ امر مسلم ہوجائے تو قابل غور یہ رہ جائے گا کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی ایسی شے، کوئی ایسی قوت، کوئی ایسی کشش موجود ہے جو شیروں کا شکار کرتی اور ہزبران نبرد کو خادم بنا سکتی ہے، تو پھر ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کے لیے تلوار کا استعمال کریں۔

غور جتنا گہرا ہوتا جائے گا اسی قدر جلد یہ واضح ہوجائے گا کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان وَالْعِلْمُ سَلَاحِیْ ایسی حقیقت کا مظہر ہے، جس کا کوئی بطلان نہیں ہوسکتا۔

جو کامیابی نبی ﷺ کو حاصل ہوئی اس کا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا تھا۔

---

[1] ابن ہشام: 47/1

وہ علم، جو ظلمات کو دور کر دیتا ہے اور چلنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔
وہ علم جو آنکھوں کو روشن، دل کو بینا بنا دیتا ہے۔
وہ علم ہے هٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ کی صفت اسی پر صادق آتی ہے۔

⑨ وَالصَّبْرُ رِدَائِیْ

صبر میرا شاندار لباس ہے۔

قرآن مجید میں 90 مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کتاب حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی ہے۔ ہم انحصار کے ساتھ ان طریقوں کا ذکر کریں گے۔

① اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا:

① ﴿قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ [الاعراف:128]
''موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مستقل رہو۔''

② ﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [البقرۃ:45] ''صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔''

③ ﴿اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا﴾ [آل عمران:200] ''صبر رکھو اور آپس میں صبر کی تلقین کرو۔''

④ ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ [النحل:127] ''صبر کرو تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔''

② عدم صبر سے نہی فرمائی گئی ہے۔

① ﴿فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ [احقاف:35]
''صبر کیجیے جیسا کہ ہمت والے رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجیے۔''

② ﴿وَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾ [الانفال:15] ''دشمنوں کو پیٹھ نہ دکھاؤ۔''

③ ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾ [آل عمران:139] ''اپنا دل تھوڑا نہ کرو اور غمگین نہ ہو۔''

③ اہل صبر کی ثنا فرمائی گئی ہے:

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾
[2البقرۃ:77]

''جو تکلیف اور تنگی میں اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں، وہی ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا اور یہی لوگ متقی بھی ہیں۔''

④ اہل صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [آل عمران:146] ''اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ محبت کرتا ہے۔''

⑤ اہل صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [البقرۃ:153] بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ایک معیت عامہ ہے جو بذریعہ علم واحاطہ ہوتی ہے اور ایک معیت خاصہ جس کا نتیجہ حفاظت ونصرت وتائید الٰہی ہوتا ہے۔ آیت بالا میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

6 صبر کو اہل صبر کے لیے بہتر بتلایا:

① ﴿ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ [النحل:126]

''اگر تم صبر کرو تو ایسا کرنا صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔''

② ﴿ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ [النساء:25] ''اور صبر کرو یہ تو تمھارے لیے بہتر ہوگا۔''

7 اعلان فرمایا کہ اہل صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوتی۔

﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ [النحل:96]

''ہم صبر کرنے والوں کو ان کے عمل کی جزا بہترین طریق سے دیں گے۔''

8 خبر دی کہ اہل صبر کو عطیہ بلا حساب ملے گا:

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ [الزمر:10]

''صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔''

9 اہل صبر کو بشارت دی گئی:

﴿ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ [البقرۃ:155] ''صبر کرنے والوں کو بشارت پہنچا دیجیے۔''

10 اہل صبر کی نصرت وامداد کی ضمانت فرمائی:

﴿ بَلٰى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴾ [آل عمران:125]

''ہاں! اگر صبر وتقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فوراً آ جائے تو تمھارا رب تمھاری مدد پانچ ہزار (5000) ملائکہ سے جو نشان والے ہوں گے فرمائے گا۔''

حدیث شریف میں ہے: وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ۔ [1]

11 اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اہل صبر ہی اہل عزم ہوتے ہیں:

﴿ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ [الشوریٰ:43]

جس نے صبر کیا اور معافی دی، تو یہ کام بڑی ہمت کے ہیں۔

12 فرمایا کہ اعمال صالحہ اور حظوظ عظیمہ والے اہل صبر ہی ہوتے ہیں۔

① ﴿ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ لَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ﴾ [القصص:80]

---

[1] السنۃ لابن ابی عاصم: 138/1، مسند احمد: 307/1

’’تمھیں خرابی ہو، اللہ کا عطیہ ایمان اور نیک عمل والے کے لیے بہتر ہے اور اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔‘‘

② ﴿ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾ [حم سجدہ:35]

’’اس کو صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے وہی پا سکتے ہیں جو بڑی قسمت والے ہیں۔‘‘

13 بتلایا کہ آیات الٰہی سے انتفاع وعبرت صرف اہل صبر ہی حاصل کر سکتے ہیں:

① ﴿ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ [ابراہیم:5]

’’ہم نے موسیٰ کو کہا: اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر نور میں لاؤ اور ان کو تاریخ الٰہیہ کا سبق دے کیوں کہ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔‘‘

② ﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ﴾ [الشوریٰ:32-33]

اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور علم کی طرح بلند ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا رک جائے اور یہ سب جہاز سمندر کے اوپر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں۔ اس میں نشانات ہیں ہر ایک صبر کرنے اور شکر کرنے والے کے لیے۔

14 بتلایا ہے کہ مطلوب ومحبوب تک فائز ہونا مرعوب سے نجات پانا، جنت العلیٰ کا داخلہ ان ہی لوگوں کے لیے ہے جنھوں نے صبر کیا

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ [الرعد:۲۳۔۲۴]

’’فرشتے ہر طرف ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ اپنے صبر کے بدلے آج تم سلامتی میں ہو اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے۔‘‘

15 اہل صبر درجہ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا﴾ [السجدۃ:24]

’’ہم نے انھی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے جب کہ انھوں نے صبر کیا۔‘‘

16 اللہ تعالیٰ نے صبر کا ذکر فرقان حمید میں اسلام وایمان اور یقین وتقویٰ اور توکل وتشکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں صبر کا کیا درجہ ہے۔

یہاں تک سولہ (16) اقسام کا ذکر ختم ہو گیا۔ اب یاد رکھیے کہ صبر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر بدن کے لیے ہے۔ بدن پر سر نہ ہو تو زندگی کہاں؟ ایمان کے ساتھ صبر نہیں تو ایمان کہاں؟

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: خَيْرُ عَيْشٍ اَدْرَكْنَاهُ بِالصَّبْرِ ’’زندگی کی حقیقت ہم پر صبر سے آشکار ہوئی۔‘‘ [1]

صحیح حدیث میں ہے:

عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَّ لَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ اِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ۔ [2]

---

[1] مدارج السالکین: 140/9 [2] مسلم: 7500، کنز العمال: 710، اتحاف السعادۃ المتقین: 155/2

''مومن کی حالت بھی عجیب سی ہے یعنی اس کی حالت سراپا خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں۔ اگر اسے کوئی شے خوش کرنے والی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور ایسا کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہوتا ہے۔''

واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنی حبس (روک) ہیں۔ محاورہ ہے: قُتِلَ فُلَانٌ صَبْرًا فلاں شخص کو باندھ کر مارا گیا۔

آیت ذیل میں بھی یہی معنی ہیں:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ [الکہف:28]

''اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارا کرتے ہیں اور صرف اسی ذات کے خواستگار ہوتے ہیں۔''

اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ وزاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے۔ معنی بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو کہ صبر کی تین اصناف ہیں:

- ❑ صنف اول: طاعت الٰہی پر صبر۔
- ❑ صنف دوم: معصیت الٰہی سے صبر۔
- ❑ صنف سوم: امتحان الٰہی پر صبر۔

صنف اول و دوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے مگر صنف سوم میں کسب انسانی کو کوئی دخل نہیں۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرا دیے جانے پر صبر بھی مقامات صبر میں سے ہیں مگر امراۃ العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا۔ خصوصاً جب امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔

① جوانی ② خالی مکان ③ مجردی ④ نفس کے مطابق خواہش کا ہونا ⑤ بے وطنی جہاں خویش و اقارب کا نہ دباؤ تھا، نہ ہوتا ہے، نہ ان کی طرف سے حیا ہوتی ہے۔ ⑥ محکومی ⑦ حسین عورت کی ذاتی خواہش ⑧ اس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکر و فریب ⑨ لالچ اور خوشامد ⑩ دھمکی۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں صدیق کے منصب کو نہایت بلند کر دینے والی ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ صبر بر طاعات کا درجہ صبر از پرہیز محارم سے اکمل و افضل ہے، کیوں کہ نبی ﷺ کے نزدیک فعل طاعت، ترک معصیت سے زیادہ محبوب ہے اور عدم طاعت کا نقصان وجود معصیت کے نقصان سے زیادہ سنگین ہے۔ [1]

اب یہ بھی یاد رکھو کہ صبر کی تین حالتیں ہیں:

① صبر باللہ ② صبر للہ ③ صبر مع اللہ۔

[1] صبر باللہ کے معنی یہ ہیں کہ صبر اپنے نفس کے لیے نہ ہو، بلکہ اللہ کے لیے ہو جیسا کہ فرمایا گیا ہے:

﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ [النحل:127]

''صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے لیے ہے۔''

---

[1] فتاویٰ ابن تیمیہ: 576,575/10

(2) صبر للہ: کے معنی یہ ہیں کہ صبر کا باعث محبت الٰہی اور ارادہ تقرب الٰہی ہو نہ قوت نفس کا اظہار ہو اور نہ اللہ کی مخلوق میں تعریف کرنے کا شوق ہو۔

(3) صبر مع اللہ: کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے نفس کو اوامر الٰہی اور محارم الٰہی کا مطیع بنا دے جہاں چلنے کا حکم ہو چل پڑے جہاں رک جانے کا حکم ہو رک جائے۔

یہ صبر صدیقین کا ہے اور یہی سخت قسم صبر کی ہے۔

خواجہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے صبر کی بابت پوچھا گیا:

فرمایا صبر تو کڑوی سے کڑوی دوا کو گھونٹ گھونٹ پینا ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ پیشانی پر بل نہ آنے پائے۔ (1)

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ زاہدین کے صبر سے محبین کا صبر زیادہ سخت ہوتا ہے۔ یعنی یار سے صبر ہونا بہت زیادہ تعجب کا موجب ہے۔

اَلصَّبْرُ یُحْمَدُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّھَا   اِلَّا عَلَیْكَ فَاِنَّہٗ لَا یُحْمَدُ (2)

جملہ مقامات پر صبر کرنا اچھا ہے مگر تجھ سے صبر کرنا کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

امام المحدثین بخاری نے کتاب الآداب میں نبی ﷺ سے یہ روایت بیان کی کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ ایمان کیا ہے۔ فرمایا:

اَلصَّبْرُ وَالسَّمَاحَۃُ (3) صبر اور سیر چشمی۔

اب یہ مسئلہ خوب یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حالت کا عرض کرنا بے صبری میں داخل نہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ [یوسف:82]

''میں اپنی پریشانی اور اندوہ قلبی کی شکایت اللہ سے کرتا ہوں۔''

ایوب علیہ السلام کی جناب احدیت میں دعا ہے۔

﴿رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ﴾ [الانبیاء:83]

اے رب! مجھے نقصان اور ضرر آ لگا ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

ایک عرب شاعر کہتا ہے:

وَاِذَا عَرَتْكَ بَلِیَّۃٌ فَاصْبِرْ بِھَا   صَبْرَ الْكَرِیْمِ فَاِنَّہٗ بِكَ اَعْلَمُ
وَاِذَا شَكَوْتَ اِلَی ابْنِ اٰدَمَ اِنَّمَا   تَشْكُوا الرَّحِیْمَ اِلَی مَنْ لَّا یَرْحَمُ

''جب تجھ پر بلا نازل ہو تو اچھا صبر کر، کیوں کہ رب کو تیرا علم ہے لیکن اگر تو اس کا شکوہ ابن آدم سے کرے گا تب رحیم کا شکریہ اس سے کرتا ہے جو رحم نہیں کرتا۔''

---

(1) مدارج السالکین: 157/2 (2) مدارج السالکین: 158/2 (3) سماحت، جوانمردی، نرمی، آسانی پیدا کرنا، سرکشی و نفرت کو چھوڑ دینا، سید حارث ہے۔
کنز العمال: 1393,1392، مسند احمد: 385/4، مجمع الزوائد: 59/1، مطالب العالیہ لابن حجر: 3122

نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضور ﷺ نے احکام الٰہی کی تبلیغ، اہل ایمان کی تعلیم، اہل خسران کے انداز، اہل عالم کی تدبیر اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر کس قدر مصائب ونوائب اور ہموم وغموم کی برداشت فرمائی تھی۔

کبھی حضور ﷺ کے آستان فیض پر غلاظت گرائی جاتی، جس سے تشتت طبع اور پریشانی دماغ پیدا ہو۔ کبھی حضور ﷺ کی راہ پر گڑھا کھود کر اسے باریک باریک لکڑیوں سے پاٹ دیا جاتا۔ گڑھے میں کانٹے بھر دیئے جاتے کہ حضور ﷺ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں۔

کبھی حضور ﷺ کو سجدہ میں محو تام دیکھ کر حضور ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر چادر کو پھانسی کا رسا بنایا جاتا، گردن کو افشار سے بھینچا جاتا۔ کبھی حضور ﷺ کی پشت مبارک پر (بحالت سجدہ) اونٹ کی اوجھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا۔

کبھی حضور ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قراءت قرآن پاک سے آپ کو روکا جاتا۔

کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور ﷺ پر گزرا ہے۔ جب حضور ﷺ کو ایک گھاٹی میں محصور رکھا گیا اور دانہ وخورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ ہی کا حوصلہ تھا، حضور ﷺ ہی کا دل تھا کہ صبر کیا اور وہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ [النحل:127] کے تمغا سے حضور ﷺ کو مشرف فرمایا۔

سچ ہے کہ ایسے ہی مقدس رسول ﷺ کے لب مبارک سے یہ زیبا تھا۔ اَلصَّبْرُ رِدَائِیْ فرماتے اور صبر کو تجمل وشان اور شوکت ووقار کا خلعت قرار دیتے۔

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهٖ بِقَدَرِ صَبْرِهٖ عَلٰى بَلَائِهٖ وَ شُكْرِهٖ عَلٰى اٰلَائِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

⑩ وَالرِّضَا غَنِيْمَتِيْ

رضا الٰہی میری غنیمت ہے

واضح ہو کہ رضا کے متعلق ائمہ تصوف کے تین (3) اقوال ہیں:

① اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور انتہائے توکل یہی ہے اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

② اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا تو منجملہ احوال ہے، یہ مکاسب میں سے نہیں بلکہ مواہب میں سے ہے۔

③ تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا۔ وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجہ میں اکتسابی ہے اور من جملہ مقامات ہے اور انتہائی درجہ میں محض عطیہ ربانی ہے۔ لہٰذا منجملہ احوال ہے۔

گروہ اول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح وثنا فرمائی ہے اور اس صفت کے لیے شوق دلایا ہے۔ اگر یہ مقام اکتسابی نہ ہوتا اور مقدور بشری سے باہر ہوتا تو ایسا نہ کیا جاتا۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

ذَاقَ طَعْمَ الْإِیْمَانِ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا۔ [1]

''ایمان کا ذائقہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔''

نیز فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ الفاظ پڑھتا ہے۔ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْإِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا [2] اس کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقامات دین کا انہی پر مدار ہے۔ غور کرو کہ ان سے چار امور کا ثبوت ملتا ہے:

1. اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضامندی۔
2. نبی ﷺ کی رسالت اور حضور ﷺ کی اطاعت پر رضامندی۔
3. دین الٰہی پر رضامندی۔
4. دین الٰہی کے سامنے تسلیم وانقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ چہار امور جمع ہو جائیں تو وہ صدیق ہے۔

ہاں! دعویٰ زبان آسان ہے مگر کامیابی امتحان دشوار ہے۔ خصوصاً جب کہ معاملہ یہ ہو کہ نفس کی مراد خواہش اس کے خلاف ہو۔

یاد رکھو کہ الوہیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ محبت وانابت اور تبتل الی اللہ میں توحید خالص ہو، خوف ہو تو اسی کا ہو، امید ہو تو اسی سے ہو۔ جملہ قویٰ کا انجذاب اسی کی جانب ہو، اور عبادت کا مقصود توحید فی الاخلاص ہو۔

ربوبیت پر رضامندی کے معنی یہ ہیں کہ تدبیر الٰہی کی توحید حاصل ہو، توکل واعتماد اور استعانت میں توحید ہو۔ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کے ساتھ کرے۔

رسالت محمد یہ ﷺ پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ احکام نبویہ ﷺ کے مقابلہ میں اطاعت کلی اور تسلیم کلی شیوہ بن جائے اور حضور ﷺ کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔

ہدایت اور حکم اور فیصلہ نبی ﷺ کے آستانہ پاک سے ہی حاصل کرے اور کسی دوسرے کی حکومت کا روادار نہ ہو۔ خصوصاً علوم الٰہیات کے متعلق جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسم امر یا نہی ملے تو اسے پورے انشراح خاطر سے قبول کرے اور اس کے خلاف اگرچہ وہ کتنے ہی معروف عالم کی طرف منسوب ہو، ہرگز قبول نہ کرے۔

اس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم یا صوفی و درویش یا شیخ تم کو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں گے مگر رضا بالاسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں، اس پر ہرگز ہرگز اہل ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔

اب یہ یاد رکھو کہ رضا کا مقام توکل وتفویض اور تسلیم کے بعد آتا ہے اور چونکہ اس کے حصول میں صعوبت تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا۔ البتہ اس کا شوق ضرور دلایا ہے۔

---

[1] مسلم: 34، ترمذی: 2623، ابن حبان: 1694، مسند احمد: 208/1 [2] مسلم: 386، ابوداود: 525، ترمذی: 210، ابن ماجہ: 721، ابن حبان: 1693، احمد: 181/1

یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ مسلم مقام رضا کیوں کر حاصل کرسکتا ہے؟

کہا: جب وہ چار (4) باتوں میں پختہ ہوجائے:

① عطا کو قبول کرے ② عطیہ میں راضی رہے ③ انقباض میں عبادت کرے ④ انشراح میں حاضر درگاہ ہے۔ [1]

سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کسی نے ذکر کیا کہ ابوذر رضی اللہ عنہ یوں کہتے ہیں کہ ان کو فقر غنیٰ سے اور مرض صحت سے زیادہ محبوب ہے۔
امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے میرا قول یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کرے گا۔ [2]

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے بشر حافی رحمہ اللہ سے فرمایا تھا:

رضا کا درجہ زہد سے برتر ہے کیوں کہ جو راضی ہے وہ اس حالت سے دوسری حالت کا آرزومند ہی نہیں۔ [3]

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھ کر بھیجا تھا:

اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ فِی الرِّضَا فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَرْضٰی وَ اِلَّا فَاصْبِرْ۔

''رضا میں تو سراپا خیر ہے اگر تم میں استطاعت ہے تو اس درجہ میں رہو ورنہ صبر کرو۔''

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ○ ارْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ﴾

''اے اطمینان والے نفس! اپنے رب کی طرف رجوع کر در آں حال کہ تو رضا والا ہے اور رضا حاصل کر اب میرے بندوں میں شامل ہوجا میری جنت میں داخل ہوجا۔'' [الفجر: 27-30]

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائے گا اور میدان قیامت میں بھی اسی کلمہ سے مومن کو مسرور الوقت کیا جائے گا۔ اللہ پاک کے پسندیدہ عباد کی جماعت میں داخل ہوا اور جنت میں پہنچا۔ ہر دو انعام رضا و مرضی ہونے کی صفت پر ہے۔

⑪ وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ

عاجزی میرا فخر ہے

عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں: وَالْفَقْرُ فَخْرِیْ لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کردیا ہے کہ وَالْفَقْرُ فَخْرِی کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔

صاحب مجمع البحار نے بھی وَالْعِجْزُ فَخْرِیْ کے الفاظ کو بیان کیا ہے جیسا کہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔ [4]

عجز کے معنی درماندگی کے ہیں اور کسی مفوضہ کام کو نہ کرسکنا اس کے مفہوم میں داخل ہے۔ مفوضہ کام نہ کرسکنے کی کوئی مناسبت نبی ﷺ کی ذات اقدس سے نہیں ہوسکتی۔ کیوں کہ حضور ﷺ کی حیات طیبہ تو سراپا سعی مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔

لہٰذا عجز سے مراد عجز بہ درگاہ احدیت ہے اور یہ معنی رب العالمین کے جاہ و جلال اور خاتم النبیین ﷺ کے مقام و احوال پر

[1] مدارج السالکین: 174/2 [2] مدارج السالکین: 177/2 [3] مدارج السالکین: 174/2 [4] مجمع البحار: 351/2

صادق آتے ہیں۔

اہل ثروت کے حال پر نگاہ ڈالو کہ دنیا میں تھوڑی سی کامیابی کے بعد ان کے غرور پندار کی کیا حالت ہوتی ہے؟ اور رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بھی غور سے دیکھو۔

وہ رسول ﷺ جس کی نصرت وتائید زمین کے ہر ذرہ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو جس کا حکم نفوس پر فرماں روا ہو، جس کی عظمت سے ما بین السماء والارض پر آوازہ ہو، وہ لحہ بہ لحہ، لحظہ بہ لحظہ، عجز وافتقار اور تضرع وانکساری کے تحیات وطیبات درگاہ احدیت اور آستانِ صمدیت پر پیش کر رہا ہے اور افتقار کو افتخار سمجھ رہا ہے۔

نبی ﷺ کی سکھلائی ہوئی دعاؤں کے کلمات زاکیات کو دیکھو جن سے غفلت قلب کا فور اور حجاب روح دور ہو جاتا ہے کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اٹھتا ہے اور بے اختیار سطوت الٰہی اور احتشام لم یزل کے سامنے جھک پڑتا ہے۔

نمونہ کے طور پر ایک دعا کا اندراج کیا جاتا ہے۔ قارئین اس کے اسلوب بیان پر غور کریں، علو مکانی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل زبان سے یہ الفاظ نکلے، وہ خود بھی اظہار عجز اور نیاز کو اپنے لیے کس قدر مایہ ناز فخر وامتیاز سمجھتا ہے اور متبعین کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ تَرٰى مَكَانِيْ وَتَسْمَعُ كَلَامِيْ وَتَعْلَمُ سِرِّيْ وَ عَلَانِيَتِيْ وَ لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِّنْ اَمْرِيْ وَ اَنَا الرَّجُلُ الْمُشْفِقُ وَ مُقِرٌّ الْمُعْتَرِفُ بِذَنْبِيْ وَ اَنَا الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ ۔ اَسْاَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمِسْكِيْنِ وَاَبْتَهِلُ اِلَيْكَ اِبْتِهَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِيْلِ وَ اَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَ دُعَاءَ مَنْ خَضَعَتْ لَكَ رَقَبَتُهٗ وَ فَاضَتْ لَكَ عَبْرَتُهٗ وَ ذَلَّ لَكَ جِسْمُهٗ وَ رَغِمَ لَكَ اَنْفُهٗ اَنْ لَّا تَجْعَلَنِيْ بِدُعَائِكَ شَقِيًّا وَّ كُنْ لِّيْ رَءُوْفًا رَحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ وَ يَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ ۔ [1]

''یا اللہ! تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سن رہا ہے' میری پیدا و پنہاں کو خوب جانتا ہے۔ میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں۔ میں تو کانپنے والا، ڈرنے والا ہوں' میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں' میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں۔ تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں، گنہگار ذلیل کی طرح تیرے سامنے چلا رہا ہوں۔ نابینا خوفزدہ کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں، میری پکار اس شخص کی سی ہے، جس کی گردن نیچی ہو، جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں' جسم جھک گیا ہو اور ناک زمین پر رگڑ رہا ہو، اے معبود مجھے محروم نہ رکھنا، میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا۔ اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریاد رس ہے تو سب سے بڑھ کر جود و عطا کرنے والا ہے۔''

اللہ اکبر! یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہل ایمان دل اور زبان کے اس عجز و بیان کے ساتھ بارگاہ منان میں حاضر ہو تو ضرور ہے کہ رحمت اس کی دستگیری فرمائے' محبت اس کی شمع راہ بنے، اخلاص و صداقت اسے خاک سے اٹھا کر کرسی قبول و عزت پر بٹھلائے۔ **فطوبیٰ لھم۔**

---

[1] کنز العمال :3614، الدر المنثور للسیوطی: 229/1، المعجم الکبیر : 164/11، المعجم الصغیر :136/6، العلل المتناھیہ: 360/2، اتحاف السعادۃ المتقین: 375/4، امالی الشجری: 60/2

⑫ وَالزُّهْـدُ حِرْفَتِیْ

زہد میرا پیشہ ہے

حرفت: اس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارہ کا ذریعہ بنائے۔

زہد: اصل لغت میں عدم رغبت کو کہتے ہیں۔ سورہ یوسف میں ہے:

﴿وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ﴾ [یوسف:20]

''قافلہ والوں کو یوسف کو پاس رکھنے میں رغبت نہ تھی۔''

شَیْءٌ زَهِیْدٌ چیز اندک (تھوڑی سی) جو قابل التفات نہ ہو۔

اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور مال ومتاع دنیا سے رغبت نہ رکھنے کو زہد کہتے ہیں۔

بعض نے کہا، زہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اعتماد ہو اور نہ مفقود پر تاسف ہو۔ [1]

امام المحدثین احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، زہد کی تین (3) اقسام ہیں:

1. ترک حرام، یہ عوام کا زہد ہے۔
2. حلال میں سے زائد شے کا چھوڑ دینا یہ خواص کا زہد ہے۔
3. ہر ایک ایسی شے کا ترک کر دینا جو توجہ الی اللہ سے روکنے والی ہو، یہ عارفین کا زہد ہے۔ [2]

قارئین! حدیث کے ہر دو الفاظ پر غور کیجیے۔

حرفہ تو اس طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کے لیے لازم ٹھہرائے اور یہاں نبی ﷺ نے ''زہد'' ہی کو اپنا حرفہ بتلایا ہے تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ ان سب اشیاء، جملہ اسباب اور وسائل سے جو ماسوی اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں' ہٹا کر پورے اہتمام اور پوری ہمت سے اللہ ہی کی طرف توجہ کر لی جائے، وسائل اور وسائط کو ہیچ پوچ سمجھ لیا جائے۔

وہ اعتماد جو پروردگار پر ہے، سامان حاضرہ کو موجب طمانیت نہیں بنا سکتا اور اسی سامان کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔

یہ زہد کی بلند ترین صورت ہے اور اس زہد پر یہ اعتراض بھی عائد نہیں ہو سکتا کہ زہد تو اکتسابی ذرائع کا مانع ہے یا زہد تو اصول تمدن کی مخالفت کا نام ہے۔

⑬ وَالْيَقِيْنُ قُوْتِیْ

یقین میری روزی ہے۔

واضح ہو کہ کتاب حمید میں یقین اور اہل یقین کا بیان آیات متعددہ میں ہوا ہے۔

1. ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ O اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ [البقرۃ:4-5]

---

[1] مدارج السالکین: 10/2 [2] مدارج السالکین: 10/2

''جولوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا، نیز اس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔''

آیات بالا پر غور کرو کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے۔

② ﴿ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴾ [السجدۃ:24]

''ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے کیوں کہ انھوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔''

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے۔

﴿ وَ فِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ O وَ فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [الذاریات:20-21]

''یقین والوں کے لیے زمین میں اور خود ان کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔''

آیت بالا میں بتایا گیا ہے کہ آیات ربانی کا مشاہدہ اور علامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ ومعائنہ سے نفع کا حاصل کرنا اہل یقین ہی کا حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ روح کا جسم انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا پیکر ایمانی میں ہے۔

یقین ہی اعمال قلب کی روح ہے۔

یقین ہی حقیقت صدیقیت ہے۔

علماء میں اختلاف ہے کہ یقین کسبی ہے یا وہبی ہے۔ ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کسبی ہے اور بلحاظ اصلیت وہبی ہے۔

سہل تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکاشفہ سے ابتدا ہوتی ہے اور پھر انسان معائنہ ومشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔

ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین (3) ہیں۔

① لوگوں سے میل جول کم ہو۔ ② کسی کے عطیہ پر مدح نہ کرے۔ ③ کسی کے نہ دینے پر اس کی مذمت نہ کرے۔

انہی کا ارشاد یہ بھی ہے، یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شے میں نظر الی اللہ ہو، ہر معاملہ میں رجوع الی اللہ ہو، ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔ [1]

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے تو وہ تین (3) ہیں۔

مرتبہ اولیٰ میں اوامر ونواہی، علم معاد، علم الاسماء والصفات داخل ہیں اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت وصدق پر وثوق کلی ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی۔ دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام رویت حاصل کر لیتی ہے، اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔

مرتبہ ثالثہ میں خود آفتاب حقیقت نور ریز ہوتا ہے کلفت یقین جاتی رہتی ہے۔ حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے،

---

[1] مدارج السالکین : 398/2

اس کو حق الیقین کہتے ہیں اور یہ درجہ صرف انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ انہی کی چشم ظاہر بین کے سامنے جملہ اسرار و خفایا منکشف ہوتے ہیں اور انہی پر علوم معاد کا ظہور ایسا ہوتا ہے کہ جیسے دوسروں کے لیے مادی اشیاء کا شہود۔

اب یہ غور کرو کہ حدیث زیر شرح میں نبی ﷺ نے یقین کو اپنی غذا فرمایا ہے، یہ ظاہر ہے کہ غذا ہی پر جسم کا نشو و نما ہے اور غذا ہی سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔

یقین کو غذا بتلانا ظاہر کر رہا ہے کہ حضور ﷺ اسباب مادیات سے کس قدر دور تھے۔ حضور ﷺ کی قوت یقینیہ کا اندازہ کرنے کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قوت یقینیہ کا اندازہ کرو۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ جنگ احد میں خوشہ انگور ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے کہ انگور کھا کر اور طاقت جسمانی بڑھا کر شریک معرکہ ہوں گے۔ انھوں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ شہادت کا ثمر جنت علیا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے انگوروں کی طرف دیکھا، پھر کہا کہ ان کے ختم کرنے میں تو دیر لگے گی۔ میں جنگ کے لیے اتنی دیر کیوں کروں۔ یہ کہہ کر انگور پھینک دیے اور رزم گاہ میں پہنچے اور جوہر شجاعت دکھلاتے ہوئے بزم گاہ رضوان کو جا سدھارے۔ [1]

نقیب محمدی عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا حال بھی انہی سے ملتا ہوا ہے۔ دشمن پر حملہ کر رہے تھے کہ ان کا چچیرا بھائی یخنی لے آیا، کہا یہ تھوڑی سی پی لو۔ طاقت پا کر زیادہ لڑ سکو گے۔ پیالہ ہاتھ میں لیا۔ دو تین گھونٹ لے کر برتن پھینک دیا کہ مجھے اپنے احباب سے جلد تر ملاقات کرنا ہے۔ [2]

سچ ہے کہ یقین شک و اوہام کے حجاب کو چاک کر دیتا ہے۔ اس وقت چہرہ حقیقت بے نقاب ہو جاتا ہے۔ رویت ایمانی کا درجہ بصارت عینی سے بالاتر پہنچ جاتا ہے اور ایسا دیدہ ور شخص مغیبات کو مشاہدات سمجھتا ہوا حقائق اصلیہ اور معارف روحانیہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

[14] وَالصِّدْقُ شَفِيعِىْ

صدق (سچائی) میرا ساتھی ہے۔

جب ایک شخص کے ساتھ اس کو اغراض و مقاصد میں متفق و متحد ہو کر دوسرا شخص شامل ہو جاتا ہے تو وہ پہلے شخص کا شفیع کہلاتا ہے۔ لغت میں شفیع بمعنی جفت آتا ہے، کتاب حمید میں ہے: ﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ [الفجر:3]

صدق، ہر شے کی اصلیت اور کمال قوت کو کہتے ہیں۔ الفاظ ذیل پر غور کرو۔

1. عزم صادق، اسی ارادہ کو کہیں گے جو تام و قوی ہو۔
2. محبت صادق، اسی محبت کو کہیں گے جو کامل و اصلی ہو۔
3. خبر صادق، وہی اطلاع جس میں اصلیت کے سب اجزاء کامل و قوی ہوں۔

قرآن مجید میں صدق کے کئی مقامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

[1] نبی ﷺ کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے:

---

[1] مسلم: 1901 [2] الاستیعاب: 899/3، ابن ہشام: 21/4

﴿ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴾

''اے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچائیو اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔'' [بنی اسرائیل:80]

اس دعا میں مُدْخَلَ صِدْقٍ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ کا سوال سکھلایا گیا ہے۔

مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے' جو اللہ کے لیے، اللہ کی جانب اور احکام الٰہی کی جانب بندہ کیا کرتا ہے۔ اس توجہ میں شائبہ ریب و شک نہیں ہوتا۔ اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ نبی ﷺ کا داخلہ مدینہ منورہ بھی اسی مُدْخَلَ صِدْق میں داخل ہے' جس کی برکات و انوار لامنتہیٰ ہیں۔

مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہوا و ہوس اور اقتضائے طبع و نفس سے منہ موڑ کر او رامور خاکی سے دامان دل کو جھاڑ پچھوڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے، اور کوئی حجاب' کوئی رسم' کوئی امید منفعت' کوئی خوف ضرر بندہ کو اس خروج صدق سے روک نہیں سکتا۔

نبی ﷺ کا مکہ چھوڑ دینا، وطن سے دوری، تعلق داروں سے بے تعلقی، راہ ہجرت کی بادیہ پیمائی اسی مُخْرَجَ صِدْق میں داخل ہے۔

2 ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ [یونس:2]

''اور جو ایمان لے آئے ان کو بشارت سنایئے کہ ان کے رب کے پاس ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔''

آیت بالا میں قَدَمَ صِدْقٍ کے وجود کی اطلاع اور بشارت دی گئی ہے۔

قدم صدق سے مراد وہ اعمال صالحہ اور افعال حسنہ ہیں، جو فرمان پذیر بندہ نے اپنی حیات فانی میں ادا کیے اور قبر میں جانے سے پیشتر بارگاہ رب العزت میں بھیج دیے گئے۔

تقدیم اعمال تو مومن و کافر، مطیع و فاسق سب ہی کی طرف سے ہوتی ہے مگر قَدَمَ صِدْقٍ کا اطلاق سب مومن ہی کے اعمال پر ہوتا ہے۔

3 ﴿وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ﴾ [الشعراء:84]

''اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔''

یہاں لسان صدق کی دعا فرمائی ہے۔ لسان صدق سے مراد ثناء حسن ہے۔ یہ اس بندہ کے لیے بطور جزائے حسن عطا ہوتی ہے جس کے افعال و اعمال اور اقوال اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں معیار صدق پر پورے اترتے ہیں۔

15 وَالطَّاعَةُ حَسَبِیْ

طاعت کرنا میری عزت ہے۔

طوع (جس سے طاعت بنا ہے) کے معنی انقیاد امر اور اتباع حکم ہیں' جب کہ مطیع اس حکم کی تعمیل پورے پورے انشراح صدر اور نشاط قلب سے کر رہا ہو۔ حسب، وہ بزرگی جو مال یا دین یا صفات حسنہ اور اخلاق فاضلہ یا استعداد جود کی وجہ سے حاصل ہو۔

حدیث بالا میں صنعت تضاد موجود ہے۔ یعنی عام طور پر لوگ ان اشیاء کو باعث بزرگی و برتری سمجھا کرتے ہیں جس میں اوروں پر تفوق پایا جاتا ہو۔

لیکن نبی ﷺ نے بندگی و فرماں برداری کو اپنے لیے باعث برتری و تفوق قرار دیا ہے۔ بے شک یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے گوہر گرامی میں عموماً اور امام الانبیاء سرور عالم ﷺ کے عنصر پاک میں خصوصاً اس کا ظہور اور نور نظر آتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ رکھی تھی کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملے گا' اسے قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے گا۔

شرط مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے۔ لہٰذا عمر فاروق، اسید بن حضیر' سعد بن عبادہ' سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم جیسے غیرت مندان اسلام نے جو شبانہ روز اَعِزُّ الْاِسْلَامَ وَالْمُسْلِمِیْنَ کا ورد کرتے تھے' اس شرط کو حمیت مسلمین اور عزت اسلام کے منافی سمجھا۔

جب انھوں نے اس بارہ میں حضور ﷺ سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو حضور ﷺ نے ان کے دلائل کی تردید کی اور نہ ان کے اقوال کی تضعیف، بلکہ زبان عالی سے یہ فرمایا:

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ لَسْتُ اَعْصِیْہِ وَھُوَ نَاصِرِیْ[1]

''میں اللہ کا رسول ہوں، میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا' وہی میرا مددگار بھی ہے''

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ نبی ﷺ کس قدر زیادہ طاعت و انقیاد الٰہی کے پابند تھے کہ حمیت و حمایت ظاہری اور وقار عزت یعنی نو مسلموں کی جنبہ داری یا مرتدین کی تعزیر کے مسلمہ اصول بھی حضور ﷺ کے ذوق اطاعت اور کمال انقیاد سے الگ نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حسن عمل کا بدل اس جنس عمل کی صورت میں حضور ﷺ کو ارزانی فرمایا' اور حضور ﷺ کی اطاعت کو جملہ عالم و عالمیان پر فرض عین ٹھہرایا۔ فرمایا:

① ﴿ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ﴾ [النساء:80]

''جس نے محمد رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔''

② ﴿ اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَہْتَدُوْا ﴾ [النور:54]

''اے لوگو! اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا لو گے۔''

16 وَالْجِھَادُ خُلُقِیْ

جہاد میری خصلت ہے۔

جہاد پوری کوشش سے کام کرنا، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا۔ خلق طبیعت، جبلت، پیدائشی خصلت۔

---

[1] زرقانی جلد 3، ص: 204

جہاد شریعہ کی دو اقسام ہیں: جہاد بالمال اور جہاد بالنفس۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [الصف:11]

''اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔''

مال کی قربانی بھی سخت دشوار ہے اور ایثار جانی بھی سخت مشکل۔ بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پروا نہیں کرتے اور اکثر ایسے ہیں جو مال کے لیے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں۔ جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو' وہاں پورا اترنا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں ہی کا کام ہے۔ بسا اوقات یہی مال و جان انسان کو اس کے فرائض ذاتی و قومی اور واجبات اخلاقی و دینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہو جایا کرتے ہیں، لیکن اللہ کی راہ کے فدائی ہر شے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں' قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ﴾ [الحج:78]

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔''

اس جہاد سے مراد علم الٰہی کی تحصیل' رضائے ربانی کا حصول' تقرب سبحانی کا شوق' مدارج روحی کا ارتقاء مراد ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صرف طاقت اور اخلاص توجہ بمعنی لغوی اور ایمان و عمل صالحہ بمعنی شرعی بہمہ وجوہ درکار ہیں۔

جہاد کے معنی اعدائے دین کو تحت میں لانا' اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے وسائل مالی و جانی کو مجتمع کر دینا بھی ہیں۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت پاک پر نگاہ ڈالو کہ جہاد کی ان جملہ اقسام میں حضور ﷺ جملہ افراد امت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔

حضور ﷺ کا عزم و ارادہ اور نیت و تمنا' حضور ﷺ کا آرام و قیام اسی جہاد فی اللہ کے لیے تھا۔

وہ آسودگی و آرمیدگی جو خاصہ اہل حکومت ہے۔

وہ وہن و ضعف جو لاحق احوال امراء ہے۔

وہ کسل و جمود جو محبوب مترفین ہے، ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذات گرامی پر نہ تھا۔

جد و جہد، سعی و طلب، ارتقاء و ارتفاع، سوز و گداز، حزن و شوق حضور ﷺ کے خدام دربار تھے اور اسی اسوہ عالیہ کا فیضان تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خویش و تبار سے، زن و اولاد سے جدا، ضیاع و زرع سے دور، آرام و آسائش سے نفور ہو کر ہمہ تن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے۔ اسی صفت عالیہ کے تحت میں انھوں نے وطن کو خیر باد کہا اور زیست دنیوی کو حیات دنی قرار دیا۔ وطن سے نکلنے اور تمام دنیا کو ہمت بلند، عزم راسخ، طلب صادق، سعی موفور کی ایسی تعلیم دے گئے کہ مشرق سے مغرب تک

﴿ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ [التوبۃ:40] ''اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہی بلند رہنے والا ہے۔''

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے دنیا کا دار العمل ہونا سمجھ لیا' انفاس کا پاس ہونے لگا، حیات ارضی کے بعد حیات روحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔

اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مدت قلیل میں فوائد کثیرہ، فتوحات عظیمہ، غنائم وافرہ' نتائج عالیہ حاصل ہو گئے۔

کاش! مسلمان اسی علم و عمل کو مآل زندگی سمجھیں اور سعی و طلب کو اپنی جبلت و فطرت بنا لیں اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں

زندہ کہلانے کا لقب حاصل کر سکیں۔

نہیں، نہیں، دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطمع نظر بہت پست ہے۔ اہل ایمان کو اپنی نیت و فعل اور عزم و عمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے تاکہ انھیں انبیا و صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو جائے اور سعادت دارین کا تاج جسے تاج خلافت بھی کہا جاتا ہے ان کے سر پر رکھا جائے۔

⑰ وَقُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ

میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

حج عمر میں ایک دفعہ ہے ادائے زکوۃ کے لیے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے صوم رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں۔

مگر نماز ایک دن میں پانچ (5) دفعہ پڑھنا فرض ہے۔ سات (7) برس کے بچے کو نماز پر لگانے اور دس (10) برس کے بچے کو ترک نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے۔ سفر ہو یا مرض' مفلسی ہو یا امیری' اسیری ہو یا آزادی، نوکری ہو یا گھر پر فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی' جب تک ہوش حواس درست ہیں' نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے۔ اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی ہے اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے۔ نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروز محشر ہوگا۔

عماد دین نماز ہے، شوکت اسلام نماز ہے، اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے، مسجدوں کی تعمیر، اذانوں کا اعلان' خطیب اور پیش نمازوں کا تقرر، سب کچھ نماز کے لیے ہے۔ حفاظ قرآن کی عزت' محراب مسجد سے آشکار ہوتی ہے اور علمائے دین کی فضیلت منبر مسجد سے نمودار ہوتی ہے۔

نماز ہی اجتماع و تنظیم کا سبق آموز ہے اور نماز ہی پابندی اوقات کا خوگر بنانے والی ہے۔ نماز ہی مختلف المزاج افراد کو مرکز واحد پر لاتی ہے اور نماز ہی قوم کو پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز ہی بندہ کو بدن، لباس اور مقام کو پاک و پاکیزہ اور صاف مجلی رکھنے کا ذریعہ ہے۔ نماز ہی سحر خیزی سکھلاتی ہے اور نماز ہی بیہودہ تھیٹروں' تماشاؤں میں انسان کی صحت اور روپیہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے۔ نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔

نماز ہی ہر انسان کو دربار الٰہی میں حاضر ہو سکنے کا اعزاز عطا کرتی ہے اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی و ہم کلامی کا راز کھول دیتی ہے۔ نماز ہی کمال عبودیت ہے اور نماز ہی تکمیل انسانیت، نماز ہی اخلاق حسنہ کی ہادی ہے اور نماز ہی عادات سیہ کی سپر ہے۔ نماز ہی مغفرت و رحمت ہے اور نماز ہی نور و برہان ہے۔ نماز ہی سے رب العالمین کے عالمگیر علم و قدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزندان اسلام کی عالمگیر اخوت کا سلسلہ پائدار بنتا ہے۔ نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں اور نماز ہی سے تجلیات حضور ﷺ کی اشاعت نور ہوتی ہے۔ جس دین میں نماز نہیں وہ دین ہی نہیں۔ مومنین کے لیے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے اور حالت سجدہ کو بندہ کا بارگاہ سبحانی سے قریب تر ہونا بتلایا گیا ہے۔

بزرگان دین سمجھتے تھے کہ چنچل من صرف نماز ہی سے سکینہ یاب ہوتا ہے اور ہر وقت سوچنے والا دماغ صرف نماز ہی میں انابت الی اللہ کا مزہ پاتا ہے۔ نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس روح اور سر اور اخفی پر یکساں پڑتا ہے اور نماز ہی ہے جو

بہ حالت ارتعاب انسان کو ملکوتی صفات بنا دیتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہے ازاں جملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی بندہ کو پانچ وقت اللہ کے حضور ﷺ میں لے جاتا اور بے واسطہ دیگر براہِ راست عرض و معروض کا موقع عطا کرتا ہے۔ جب نماز کی یہ برکات عامۃ المسلمین کے لیے ہیں تو کچھ شک نہیں رہ جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی نماز اپنی نورانیت میں سارے جہاں کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔

ایک مذنب ذلیل، خائب و خاسر کی عبادت کو ایک مصطفیٰ و مجتبیٰ، سید الوریٰ، حبیب رب العلیٰ ﷺ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت و مشابہت ہو سکتی ہے۔؟

البتہ حدیث پاک سے اس قدر مستنبط ہوا کہ نبی ﷺ کے کلمہ خوانوں کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہی کو بنانا چاہیے، جیسا کہ حضور ﷺ رسالت مآب نے نماز کو قرۃ العین فرمایا ہے۔

صلی اللہ علیہ و آلہٖ و اصحابہ وسلم

باب دوم 2

خصائص القرآن

قرآن کریم وہ پاک کتاب ہے، جسے نبی ﷺ نے کلام اللہ بتا کر اپنی زبان مبارک سے حرفاً حرفاً سنایا۔ لہٰذا سیرت نگار نبوی ﷺ کا فرض ہے کہ قرآن مجید کے متعلق بھی ضروری مباحث کو سیرت نبوی ﷺ کے ساتھ ساتھ پیش کرے۔ کتاب ہذا کی جلد اول میں بھی اس بحث پر چند اوراق پیش کیے جا چکے ہیں۔ اب اس اختصار سے کچھ آگے بڑھ کر چند مبحث ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہیں۔

قرآن پاک کے نام بھی اسماء الحسنٰی کی طرح 99 تک پہنچ گئے ہیں، لیکن سب سے زیادہ خاص اس کا نام مبارک ''کلام اللہ'' ہے اور سب سے بڑھ کر مشہور اس کا نام ''القرآن'' ہے۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''المشوق الی علوم القرآن'' میں تحریر فرمایا ہے کہ لفظ قرآن محاورۂ قَرَاْتِ الْحَوْضُ سے ماخوذ ہے، جو حوض پانی سے لبالب لبریز ہوتا ہے، اسے قَرَاْتِ الْحَوْضُ کہا کرتے ہیں۔ چوں کہ قرآن پاک جملہ علوم پر محتوی اور عرفان تام کا ظرف اور حقائق اصلیہ سے پر ہے اس لیے اس کا نام قرآن ہوا۔ [1] اب ذیل میں متعدد عنوانات کے ساتھ چند مباحث پیش کیے جاتے ہیں۔

فصل اول 1

ضرورتِ قرآن

قرآن مجید کی ضرورت معلوم کرنی ہو تو سب صاحبان کو اس زمانہ کی تاریخ اور صفحہ عالم کی حالت پر غور کرنا چاہیے۔

ایران کے مجوس کا سراپا شرک کی نجاست میں غرق ہونا اور احاطہ انسانیت سے نکل کر ان کی ماں بیٹی، بہن سے ازدواج کو جائز و مباح سمجھ لینا۔

روما چرچ کے عیسائیوں کا صریح بت پرستی میں مبتلا ہو کر اس مشرکانہ عقیدہ کی ترویج میں لاکھوں بندگان الٰہی کا خون پانی کی طرح بہانا۔

چین کا قبر پرستی اور بھوت پریت کی عبادت میں محو ہو جانا اور پھر خود کو آسمانی فرزند کہلانے کا مستحق قرار دینا۔

اس کا فسق و فجور میں پڑ کر شراب کو بہترین افعال انسانی قرار دینا، مرد عورت کی برہنگی کے اعضاء کی مثالوں کو سب شودوالوں میں قائم کرنا، دختر کشی اور قمار بازی کو شرافت کا نشان قرار دینا۔

عرب کا بعض صفات بالا میں اکثر ممالک سے بڑھ جانا۔

الغرض معمورہ عالم پر سخت تاریکی چھائی ہوئی تھی اور ان ضلالتوں کے دور کرنے میں وہ کتابیں جو دنیا میں پہلے سے نازل شدہ تھیں، ناکافی ثابت ہو چکی تھیں۔

ان کا تمام عالم کے بگڑے ہوئے آوے پر تو کیا اثر ہوتا کہ خود اس قوم (جس میں اس کتاب کا نزول ہوا) دائرہ اطاعت میں نہ رہی تھی۔ اس لیے ضرورت تھی ایک ایسی مہیمن کتاب کی جس میں تمام عالم کی اصلاح کی طاقت ہو اور تمام کتابوں کو اپنے اندر جمع کر لینے

[1] المشوق الی علوم القرآن، ص: 244

کی قابلیت اور بلحاظ اپنی مجموعی شان کے دیگر اوراق پریشان سے دنیا بھر کو مستغنی کر دیتی۔

ہاں! جس طرح سخت گرمی اور حبس کے بعد باران رحمت کا نزول ہوتا ہے، جس طرح رات کی سخت تاریکی کے بعد خورشید عالم افروز طلوع فرماتا ہے، اسی طرح تمام دنیا پر پھیلی ہوئی ظلمت مظلمہ ہی نے قرآن مجید کے نور مبین کی ضرورت کو افراد عالم کے دل و دماغ میں ثابت ومحسوس کرا دیا تھا۔

لہٰذا اسی رحمت ربانیہ نے جو انسان کو عدم سے وجود میں لانے اور نطفہ سے انسان کامل بنانے میں کارفرما ہے، ہماری روحانی ضرورت کے لیے اس نور و ہدایت کو نازل فرمایا۔

بدبختی سے ہند میں ایسا فرقہ بھی پیدا ہو گیا ہے جو رب کریم کو ارحم الراحمین تو مانتا ہے مگر پھر بھی اس کلام الٰہی کے دنیا میں نازل ہونے کی ضرورت سے انکار ہے۔

یہ کور سواد تسلیم کرتے ہیں کہ اس ﴿نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [النور:35] نے اگر آنکھ کو بینائی دی ہے تو دیکھنے کے لیے ان گنت رنگتیں بھی بنائی ہیں۔

اگر کان کو شنوائی ملی ہے تو سننے کے لیے بھانت بھانت کی آوازیں بھی پیدا کی ہیں۔ پاؤں چل سکتا ہے تو اس کی جولانی کے لیے فرش زمین میں ہموار و ناہموار راہیں بھی نکال دی ہیں۔ منہ کھا سکتا ہے، تو ذائقہ کے واسطے میٹھے، سلونے کھٹے، پھیکے کھانے بھی مہیا کیے ہیں۔ یعنی جس قدر حواس ظاہری اور قوائے باطنی جسم انسان میں پائے جاتے ہیں اس کے متعلق ایک ایک جداگانہ عالم بھی پیدا کیا گیا ہے۔

مگر ان کو اب بھی سخت انکار ہے کہ روح انسانی کے لیے (جو فطرت انسانی کی خزینہ دار اور اس کی مملکت کی حکمران ہے) کوئی جداگانہ عالم موجود ہو، اگر یہ لوگ روح کا انکار کر دیتے تو ان کی حالت پر اتنا افسوس نہ ہوتا لیکن روح کا اقرار اور رحمت الٰہیہ کی جانب سے اس کے لیے عالم خاص کا انکار قطعاً اسرار فطرت سے عدم آگاہی پر مبنی ہے، خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔

ضرورت قرآن حمید کے ثبوت میں ہم دنیا کے سامنے دنیا کی تاریخ رکھ دیتے ہیں۔

نیز ان تمام ترقیات کو دنیا کے ہر ایک مذہب نے نزول قرآن مجید اور اشاعت کتاب حمید کے بعد اپنے عقائد اور اصول میں کی ہے اور ان تمام اصطلاحات کو بھی اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں جو غیر مسلم اقوام نے اس 1352 سال کی مدت رسالت محمدیہ ﷺ میں تعلیم قرآن سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے اپنے مذہب اور مسلک میں داخل کر لی ہیں۔

ان ترقیات و اصطلاحات کے ازمنہ ارتقاء کی تاریخ معلوم کرنے کے بعد امید قوی ہے کہ ہر ایک مصنف کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ فی الواقع معمورۂ عالم کو قرآن مجید کے نزول کی سخت ضرورت واحتیاج تھی۔

فصاحت و بلاغت قرآن

اگر کسی کو فصاحت و بلاغت قرآنی کا اندازہ کرنا ہو تو اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اس کام کے لیے زبان دانی کامل کی ضرورت ہے۔

اور علم معانی و بیان و بدیع میں اعلیٰ درجہ کی مہارت کا ہونا لازمی ہے۔

اور پھر فہم سلیم وطبع ہموار کی شرط لابدی ہے۔

اگر یہ آنکھیں، یہ عینک، یہ دوربین کسی کو مل جائے تو وہ بے اختیار بول اٹھے گا کہ قرآن عظیم کی فصاحت و بلاغت طاقت بشری سے بالاتر ہے۔

جہلائے عرب شیدائی زبان اور فدائی حسن بیان تھے اور اسی وجہ سے وہ اسالیب غریب وقصائد عجیب کے مالک، رجز فاخرہ و اسجاع موجزہ اور خطب بلیغہ کے انشا پر قادر تھے۔

صرف اسی قابلیت کے وجود نے بڑے بڑے زبان آوروں، خطیبوں اور شاعروں سے منوا دیا تھا کہ قرآن کلام بشر نہیں۔

ذرا غور کرو، دنیا کے کسی ملک میں کبھی ایسا ہوا ہے کہ کسی شخص نے کوئی ایسا دعویٰ کیا ہو جو دنیا بھر سے نرالا اور فائق تر ہو، جیسے خاتم النبیین، رسول کافۃ للناس، رحمۃ للعالمین، مطاع عالم ﷺ کے اعلام سے نمایاں ہے اور ثبوت دعویٰ میں ایک تصنیف کو پیش کر دیا ہو اور اسی کو اپنے صدق وکذب کا معیار ٹھہرایا ہو اور اس دعویٰ کا انکار کرنے والوں کو ضلالت وعمایت (اندھا پن) اور خلود نار وغیرہ کی ذلتوں کے مواعید سے جوش بھی دلایا ہو۔

پھر ایسی حالت میں بھی اسی ملک کے رہنے والے، اسی کی زبان کے بولنے والے، اسی زبان کے قادر الکلام اور سحر البیان لوگ اس کے سامنے ساکت وخاموش اور متحیر ومدہوش رہ گئے ہوں۔

① ہم تو سمجھتے ہیں کہ تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، قرآن مجید کے پیش کرنے والے (فداہ ابی وامی) نے معارضہ کی چھ (6) قسمیں بتلائی ہیں اور ہر ایک قسم کے مقابلہ میں سب کو عاجز ودرماندہ ثابت کر کے اپنی صداقت کو آفتاب روشن کی طرح آشکارا کر دیا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن مجید گو عربی مبین ہے، مگر اس کی فصاحت وبلاغت کا جو درجہ ہے وہ تمام عالم کی کتب سے بالاتر ہے۔

② اب یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ فردوسی، ہومر (Homer)، سعدی وشیکسپیئر (Shakespeare) والمیک (Walmake) وملٹن (Milton)، گوئٹے وبیکن (Beacon) نابغہ وسسرو، امراء القیس وخسرو وغیرہ جن کی فصاحت وبلاغت کی بڑی بڑی تعریفیں مختلف السنہ کے متعلق مختلف اقوام نے کی ہیں ان سب کا جوش وخروش ایسی کتابوں میں نکلا ہے، جن کی بنیاد تخیلات وتصورات پر رکھی گئی ہے، جن میں ہر قسم کی تشبیہات واستعارات کے استعمال کی مصنف کو آزادی حاصل تھی، جن میں ترک غلو یا پابندی صداقت کی کوئی بندش نہ تھی۔

اگر انہی زبان آوران پر کلام کو کوئی قانون، کوئی ضابطہ لکھنا پڑتا، اگر حقائق الٰہیات اور رموز فطرت یا اسرار آفرینش پر ان کو چند سطور بھی تحریر کرنی ہوتیں تو دنیا دیکھ لیتی کہ عبارت کتنی پھیکی، بندش کتنی سست اور الفاظ کیسے کھٹیل، طرز ادا کتنا مبتذل ہوتا۔

یہ قرآن حکیم ہی کا حصہ ہے کہ وہ احکام شریعت اور مواعظ وامثال، اخبار وانذار میں زبان ماضی کی سرگزشت اور عہد مستقبل کی حالت پر آیات کا القا فرما رہا ہے اور بایں ہمہ کلام میں کسی جگہ بھی نہ صداقت وروحانیت کے درجہ سے گرا اور نہ فصاحت وبلاغت کے مرکز سے متزلزل ہوا ہے۔

③ انداز فصاحت وبلاغت کے وقت یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ساری دنیا کے مسلمہ ومقتدر فصحاء کے میدان کلام اور وادی سخن بھی خاص خاص ہوتے ہیں۔ سعدی کی نصیحت قعر قلب میں جگہ پا لیتی ہے لیکن بزم ونشاط کی بساط کا بچھانا اور ناز واختلاط کے کواڑ کھول دینا اس کی طاقت سے باہر ہے۔

فردوسی کے بیان جنگ کو پڑھنے والا سمجھتا ہے کہ وہ کوئی سینما دیکھ رہا ہے، لیکن مواعظ واخلاق کی سڑک پر اس کا خنگ قلم لنگڑاتا ہوا ہی نظر آتا ہے۔

عرب کے امراء القیس و عنترہ، ابونواس وابوالعتاہیہ کا بھی یہی حال ہے۔ جرمنی وفرانس، اٹلی وانگلستان کے اہل قلم (شاعروں، ناول نویسوں، اڈیٹروں، یا زبان آوروں، پروفیسروں، لیکچراروں) میں بھی یہی تفاوت درجات موجود ہے۔ ریناللہ (Renald) بھی گبن (Gibben) نہیں بن سکتا، اور کارلائل (Carlyle) بھی شیکسپیئر (Shakespeare) کا روپ نہیں دھار سکتا، ہربرٹ (Herbert)، سپنر (Spinner) اور نارتھ بروک (North Brook) کی زبان بھی ایک نہیں ہو سکتی۔

قرآن کریم پڑھو، اسے موجودہ ماہیات و کیفیات کے متعلق کس قدر دلائل ساطعہ و براہین بینہ سے کام لینا پڑا۔

اسے اقوام ماضیہ کے عروج و زوال اور اس کے لوازم و اسباب پر کیا کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس نے مذاہب و ادیان وعقائد و مسلمات انسان پر کتنی تیز روشنی ڈالی۔

اس نے روح و مادہ اور اعمال کی بابت کس قدر اسرار آشکار کیے۔

اس نے تدبیر منزل و سیاست مدن، حقوق افراد و وجوب قوم کی نسبت کتنے قوانین وضوابط ایجاد کیے۔

اور ان سب کی تبیین و وضوح کے سلسلہ میں اسے کس قدر اقسام سخن اور اسالیب کلام پر تکلم کی ضرورت ہوئی لیکن ہر جگہ کلام کی شان، الفاظ کی شوکت، معانی کا حسن اسی خصوصیت کے ساتھ جلوہ گستر و نور افزا ہے، جیسا کہ اثبات توحید و رد شرک و ابطال باطل و احقاق حق کی فضا میں عطر بیز و روح پرور تھا۔ یہ وہ وقائع کلام ہیں جن کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے اپنی لمبی لمبی عمروں کو اسی شوق فہم و ذوق وجدان میں پورا کر دیا ہے۔

④ فصاحت و بلاغت کا تعلق جزالت الفاظ سے بھی ہے اور اشاقت معنی سے بھی۔ ہم اس جگہ چند آیات کا اقتباس پیش کرتے ہیں، ان کے ہمہ گیر معانی پر غور کرو اور خوب غور سے دیکھو کہ تہذیب اخلاق، تہذیب نفس، تدبیر منزل، حصانت قوم اور سیاست مدن کا کون سا ضروری مسئلہ ہے جو ان چند آیات سے باہر رہ گیا ہے۔ اسی سے قرآن مجید کی 6666 آیات شریفہ کا اندازہ کرو اور ان علوم و معارف کا تخمینہ لگاؤ جو ان آیات میں محفوظ کیے گئے ہیں۔

ان آیات کے پیش کرنے سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم صرف اتنی ہی آیات کو پیش کر سکتے تھے یا یہی چند آیات نمونہ بنائے جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ لا واللہ!

اس وقت ہماری مثال اس گل چیں کی سی ہے جو ایک گلستان تازہ بہار کی سیر کو نکلا اور واپسی کے وقت وہاں سے چند گل شاداب کو زیب سر و سینہ بنا لیتا ہے، کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ اس گل چیں کے بعد باغ میں پھول باقی ہی نہیں رہے، یا جو باقی ہیں وہ سب آب و رنگ میں یا نزہت و نزاکت میں گلہائے چیدہ سے کم ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا جواب یقیناً منفی ہوگا۔

① اصول عبادت

﴿ وَمَالِیَ لَآ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴾ [یس:22]

''کیا وجہ ہے کہ میں اس ذات کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور جس کی طرف ہم تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔''

② شرافت انسانیت

﴿ وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ وَحَمَلۡنٰهُمۡ فِی الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰهُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ

مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ [بنی اسرائیل:70]

''ہم نے فرزندانِ آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔''

③ اوامر یعنی کرنے کے کام

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى ﴾ [النحل:90]

''اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔''

④ نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

﴿ وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾ [النحل:90]

''اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔''

⑤ محرمات

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [الاعراف:33]

''میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرا دیا ہے۔''

① بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔

② گناہ ③ بغاوت ناحق۔

④ اللہ کے ساتھ شرک، جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

⑥ تعاون

﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدہ:2]

''نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔''

⑦ عدم تعاون

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ:2]

''گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔''

⑧ جملہ اعضائے انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾

مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ [بنی اسرائیل:70]

''ہم نے فرزندانِ آدم کو عزت دی اور بحر و بر میں ان کے لیے سواریاں عطا کیں اور پاکیزہ چیزیں ان کو کھلائیں اور اپنی بہت سی مخلوقات پر ان کو برترین فضیلت عطا کی۔''

③ اوامر یعنی کرنے کے کام

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِى الْقُرْبٰى ﴾ [النحل:90]

''اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ عدل و احسان کرو اور قرابت داروں کے ساتھ عمدہ سلوک کرو۔''

④ نواہی یعنی نہ کرنے کے کام

﴿ وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ﴾ [النحل:90]

''اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں سے اور بغاوت سے اور ناپسندیدہ امور سے تم کو منع کرتا ہے۔''

⑤ محرمات

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [الاعراف:33]

''میرے پروردگار نے مندرجہ ذیل باتوں کو حرام ٹھہرادیا ہے۔''

① بے حیائی کی سب صورتیں کھلی ہوں یا چھپی ہوئی۔

② گناہ ③ بغاوت ناحق۔

④ اللہ کے ساتھ شرک، جس کے جواز کی بابت کوئی عقلی و نقلی دلیل موجود نہیں۔

⑤ اللہ تعالیٰ کے خلاف اپنی بے علمی سے باتیں بنانا۔

⑥ تعاون

﴿ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدہ:2]

''نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔''

⑦ عدم تعاون

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ:2]

''گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں کسی کی کچھ مدد نہ کرو۔''

⑧ جملہ اعضائے انسانی اپنے اپنے افعال کے ذمہ دار ہیں

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾

''جب قول ہوا اور فعل اس کے ساتھ نہ ہو تو خدا کے ہاں یہ بہت بیزاری کی بات ہے۔''

⑯ اپنے افعال کی پوری پوری ذمہ داری

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ [الانعام:164]

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

⑰ برائی کی اشاعت بھی بری ہے

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ﴾ [النساء: 148]

''برائی کا کھلا ذکر اللہ کو پسند نہیں، ہاں مظلوم اس سے مستثنیٰ ہے۔''

⑱ حلم و تواضع کی تعلیم

﴿ وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں اور جاہلوں کے ساتھ بات چیت کے وقت وہ جاہلوں کو سلام کہتے ہیں۔'' [الفرقان:63]

⑲ ناپسندیدہ عادتیں

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴾ [لقمان:18]

''مکار اور جھوٹے فخر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔''

⑳ چغلی سے نفرت دلانے والی مثال

﴿ وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا ﴾ [الحجرات:12]

''تم میں سے کوئی بھی دوسرے کی چغلی نہ کرے، کیا تم مردہ بھائی کی لاش کا گوشت کھانا پسند کر سکتے ہو (چغلی کی یہی مثال ہے۔''

㉑ نفع رسانی کی ضرورت و فضیلت

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ [آل عمران:92]

''تم اصل نیکی کو اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے، جب تک اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیزوں کو خرچ نہ کرو گے۔''

㉒ اخوت عامہ کی تعلیم

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ [الحجرات:10]

''سب ایمان والے آپس میں بھائی بھائی ہیں، یہی پکی بات ہے۔''

(23) عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہیں

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ [البقرہ:228]

''دستور کے مطابق حقوق عورتوں پر مردوں کے ہیں، ویسے ہی عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔''

(24) زن وشوہر کا اتحاد

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ [البقرہ:187]

''عورتیں مردوں کے لیے لباس ہیں اور مرد عورتوں کے لیے لباس ہیں۔''

(25) عورت کو جدا نہ کرنے کی نصیحت

﴿ وَاَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ ﴾ [الاحزاب:37] ''اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔''

(26) شکر کا حکم اور فائدہ

﴿ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ﴾ [ابراہیم:7] اگر تم شکر کرو گے تو تم کو بڑھاتا رہوں گا۔

(27) امتحان الٰہی کی چیزیں

﴿ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ [التغابن:15] ''مال ودولت اور اولاد میں بندوں کا امتحان ہے۔''

(28) کسر نفسی کی تعلیم

﴿ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ ﴾ [یوسف:53]

''میں نفس کو بری نہیں ٹھہراتا، نفس تو برائی کی طرف اکسایا کرتا ہے۔''

(29) جنگ سے بچنے کی تدبیر

﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ [الانفال:60]

''تم دشمنوں کے لیے اپنی پوری قوت سے تیار رہو اور سرحدات پر پوری فوجی تیاری رکھو، اس تدبیر سے تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو روکے رکھو گے''

(30) جملہ محامد عالیہ کا مالک ہمارا پروردگار ہی ہے

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ [الفاتحہ:1]

''اللہ، جو تمام مخلوقات کا پالنے والا ہے، وہی سب خوبیوں کا مالک ہے''

(31) دین الٰہی کی تعریف

﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ [الروم:30]

''وہ سرشت الٰہی جس پر سب انسانوں کو پیدا کیا گیا ہے، اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں۔ یہی تو محکم واستوار دین ہے۔''

32 دین صحیحہ کا مقصد کیا ہے اور کیا نہیں

﴿ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَ لٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ [المائدہ:6]

''وہ اللہ کا یہ ارادہ نہیں کہ تم پر کوئی دشواری ڈالے، اس کا تو ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک و مطہر بنائے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے کہ تم شکر گزار بنو''

33 رب برتر کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ رحمت و محبت کا ہے

1. ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ [الانعام:12]

''تمہارے پروردگار نے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ رکھا ہے (جمع کر رکھا ہے)۔''

2. ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴾ [البروج:14]

''وہ تو بہت بخشنے والا محبت کرنے والا ہے۔''

3. ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ [البقرہ:257]

''اللہ تو ایمان والوں سے محبت کرنے والا ہے اور ان کا کارساز ہے اور ان سب کو تاریکیوں سے نکالتا ہے اور نور میں لاتا ہے۔''

34 انسان واحد کی جان کی قیمت

﴿ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ [المائدہ:32]

''اگر کسی نے ایک انسان کو مارا (قصاص یا بلوہ کی سزا مستثنیٰ سمجھو) تو گویا اس نے تمام نوع انسانی کو قتل کر ڈالا اور جس کسی نے ایک انسان کو بھی ہلاکت سے بچالیا گویا اس نے تمام انسانوں کی زندگی کو بچالیا''

35 امن شکنی کی ممانعت

﴿ فَاذْكُرُوْا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ [الاعراف:74]

''اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور ملک میں فساد پھیلانے سے باز آجاؤ۔''

36 اصول مصارف

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَاۤ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ [الفرقان:67]

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں، تب نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل کرتے ہیں اور ان حالتوں کی درمیانی حالت پر چلا کرتے ہیں''

37 مال ومنال دنیا سے آرام وآسائش بھی اٹھاؤ اور آخرت بھی کماؤ

﴿ وَابْتَغِ فِيْمَا اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ﴾ [القصص:77]

’’جو کچھ خدا نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کی بھی طلب کر اور اپنا دنیوی حصہ بھی مت بھول جا اور بھلائی کیا کر، جیسا کہ اللہ نے تجھ سے بھلائی کی ہے‘‘

38 امداد غربا ومساکین

﴿ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الروم:38]

’’قرابت والے اور مسکین اور مسافر کا حق ادا کیا کر، یہ باتیں ان لوگوں کے لیے بہتر ہیں جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے‘‘

39 سوگند (قسم) کھانے والا انسان بے اعتماد بن جاتا ہے

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴾ [القلم:10]

’’جو کوئی شخص بہت سوگندیں کھاتا اور ذلیل بنتا ہے اس کا اعتبار نہ کرو‘‘

40 اللہ عزوجل سے دعا مانگا کرو

﴿ وَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ [غافر:14]

’’اللہ ہی سے دعا مانگا کرو، خالص اسی کے ہو کر اور اسی کے فرمانبردار بن کر رہو‘‘

41 حمد خالق ومدح مخلوق

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ ﴾ [النمل:59]

’’حمد کا مالک اللہ ہے اور اللہ کے بندوں کے لیے سلام (سلامتی) ہے‘‘

اس مختصر سے جملہ پر اور تقسیم مدارج پر جتنا زیادہ غور کیا جائے گا، اسی قدر زیادہ حقائق معلوم ہوں گے۔ اسی میں توحید ہے، اسی میں رد شرک، اسی میں برگزیدہ بندگان الٰہ کے مدارج علیا کا بیان۔

42 نظم عالم اور تناسب اجزاء عالم کا بیان

﴿ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴾ [الملک:3]

’’تو رحمن کی پیدا کردہ اشیاء میں کچھ فرق نہ دیکھے گا، ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ کیا تجھے کوئی نقص بھی نظر آیا۔‘‘

43 قرآن مجید اور بیت العنکبوت کی مثال

﴿ اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [العنکبوت:41]

’’سب گھروں میں کمزور عنکبوت کا گھر ہوتا ہے، اگر لوگوں کو علم ہو۔‘‘

علم کو بیت العنکبوت سے متعلق فرمایا، اس لیے کہ عنکبوت کے گھر میں اہل علم کے لیے بڑے بڑے عجائب ہیں۔ جرمن پروفیسروں کا قول ہے کہ مکڑی کے جالے کا ہر ایک تار چار تاروں سے ملا ہوا ہوتا ہے اور ان چار تاروں میں ہر ایک تار ایک ہزار تار سے بٹا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی ایک تار میں چار ہزار تاگے ہوتے ہیں۔ اہل علم غور کریں کہ اس ''اوھن البیوت'' بنانے والی مکڑی کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر فہم و فراست اور باریک نسج و خیاطت کی صنعت عطا فرمائی ہے۔

44 قرآن مجید اور نحل (شہد کی مکھی) کی مثال

﴿ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ ﴾ [العنکبوت:41] ''تیرے رب نے شہد کی مکھی کو وحی کی''

شہد کے چھتہ کے اندر نظام قومی کا مستحکم آئین، فوج اور اہل صنعت کی جداگانہ تقسیم، جداگانہ خاندانوں کے علیحدہ علیحدہ محلے، بچہ دینے والی رانی کی حکومت، بچوں کی پرورش اور تربیت کی خدمات کو سرانجام دینے والا عملہ، شہد کے ذخیرے، ذخیروں کی حفاظت کے طریقے، شہد بنانے کے لیے ہزارہا اقسام کے پھولوں میں چاشنی کا نکال کر لانا، چھتے کے سب گھروں کا مسدس اور یکساں رقبہ ہونا، یہ جملہ امور اس نتیجہ کے موید ہیں کہ جب وحی ربانی کسی ذی روح کی تکمیل کی جانب متوجہ ہوتی ہے تو اسے کیا بنا دیتی ہے۔

اور جب قرآن جیسی وحی انسان جیسے ذی عقل و فہم اور ذی نطق و تدبر کے ارتقائے بدنی و روحی کی طرف التفات فرمائے تو اسے کن کن منازل تک بلند فرما دے گی۔

45 قرآن مجید اور نمل (چیونٹی) کی مثال

﴿ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ وَ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾

''چیونٹیوں کی رانی نے کہا: چیونٹیو! تم اپنی آرام گاہوں میں داخل ہو جاؤ، کہیں تم کو سلیمان اور اس کے لشکر ریزہ ریزہ نہ کر دیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔'' [النمل:18]

اللہ، اللہ! چیونٹیوں کے پاس ایسے مسکن موجود ہیں کہ جب وہ ان میں داخل ہو جائیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر بھی ان کو نہ بگاڑ سکے۔

یہ آیت ہر ایک ضعیف قوم کو قوی تر قوم کے سامنے زندہ رہنے اور اپنی ہستی قائم رکھنے کے وسائل کی تعلیم دیتی ہے، جن میں

پہلا سبق: وہ اتحاد و اتفاق ہے کہ اپنے سردار کی رائے پر جملہ افراد قائم و عامل ہوں۔

دوسرا سبق: ذاتی حفاظت کا سامان ہر وقت مکمل رکھنا ہے۔

تیسرا سبق: کسی بالاتر طاقت کے ساتھ مقابلہ آرائی کا نہ کرنا ہے۔

چوتھا سبق: نقصان رسیدہ ہو جانے کی حالت میں بھی اس شخص کو الزام نہ دینا ہے جس کی نیت اور علم میں نقصان رسانی شامل نہ تھی۔

پانچواں سبق: جب مسلمانوں کی اجتماعی حالت چیونٹیوں کی سی ہو جائے تو ان کو قرآن پاک کی حفاظت میں داخل ہو جانا چاہیے۔

چھٹا سبق: آنے والے خطرات سے آگاہ کرنا امیر قوم کا فرض ہے۔

ساتواں سبق: چیونٹی کی مانند ضعیف ترین جنس بھی زندہ رہ سکتی ہے اگر وہ بقائے حیات کا عزم رکھتی ہے۔ اس لیے کسی قوم کا ضعف اس کے فنا کی دلیل نہیں۔

46 قرآن مجید اور ارض وسماء کی اشیاء پر نظر اعتبار کا حکم

﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَا ذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [یونس:101]

''آسمانوں اور زمین کے اندر کی سب چیزوں کو دیکھو کہ وہ کیا ہیں؟''

یہی آیت ہے جو جملہ انکشافات کی جڑ ہے۔ قدرت کی پیدا کردہ ہر شے کو نظر اعتبار سے دیکھنا، اس کے خواص اور ماہیت کا معلوم کرنا انسان کو بلند ترین ارتقاء پر پہنچانے والا ہے۔ افسوس ہم لوگ ایسے احکام کی تعمیل سے کس قدر لاپروا، قاصر اور غافل ہیں۔

47 قرآن مجید اور فوائد بحر

﴿ وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ [النحل 14]

اللہ وہ ہے جس نے سمندر کو تمہارے فائدے کے لیے مسخر کر دیا، وہ فوائد یہ ہیں:

1. تازہ بتازہ گوشت، سمندر کی تجارت، ماہی گیری کا حال اگر کوئی پڑھے تو اسے معلوم ہو جائے کہ آج دنیا میں کروڑوں پونڈ اسی تجارت سے اقوام عالم کما رہی ہیں اور مسلمان جو آیت کریمہ کے مخاطب خاص تھے اس سے قطعاً محروم اور بے خبر ہیں۔
2. در و گوہر: جو انسان کی زینت اور لباس کی چیز ہے، اس کی تجارت بھی کروڑوں پونڈ کی ہے۔ عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں بحرین [1] پر اسلامی قبضہ تھا جسے ہم کھو بیٹھے ہیں۔
3. جہاز رانی: دنیا پر شہنشاہی کے لیے اولین شرط ہے۔ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے بیڑا قائم کیا اور بحری جزائر کریٹ، مالٹا، طرابلس وغیرہ فتح ہوئے۔

موسیٰ بن نصیر رحمہ اللہ اور جنرل طارق رحمہ اللہ نے سپین کو فتح کیا، خیر الدین باربروسا رحمہ اللہ نے ترکی کی سلطنت کا اقتدار سارے یورپ سے منوایا۔ بالآخر اس کو مسلمانوں نے ہیچ سمجھا اور دنیا کی شہنشاہیت سے محروم کر دیے گئے۔

4. بحری تجارت: جس میں بے شمار نفع ہے۔
5. مذکورہ بالا حصول اور افراط دولت اور قوت حکومت کے بعد دینی فائدہ یعنی شکر نعمت الٰہی میں مصروفیت اشاعت اسلام، دور دراز ممالک میں تبلیغ اسی پر منحصر ہے۔ عبدالمالک اموی کے عہد میں عرب سوداگروں ہی نے اسلام کو ہندوستان کے جنوبی سواحل پر پہنچایا۔ انھوں نے آسام، برما اور مشرقی بنگال کو مسلمان بنایا، جب کہ شمال مغربی سرحد سے حملہ آور (محمود وغیرہ) ہندوستان سے بالکل لاپروا تھے۔

---

[1] الحمد للہ! آج پھر بحرین آزاد، خود مختار اسلامی ملک ہے۔

فصل دوم 2

معانی عالیہ و مضامین نادرہ

مضامین میں ہمیشہ دو اعتبار ملحوظ ہوتے ہیں۔

① وسعت

وسعت کی بابت قرآن مجید کا خود دعویٰ ہے ﴿ لَا رَطْبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴾ [الانعام:59]
''کوئی تر اور کوئی خشک چیز ایسی نہیں جو کتاب مبین میں لکھی ہوئی نہ ہو۔''

اسی دعویٰ کے اعتماد پر ایک ذی علم مسلمان کل دنیا کو مخاطب بنا کر یہ کہہ سکتا ہے کہ کوئی ایسا مسئلہ جس کا تعلق تہذیب نفس، تزکیہ روح، صفائی قلب اور حصول نجات سے ہو، خواہ اس کی بنیاد اعلیٰ فلسفہ پر ہو یا قدیم و جدید اکتشافات و تجربہ پر ہو، خواہ وہ اشراقیین کی الٰہیات سے لیا گیا ہو، یا الٰہیین کے شوارقات کوئی شخص ہمارے روبرو پیش کرے۔

ان شاء اللہ اسی مسئلہ کو وضوح تمام اور صحت کاملہ کے ساتھ قرآن مجید میں بیان شدہ دکھلایا جائے گا:

﴿ وَ لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴾ [الفرقان:33]
''یہ آپ کے پاس جو مثالیں لائیں گے ہم آپ کو انہیں کا عمدہ جواب بتا دیں گے''

یاد رکھو کہ کوئی علمی صداقت قرآن مجید پر مبادرت نہیں کر سکتی۔

② عمدگی

دنیا میں ہستی باری تعالیٰ کا یقین رکھنے والی جس قدر اقوام ہیں وہ علمی طور پر مسئلہ توحید کی ضرور قائل ہیں۔

ایک بت پرست و تثلیث پرست کو بھی اس امر میں مساعی دیکھا جائے گا کہ کثرت میں وحدت کو ثابت کرے۔

اب دیکھو، کہ یہ مسئلہ (جس کی خوبی پر تمام عالم متفق ہے اور جس کو اپنی اپنی کتابوں کے اندر ثابت کرنے کی ہر مذہب سعی کر رہا ہے) قرآن مجید سے بڑھ کر اور کسی جگہ نہ ملے گا۔

دیگر بیانات کو بیان قرآن کے سامنے وہی نسبت ہوگی جو مٹی میں ملے ہوئے پانی کو آب زلال کے ساتھ ہوتی ہے۔

اگر کسی کے دل میں اس واقعہ صحیحہ کے متعلق کچھ شک ہو تو وہ اپنی کتاب کو پیش کرے، جہاں سے ہم چاہیں۔ اس کی کتاب کو اور جہاں سے وہ چاہے قرآن مجید کو کھول لے، اس مقام سے آگے ایک ایک جزو کا ترجمہ کیا جائے اور وہ ترجمے تیسرے مذہب والے کے پاس بھیج دیے جائیں۔ فیصلہ طلب امر یہ ہوگا کہ توحید کا کامل تر اور واضح تر بیان کس کتاب میں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ﴿ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ ﴾ [الاسراء:88] ''قرآن جیسا کلام نہیں بنا سکتے'' کے مفہوم میں اگرچہ اس کی طرز بدیع اور الفاظ عالی اور بے مثل ترتیب اور لاثانی اسلوب اور فصاحت و بلاغت کی وہ معجز اور اجتماعی شان بھی شامل و داخل ہے جو اس کی عبارت میں نمایاں و درخشاں ہے، لیکن ان سے بھی بڑھ کر قرآن پاک کے وہ معانی پاک ہیں جو گراں الفاظ کی تہہ میں ایسے ہی موجود ہیں، جیسے حلہ زریں میں لولوئے شاہوار ہوتے ہیں۔

قرآن کریم جن مضامین عالیہ پر متضمن ہے اور جو اس کی خصوصیت خاصہ ہیں، یہ وہ بصائر ہیں، جو دیدہ کوتاہ بین کے حجاب اٹھا

دیتی اور آنکھوں کو روشن بنا دیتی ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴾ [الغاشیہ:17-20]

''کیا یہ اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے وہ کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف نہیں دیکھتے وہ کیسے گاڑے گئے اور زمین کی طرف غور نہیں کرتے وہ کیسے بچھائی گئی۔''

قرآن کریم یہاں اونٹ، آسمان، پہاڑ، زمین کے نام لیتا ہے۔ کیا یہ وہی چیزیں نہیں جن کو ہر ایک بادیہ نشین بدوی ہر وقت دیکھا کرتا تھا، جو ہر ایک اعرابی کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں، لیکن ان سب کو دیکھتے ہوئے بھی دیکھنے والوں کی نظر خلقت و رفعت اور ملکت و فسحت کی کیفیت دریافت کرنے کی جانب کبھی نہیں اٹھتی تھی۔ قرآن مجید نے آنکھیں کھول دیں تو اب ان معانی کی کیفیت بھی معلوم ہونے لگی اور ہر ایک چیز سے خلاق مطلق کی قدرت و خالقیت اور رفیع الدرجات ذوالعرش کی فوقیت، سکون و حرکت کی آفرینش میں عزیز الحکیم کا غلبہ اور حکمت، لینیت (نزاکت) و صلابت اجسام میں گوناں گوں فوائد کی فراوانی و کثرت بھی نظر آنے لگی۔

عرب کے وہ بھیانک صحرا، وہ وادی جن کو آنکھ بھر کر دیکھنا نا گوارا تھا، اب صحیفہ فطرت کے طالبان علم کے لیے ورق دانش بن گئے۔

ہاں! قرآن پاک اپنے مضامین کے لحاظ سے علم ہے۔ ﴿ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ﴾ [النساء:126] وہ شنوائی و بینائی اور دانش کے لیے گنجینہ خرد ہے اور قوائے مدرکہ اور حواس جارحہ کا رہبر ہے۔

وہ حیات قلب ہے اور نور روح، وہ راحت عاشقین ہے اور ہدایت طالبین۔

اقبال و دولت، ملکت فی الارض اور حکومت اس کی خدام ہیں، آرام دل اور انس جان قرۃ العین اور ضیائے بصیرت اس کی توابع ہیں۔

علم و حقیقت اور ہدایت و صداقت اس کے علم بردار ہیں۔ قرب و انشراح، رفاہ و صلاح اس کے حاشیہ بوس ہیں۔ نجات اخروی، فوز روحی، رضوان الٰہی وہ خلعت ہائے شرف ہیں جو اسی بارگاہ علیا سے عطا ہوتی ہیں۔

کاش! آنکھوں والے آنکھیں کھولیں اور سننے والے اس کی آواز پر کان لگائیں۔ صاحب دل دلوں کے غلاف اتار اتار کر اور بصیرت سے قفل کھول کھول کر کام لیں کہ حسن قرآن کی عالم افروزی و ملکوت نوازی ان پر روشن و مبرہن ہو جائے۔

فصل سوم 3

تاثیر قرآن

□ عمر رضی اللہ عنہ جیسا شخص جسے آج بھی یورپ جنرل عمر رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔ گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کام تمام کر دے، لیکن قرآن کی چند آیات سن کر شمشیر اس کے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور اپنی ہمشیرہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر سے ذلیل و منکسر ہو کر سرور کائنات ﷺ کے حضور حاضر ہو جاتا ہے اور ''فاروق'' رضی اللہ عنہ کے خطاب سے عزت پاتا ہے۔ [1]

---

[1] دلائل النبوۃ للبیہقی:2/219، ابن ہشام:1/222

☐ اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ مدینہ کا مشہور سردار گھر سے مسلح ہو کر نکلتا ہے کہ اسلام کے مبلغ اول مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو آبادی شہر سے باہر نکال دے۔ وہ چند آیات سن پاتا ہے اور مصعب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت اسلام کر کے اٹھتا ہے۔ [1]

☐ ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کے نزدیک آنحضرت ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص اور مدینۃ النبی ﷺ سے بڑھ کر کوئی جگہ قابل نفرت نہ تھی۔ اسے صرف دو یوم تک قرآن پاک کے استماع کا موقع ملتا ہے، رشد و ہدایت کی آواز کان سے ہو کر دل تک پہنچ جاتی ہے۔ جب اسے بلاشرط آزادی مل جاتی ہے تو خود بخود حاضر ہوتا ہے، اسلام لاتا ہے اور دل و جان کو مختصر ہدیہ کی طرح حضور ﷺ میں پیش کر دیتا ہے۔ [2]

☐ خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ قرآن مبین سن پاتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور جب اس حالت وارفتگی سے سنبھالا لیتا ہے تو بول اٹھتا ہے: [3]

وَاللّٰهِ اِنَّ لَـهٗ لَحَلَاوَةٌ	بخدا! اس میں عجیب شیرینی ہے
وَاِنَّ عَلَيْهِ لَطَلَاوَةٌ	اس میں عجب تروتازگی ہے
وَاِنَّ اَسْفَلَهٗ لَمُغْدِقٌ	اس کی جڑیں سیراب ہیں
وَاِنَّ اَعْلَاهُ لَمُثْمِرٌ	اور اس کی شاخیں پھل سے لدی ہوئی ہیں
وَمَا يَقُوْلُ هٰذَا بَشَرٌ	بشر تو ایسا کہہ ہی نہیں سکتا

☐ ولید بن مغیرہ قریش کا بوڑھا خرانٹ تھا، اسے اسلام سے سخت عداوت تھی۔ قرآن مجید کے متعلق اس کی رائے یہ ہے کہ اس کلام میں عجیب رس ہے، یہ تو نورس حلاوت ہے۔ [4]

☐ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ چرواہا تھا، آتے جاتے مسلمان مسافروں سے آیات قرآنی یاد کر لیا کرتا، آخر گھر بار خویش و تبار، مال و مویشی، عم و مادر کو چھوڑ کر خدمت حضور ﷺ میں حاضر ہو گیا۔ [5]

قرآن مجید کا اثر معلوم کرنا ہو تو ان لوگوں کے واقعات پر زیادہ نگاہ ڈالو، جو قرآن پاک کو سمجھ سکتے تھے۔

جو لوگ ایک پیسہ پر قتل عمد کو معمولی کھیل سمجھتے تھے، وہی دین حق کی محبت میں گھر بار سے قطع تعلق کرنے لگے تھے۔

جو لوگ مدت العمر تین سو ساٹھ (360) بتوں کے پجاری رہے تھے، وہ خود توحید کے واعظ بن گئے تھے۔

جن کا کام لاوارث بچوں کا مال اڑانا، رانڈوں کو جل دینا تھا، وہی اعانت یتامیٰ اور ہمدردی ایامیٰ کا سبق پڑھایا کرتے تھے۔

وہ خودسر قبائل جنھوں نے کبھی کسی قانون یا شخص کی اطاعت نہ کی تھی، وہ اب ایسے مطیع و منقاد اور پابند شرع الٰہیہ ہو گئے تھے کہ مقدمات زنا میں رجم اور مقدمات سرقہ میں قطع ید، مقدمات خمر میں اجرائے حدود شرعیہ کے لیے خود اپنے آپ کو پیش کیا کرتے تھے کیا ایسے نظائر کسی متمدن ملک میں موجود ہیں اور کسی جگہ کے مجرم قانون کا اتنا احترام کرنے والے دیکھے گئے ہیں۔

قرأت و تلاوت کلام اللہ کا یہ اثر ہوا تھا کہ زبان آوروں کی گرمی بازار ٹھنڈی ہو گئی تھی۔ عکاظ کا بازار مندا پڑ گیا تھا اور یہ عالم ہو گیا کہ اگر نشاط طبع منظور ہے تو اس نور مبین کا ورد ہے اور اگر حصول برکت و یمن مقصود ہے تب کتاب عزیز کا سماع ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اثر انسان کے دل و زبان، طبع و دماغ اور جملہ حواس و قویٰ پر نہایت مستحکم ہے اور جو اثر اس کا ایک شخص پر ہے وہی تمام ملک پر بھی ہے۔

---

[1] زاد المعاد: 430/3 [2] بخاری: 4372 [3] اسد الغابہ: 134/2 [4] سیرت ابن ہشام: 11/2، سیر اعلام النبلاء: 84,83/1 [5] الاصابہ: 330/2

فصل چہارم 4

نمونہ تعلیم

قرآن مجید کی تعلیم وتاثیر کا نمونہ جو شخص انسانی ہستیوں پر دیکھنا چاہے، وہ صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے حالات پر غور کرے۔

ان کے مصائب پر صبر، تحمل برنوائب اور ادائے شکر واحسان کے واقعات کو معلوم کرے۔ کافہ اہل اسلام کی تواضع، خشیت من اللہ، ہمدردی عامہ، اخوت، نفع رسانی خلائق پاکیزگی والاہمتی، مہمان نوازی کو دیکھے۔

مسلمانوں کے اصول منزل واصول تمدن واصول حکومت کا مطالعہ کرے۔ یہ سب نمونے قرآن مجید کے تیار کردہ ہیں۔

ایزک ٹیلر نے جو کپتان کا درجہ رکھتا تھا، اپنی 12 مئی 1887ء والی تقریر میں جو وولورہمپٹن میں چرچ کانگرس کے سامنے دی تھی، صاف طور پر کہا تھا:

کہ افریقہ کے جن وحشی مقامات پر اسلام کا سایہ پڑا، وہاں سے زنا، قمار بازی، دختر کشی، عہد شکنی، قتل وغارت گری وہم پرستی، شراب خوری وغیرہ وغیرہ ہمیشہ کے لیے جاتی رہیں۔

مگر جب اس ملک کے دوسرے حصہ پر کسی غیر اسلام مذہب نے قدم جمایا تو ان لوگوں کو رذائل بالا میں اور زیادہ راسخ کر دیا۔ [1]

قرآن مجید اپنے نمونہ کی بابت خود فرماتا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ [آل عمران:110]

''اے ایمان والو! تم بہترین گروہ ہو جو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے بنائے گئے ہو۔''

صہیب رضی اللہ عنہ کا حال پڑھو جو آہن گر تھے۔ قریش نے انھیں ہجرت مدینہ سے روک دیا، وہ اپنا تمام اندوختہ ان ظالموں کو دے کر اپنا سفر جاری رکھتے ہیں۔ بتلاؤ کہ یہ ایثار ان کو کس نے سکھلایا؟ [2]

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی سیرت پر غور کرو، یہ شوہر سے جدا کی گئیں اور گود کا بچہ ان سے چھین لیا گیا، مگر وہ یکہ وتنہا اللہ کی راہ میں تین سو (300) میل کا لمبا سفر اختیار کرتے ہوئے ذرا نہ ہچکچائیں اور رسول اللہ ﷺ کے شہر کی طرف اکیلی چل دیں۔ یہ جرأت، یہ قربانی، یہ جذبہ ان میں کہاں سے پیدا ہوا؟ [3]

خطاب کا بیٹا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو باپ کے اونٹ چرایا کرتا اور پھر بھی باپ کی سخت ودرشت خوئی سے سہار رہتا تھا، اپنی خلافت کے ایام میں بائیس لاکھ مربع (2200000) میل پر حکومت کرتا تھا، اس کی معدلت گستری اور عدل پروری اور رعایا نوازی اور دین داری کا درجہ ہمیشہ ہر ایک کے لیے موجب غبطہ رہا۔ [4]

غور کرو کہ حکمرانی کی یہ قابلیت اور کشور کشائی کی یہ اہلیت کہ دنیا کے تین بڑے براعظم اس کے زیر نگیں تھے۔ اسی قرآن پاک کی تعلیم پر عمل کا نتیجہ تھا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جنگ موتہ میں اپنے سے پچاس گنی فوج کو جو سلطنت روما کی قواعد دان اور آئینی فوج تھی اپنے

---

[1] ملخص از اخبار سینٹ جیمس گزٹ لندن مطبوعہ 8/ اکتوبر 1887ء [2] طبقات لابن سعد: 248/3، الاستیعاب: 728/2

[3] البدایہ والنہایہ: 69/3، ابن ہشام: 112/2 [4] طبقات ابن سعد: 266/3

رضا کاروں کی معیت و معاونت سے شکست دے دی تھی۔ سوچو کہ ان لوگوں میں یہ عزیمت، یہ ہمت، یہ استقلال، یہ ثبات، یہ پامردی، یہ شجاعت، یہ قربانی، یہ جان بازی کیوں کر پیدا ہو گئی تھی؟ ①

اگر فکر صحیح تلاش صادق سے تجسس کیا جائے تو ان سب ترقیات کا سبب اولیٰ قرآن کریم ہی نکلے گا۔

جو رسول کریم ﷺ کے طفیل ان شیدائیان ایمان کو حاصل ہوا تھا۔

قبولیت قرآن

قبولیت میں تداول بین الناس اور کثرت اشاعت بھی شامل ہے۔

ذرا غور کرو کہ اس وقت روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب نہیں، جسے دن میں پانچ (5) مرتبہ کروڑوں ② بنی آدم پڑھ لیتے اور سن لیتے ہوں۔

یہ درست ہے کہ یورپ کے تموّل نے مطبوعہ انجیلوں کی تعداد بہت زیادہ بڑھا دی ہے، لیکن صرف اسی امر کو تداول و اشاعت نہیں کہا جا سکتا۔

تداول کے معنی ہیں کہ جس مقصد کے لیے تیار کی گئی ہو، اسی میں اس کا استعمال بھی ہوا ہو، اور یہ صفت قرآن مجید ہی پر صادق آتی ہے۔

قبولیت کے معنی میں وہ عظمت و احترام بھی شامل ہے جو کتاب کی نسبت دلوں میں مستحکم ہو گیا ہو۔

اصحمہ نجاشی ابھی عیسائی تھا کہ سیدنا جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے اسے سورہ مریم سنائی۔ اصحمہ اس وقت دربار میں بالائے تخت جلوس فرما تھا، لیکن وہ بے اختیار رو رہا تھا اور آنسو بہا بہا کر اپنے گلزار جنت کی آبیاری کر رہا تھا۔ ③

عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے ایام میں ایک دفعہ مسجد کو آتے آتے بیمار ہو گئے اور ایسے نڈھال ہو گئے کہ راہ ہی میں دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور پھر گھر پہنچائے گئے۔ لوگ عیادت کرنے آئے تھے۔ دریافت سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص قرآن مجید پڑھ رہا تھا۔ آیت عذاب سن کر حالت اتنی متغیر ہو گئی۔ ④

لبید عامری رضی اللہ عنہ وہ زبردست شاعر تھا، جس کے اشعار کی نسبت یہ ضرب المثل جاری و ساری تھی: اُكْتُبُوْهَا عَلَى الْحَنَاجِرِ وَلَوْ بِالْخَنَاجِرِ "ان شعروں کو اپنی اپنی گردنوں پر لکھ لو خواہ خنجروں کی نوک ہی سے لکھنا پڑے۔"

عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے وہ ایک بار ملنے کو آئے تو خلیفہ نے مہمان کی دل جوئی کے طور پر فرمایا کچھ اپنے اشعار سناؤ تو انھوں نے کہا: امیر المومنین رضی اللہ عنہ جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا فرمایا ہے تب سے مجھے اشعار میں کچھ مزہ نہیں آتا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر ان کے وظیفہ میں پانسو (500) روپیہ سالانہ کی بیشی کر دی۔ ⑤

ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی یہ آیت سنی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ [آل عمران:92] نیکی کا اصل درجہ نہیں مل سکتا جب تک کہ اللہ کی راہ میں وہ شے صرف نہ کرو جو تمھیں بہت پیاری ہے۔ ان کے پاس ایک باغ تھا۔ پچاس ہزار (50000) سالانہ کی آمدنی کا۔ اسی وقت بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کر دیا کہ یہ باغ اللہ کی راہ میں

① بخاری: 1246،4262 ② آج اس عظیم اور مبارک کتاب (قرآن) کی تلاوت کرنے والوں کی تعداد سوا ارب (1250000000) انسانوں سے زیادہ ہے۔
③ زاد المعاد: 205/3، ابن ہشام: 360/1 ④ حلیۃ الاولیاء: 51/1 ⑤ تہذیب الاسماء للنووی: 71/2، اصابہ: 207/3، الاستیعاب: 1377/3

پیش کرتا ہوں۔ [1]

جمع کرنے سے ایسے صدہا (سینکڑوں) نظائر (مثالیں) مل سکتے ہیں۔

بڑے بڑے بادشاہوں محمود، صلاح الدین، یوسف، عبدالرحمٰن الداخل اور منصور عباسی جیسے باجبروت تاج وروں کو ان کی خشم گیں حالت یا انتقامی صورت سے اگر کوئی چیز روکنے والی ہوتی تھی تو قرآن کی ایک آیت جسے اہل دربار میں سے کوئی ایک شخص کسی گوشہ سے پڑھ دیتا تھا اور بادشاہ کی حالت یہ ہو جاتی تھی کہ گویا آگ کی چنگاری پر منوں پانی آ پڑا۔ یہی وہ واقعات ہیں جو قبولیت کا ثبوت دیتے ہیں۔

یہی وہ واقعات ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ کتاب مجید کی عظمت اور فرقان حمید کی عزت دلوں پر کتنی فرماں روا رہی ہے۔

خصوصیات قرآن مجید

ایسی خصوصیات جو اس امام مبین کو صحف سابقہ سے متمیز و بالاتر ثابت کرتی ہیں بہت ہیں، اس جگہ ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1) تعلیم قرآن پاک کا کل عالم کے لیے وسیع اور عام ہونا

یہ ایسی خصوصیت ہے جو قرآن مجید ہی کو بالخصوص حاصل ہے۔

جو کوئی شخص تورات میں سینکڑوں مقامات پر الفاظ ''بنی اسرائیل کا خدا'' پڑھے گا اور قرآن مجید میں الفاظ ''رب العالمین'' دیکھے گا اس پر تورات کے مقابلہ میں قرآن پاک کی فضیلت بخوبی آشکارا ہو جائے گی۔

اپنی اس خصوصیت کو قرآن پاک خود ظاہر فرماتا ہے:

﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝ لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا ﴾ [یٰسٓ:69۔70]

''یہ کتاب تو ذکر ہے، اور قرآن مبین ہے تاکہ ہر ایک اس شخص کو جو زندہ ہے اس کے برے انجام سے باخبر کردے۔''

عربی میں مَنْ ذوی العقول کے لیے آتا ہے، اس لیے مَنْ نے ہر ایک انسانی فرد کو اپنے اندر گھیر لیا ہے، اس کے ساتھ كَانَ حَيًّا کی صفت لگی ہوئی ہے۔ آیت کی عمومیت اور وسعت کا خود ہی اندازہ ہر وہ شخص جو ذوی العقول کی فہرست میں آ سکتا ہے، ہر وہ شخص جو زندہ کہلاتا ہے یا کہلا سکتا ہے قرآن مجید اسے یاد الٰہی دلانے، قرب سبحانی تک پہنچانے، اس کے عواقب امور سے آگاہ کرنے کا کفیل ہے۔ کیا ان الفاظ میں کسی اور کتاب نے بھی دعویٰ کیا ہے۔

بقول متی مسیح علیہ السلام نے اپنی بشارت و انجیل کو روٹی اور بنی اسرائیل کو بیٹے اور دیگر اقوام کو کتے بتلایا اور یوں فرمایا ہے۔ مناسب نہیں کہ لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو پھینک دیویں۔ (متی 15 باب 21 تا 3 درس)

(2) قرآن مبین کی تعلیم کا جامع ہونا۔

میں نے تورات و زبور و انجیل نیز دیگر انبیاء کی کتب کو جو مجموعہ بائبل میں داخل ہیں پڑھا ہے، وید کا کچھ (ترجمہ بحر و سام) دیکھا ہے، اس کی تاریخ ترتیب و تالیف کو معلوم کیا ہے۔ کنفیوشس مقتدائے چین اور بدھا بانی بدھ مت کے اصول و تعلیم کو مختلف کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ زرتشت و جاماسب کے احکام کو دیکھا ہے، یہ سب کے سب اپنے اپنے رنگ میں یک فنی ہیں۔

آسانی کے لیے صرف بائبل پر نظر ڈالو اور دیکھو تو تورات میں اخبار و احکام، زبور مجموعہ مناجات ہے، انجیل میں امثال و مواعظ ہیں۔

---

[1] بخاری: 1461؛ مسلم: 998؛ احمد: 141/3، 178/6

اب قرآن مبین کو پڑھو۔

کہ مواعظ واحکام، اخبار وامثال، انذار وبشارت کا مجموعہ ہے۔ اس میں صفات الٰہیہ کا بیان ذات ربانی کا ثبوت، حصول تقرب کا طریق، توحید، توکل وتفویض کا مذکور، ایام اللہ کی تفصیل، حیات وممات انسان اور عدم ووجود عالم کا بیان، فطرت انسانی کی ساخت وشناخت افعال رحمانی کے اسرار، قدرت ربانی کے نمونے، سطوت قہاری کے نتیجے، نصرت الٰہیہ کے کارنامے ایسے اسلوب سے بیان ہوئے ہیں کہ نفس فرومایہ کو رذائل بشریہ سے پاک وصاف اور حیات مادی کے تاثرات سے مبرا رکھنے، مالک وخالق کے سامنے خاضع وخاشع بنانے، نور یقین کے حصول اور تجرید علائق دنیوی اور تشبہ صفات ملکی کے لیے اس سے بہتر وبالاتر کچھ متصور نہیں ہوسکتا۔

③ آسمانی کتابوں میں سے یہ خصوصیت قرآن مجید ہی کی خاص ہے کہ علوم اخروی وعلوم عقلی کے دو دریائے ذخار پہلو بہ پہلو جوش مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مع ہذا یہ معانی عالیہ ایسے ایسے اسلوب بدیع کے ساتھ بیان کیے گئے کہ ہر ادنیٰ واعلیٰ اس سے برابر متمتع ہوتا ہے۔

وہی ایک آیت جو اسحٰق حنین جیسے یہودی فلسفی کو غرقاب حیرت بنا دیتی ہے اور وہی آیت افریقہ کے وحشی کی جیب دل کو گوہر مقصود سے بھر دیتی ہے۔ جس ایک آیت کی تفسیر کرتے کرتے رازی رحمۃ اللہ علیہ وغزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتراف عجز وقصور فہم کیا ہے۔

اس سے تہامہ کا بدو اپنی مشکلات کی کشاکش کی راہ پا رہا ہے۔

الحق قرآن حکیم سمندر کی طرح عمیق، گہرریز نفع رساں ہے اور خس وخاشاک شبہات کو اپنی لہروں سے ساحل پر پھینک دینے والا ہے۔ اس کے باوقار الفاظ زبان کو اس کے پر اسرار معانی ان کو اپنا کیے بغیر نہیں رہنے دیتے۔

کیا کبھی کسی اور نثر کتاب کی بھی یہ صفت سنی ہے؟ جو اول سے آخر تک پڑھنے والے کے ورد زبان اور نقش دل ہو اور شبا روزی تلاوت پر بھی پڑھنے والے کی طبیعت سیر ہونے میں اور اسرار کتاب ختم ہونے میں نہ آئے۔ لا واللہ۔

④ خصوصیات قرآن کریم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جس طرح مشرق سے مغرب تک کے لیے ہدایت نامہ دین ودیانت ہے، اسی طرح وہ شمال سے جنوب تک کے لیے ملکی قانون بھی ہے۔

اس کی تعلیم کسی قوم اور ملک کی زبان کے لیے محدود نہیں۔

اس کے ارشادات انسانی فطرت صحیحہ کے مخالف نہیں۔

وہ یہودیت کی طرح جنت کو نسل واحد کی جاگیر نہیں بتاتا۔

وہ تقرب الی اللہ کے لیے کل دنیا کو واحد خاندان کا دست نگر نہیں ٹھہراتا۔

وہ عیسائیت کی طرح انسان کو فوق از جبلت احکام کی تعلیم نہیں دیتا۔

وہ ناقابل تعمیل احکام کا خود کو مجموعہ نہیں بناتا۔

وہ دولت مندوں کو آسمانی بادشاہت سے خارج نہیں کرتا۔

وہ پرستاران مالک کے لیے ترویج وتاہل کو قابل نفرت ومذموم نہیں بناتا۔

اگر کسی کتاب نے روئے زمین کے شاداب حصوں پر بطور آئین سلطنت کبھی کامیاب حکومت کی ہو اور اگر کسی کتاب نے جمیع

بنی آدم کو رنگت اور قومیت نسل اور ملک کے امتیازات سے بالاتر رکھ کر سب کو اپنے فیض سے یکساں مستفیض بنایا ہو، جیسا کہ اس کتاب قیم نے کیا، تو اس کا نام لینا چاہیے۔

5 قرآن ذی الذکر کے خصائص میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ہر ایک پاک مذہب اور اس کے مقدس ہادیان و داعیان مذہب اور ان کی تعلیمات صحیحہ کی ستائش کرتا ہے۔

وہ کسی صداقت کی تکذیب کا ارادہ بھی نہیں رکھتا۔

اس خصوصیت عجیبہ میں کیسی سلامت روی، امن پسندی، معدلت گستری، صداقت پروری آشکار ہے۔

قرآن تو اپنا نام ﴿مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ [البقرۃ:97] رکھتا ہے اور راست بازوں کی تصدیق کرنا ہی اپنا مقصد اولین بتلاتا ہے۔

6 خصائص قرآنیہ میں سے ایک ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ وہ ﴿قَوْلٌ فَصْلٌ﴾ [الطارق:13] ہے اور ان تمام پیچیدہ مسائل میں جن کو افکار انسانی حل نہ کر سکتے تھے یا جن کو کتب سماویہ نے ملتوی چھوڑ دیا تھا، اپنا قطعی فیصلہ سناتا ہے۔

ایسے مسائل بہت ہیں، مثلاً:

مسئلہ عرفان صمدانی۔ مسئلہ صفات ربانی	مسئلہ وجود و شہود
مسئلہ بقائے روح وارتقائے روح	ماہیت نجات، کیفیت رضوان
امتیاز خالق و مخلوق	فرق رازق و مرزوق
مسئلہ شفاعت و اعمال	مسئلہ سزا و جزا
مدارج صبر و شکر	منازل توکل و تفویض
ماہیت عبادت و استعانت	روحانیت انس و محبت
حقیقت نصرت الٰہیہ و معیت ربانیہ	مسئلہ گناہ و حقیقت توبہ
مراتب دعا و قبولیت	رہبانیت و تاہل
طلاق و وراثت	حقوق اولاد۔ حقوق جار
حقوق والدین۔ حقوق زوجین	حقوق جسم، حقوق انسانیت
حقوق عمران۔ فرائض	محارم شفعہ
حقوق قوم۔ حکومت شخصی و جمہوری	شوریٰ و امارت
ماہیت فساد و فیوض امن	ملکت ارضی اور تمکن دینی
حدود عدل و فسحت رحم	راعی و رعیت
آئین و استبداد وغیرہ وغیرہ	

قرآن پاک نے ان مسائل میں یا ان کے اشباہ و اماثل میں جو فیصلے دیے ہیں، ان کا لطف اس وقت آتا ہے اور ان کی اعلیٰ شان اس وقت نظر آتی ہے جب فیصلے سے پیشتر متخاصمین کے بیانات کو بھی سن لیا جائے۔

اللہ اکبر! کیسی کیسی افراط میں نکلی ہوئی، اور کیسی کیسی تفریط پر گری ہوئی حالتوں کو جادہ اعتدال پر لایا گیا ہے اور کیسی کیسی سنگلاخ وادیوں، کج و پر پیچ گھاٹیوں میں سے صراط مستقیم کی شاہراہ تیار کر دی ہے۔

بے شک یہ اسی قادر مطلق و حکیم برحق کا کام ہے، جس کا علم ماضی و حال و استقبال پر حاوی ہے اور جس کو انسان کی فطرت کا علم کامل اور تربیت پر کلی اقتدار حاصل ہے۔

﴿7﴾ اس کتاب ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ کی ممتاز خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا پیش کرنے والا شخص واحد ہے۔

وید کو دیکھو، اس کی ہر ایک شرتی کے ساتھ تین نام ضرور لکھے ہوتے ہیں، آریوں کی حالیہ تحقیقات یہ ہیں کہ ان میں سے ایک مذکر نام اس رشی کا ہوتا ہے جسے یہ شرتی الہام ہوئی اس سے ملی۔ اسلامی الفاظ میں یہ مطلب ہوا کہ یہ وہ شخص ہوتا ہے جس پر کلام اترا۔

اگر ان ناموں کا شمار کیا جائے تو ان کی تعداد سینکڑوں سے بڑھ جاتی ہے اور اس طرح ثابت ہو جاتا ہے کہ وید کو پیش کرنے والے سینکڑوں رشی ہیں جن میں بلحاظ زمانہ بھی صدہا سال کا تفاوت ہے۔

بائبل کو دیکھو کہ یہ ﴿1﴾ موسیٰ ﴿2﴾ یشوع ﴿3﴾ مصنف قاضیون ﴿4﴾ سموایل ﴿5﴾ مصنف سلاطین ﴿6﴾ مصنف تواریخ ﴿7﴾ عزرا ﴿8﴾ نحمیا ﴿9﴾ مصنف کتاب روت ﴿10﴾ مصنف کتاب آستر ﴿11﴾ ایوب ﴿12﴾ داؤد صاحب زبور ﴿13﴾ سلیمان صاحب امثال و غزل الغزلات ﴿14﴾ واعظ ﴿15﴾ یسعیاہ ﴿16﴾ یرمیاہ ﴿17﴾ حزقی ایل ﴿18﴾ دانی ایل ﴿19﴾ ہوسیع ﴿20﴾ یوایل ﴿21﴾ عاموس ﴿22﴾ عبدیا ﴿23﴾ یونا ﴿24﴾ میکہ ﴿25﴾ نحوم ﴿26﴾ حبقوق ﴿27﴾ صفنیاہ ﴿28﴾ حجی ﴿29﴾ زکریا ﴿30﴾ ملاکی کے الہامات یا تصنیفات کا مجموعہ ہے۔ علیٰ ہذا انجیلوں کو دیکھو کہ متی، مرقس، لوقا معہ اعمال یوحنا، پولوس، یعقوب، پطرس، یوحنا، شاگردان مسیح علیہ السلام کے علمی کارنامے ہیں۔

مگر قرآن مجید کا مبلغ اول اور معلم نخستین صرف ایک ہے۔ ﴿ﷺ﴾ اس صحیفہ کا خود اس کے ذریعہ آغاز اور اسی کے ذریعہ سے اختتام ہو جاتا ہے اور با ایں ہمہ یہ مصحف مقدس اپنے مضامین میں مکمل اپنی تبلیغ میں کامل، دعوت الی اللہ میں یگانہ، رشد و ہدایت اور نور و رحمت میں وحید و یکتا ہے اور اپنے موضوع و مفہوم کے اتمام میں دوسری کتاب کا احتیاج مند نہیں حالانکہ رگ وید، یجر وید، سام وید کا اور اتھر وید ان تینوں کا محتاج ہے۔

نئے عہد نامہ کی تکمیل پرانے عہد نامہ کے بغیر نہیں ہوتی اور کتاب الاعمال کے بغیر اناجیل اربعہ کے مضامین ناقص رہ جاتے ہیں۔ حواریوں کے خطوط اتنے ہی ضروری ہیں جیسا کہ خود اناجیل اس سے قرآن پاک کی برتری و فوقیت اور جامعیت و کاملیت کا اندازہ فہم میں آ سکتا ہے۔ اگرچہ صحیح اندازہ کے لیے ضروری ہے کہ مضامین پر عبور تام بھی ہو۔

﴿8﴾ خصوصیات قرآن مبارک میں یہ بھی ہے کہ اس کا اسلوب کلام نہایت شستہ و مہذب ہے۔ وہ کبھی کوئی فحش لفظ یا حیا سوز فقرہ کا استعمال ہی نہیں کرتا۔

کتاب حزقی ایل کو پڑھو، جس میں خدا نے بندوں کو اپنی دو جورووں، اہولا اور اہولیا کا قصہ سنایا ہے۔ امید ہے کہ عیسائی فاضل بھی اس قصہ کو ایک تمثیلی بیان ہی خیال کرتے ہوں گے مگر غور کرو کہ یہ تمثیلی بیان کسی مرد کو اس کی عورت کی طرف سے حسن ظن باقی رہنے

دیتا ہے۔ کیا انسانی کتب اس نورانی جوڑے سے بڑھ کر کسی اور نمونہ کی تمنا کر سکتا ہے۔

ہاں! ذرا لفظوں کو دیکھو، کتنے گرے ہوئے ہیں۔

1. غزل الغزلات میں ایک نوجوان چھوکری اپنے محبوب پر اور کوئی نوجوان لڑکا اپنی محبوبہ پر اظہار محبت کرتا ہے۔
2. عیسائیوں نے اچھا کیا کہ محبوبہ یروشلم کو بتلا دیا اور محبوب مسیح کو اگرچہ اس کے کسی لفظ میں اس تاویل کا اشارہ تک نہ تھا۔ اس بیان میں مرد اپنی محبوبہ کو ''اے میری بہن! اے میری زوجہ'' کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ (غزل الغزلات ۳ باب 10،9)

کیا اس اسلوب کلام کو زمانہ حال پسند کرتا ہے یا زمانہ گزشتہ میں یہود میں باہمی خطاب کا یہ طریق جاری تھا؟

3. بائبل کی تمام کتابوں میں یہودیوں کی بدکاری کو یروشلم کی بدکاری بتلایا گیا ہے۔ پھر یروشلم کو عورت فرض کر کے اس کی برہنگی کے متعلق ایسے ایسے سخت و درشت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ جن کی بابت مجھے امید ہے کہ وہ کسی گرجا کی محراب میں لیڈیز جنٹلمین کے سامنے بطور وعظ کبھی بھی نہیں پڑھے گئے ہوں گے۔
4. حزقی ایل 23 باب کا 20 درس پڑھو۔ بہن، بھائی، ماں، باپ، بیٹی کا ذکر نہیں بلکہ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی شریف میڈم اپنے شوہر کے سامنے اور کوئی نوبل مین اپنی لیڈی کے سامنے ان الفاظ کو پڑھ سکتا ہے اور لفظوں کا مطلب بتا سکتا ہے۔

- یجر وید میں اودھیا 19۔ منتر 76
- اودھیا منتر 19۔ منتر 88
- اودھیا منتر 20۔ منتر 9
- اودھیا منتر 25۔ منتر 7

کیا کوئی گورو اپنی شاگرد لڑکی کو پابندی شرم و حیا پڑھا سکتا ہے اور ان کا مطلب بتا سکتا ہے۔

قرآن مجید تو الفاظ کا استعمال ایسی اعلیٰ لطافت سے فرماتا ہے کہ یہ اسی کا حصہ ہے۔ حاجت ضروری سے فارغ ہونے کا ذکر کرنا تھا تو فرماتا ہے: ﴿ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ﴾ (النساء: 43) غائط ایسی نشیبی زمین کو کہتے ہیں جہاں رفع حاجت کے لیے انسان اوجھل ہوا کرتا ہے۔

الغرض قرآن مجید کا اس بارہ میں درجہ بہت بلند اور بہت روشن ہے۔

فصل پنجم 5

قرآن مجید کا مصنف

ایک مثل مشہور ہے: ''سخن شاہاں بادشاہ سخن'' عربی میں ہے: '' كَلَامُ الْمُلُوْكِ مُلُوْكُ الْكَلَامِ'' قرآن مجید اس شہنشاہ حقیقی اور ملک الملکوت عالم کا کلام ہے۔ جس نے کلام کو پیدا کیا اور گوشت کے ٹکڑے کو بولنا، ہڈی کو آواز کا سننا اور عصبات کو ان کا سمجھنا سکھلایا وہ جس کے حکم سے ایک ماں باپ کی اولاد میں اس قدر اختلاف السنہ اور تباین لغات پیدا ہوا۔

بعض عیسائی مصنف جو تحقیق کے پردہ میں تعصب کو چھپائے رکھتے ہیں، قرآن مجید کی بہت سی خوبیوں کو تسلیم کر لینے کے بعد

قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ بتایا کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں سے ہم دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ:

1. کیا قرآن جیسی کتاب کا مصنف کہلانا، بجائے خود ایک اعلیٰ عزت نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ کہ نبی ﷺ نے ایسی اعلیٰ تصنیف کے مصنف ہونے کی عزت سے خود کو محروم رکھا؟
2. کیا قرآن پاک جیسی تصنیف کا مصنف جھوٹ جیسی رذیل صفت سے آلودہ ہو سکتا ہے؟ کیا وہ کتاب جس نے لاکھوں کو صداقت سکھلائی اور جس نے گنتی کے سالوں میں عرب کی کایا پلٹ دی۔

اور وہ کتاب جس نے زندہ، الحی القیوم اللہ کی ہستی کا اعتقاد دلوں میں قائم کر کے کروڑوں بنی آدم کو حیات جاوید سے بہرہ اندوز کر دیا۔

کیا ایسے دل، ایسی زبان سے نکل سکتی ہے جو خود صادق نہ ہو۔

ان دونوں امور پر غور کرو تمام دنیا کے مصنفین کا رویہ ہماری تائید میں ہے اور فلسفہ فطرت انسانیہ اس کی صداقت کا مصدق ہے۔

اب ہم خود عیسائیوں کی دی ہوئی بائبل پر توجہ کرتے ہیں۔

بائبل سے اس حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا کہ دنیا میں کلام اللہ بھیجے جانے کی خبر ہزاروں سال پیشتر دی گئی تھی۔

1. موسیٰ علیہ السلام قوم کے پاس احکام عشرہ کی الواح لاتے ہیں، قوم ان الواح پر شک کرتی ہے۔
2. قوم کا مطالبہ ہے کہ اسرائیل کا الٰہ خود ان کی موجودگی میں موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائے۔
3. موسیٰ علیہ السلام برگزیدگان قوم کو طور پر لے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد تاریکی چھا جاتی ہے، بادل سب کو گھیر لیتے ہیں، ہوائیں تندی و تیزی سے چلنے لگتی ہیں، بجلیاں کوندتی ہیں، گرج پر گرج کی صدائیں دلوں کو ہلا دیتی ہیں۔ بھونچال آتا ہے اور پہاڑ کانپ رہا ہے۔
4. ان حالات کو دیکھ کر بنی اسرائیل چلا اٹھتے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سے کہتے ہیں:

"اے موسیٰ علیہ السلام تو ہی ہم سے بول اور ہم سنیں، لیکن خدا ہم سے نہ بولے، کہیں ہم مر نہ جائیں۔ (الخروج 20-19، استثنا 18-16)

یہ درخواست منظور کر لی گئی اور سب لوگ طور سے اپنی اپنی جان بچا کر خیمہ گاہ میں پہنچ گئے۔

5. بنی اسرائیل کی اس کے بعد یہ درخواست ہوتی ہے کہ خدا اپنا کلام موسیٰ علیہ السلام کے منہ میں رکھ دے اور ہم کو سنا دیا کرے۔
6. اس درخواست کو اللہ تعالیٰ نامنظور فرماتا ہے اور خبر دیتا ہے کہ خدا کا کلام ایک اور نبی کے منہ میں رکھا جائے گا، وہ نبی اللہ اسرائیل کے بھائیوں میں سے ہوگا۔ وہ نبی جو کچھ خدا سے سنے گا وہ سب لوگوں سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ نبی میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا تو اس کا حساب خدا لے گا۔ (استثنا 18 باب 19،18 درس)

اب براہ مہربانی یہودی و عیسائی ان واقعات بالا کو خیال میں رکھیں اور پھر ہم کو بتائیں۔

سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا اور کون سا نبی ہے جس کے منہ میں خدا کا کلام رکھا گیا۔ وہ کون سا نبی ہے جس نے یہ بتلایا ہو کہ "اس کے منہ میں خدا کا کلام ہے۔"

ہم ان دونوں سے کہتے ہیں کہ وہ ہرگز ہرگز کسی ایسے نبی کا نام نہیں بتلا سکیں گے جس نے زبان سے اتنا فقرہ استعمال کیا ہو کہ

''اس کے منہ میں اللہ کا کلام ہے۔''

کلام اللہ کا سنانا تو امر دیگر ہے۔

یہی بات وہ ہے جو حق پوش اہل کتاب پر رب العالمین کی سب سے بڑی حجت ہوگی اور جس پر یوم الدین کو اللہ کی عدالت قائم ہوگی۔

جواب دینے سے پیشتر یسعیاہ کا فقرہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ ''دیکھو امی کو کتاب دی گئی''

یہودیوں، عیسائیوں کو بتلانا ہوگا کہ ''امی صاحب کتاب'' اور کون ہے؟

اے یہودیو! اے نصرانیو! وہ امی تو محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں، جن کا علم ہمیشہ نبی الامی رہا۔ دنیا میں اور کسی نبی کا لقب یا علم نبی الامی کبھی نہیں ہوا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ۔

فصل ششم 6

قرآن ذی الذکر کی پیش گوئیاں

جو لوگ قرآن پاک کو تصنیف محمد ﷺ بتلایا کرتے ہیں، یہ حضور ﷺ کا نبی صادق ہونا تسلیم نہیں کرتے۔

کیا ایسے اشخاص اس امر کی کوئی توجیہ پیش کر سکتے ہیں کہ ان کی حالت مزعومہ کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کیوں کر آنے والی مغیبات کو بیان کرتا اور زمان چیشین (مستقبل) کے متعلق پیش گوئیوں کا اعلان فرماتا ہے۔

اتمام حجت منکریں اور انشراح صدر مومنین کے لیے ان پیش گوئیوں کا ذکر بطور تذکرہ کیا جاتا ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہیں اور چودہ صدیوں کا عہد طویل شہادت دے گا کہ نزول قرآن پاک کے بعد سے آج تک ان میں سے کس طرح وہ پیش گوئیاں تمام دنیا کے سامنے حرف بحرف اور ہو بہو پوری ہوتی رہی ہیں۔

فصل ہفتم 7

قرآن عظیم کے متعلق سات پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی: قرآن کریم کی نظیر کوئی نہ بنا سکے گا

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾ [بنی اسرائیل: 88]

''اے رسول ﷺ سب سے کہہ دیجیے کہ اگر سب انسان اور تمام جن بھی مجتمع ہو جائیں اور ایک دوسرے کی مدد و اعانت بھی کریں اور پھر وہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب بنانا چاہیں تو وہ ہرگز ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے''

الفاظ دعویٰ کی شوکت اور قوت پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

عہد نبوت

قرآن پاک کو کلام محمد ﷺ کہنے والے ذرا غور کریں کہ زہیر و نابغہ اور امراء القیس و عنترہ جیسے لوگوں کے لیے یہ دعویٰ کتنا ذلیل کن ہے؟

وہ جو اپنے اپنے کلام کو ہرن کی جھلیوں پر آب زر سے لکھواتے اور بایام حج عام دیوار کعبہ پر آویزاں کیا کرتے تھے۔ کیوں اس دعویٰ کے بطلان پر آمادہ نہ ہوئے۔ وہ ابولہب، ابوجہل، کعب بن اشرف، سلام مشکم جیسے قریشی و یہودی جنھوں نے اسلام کو تباہ کرنے کی دھن میں زر و مال اور نفوس و اولاد کو قربان کر دیا تھا کیوں ایسی آسان تدبیر کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔

کیسی عجیب بات ہے کہ ایک شخص جوان ہی میں پلا اور بڑھا اور جو وہی زبان بولتا ہے جو ان سب کی ہے اور پھر وہ ان سب کے پیارے مذہب اور مرغوب رسوم اور پسند کردہ عادات اور ان کے برگزیدہ معبودوں کے خلاف جوش دلانے والے الفاظ کا استعمال کر رہا ہے۔ اور اپنی صداقت کی تائید میں ایک کلام جو اس کے منہ سے نکلی ہے بطور دلیل پیش کر رہا ہے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں بھی کوئی شخص اس جیسی زبان نہیں بول سکتا اور کوئی شخص بالمثل کلام پیش کر کے تحدی کو باطل نہیں ٹھہرا سکتا۔

عہد حاضرہ

اچھا اس وقت کا ذکر چھوڑو، اب زمان حاضرہ پر نگاہ ڈالو۔ شام، بیروت، دمشق و مصر اور فلسطین میں لاکھوں عیسائی اور یہودی موجود ہیں، جن کی مادری زبان عربی ہے۔ جو عربی زبان میں نثر لکھنے پر قادر ہیں، جن کی ادارت میں اخبار و جرائد اور رسائل اشاعت پذیر ہیں۔ وہ آج کیوں اس دعویٰ قرآن کے مقابلہ میں کھڑے نہیں ہو جاتے؟ ان میں تو ایسے ایسے ادیب و ماہر زبان بھی موجود ہیں جنھوں نے لغات عربیہ پر قطر المحیط، المنجد، اقرب، الموارد اور المحیط جیسی کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ وہ کیوں قرآن جیسی کتاب لکھنے کی سعی نہیں کرتے؟ وہ کیوں دس (10) سورتوں کے برابر نہیں لکھتے۔ وہ کیوں ایک (1) ہی سورت کے برابر لکھنے کی جرأت نہیں کرتے؟

حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی شخص جتنا زیادہ عربیت کا ماہر اور ادب میں ید طولیٰ رکھنے والا ہے، اس پر اتنا ہی زیادہ رعب کلام قرآنی کا غالب آ جاتا ہے۔

آج عیسائیت کی اشاعت میں کروڑوں، اربوں روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے لیکن جس شخص کو قرآن حکیم نے تحدی بنایا، اس پر کوئی بھی قلم اٹھانے کا حوصلہ نہیں کرتا۔

معترض عہد نبوی ﷺ کے متعلق شاید یہ کہہ سکتا تھا کہ محمد ﷺ نے اپنے وقت کے مشہور مشہور زبان آوروں کی قابلیت کا اندازہ کرنے کے بعد ایسا دعویٰ کر دیا ہوگا۔

دوسری پیش گوئی

قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہے گا

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾ [الحجر:9]

”ہاں! ہم نے ہی اس قرآن کو اتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی ضرور ضرور رکھیں گے“

اس وعدہ کی وقعت اور حفاظت قرآنی کی عظمت:

اس وقت سمجھ میں آتی ہے، جب صحف سابقہ کا تھوڑا سا حال معلوم ہو جائے۔

(1) تورات موسیٰ علیہ السلام کا خمیر مایہ وہ دو الواح تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر لکھی لکھائی دی گئی تھیں۔ ہر دو الواح اسی وقت ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں جب موسیٰ علیہ السلام نے میدان میں آ کر لشکر کو گوسالہ پرستی میں مصروف پایا تھا۔ کلیم اللہ علیہ السلام غیرت ایمانیہ سے بے تاب ہو گئے۔ لوحیں پھینک دیں اور بھائی کو جا پکڑا۔

اس واقعہ کے بعد یہ احکام عشرہ اور دیگر احکام شریعت موسیٰ علیہ السلام ہی کی حیات میں لکھے گئے اور عہد کے صندوق میں رکھے گئے (استثناء باب 25) یہی ایک نسخہ تھا جس کی بابت توقع کی جا سکتی ہے کہ داؤد علیہ السلام کے عہد تک خیمہ عبادت میں بحفاظت موجود رہا ہو، لیکن سلاطین اول باب 8 سے واضح ہے کہ جب عہد کا صندوق خیمہ عبادت سے ہیکل سلیمانی میں لایا گیا تو پتھر کی دو شکستہ لوحوں کے سوا صندوق میں اور کچھ نہ تھا۔

اب ہم کو بلا کسی سند کے فرض کر لینا چاہیے کہ سلیمان نے کس طرح تورات کی شریعت کو جمع کر لیا ہوگا اور پھر عہد کے صندوق میں اسے رکھوا دیا ہوگا، لیکن یہ مسلمہ ہے کہ ہیکل میں جو نسخہ بھی موجود تھا، اسے بھی بخت نصر نے ہیکل کے ساتھ ہی جلا ڈالا تھا۔ یہ حادثہ ہائلہ 586 ق۔م میں واقع ہوا۔

دارا شاہ ایران کے عہد میں زروبابل وغیرہ سرداران اسرائیل نے ہیکل کو از سر نو تعمیر کیا تھا۔ کتاب کی بھی تلاش ہوئی مگر نہ ملی۔ (دیکھئے کتاب عزیر) تب حضرت عزیر نے اپنی یادداشت اور حجی وزکریا کی امداد سے پھر کتاب کو تیار کیا جسے یہودی تورات کہتے ہیں (اسی کا ترجمہ یونانی زبان میں ابن تو کسی کے حکم سے ہوا) یہ واقعہ 300 ق۔م کا ہے۔ پھر ابن توکس چہارم کے وقت میں جب یہ بادشاہ مصر پر حملہ آور ہوا تھا اس کے سپہ سالار نے اس نسخہ کو اور ہیکل کو جلا ڈالا۔ یہودیوں کی تمام کتابوں کی تلاش کی گئی اور سب کو سوخت (جلا) کر دیا گیا اور یہودیوں کو بت پرستی کا حکم دیا گیا۔ یہ واقعہ 166 ق۔م کا ہے۔ ایک بوڑھا کاہن اپنے تین فرزندوں کے ساتھ جان بچا کر اپنے وطن شہر مودن کو بھاگ گیا تھا۔ اس کے فرزند مقابیس نے ایک کتاب دو جلدوں میں لکھی، جو اسی کے نام سے مشہور ہے اور یہود کے چند فرقے اس کو اسلامی کتاب تسلیم کرتے ہیں۔

واقعات بالا پر پورا پورا غور کرو، اصل کتاب کے الفاظ رہنے کی کوئی بھی اصلیت نظر آتی ہے؟

(2) اب انجیل کی سرگزشت سنو! انجیل کے نام سے عیسائیوں میں چار کتابیں مشہور ہیں: (1) انجیل متی، (2) انجیل مرقس، (3) انجیل لوقا، (4) انجیل یوحنا۔

(1) متی کی انجیل کی سرگزشت یہ ہے کہ سب سے پہلے عبرانی زبان اور شہر یہوذا (شام) میں لکھی، لیکن اس عبرانی نسخہ کا وجود دنیا سے ناپید ہے۔ اس کا ایک ترجمہ یونان کی زبان میں ملتا ہے، لیکن کوئی عیسائی پادری نہیں بتا سکتا کہ یہ ترجمہ کب کیا گیا اور کس شخص نے کیا؟

موجودہ کتاب کا یہ حال ہے کہ اس کے باب اول و دوم کو شارح انجیل نورٹن صاحب نے بمقابلہ لوقا صحیح تسلیم نہیں کیا، بلکہ اقرار کیا ہے کہ یہ دونوں باب اصل مصنف کے لکھے ہوئے ہیں۔ (کتاب الاسناد ص 531 نسخہ مطبوعہ 1837ء)

② لوقا مصنف انجیل پولوس کا شاگرد ہے۔ اس نے مسیح علیہ السلام کو نہیں دیکھا اور اس کے استاد نے بھی مسیح علیہ السلام کی زندگی میں اس کی مخالفت ہی کی۔ لوقا نے اپنی انجیل انطاکیہ شہر میں بزبان یونانی لکھی تھی۔ لوقا نے اپنی انجیل کے شروع میں تحریر کیا ہے کہ وہ واقعات کو صحت کے بعد تحریر کیا کرتا ہے۔ بزرگوار لوقا کے اس اعلان کے بعد یہ امید کرنا بالکل درست تھا کہ واقعات مندرجہ انجیل لوقا ضرور ہی صحیح ہوں لیکن انجیل کا وہی شارح فاضل نورٹن لکھتا ہے:

''جن اعجازی باتوں کو لوقا نے لکھا ہے ان میں جھوٹی روایتیں بھی شامل ہو گئی ہیں اور اس کے لکھنے والے نے شاعرانہ مبالغہ سے اندراج کیا ہے۔ اور اس زمانہ میں سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا مشکل ہے۔ (کتاب الاسناد ص 61)

قابل غور بات یہ ہے کہ جس کتاب میں سچ سے جھوٹ کا تمیز کرنا بھی مشکل ہو جائے وہ کہاں تک محفوظ کہلانے کی مستحق ہے۔

③ مرقس شمعون پطرس کا شاگرد ہے۔ اس نے بھی انطاکیہ ہی میں اپنی کتاب کو یونانی زبان میں لکھا۔ مرقس اور لوقا کے مضامین میں بہت اختلاف ہے۔

④ یوحنا بن سندائی کی انجیل غالباً بلحاظ سن تصنیف سب سے آخری ہے۔ اس نے بھی اپنی کتاب کو یونانی زبان ہی میں لکھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مسیح علیہ السلام کا شاگرد تھا لیکن اس کی تصنیف میں یونانیوں کے قدیم عقیدہ کا بہت اثر شامل ہے۔

تمام عیسائیوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اناجیل اربعہ (4) میں سے کوئی انجیل بھی مسیح علیہ السلام پر منجانب اللہ نازل شدہ نہیں، بلکہ یہ کتابیں ان ہی مصنفین کی تصنیف ہیں، جن کے نام سے یہ منسوب ہیں۔ اب ان کتابوں کا تقدس اس طرح قائم کیا جاتا ہے کہ ان مصنفین نے ان کتابوں کو روح القدس کی مدد اور یاوری سے لکھا تھا۔ اگر یہ امر صحیح ہے تو ان چاروں کے مضامین میں تناقص اور تضاد نہیں ہونا چاہیے لیکن ان میں اتنا تناقص موجود ہے کہ تطبیق دینا سخت دشوار ہے۔ آدم کلارک، نورٹن اور ہارون صاحب انجیل کے مشہور شارح ہیں، تینوں کا متفقہ قول ہے کہ تطبیق کی کوئی صورت موجود نہیں۔

پادری فرنچ کو اقرار ہے کہ ان انجیلوں کی چار پانچ آیتوں میں تحریف بھی ہوئی ہے۔ نیز وہ یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ ان میں چھوٹی موٹی تیس ہزار (30000) غلطیاں موجود ہیں۔ چاروں انجیلوں کا مجموعہ ایک سو (100) صفحے سے زیادہ نہیں۔ ایک سو (100) صفحے کی تحریر میں جب تیس ہزار (30000) غلطیاں موجود ہوں تو کتابوں کے محفوظ رہنے کا خیال کرنا بھی عقل سے دور ہے۔ اور اس سے زیادہ نتیجہ اخذ کرنا ہمارے اس مضمون کے موضوع سے زائد ہے۔

③ اب پارسیوں کی کتاب کا حال سنو۔ ایرانی قوم بڑی قدیم قوم ہے۔ ان کی کتابیں بھی موجود ہوں گی، لیکن کتاب ژند [1] تو زرتشت کے عہد سے پہلے نادر الوجود ہو چکی تھی۔

کہتے ہیں ژند کے پچیس (25) باب تھے اور اب صرف انیسواں ''وندیداز'' پایا جاتا ہے۔ ژند کے بعد اس کا درجہ پاژند نے حاصل کر لیا ہے، لیکن سکندر مائدونی کی فتح ایران کے بعد وہ بھی عنقا ہو گئی۔ سکندر کے بعد تین سو (300) سال تک طوائف الملوکی رہی اور مذہبی حالت بھی بہت خراب تھی۔ جب اردشیر بابکان ایران کا بادشاہ بنا۔ تب ژند و پاژند کی جگہ دساتیر لکھی گئی اور اسی کو آسمانی

[1] ژند کے معنی وہ سنگ چقماق ہیں جس سے آگ نکلتی ہے۔ کتاب کا نام اس لیے ژند ہوا کہ اس کے اندر بھی روشنی موجود ہے۔ اس کی شرح کا نام پاژند ہوا۔ پاژند لوہے کی وہ میخ ہے، جو چقماق پر آگ نکالنے کے لیے ماری جاتی ہے۔ اس کی شرح کا نام اوستا ہوا۔ [سخن دان پارس ص 20]

کتاب کا درجہ دے دیا گیا، لیکن جب مانی نے اپنا مذہب چلایا تب دساتیر کو بھی ختم کر دیا گیا۔ مانی کے بعد مزدک نے اپنا مذہب ایجاد کیا اور اس نے پارسیوں کی مذہبی کتابوں کو اچھی طرح سے تباہ اور نابود کر دیا۔ یہ سب واقعات اسلام سے پہلے کے ہیں۔

دساتیر کے متعلق اہل تحقیق کا بیان ہے کہ وہ صرف دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ صبح و شام کو پڑھی جانے والی دعائیں اس میں درج ہیں۔

دساتیر کی بابت یہ بھی مشہور ہے کہ وہ نزول قرآن کے بعد لکھی گئی اور اسی کتب کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کا ترجمہ ثبت کر دیا گیا۔ ''بنام ایزد بخشائندہ و بخشائش گر'' مہربان دادگر، اسی فقرہ کا ترجمہ قدیم دری زبان میں کر دیا گیا تا کہ اس کی قدامت بہت قدیم ہو جائے ''خرشید شستائے ہرشندہ، ہرشنشگر زمربان فرو بیدار''

مندرجہ بالا حالات سے پتا لگ جاتا ہے کہ سکندر کی غارت گری کے بعد اس قوم کے پاس کوئی ایسا صحیفہ موجود نہ تھا جو آسمانی کہلانے کا مستحق ہو۔

(4) ہندوستان میں نہایت قدیم کتاب ''وید'' [1] سمجھی جاتی ہے۔ وید کی عزت کو آریہ اور سناتن دھرمی دونوں تسلیم کرتے ہیں۔

اس اجمالی اقرار عظمت کے بعد آریہ اور سناتن دھرمیوں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

آریہ کہتے ہیں کہ وید صرف منتر بھاگ کا نام ہے۔

سناتن دھرمی کہتے ہیں کہ برہمن بھاگ بھی اصلی وید ہے۔ اور برہمن بھاگ اپنے حجم کے اعتبار سے منتر بھاگ سے دو چند زیادہ ہیں۔ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ وید کو ماننے والی قومیں یا تو 2/3 حصہ وید کو اصل سے خارج کر رہی ہیں یا 2/3 حصہ حجم کو وید اصلی میں داخل کر رہی ہیں اور ہر دو صورت کتاب مذکور کا غیر محفوظ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

زمانہ حاضرہ میں سب ہندو کہتے ہیں کہ وید چار ہیں مگر منوجی مہاراج کی سمرتی میں صرف تین ویدوں (1) رگ، (2) یجر، (3) سام کا نام آیا ہے۔ چوتھے وید اتھروکا نام نہیں آیا۔

سنسکرت کی اور بھی قدیم ترین کتابیں ایسی ہیں جن میں یہی تین نام پائے جاتے ہیں، لیکن بعض پرانی کتابیں ایسی بھی ہیں، جن میں قریباً بتیس (32) کتابوں پر اسم وید کا استعمال کیا گیا ہے۔

سب ہندو وید کو خدا ساز بتاتے ہیں مگر نیائے روشن کا مصنف گوتم وید کو کلام انسان بتاتا ہے۔ گوتم اس درجہ کا شخص ہے کہ اس کا شاستر چھ (6) شاستروں میں سے ایک ہے اور ان ہر شش کو شاستر بہ طور مسلمہ آریہ اور سناتنی سب تسلیم کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مذاہب قدیم میں سے جین مت بھی ہے، جینی لوگ وید کے ایک حرف کو بھی صحیح نہیں سمجھتے اور وید کا آکاس بانی ہونا بھی قطعاً تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ بھی اپنی قدامت کو ویدوں کے زمانہ سے ماقبل کے بتاتے ہیں اور اپنی کتابوں کو وید سے قدیم تر ظاہر کرتے ہیں۔

ہمارے ان مختصر مختصر فقرات سے قارئین بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ حفاظت الٰہیہ نے مندرجہ بالا کتب میں کسی کا ساتھ نہیں دیا اور اسی لیے ہر ایک کتاب کے وجود یا اجزائے وجود پر خود اسی مذہب کے اشخاص نے شک و گمان اور ظنون و اوہام کے غلاف چڑھا رکھے ہیں۔

---

[1] ہندوؤں کی مقدس کتاب۔

قدرت الٰہیہ نے نہ صرف یہی کیا کہ کتابوں کی حفاظت نہیں کی، بلکہ اس زبان اور لغت کی حفاظت بھی چھوڑ دی، جن میں یہ کتابیں لکھی گئی یا نازل کی گئی تھیں۔

ذرا غور کرو، عبرانی جو تورات کی زبان تھی اور خالدی جو مسیح علیہ السلام کی زبان تھی اور وری جو ژندو پاژند کی زبان تھی اور سنسکرت قدیم جو ویدکی زبان تھی، اب دنیا کے کسی پردہ پر کسی براعظم یا کسی ملک یا کسی ضلع یا کسی شہر میں بطور زبان مستعمل ہیں؟ قدرت نے ان السنہ (زبانوں) کو ناپید کرنے سے اپنا فیصلہ قطعی صادر کردیا ہے۔ کہ اب انسان کو ان کتابوں کی بھی ضرورت نہیں رہی جو ان زبانوں میں مروج کی گئی تھیں۔

دوم۔۔اس حفاظت الٰہیہ کا اندازہ کرو جو قرآن مجید کے متعلق ہے کہ اس کا زیروزبر اور حرف بہ حرف توالی وتواتر کے ساتھ ثابت شدہ ہے۔ ملک چین میں ایک ایک حرف پورے یقین کے ساتھ اسی طرح پایا جاتا ہے جیسا کہ مراکو (مراکش) میں موجود ہے۔

اگر حفاظت الٰہی خود کارفرما نہ ہوتی تو ایک ایسی کتاب میں ہزاروں غلطیوں کا ہوجانا صرف ممکن بلکہ ضروری تھا جس کا پیش کرنے والا ﴿وَلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ﴾ [العنکبوت:48] سے مخاطب ہو۔ (آپ تو اپنے داہنے ہاتھ سے خط کھینچنا بھی نہیں جانتے تھے) برہان بالا حفاظت الٰہی کے متعلق قطعی ہے۔

مناسب مقام سے ہم قرآن مجید کے حروف کے متعلق ایک یادداشت پیش کرتے ہیں حروف کا اندراج اس لیے کیا جاتا ہے کہ تعداد سور رکوعات وآیات وغیرہ کے متعلق اعداد وشمار عموماً ہر ایک مصحف پر درج ہوتے ہیں۔

نقشہ شمار حروف تہجی

جتنی بار ہر ایک حرف قرآن مجید میں آیا ہے

حرف	تعداد	حرف	تعداد
ا	48992	ط	1307
ب	12228	ظ	782
ت	2404	ع	9274
ث	3105	غ	9211
ج	4232	ف	4418
ح	4120	ق	6612
خ	2105	ك	10628
د	5972	ل	33520
ذ	4739	م	26515
ر	12640	ن	44190

ز	3580	و	25589
س	5976	ہ	16070
ش	2115	ی	25909
ص	20083	[1]	
ض	682	[2]	

امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ اور حفاظت رسم الخط قرآن

اس برہان خاتمہ پر تکمیل مدعا کی غرض سے یہ بھی لکھ دینا ضروری ہے۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے بھی حفاظت قراءت وکتابت قرآنی میں بہت بڑی خدمت کو انجام دیا۔ انھوں نے نبی ﷺ کے کاتب وحی زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں سات (7) قرآن مجید لکھوائے اور ان کو سات (7) نائبان سلطنت کے پاس اپنے دستخط اور مہر رسالت سے مزین کر کے بھجوایا، اس سے بھی حفاظت قرآن پاک ہی مدعا تھا تاکہ رسم الخط میں آئندہ کوئی تفاوت پیدا نہ ہو سکے۔ کاتب وحی کے قلم اور خلیفہ راشد کے دستخط اور مہر رسالت ﷺ سے مزین شدہ قرآن آئندہ زمانہ کے کاتبین کے واسطے صحت ونقل ومقابلہ کے لیے بے بہا گوہر تھا۔

نقل اور طریق وجادہ

آج کل تو وجادہ ہی پر نقول کا اعتبار چلتا ہے۔ یعنی کسی کتاب کی صحت کا اعلیٰ معیار یہ ہے کہ وہ اس نسخہ کے مطابق ہو جس سے نقل کی گئی ہے، لیکن یہ امر کہ منقول عنہ کی صحت کا ثبوت کیا ہے، مفقود ہے۔ خلیفہ راشد نے نقل وصحت میں شک واختلاف مٹانے کے لیے اصل شے قائم کر دی تاکہ بحالت ضرورت اسی جانب رجوع کیا جائے۔

اعتراض اور اس کی اصلیت

معترضین اسلام نے چاہا کہ اس واقعہ کی صورت بگاڑ کر کچھ فائدہ اٹھائیں۔ جھٹ کہہ دیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تصرف کیا تھا، ان کوتاہ فہم لوگوں کو نہ اس عہد کے اسلامی ممالک کی حالت معلوم ہے اور نہ قرآنی ترویج کی خبر۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور ممالک اسلام کے باہمی تعلقات کا بھی ان کو علم نہیں۔ اگر ان سب باتوں کا علم ہوتا تو وہ یہ بات زبان پر نہ لاتے۔

نماز اور قرأت

سب جانتے ہیں کہ اسلام میں پانچ نمازیں فرض ہیں، جن میں سے تین میں قرآن مجید بآواز بلند پڑھا جاتا ہے اور چونکہ ہر شخص مجاز ہے کہ جہاں سے وہ چاہے، جتنا چاہے قراءت کرے۔ اس لیے دنیا میں پھیلے ہوئے کروڑوں انسان صدہا مقامات پر مختلف اجزاء وسُوَر سے قرآن مجید کی قراءت روزانہ کیا کرتے ہیں، ایک پڑھتا ہے اور بیسیوں، سینکڑوں مقتدی سنا کرتے ہیں۔ اقتداء

---

[1] منقول از دستور العلما، جلد دوم مصنفہ قاضی الفاضل عبدالنبی احمد نگری [2] نقشہ میں کل حروف کا مجموعہ نہیں دیا گیا تھا جو کہ جمع کرنے سے 346998 بنتا ہے۔

کرنے والوں میں بھی بہت تعداد ان لوگوں کی ہوتی ہے جن کو خود بھی وہ آیات جو امام نماز میں پڑھ رہا ہے یاد ہوتی ہیں۔ یہ طریقہ عہد نبوی ﷺ سے جاری تھا اور ہر شہر، ہر قصبہ، ہر قریہ میں برابر اسی پر عمل درآمد رہا۔

نسخہ جات قرآنی کی اشاعت

خلافت عثمانی سے پیشتر قرآن پڑھنے والوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی تھی اور اس کے نسخے الوف درالوف بستیوں میں موجود تھے۔ اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کے حیطہ اقتدار سے باہر تھا کہ وہ سب کی زبانوں، سب کے دماغوں اور سب کی کتابوں پر قبضہ کرکے ایک بھی لفظ کی کمی بیشی کرسکتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ان سے مسائل فقیہہ میں اختلاف جمہور

ہاں ہم کو وہ مسائل فقیہہ بھی معلوم ہیں، جن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تھا۔ مثلاً منیٰ میں پوری نماز پڑھنا اور قصر نہ کرنا اور محرم کا کسی غیر محرم کے شکار کو استعمال کرسکنا۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل میں بھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا خلاف کیا اور ہر ایک اپنے اپنے اجتہاد فقہی پر محکم رہا تو پھر کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے متعلق کوئی خود ساز تبدیلی کرتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس پر خاموش رہ جاتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اہل مصر کی بغاوت

اس سے بھی بڑھ کر ہم دیکھتے ہیں کہ اہل مصر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض افعال پر نکتہ چینی کی۔ ان کو بیت المال کا اسراف سے خرچ کرنے والا یا اپنی قوم کو بہت زیادہ عہدہ و مناصب دینے والا بتلایا ہے اور انہی امور پر اہل مصر نے ایسی بغاوت کی کہ اس کا اختتام امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر ہوا۔ لیکن ہم کسی مصری اور اس عہد کے کسی اور شدید البغض انسان کو بھی قرآن مجید کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان میں ایک حرف کہتا ہوا بھی نہیں سنتے۔

خلافت مرتضوی رضی اللہ عنہ اور مصحف عثمانی رضی اللہ عنہ

مولیٰ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان کے بعد خلیفہ ہوتے ہیں اور اپنی تمام خلافت کے زمانہ میں قرآن کی ترتیب عثمانی میں کوئی تبدیلی نہیں کرتے اور نہ اس ترتیب کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالتے ہیں، بلکہ ہمیشہ نمازوں اور وعظوں میں اسی قرآن کا ورد کرتے ہیں۔

صفین میں رفع مصحف کا واقعہ

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں جنگ صفین ہوتی ہے۔ اہل شام قرآن مجید کو بلند کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ قرآن مجید حکم ہوگا۔ اس وقت حزب مرتضوی رضی اللہ عنہ میں سے کوئی ایک بھی یہ نہیں کہتا کہ اہل شام نے قرآن پر اعتقاد کیا ہے؟ حالانکہ فریق برسر جنگ کو اگر ذرا بھی گنجائش ایسے لفظ کہنے کی مل جاتی تو وہ محارب کی اس تدبیر کو کالعدم کرسکتا تھا، لیکن شامیوں کے پیش کیے ہوئے قرآن ہی کو قرآن ماننا پڑا اور عارضی صلح منعقد ہوگئی۔

ان واقعات سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ نے حفاظت قرآن کے متعلق ایسی خدمت ادا کی، جس پر تمام عالم

[1] [illegible] [2] [illegible] 340978 [illegible]

اسلام کا اتفاق تھا۔ جاہل و عالم، دانا و نادان، دوست و دشمن، ان کے اس فعل حمیدہ میں ذرا بھی شک نہ رکھتے تھے اور یہ اتفاق کامل صرف قرآن مجید ہی کے متعلق حاصل ہے اور یہ بھی ایک زبردست خصوصیت حفاظت کتاب حمید کی ہے۔

تیسری پیش گوئی: جمع قرأت کی بابت

﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴾

''قرآن مجید کا جمع کرنا اور قراءت کا درست رکھنا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ اے رسول! جس قراءت سے قرآن پڑھا جائے، آپ اس پر کاربند رہیں۔''

قرآن مجید کے احکام وقتاً فوقتاً نازل ہوتے تھے، اس لیے اس کتاب کی ترتیب اور تدوین مشکل کام تھا، لیکن اس کام کو بھی رب العالمین نے اپنے ہی ذمہ لیا، جیسا کہ دنیا میں بھی ہر ایک مصنف کتاب اپنی تصنیف کی ترتیب و تدوین کا کام خود سرانجام دیا کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ بعد میں کسی ایک آیت کی بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی۔ مشرق سے لے کر مغرب تک تمام دنیا ایک ہی ترتیب کے ساتھ قرآن مجید کی قراءت کر رہی ہے۔ اس پیش گوئی سے واضح ہو گیا کہ جمع و ترتیب کی جو صورت موجودہ دنیا میں پائی جاتی ہے وہ ٹھیک اسی ترتیب اور قراءت کے موافق ہے جو علم الٰہی اور قراءت سماوی ہے۔

یہ وہم کہ افراد امت میں سے کسی ایک کا خیال اس میں کوئی تصرف کر سکا ہے، بالکل غلط اور باطل بن جاتا ہے۔

چوتھی پیش گوئی

قرآن مجید حفظ (یاد) رکھا جائے گا

﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ [العنکبوت:49]

''یہ قرآن تو وہ روشن آیتیں ہیں جو علم والوں کے سینہ میں رہتی ہیں۔''

ساری کتاب کو حفظ کر لینا ایک اچھوتا خیال تھا، کیوں کہ قرآن مجید سے پیشتر دنیا میں کوئی کتاب حفظ نہ کی گئی تھی۔ اس لیے اس خیال کا پیدا ہونا ہی اس کے الہامی ہونے پر دلیل ہے۔ اس پیش گوئی کے مطابق ہر ملک، ہر صوبہ، ہر ضلع، ہر شہر میں حفاظ قرآن کی کافی تعداد پائی جاتی ہے، جو اس صحت اور اتفاق اور یقین واثق کے ساتھ تلاوت قرآن پاک کرتے ہیں کہ ان کی قراءت سے مطبوعہ کتابت کی صحت کی جاتی ہے، مگر ان حفاظ کو مطبوعہ یا قلمی کتاب سے صحت کرنے کی کبھی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر کسی حافظ کو اپنے پڑھنے میں کہیں شبہ پڑے گا تو وہ اس کی صحت دوسرے حفاظ ہی سے جا کر کرے گا۔

یہ ایسی زبردست پیش گوئی ہے کہ تمام دنیا اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ حفاظت کا ایسا انتظام بالکل لاثانی ہے اور محض منجانب اللہ تعالیٰ ہے۔

پانچویں پیش گوئی

کہ قرآن مجید کا حفظ کر لینا آسان ہوگا

﴿ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ ﴾ [القمر:17] ''ہم نے قرآن کو یاد کے لیے آسان بنا دیا ہے۔''

پیش گوئی چہارم کے تحت میں تحریر کیا گیا ہے کہ ساری کتاب کو حفظ کرنے کا خیال ہی بالکل اچھوتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں نے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں دنیا کی تمام اقوام اور ممالک کے سامنے قرآن مجید کو ازبر سنانا شروع کیا، تب دوسروں کو بھی امنگ آنی چاہیے تھی کہ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کا جوش پیدا ہونا چاہیے تھا کہ وہ بھی اپنے اپنے مذہب کی کتاب کو حفظ کر لیتے۔ کیوں کہ ان کے سامنے یہ نظیر موجود تھی۔

مگر کوئی بھی ایسا نہ نکلا، نہ یہودی، نہ عیسائی، نہ پارسی، نہ ہندو اور نہ اور، جس نے اپنے پسندیدہ مذہب کی پسندیدہ کتاب کو حفظ کرلیا ہو۔ اس کی وجہ خود قرآن پاک نے بتلادی ہے کہ یہ خصوصیت بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہی میں رکھ دی ہے کہ وہ یاد کرنے والوں کو جلد اور آسانی سے یاد ہو جاتا ہے۔

غور کرو رب العالمین نے اور کسی کلام کے اندر (خواہ کسی زمانے میں وہ کلام آسمان ہی سے زمین پر اتارا گیا تھا) یہ خصوصیت، یہ خاصیت، یہ مابہ امتیاز رکھا ہی نہیں، اس لیے کوئی دوسری کتاب کسی اور مذہب والے کو ازبر یاد کرنا کیوں کر ہو سکتی تھی؟ اور کیوں کر کوئی شخص حفاظ قرآن کی طرح ایسی صحت، ایسی تیقن کے ساتھ اپنی کتاب کو حافظہ سے سنانے کی جرأت کر سکتا تھا۔

یہ ہے قدرت کی زبردست طاقت اور یہ ہے فطرت انسانی کے اصل منشا کا راز جس کے مقابلہ سے دنیا عاجز ہے۔

چھٹی پیش گوئی

کہ قرآن مجید کی کتابت جاری رہے گی اور کتاب کی شکل میں اس کی اشاعت ترقی پر رہے گی

﴿ وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ ۝ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ﴾ [طور:2-3] ''قسم ہے کتاب کی جو لکھی گئی ہے اور پاک صاف صحیفہ اشاعت پائی ہے۔''

رِق، اس باریک جھلی کو کہتے ہیں جو کتابت کے لیے خاص طور پر بنائی جاتی ہے اور باریک سفید، پاکیزہ صحیفہ (بیاض) کو بھی جو لکھنے کے لیے تیار کی جائے۔ (المنجد)

اس آیت میں قرآن مجید کو کتاب بھی فرمایا اور مسطور بھی اور پھر اسی کو منشور بھی بتایا۔ کون نہیں جانتا کہ نشر کے معنی میں بسط اور امتداد شامل ہیں اور اسی کو آج ہم لفظ اشاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

ساتویں پیش گوئی

کہ باطل یا بطلان قرآن کے نزول میں یا آئندہ کسی عہد میں اس کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔

﴿ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ ۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾ [حم سجدہ:42]

''باطل اس کے آگے یا پیچھے نہ آئے گا۔ یہ تو رب حمید و حکیم کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔''

فلسفہ قدیم (باطل بین یدیہ) اور فلسفہ جدید (باطل من خلفہ) نے بہت زور مارا مگر قرآن حکیم کے سامنے ٹھہر نہ سکا اور اس کے کسی مضمون اور کسی ایک اصول کا مقابلہ نہ کر سکا۔ نہ فلسفہ قدیم نے اس میں سے کچھ گھٹایا نہ فلسفہ جدید نے کچھ بڑھایا۔ یہ ایسی مکمل کتاب ہے کہ اس میں اب کسی کے دخل کی گنجائش ہی نہیں۔

اسلام کے متعلق چار پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی

منکروں کی نفرت و کراہت کے ہوتے ہوئے بھی اسلام کی ہدایت وحقانیت غالب ہوتی رہے گی۔

﴿هُوَ الَّذِىٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ﴾

''اللہ کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ وہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، اگر چہ مشرک لوگ کیسا ہی برا مانتے رہیں۔'' [الصف:9]

جنوبی عرب اور عیسائیت

بعثت نبوی ﷺ کے وقت عرب کی پولیٹیکل (Political) حالت یہ تھی کہ اس کے جنوب پر سلطنت حبشہ کی حکومت تھی اور شمالی اقطاع پر روما کی سلطنت کا قبضہ تھا۔ یہ دونوں عیسائی سلطنتیں تھیں۔ عیسائیت اگر چہ عرب میں 330ء کو داخل ہوگئی تھی اور بنو غسان عیسائی بن گئے تھے مگر رفتہ رفتہ عراق، عرب، بحرین، صحرائے فاران اور دومۃ الجندل پر بھی یہی مذہب حکمران ہوگیا تھا۔ پروفیسر سیڈیو لکھتا ہے کہ 395ء سے 513ء تک عرب میں اشاعت عیسویت پر بہت ہی زور لگایا گیا تھا۔

لیکن اسلام نے چند ہی سال میں اس پر غلبہ حاصل کر لیا اور یہ جملہ ممالک دین حقہ میں داخل ہو گئے۔

عرب اور یہودیت

یہودی عرب میں اس وقت آئے جب یونانیوں اور سریانیوں نے ان کو اپنے ملک سے نکال دیا تھا، ان کا مذہب حجاز اور نواحی خیبر اور مدینہ میں پھیل گیا تھا اور اس نے استحکام بھی حاصل کر لیا تھا۔

اسلام کے آتے ہی ان کا بھی چار صد (400) سالہ قبضہ عرب سے بالکل اٹھ گیا۔

مشرقی عرب اور مجوسیت

عرب کے مشرقی حصہ پر سلطنت فارس کا اثر تھا اور اس حصہ کا گورنر شاہ ایران کی منظوری و انتخاب سے مقرر ہوا کرتا تھا۔ مشرقی حصہ میں آتش پرستی کی رسوم اور طریقے خوب رواج پا گئے تھے۔ تاریخوں میں ان عربوں کے نام بھی لکھے ہیں جنھوں نے مجوسیت کے اثر میں آ کر بیٹی اور بہن کو گھر میں ڈال لیا تھا۔

اسلام کی پاک تعلیم کے سامنے یہ مذہب بھی نہ ٹھہر سکا۔

عرب وسطیٰ اور بت پرستی

حجاز (یا وسط عرب) میں ابن لُحَی شام سے بت لے آیا تھا اور اسلام سے تین صدی پیشتر تمام مشہور مشہور قبائل بت پرست بن گئے تھے۔

عرب اور مذاہب متعددہ: صابی، دہریہ، منکرین قیامت، مادہ پرست اور خود پرست وخوش باش وغیرہ کے نام سے اور بھی چھوٹے بڑے مذاہب تھے، جن کے مقلدین کی تعداد سینکڑوں یا ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی۔

﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ [الصف:9]

اسلام کی حقانیت نے ان سب لوگوں کو بھی بطلان سے چھڑایا، یہی معنی ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ کے ہیں، جس کا ظہور حضور پرنور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد اقدس ہی میں ہو گیا تھا۔

دوسری پیش گوئی

اسلام کے متعلق دوسری پیش گوئی کہ وہ تکمیل واتمام کو پہنچے گا۔

﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [الصف:8]

''اللہ اپنے نور کو پورا کرے گا، اگرچہ کافر برا مانتے رہیں۔''

وعدہ کی زمین پر موسیٰ علیہ السلام داخل نہ ہوئے

موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پاک پر غور کرو، اگرچہ ان کے ہاتھ سے ایسی ایسی آیات باہرات کا ظہور ہوا، جو اپنا نظیر نہیں رکھتی ہیں۔ فرعون مصر کو اللہ تعالیٰ نے غارت کیا اور بنی اسرائیل کو سمندر چیر کر اس کی خشک زمین پر سے راستہ دیا، من وسلویٰ اتارا، دن میں خاک کے بگولے سے ان کی راہنمائی کی اور رات کو اسی بگولہ کو ستون نار بنا کر کیمپ کو روشن کیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مقصد اصلی جو وعدہ کی زمین میں بنی اسرائیل کو پہنچا دینا تھا وہ ان کی حیات میں مکمل نہ ہوا۔

داؤد علیہ السلام اللہ کا گھر نہ بنا سکے

داؤد علیہ السلام کی سیرت پاک کو دیکھو، ان کو بنی اسرائیل کے دوازدہ اسباط (12 قبیلے) پر حکومت بھی ملی۔ انھوں نے جالوت کو بھی خاک وخون میں سلایا۔ انھوں نے سموئیل کو بھی نیچا دکھایا، شہر یار بنایا، قلعے تیار کیے، لیکن اللہ کا گھر بنانے کی ان کو اجازت نہ ملی۔

مسیح علیہ السلام کی سرگرمی اور تعلیم کا نامکمل رہ جانا

مسیح علیہ السلام کی سرگزشت کو پڑھو تبلیغ واشاعت کی غرض سے وہ شبانہ روز سفر میں رہے۔ اپنے سہ سالہ ایام تبلیغ میں انھوں نے دو شب کسی ایک مقام پر مشکل سے قیام فرمایا ہوگا، لیکن پھر بھی یوحنا 16 باب میں ان کا اعلان یہی تھا کہ وہ مکمل تعلیم نہیں دے سکے اور ساری صداقت اور سچائی نہیں سکھلا سکے۔ ان سب حالات کی موجودگی میں قرآن مجید کا اعلان اور اعلام عام یہ ہے کہ اسلام بالضرور تکمیل واتمام کے مدارج پر پہنچے گا اور نور اسلام اپنے مقاصد میں یقیناً ہی فائز المرام ہوگا۔

اس آیت کا نزول تو اس وقت ہوا تھا جب مہاجرین وانصار کو اطمینان کے ساتھ روٹی کھانی نہیں ملتی تھی اور نماز بھی دشمن کے حملہ سے بے خطر ہو کر نہیں پڑھی جاتی تھی، آہستہ آہستہ اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آ گیا اور اس مبارک دن کا سورج نکلا جس روز اللہ کے نبی نے عرفات کے میدان میں وہاں کی بلند پہاڑی (کوہ رحمت) پر چڑھ کر سب سے بڑے مرکب (ناقہ قصویٰ) پر سوار ہو کر یعنی مادی دنیا کی اقصیٰ بلندی کے سر پر پاؤں رکھ کر عالم عالمیان کو اس نوید فرخ سے زندہ جاوید فرمایا:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۔ ﴾ [المائدہ:3]

''آج تمہارا دین تمہارے فائدے کے لیے کامل کر دیا۔ آج میں نے تم سب پر اپنی نعمت کا اتمام فرمادیا۔ آج میں بتلاتا ہوں کہ میری خوشنودی یہ ہے کہ اسلام ہی تمہارا دین ہے۔''

قارئین آپ نے پیش گوئی کو بھی دیکھا اور اس کا اتمام بھی دیکھ لیا۔

تیسری پیش گوئی

تیسری پیش گوئی اسلام کی بابت کہ وہ استحکام میں بڑھتا جائے گا اور اس کا پھیلاؤ روز بہ روز زیادہ ہوتا جائے گا۔

﴿ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾

''کلمہ طیبہ کی مثال اس پاکیزہ درخت جیسی ہے جس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے اور جس کی شاخیں آسمان پر پھیلتی جاتی ہیں۔ وہ اللہ کے حکم سے ہر وقت، ہر زمانہ میں پھل دیا کرتا ہے۔'' [ابراہیم:24-25]

ثابت اسم فاعل ہے اور اسم فاعل میں استمرار ہوتا ہے۔ سماء سمو سے بنایا گیا ہے، رفعت وشوکت بلندی وعزت کے معانی اس لفظ میں شامل ہیں۔

وہ درخت جس کی جڑیں پاتال کی طرف بڑھتی جائیں جس سے درخت مضبوط بھی زیادہ ہوتا جائے اور خوراک بھی اسے زیادہ ملتی رہے۔

وہ درخت جس کی نشوونما جاری رہے، جس کی طراوت وتازگی قائم رہے، اس کی شاخیں پھیلا کرتی ہیں۔ فضا میں لہلہایا کرتی ہیں، آسمان کو جایا کرتی ہیں، وہ آسمانی برکتوں: اوس اور مینہ سے بھی غذا لیتا ہے، وہ زمینی برکتوں نہر اور چشموں سے بھی پلتا ہے۔

جمعیت کے اعتبار سے اس کا تنا ایک ہوتا ہے اور پھیلاوٹ کے لحاظ سے اس کی شاخیں کئی ہیں۔

یہی مثال اسلام کے کلمہ طیب کی ہے، جہاں اس کا بیج بویا گیا تھا، وہاں اس طرح قائم ودائم ہے اور اس کی شاخیں چین وافریقہ، انگلینڈ وامریکہ تک پھیل گئی ہیں۔

ہندو قوم کی بابت کوئی کہتا ہے کہ وسط ایشیا سے آئی اور کوئی کہتا ہے کہ تبت سے نیچے اتری۔ تبت اور ترکستان وماوراء النہر میں جا کر دیکھو اور پوچھو کوئی اس دعویٰ کا مصدق بھی موجود ہے؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہو جاتا ہے کہ جڑ قائم نہیں۔ یہی حال دنیا کی اکثر اقوام کا ہے۔

بنی اسرائیل کو فلسطین کی زمین وعدہ کے ساتھ دی گئی تھی کہ اگر وہ شریعت کے پیرو رہے تو ابدالآباد کے لیے یہ مملکت اور اس کی حکومت انہی کو حاصل رہے گی، لیکن کیا اب اس کی جڑ اس وعدہ کی سرزمین میں قائم بھی ہے؟

جنگ عظیم 1914 تا 1918ء میں ان بے چاروں نے اربوں روپیہ بڑی بڑی سلطنتوں کو قرض دیا کہ وعدہ کی زمین، قومی گھر، بنا دیا جائے، لیکن وہاں کے باشندے اب تک ان کے قدم وہاں جمنے نہیں دیتے۔

اگر انگلستان کی کوشش بار آور بھی ہوتی [1]، تب بھی یہ مملکت اور سلطنت تو نہ ہوتی جس کا وعدہ ابراہیم اور موسیٰ اور داؤد وسلیمان علیہم السلام کے ساتھ تھا، بلکہ یہ تو وہی غلامانہ اطاعت ہوتی جس کے بدلے میں بخت نصر اور گشتاسب وغیرہ نے بھی یہودیوں کو اس

[1] آج انگلستان کی مسلمانوں سے بے وفائی، دھوکا دہی اور یہود کی مالی معاونت اور کفار عالم کے توسط سے 'اسرائیل' جیسی یہودی مملکت معرض وجود میں آچکی ہے۔

سرزمین پر بسنے کی اجازت دے دی تھی، جب کہ وہ بہ عہد مسیح رومیوں کی ماتحتی میں رہتے تھے۔

پارسی قوم کا قومی گھر ایران ہے، لیکن اب تو وہاں ان کا کوئی پرسان حال بھی نہیں۔ کیا ان حالات میں یہ اقوام ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾[ابراہیم:24] کے الفاظ اپنے اوپر چسپاں کر سکتی ہیں۔ یہودیوں، ہندوؤں، پارسیوں وغیرہ کی قوم جس پر جمود پڑی ہوئی ہے یا جس ملکی احاطہ میں محدود ہے، وہ ان حالات میں کیسے ﴿ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾[ابراہیم:24] کا مصداق ہونے کا دعویٰ بھی کر سکتے ہیں؟

ہاں اسلام وہ ہے جو نہ کسی حویلی کا پیپل ہے، نہ کسی صحن خانہ کا نیم ہے، نہ کسی باغیچہ کا پیڑ وہ آسمان کے تمام خلا کو اپنا سمجھتا ہے اور اس میں پھیل رہا ہے۔

ہاں آیت پر مکرر غور کرو کہ اس میں اسلام کی پانچ خوبیوں کا بیان کیا گیا ہے۔

1. ﴿شَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ﴾ واضح ہو کہ اسلام کی وحدت تعلیم اور مساوات حقوق بھی منفرد ہے، اس لیے اسلام کی بہترین تشبیہ درخت میں پائی جاتی ہے کہ ایک ہی تنا پر بے شمار شاخیں ڈالیاں اور پتے ہوتے ہیں اور وہ سب غذا و نمو میں اسی تنا سے یکساں مستفید ہوتے ہیں۔
2. اسے طیبہ کہا گیا ہے، جس میں صورت کی خوش نمائی بھی شامل ہے اور جس کا سایہ اور ثمر بھی ہوتا ہے۔ اسلام کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اپنی موہنی شکل و صورت سے دلربا ہے اور پاکیزہ تعلیمات سے طیب مانا گیا ہے۔
3. ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾
4. ﴿ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ کی بابت ہم دلیل اول میں لکھ چکے ہیں۔
5. ﴿ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ ہر ایک درخت کے پھل لانے کا وقت مقرر ہوتا ہے، کوئی گرما، کوئی سرما، کوئی بہار میں، کوئی خزاں میں پھل لایا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو ایسا درخت بتلایا جو ہر وقت پھل لانے والا ہے۔

قیام مکہ کے ایام میں اشاعت

اسلام کے اس ابتدائی زمانہ کو دیکھو، جب نبی ﷺ ابھی مکہ میں قیام فرما تھے اور مسلمان اپنی اپنی جانوں اور ایمانوں کے بچاؤ کے لیے مختلف ممالک میں بھاگے پھرتے تھے کہ حبش و یمن میں اسلام نے اس وقت سایہ ڈالا تھا۔

قیام مدینہ میں اشاعت

اس دور ثانی کو دیکھو، جب نبی ﷺ مدینہ منورہ میں اقامت گزیں ہوئے کہ بحرین و عمان اور دومۃ الجندل اور سرحد شام تک کے لوگ اسی وقت اسلام کے اثمار شیریں ثابت ہوئے تھے۔

پھر دور ثالث کو دیکھو، جب آفتاب نبوت ظل احتجاب میں آ چکا تھا، مخلصین دل شکستہ تھے، منافقین کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔

دور صدیقیت میں اشاعت

معاہدین نے معاہدات کی شکست کا اعلان کر دیا تھا، متخاصمین سرحد عراق و ایران پر فوجیں جمع کرنے لگ گئے تھے۔ خلیفۂ

الرسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اعراب آگے بڑھے اور یہ سچے دل کے لوگ نور صداقت سے مستنیر ہو کر ثمر شیریں بن گئے۔

خلافت راشدہ میں اشاعت

دور چہارم میں فاروق رضی اللہ عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانہ شامل ہے جب کہ مشرق سائبیریا سے لے کر مغربی ٹیونس تک اسلام پہنچ گیا تھا۔ اموی زمانہ میں اسلام نے جبل الطارق کو پھاندا اور سمندر پر سے اچھلا اور سپین کو زیر نگین کیا۔

مغلوں کا اسلام

چھ سات صدیوں کی اقبال مندی کے بعد مسلمانوں کی دولت وحکومت کو زوال آیا اور دارالسلطنت بغداد تباہ ہوا، لیکن انہی دنوں میں وہی مغول تاتار جو اس درخت کو کاٹنے کے لیے تیشہ وتبر لے کر بڑھے تھے، اس کی شاخوں سے پیوند ہو گئے اور ثمر شیریں ثابت ہوئے۔

یونانی فلسفہ اور ہندوانی توہمات

الغرض اسلام اپنی مظلومی کے عہد میں بھی بڑھا اور ترقی وآسائش کے ایام میں بھی اس نے ترقی وازدیاد کی طرف قدم بڑھایا۔ اسلام پر یونانی فلسفہ اور ہندوانی توہمات، ایرانی تعیش اور بربری توحش کے بھی حملے ہوئے مگر وہ پھر بھی ترقی پذیر رہا۔

ہمارے عہد میں فلسفہ جدید اپنی تعلیمات سے اسلام پر گولہ باری کر رہا ہے اور یورپین طاقتوں نے اودھم مچا رکھا ہے۔

یورپین پالیسی اور فلسفہ جدید

مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہو رہی ہیں۔ ٹرکی دولت عظمیٰ سے گھٹ کر ایک معمولی سلطنت رہ گئی ہے مراکو اول درجہ کی سلطنت سے باجگذار بن گیا ہے۔ عرب اور عراق کی حکومتیں اغیار کی دست نگر ہیں۔ تنظیم قوم کا سلسلہ پراگندہ ہے، تاہم اسلام انگلستان اور جرمنی اور امریکہ پر اپنا سایہ ڈال رہا ہے۔ بڑے بڑے کرنٹ اور کونٹس لارڈز اور پرنسز اسلام کا پھل ثابت ہو رہے ہیں۔

حالیہ عہد میں اسلامی ترقی

چین اور افریقہ میں دس سال کے اندر مسلمانوں کی تعداد دو چند ہو گئی ہے۔ ان تمام حالتوں پر نگاہ عبرت سے غور کرو اور ﴿تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ﴾ کی پیش گوئی کی صداقت کا اندازہ لگاؤ، جب مسلمانوں کی اور اسلام کی ترقی کو ایک وقت واحد میں دیکھا جاتا ہے تو باذن اللہ تعالیٰ حکم عالی کی طاقت بخوبی ہویدا ہو جاتی ہے۔

چوتھی پیش گوئی

چوتھی پیش گوئی اسلام کی بابت کہ وہ اپنے دلائل حقانیت سے ترقی کرے گا اور دلائل انفسی وآفاقی ان لوگوں کو اسلام تک لانے میں دلیل رہ بنیں گے۔ ﴿سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ﴾ [حم سجدہ:53]

”ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی اپنی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے۔“

یہ ہے وہ چیز جو عرب کو اسلام تک کھینچ لانے کا موجب بنی۔

غور کرو جب نشانات قدرت کی اندرونی و بیرونی شہادت کسی معاملہ کی راست بازی وصداقت پر جمع ہو جائے تو کیا اس وقت کوئی صحیح دماغ ایسی شہادت کا انکار کر سکتا ہے؟

جب چشم و گوش اور عقل و ہوش کے سامنے ایسی براہین ساطعہ موجود ہوں جو اس ظاہری و باطنی کو بام تصدیق پر پہنچا دیتی ہیں، تو پھر ان کا ابطال کیوں کر کیا جا سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے مخاطبین کے سامنے وہ نشانات وعلامات بھی دکھلائے جن کی شہادت خود ان کے ضمیر نے ادا کی اور وہ علامات و دلائل بھی قائم کیے جن کی تائید زمین و آسمان کے ہر انقلاب و گردش سے ہوئی، تب ان کی حقانیت اسلام کے اقرار میں کوئی چارہ نہ رہا اور وہ پروانہ وار اس شمع تجلی پر ٹوٹ کر گرے اور جان و مال کو اس منبع انوار پر نثار کر دیا۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آیات تسعہ کا تعلق زیادہ تر آفاق سے تھا۔ فرعونیوں پر حجت الٰہی تو ختم ہوئی مگر وہ ہدایت سے دور دور ہی رہے۔ آیات قرآنی کا اثر فی الانفس بھی ہے اور فی الافاق بھی ہے۔ اس لیے حضور ﷺ کے مخاطبین نور حق سے قریب قریب ہوتے گئے اور مستنیر ہوتے ہوتے خود سراپا نور بن گئے۔ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ کی یہی تاویل ہے۔

پیش گوئی

کہ لڑائیوں میں مسلمانوں ہی کو غلبہ رہے گا

﴿اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾[الصفت:173] ''اور ہمارا لشکر غالب رہے گا''

جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ ملی اور نہ مدافعت حربی کا حکم ہوا، اس وقت تک وہ برابر گوناں گوں جور و ستم کا اماج بنے رہے، لیکن جب ان کی مظلومانہ حالت اور مجروحانہ بے بسی پر رحم کھا کر اللہ تعالیٰ نے ان کو جنگ کی اجازت دے دی اور مسلمانوں کی جمعیت فوجی تنظیم سے منظم ہوگئی، حتیٰ کہ اس لفظ جند کا اطلاق صحیح ہو گیا۔ اس وقت سے پھر مسلمانوں کو کسی جگہ شکست نہیں ملی، وہ فتح پر فتح حاصل کرتے گئے۔ نصرت و ظفر ان کے علم بردار رہے۔ عراق و فلسطین، شام و ایران، خراسان و ترکستان، مصر و سوڈان کے واقعات کو پڑھ لو کہ مسلمانوں کو ایک دفع بھی شکست نہ ہوئی اور ہر جگہ انہی کو غلبہ حاصل رہا۔ ایسی زبردست پیش گوئی کا اعلان وہی مالک فرما سکتا ہے، جس کے قبضہ اقتدار میں اقوام کی ذلت و عزت کا ترازو ہے۔ ہاں وہی مالک جس کا علم عہد مستقبل پر بھی اتنا حاوی ہے کہ انسان کا علم عہد ماضی پر بھی اسی قدر حاوی نہیں ہو سکتا۔

آیت میں مزید غور طلب لفظ جُنْدَنَا ہے یعنی الٰہی لشکر۔ یہ ظاہر ہے کہ الٰہی لشکر صرف وہی ہو سکتا ہے جس کا مقصد صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہو اور جس کا مدعا فتح کنوز یا ملکیت خزائن والوں سے بالاتر ہو کیوں کہ جب مقصد بدل جائے گا، تب وہ لشکر جندنا کہلانے کا مستحق نہ ہوگا اور جب وہ جندنا کی صفت سے عاری ہو گیا تو اس کا بہت سے مقامات پر مغلوب ہو جانا اقوام غیر کے سامنے مقہور ہو جانا بھی داخل تعجب نہ رہے گا۔

ان پچھلی صدیوں میں اگر مسلمان غلبہ تام سے محروم ہو گئے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ صفت ''جندنا'' (الٰہی لشکر) سے دور ہو گئے۔ لہٰذا آیات بالا دو پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔

① مسلمان کو کبھی شکست نہ ہوگی جب تک ان کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ ہوگا۔

(2) مسلمانوں سے یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کا قائم نہ رہے گا جب کہ ان کا یہ مقصد نہ رہے گا۔

پیش گوئی

کہ اہل اسلام کو روئے زمین پر حکومتیں حاصل ہوں گی

﴿ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ ﴾ [النمل:62] ''تم کو زمین پر حکومتیں دے گا۔''

یہ آیت عام مسلمانوں کی طرف خطاب فرماتے ہوئے نازل کی گئی ہے۔

اس پیش گوئی کا ظہور کہ بنوامیہ نے دمشق میں ایک ہزار (1000) مہینے تک حکومت کی اور بعد ازاں غرناطہ وغیرہ میں حکومت حاصل کی اور ہسپانیہ پر صدیوں تک حکمران رہے۔ اسی پیش گوئی کا ظہور ہے کہ عہد فاروقی سے لے کر آج تک مصر پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہے اور مختلف خانوادے یکے بعد دیگرے سریر آرائے سلطنت ہوئے اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ دمشق میں انقراض دولت امویہ کے بعد عباسیہ نے بغداد میں پورے جاہ وجلال کے ساتھ چھ صدیوں تک حکومت کی۔

اس پیش گوئی کا ظہور تھا کہ عباسیہ کے غلاموں، ترکوں نے ترکستان وخراسان وغیرہ کی حکومت حاصل کی، پھر انہی کی ایک شاخ نے قسطنطنیہ فتح کر کے یورپ میں حکومت حاصل کی اور انہی کی شاخ نے ہندوستان پر صدیوں تک سلطنت کی۔

الغرض فراعنہ مصر، اکاسرہ ایران اور قیاصرہ روما کے ممالک پر اموی، عباسی ترک وکرد اور غلاماں وافغاناں اور دیگر اقوام کی مسلمان حکومتیں اسی پیش گوئی کے تحت میں ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسی پیش گوئی صرف اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے جو عالم الغیب ہے۔

پیش گوئی

کہ اہل ایمان کی حالت دنیوی بھی اچھی ہو جائے گی

﴿ الَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴾ [النحل:30]

''جنھوں نے یہاں نیک کام کیے ہیں، ان کے لیے دنیا میں بھی خوبیاں ہیں اور آخرت کا گھر تو بالکل اچھا ہے اور متقیوں کا خوب گھر ہے۔''

یہ آیات سورہ نحل کی ہیں جو مکی ہے۔ مکہ معظمہ میں اہل ایمان دنیوی حیثیت سے جس ضیق وتنگی اور حسرت وافلاس میں بسر کیا کرتے تھے۔ اس کا حال سب کو بخوبی معلوم ہے۔ کسی کے پاس تہ بند ہے تو کرتہ نہیں، کرتہ ہے تو سر بند نہیں۔ کسی کو ایمان لانے کے جرم میں قید کیا جاتا تھا، کسی کو گرم پتھر پر لٹا کر اس کی چھاتی پر دوسرا پتھر رکھا جاتا، کسی کے منہ میں لگام ڈالی جاتی ہے اور ہنٹروں سے مار مار کر اسے گھوڑے کی طرح پھرایا جاتا، کسی کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر ننگی پیٹھ لٹا دیا جاتا۔ کفار سمجھتے تھے کہ یہی حالت ان کی ہمیشہ رہے گی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے کلام نے بتلا دیا کہ یہ حالت بدلنے والی ہے اور مسلمانوں کی دنیوی حیثیت بھی شاندار ہونے والی ہے۔ فتوحات کے بعد کل دنیا نے دیکھ لیا کہ قرون اولیٰ کے مسلمان کیسے تنعم وترفہ اور عزت وشان پر پہنچ گئے تھے، جسے دیکھ دیکھ کر صداقت قرآنی کا اقرار اہل کفار اشرار کو بھی کرنا پڑتا تھا۔

سنن ابوداود میں ہے کہ نبی ﷺ نے جابر رضی اللہ عنہ کے کنبہ سے پوچھا کہ تمھارے ہاں قالین بھی ہیں۔ وہ بولے کہ ہم اور

قالین۔ فرمایا تم کو ملیں گے۔ پھر ایک وقت آیا، جب ان کے گھر میں سارا فرش قالین کا تھا۔ [1]

مہاجرین رضی اللہ عنہم کے متعلق تین پیش گوئیاں

① ﴿ وَ مَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ﴾ [النساء:100]

''جو کوئی شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا، اسے ملک میں جائے پناہ بھی بہت ملے گی اور کشائش بھی حاصل ہوگی۔''

② ﴿ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ [آل عمران:195]

''پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انھوں نے جنگ کی اور مارے گئے، ہم ان کی برائیوں کو بدل دیں گے اور انھیں ان کے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اجر ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تو بہتر ثواب دینے والا ہے''

③ ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ رِضْوَانٍ وَّ جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ۝ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ [التوبہ:20-22]

''جو لوگ ایمان لائے، جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے درجے والے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو کامیاب ہیں، پروردگار ان کو اپنی رحمت اور خوشنودی کی بشارت سناتا ہے۔ ان کے لیے جنت ہے اور وہاں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں، وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور اللہ کے ہاں اجر عظیم ہے۔''

یہ سہ آیات بالا خاصۃً مہاجرین پاک کے متعلق ہیں۔

پہلی آیت کا وعدہ دنیا کے متعلق ہے اور دوسری، تیسری آیت کا وعدہ دنیا و عقبیٰ ہر دو کے متعلق ہے۔

مہاجرین گھر بار، خویش و تبار، املاک و اموال کو چھوڑ کر صرف اللہ اور رسول کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ میں پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت کے مطابق ان کو بڑی بڑی جائداد کا مالک بنایا، لاکھوں، کروڑوں کی تجارت ان کے قبضہ میں آئی۔

جنات اور نعیم و مقیم کی قسط اول دنیا ہی میں پوری کی گئی۔ غور کرو کہ عراق و شام، ایران و مصر و خراسان وسوڈان کے فاتح سب کے سب مہاجرین ہیں۔ خالد بن ولید سیف اللہ اور ابو عبیدہ بن الجراح امین الامت، سعد بن وقاص اور عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہم وہ بڑے بڑے جرنیل ہیں، جنھوں نے ان ممالک میں نور اسلام پہنچایا اور وہاں کے نعیم مقیم کو اہل ایمان کے لیے عام کر دیا تھا۔

پیش گوئی

کہ تنگ دستی کے بعد مسلمان غنی ہو جائیں گے

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ [التوبہ:28]

''اگر تم کو تنگ دستی کا خوف ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ عہد مستقبل میں تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔''

سَوْفَ: مضارع پر جب آتا ہے تو مضارع کو معنی حال سے نکال کر مستقبل بعید کے معنی میں منتقل کر دیتا ہے۔ چنانچہ یہ پیش گوئی

---

[1] بخاری:3631، 5161، مسلم:5449، 5450، ابوداود:4145، ترمذی:2774، نسائی:3386

انقراض عہد نبوت ﷺ کے بعد پوری ہوئی۔ صحابہ کی دولت مندی اور غنا کا یہ حال تھا کہ ان کو اپنی دولت کا خود بھی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہ ہوتا تھا۔

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قرشی الزہری کا جب انتقال ہوا تو ایک ہزار (1000) اونٹ، تین ہزار (3000) بکریاں اور ایک سو (100) گھوڑے ان کے ہاں موجود تھے۔ نقد و اسباب اس کے علاوہ تھا۔ ان کی ایک عورت کو 3/8 کے حساب سے تراسی ہزار (83000) روپیہ نقد دیا گیا تھا۔ [1]

ابومحمد طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لنگر میں ایک ہزار (1000) ورق کا روزانہ مصارف تھا۔ ورق ایک سکہ ہے جو ہم وزن دینار ہے۔ [2]

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار (1000) غلام تھے جو کما کر لایا کرتے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ان کی کمائی کو خیرات کر دیا کرتے اور ایک حبہ بھی اپنے پاس نہ رہنے دیتے۔ [3]

پیش گوئی

کہ عرب کے تمام بت ناپید ہو جائیں گے اور بت پرستی معدوم ہو جائے گی

﴿یَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ﴾ [الشوریٰ: 24]

''اللہ اپنے کلام سے باطل کو مٹا دے گا اور حق کی حقانیت کو ثابت کرے گا۔''

باطل سے بت مراد ہیں۔ یہ معنی خود نبی ﷺ نے بتلائے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضور ﷺ فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو صحن کعبہ میں بت استادہ تھے۔ نبی ﷺ کے دست مبارک میں چھڑی تھی۔ حضور ﷺ چھڑی کے ساتھ بت کی طرف اشارہ کرتے تھے اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرماتے تھے۔

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ [بنی اسرائیل: 81]

''کہہ دے کہ حق آ گیا اور باطل نکل گیا اور باطل نکلنے ہی کی چیز ہے۔'' [4]

اس پیش گوئی کا چودھویں صدی تک یہ اثر ہے کہ سارا ملک عرب بتوں کے وجود سے خالی اور بت پرستی سے کلیہ پاک ہے۔

آیت میں لفظ بِکَلِمٰتِہٖ مکرر غور طلب کہ باطل کو محو کرنے اور حق کو ثابت کرنے کا کام کلمات الٰہیہ کا ہے۔ کلام اللہ کی تاثیر ہی یہ ہے کہ اس کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔

چین، ہند، آسام وغیرہ بت پرست ممالک ہیں۔ ہزارہا بندگان الٰہی کا بت پرستی سے اہل عرب کی طرح بیزار ہو جانا، اسی اصول پر تھا کہ جہاں جہاں قرآن حمید کی اشاعت ہوئی وہاں وہاں بت پرستی معدوم ہو گئی۔ عیسائیوں میں مذہب پراٹسٹنٹ (Protestant) [5] کا ظہور و قیام بھی قرآن مجید ہی کی تاثیر کا نتیجہ ہے۔

پراٹسٹنٹ والے اب تصویر پرستی نہیں کرتے، نہ اپنے گرجاؤں میں مسیح اور مریم اور یوحنا علیہم السلام کی تماثیل کو رکھتے ہیں اور نہ ان کے سامنے کورنش و رکوع کرتے ہیں۔

---

[1] کتاب الاسماء نووی، والشفاء: 427/1، اسد الغابۃ: 478/3، 480، الاستیعاب: 847/2 [2] اسد الغابۃ: 87/3

[3] اسد الغابۃ: 309/2، الاستیعاب: 563/1 [4] بخاری: 4287

[5] ایک معروف مسیحی فرقہ ہے۔

پیش گوئی

کہ مظلوم مہاجرین کو دنیا میں اچھے ٹھکانے اور آخر میں اجر کبیر ملے گا

﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

''جن لوگوں نے ہجرت کی اللہ کے لیے ظلم اٹھانے کے بعد، ہم ان کو بہتر اور پسندیدہ ٹھکانے اور مقامات پاکیزہ دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے، کاش! دوسرے لوگ بھی اسے جان لیں۔'' [النحل:41]

کون کون مقدس لوگ اللہ تعالیٰ کے اس وعدہ صدق کے موافق مورد الطاف ربانی ہوئے۔؟ یہ دیکھنے کے لیے مہاجرین کے اسمائے مبارکہ پر نظر ڈالو۔ ان کی حالت پڑھو، ان کی دنیوی کامیابی سے ان کے اخروی اجر کبیر کا اندازہ لگاؤ۔ ایک مختصر آیت نے کس طرح سینکڑوں بزرگوں کے انجام کا اعلام فرما دیا ہے۔ یہی ایک آیت قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے اور مہاجرین کی دنیا و دین میں کامیابی پر دلیل روشن ہے۔

دنیوی و اخروی سعادات کا بیان حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں بھی ہے:

﴿قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَا اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔﴾

''کہا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا۔ ہاں جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ احسان (نیکی) کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔'' [یوسف:90]

آیت بالا سے ظاہر ہے کہ مہاجرین کے لیے اللہ تعالیٰ نے سعادت دارین کو اسی طرح جمع فرما دیا جس طرح یوسف صدیق علیہ السلام کے لیے جمع فرمایا تھا۔

پیش گوئی

کہ اصحاب رسول ﷺ اور متبعین رسول ﷺ کی ترقی آہستہ آہستہ اور تدریجی ہوگی پھر کمال پر پہنچے گی۔

﴿كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ [الفتح:29]

''ان کی مثال کھیتی کی سی ہے، جس نے سوئی نکالی، پھر سوئی کو مضبوط کیا، پھر اسے موٹا بنایا، پھر وہ اپنی نال پر کھڑی ہوگئی۔ وہ کسان کو خوش کرتی ہے اور کفار انھیں دیکھ دیکھ کر غیظ و غضب میں آرہے ہیں۔''

آیت بالا میں چھ (6) واقعات اور منازل و مدارج کا ذکر ہے۔

1. کھیتی کی سوئی کا زمین سے سر نکالنا۔
2. سوئی کا مضبوط ہونا۔
3. سوئی کا موٹا ہونا۔

④ اپنی نالی پر کھڑے ہو جانا۔
یہ ہر دو مراتب مدینہ منورہ میں جا کر پورے ہوئے۔
ہر چہار (4) مدارج ترقی کے بعد دو بیرونی نتائج کا ذکر فرمایا۔
⑤ کسان کا اس کھیتی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہونا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا رضوان ہے، جس کا اعلان آیت تکمیل میں ہے۔
⑥ کفار کا انھیں دیکھ کر حسد اور غصہ سے جل مرنا۔ یہ ان سب اشخاص اور اقوام کے متعلق ہے جو مہاجرین کا اعلیٰ مناصب پر فائز ہونا نہیں دیکھ سکتے۔
یہ آیت دراصل چھ (6) پیش گوئیوں پر مشتمل ہے۔
ہاں اس پیش گوئی کو اس پیش گوئی کے ساتھ بھی ملا کر دیکھو جس میں اسلام کو شجرہ طیبہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے

پیش گوئی

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے متعلق

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے عکاظ منڈی سے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے لیے خرید کیا تھا۔ جب طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد ہوا، تب زید رضی اللہ عنہ کو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مامور کر دیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلعت نبوت پہنایا گیا تو زید رضی اللہ عنہ بھی اسی پہلے دن ایمان لائے، جس دن خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تھے۔ لہٰذا یہ اولین سابقین میں سے ہیں۔ [1] اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت فرمایا:

﴿ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْہِ ﴾ [الاحزاب:37]

''جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس پر اللہ نے بھی انعام کیا اور آپ نے بھی انعام کیا۔''

آیت بالا سے ظاہر ہوا کہ وہ انعام یافتہ الٰہی ہیں۔ دوسری آیت میں بتایا گیا ہے کہ انعام یافتہ الٰہی کون کون لوگ ہوتے ہیں:

﴿ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ﴾ [النساء:69]

''اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والے ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا اور وہ انبیا، صدیق اور شہداء وصالحین ہیں۔''

نتیجہ یہ ہوا کہ جو شہید ہے وہ انعام یافتہ الٰہی ہے اور جو انعام یافتہ الٰہی ہے وہ اگر نبی یا صدیق نہیں، تو ضروری ہے کہ وہ شہید ہو یا صالح ہو۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے لیے آیت بالا ان کی شہادت کی خبر دینے والی تھی۔ چنانچہ 8ھ میں غزوہ موتہ کی سپہ سالاری کرتے ہوئے شہید ہوئے اور پیش گوئی پوری ہوئی۔

پیش گوئی

غیر اقوام کا مسلمان ہونا اور اسلام کی خدمت میں شاندار کام کرنا

﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ ﴾ [محمد:38]

[1] اسد الغابہ 2/350، اصابہ رقم الترجمہ: 2897، الاستیعاب رقم الترجمہ: 848

اگر تم منہ پھیرو گے تب اللہ تمھارے سوا دوسری قوم کو بدل دے گا اور وہ منہ پھیرنے والی قوم نہ ہوگی۔"

آیت کا خطاب (جیسا کہ قرآن مجید ہی کی عبارت سے واضح ہے، ان لوگوں کی طرف ہے جو جہاد سے منہ موڑنے والے تھے، اب دیکھو کہ سوڈان، بربر، افریقہ، اندلس، خراسان، سندھ، ہندوستان میں جہاد کرنے والی قومیں وہ ہیں جن کا ان منافقین کے ساتھ کوئی حسبی نسبی تعلق نہیں۔

کرد، ترک، مغول، خلجی، سوری، غوری اقوام نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جو خدمات انجام دیں وہ سب اسی پیش گوئی کے تحت میں ہیں۔

اہل ایمان کے متعلق پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی

خلافت راشدہ کے متعلق، جس میں خلافت راشدہ کے متعلق علامات بھی واضح طور پر بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ ایک پیش گوئی دراصل چھ پیش گوئیوں کا مجموعہ ہے۔

آیت کریمہ جو چھ پیشین گوئیوں اور ایک وعید پر مشتمل ہے، یہ ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ [النور:55]

"وعدہ کیا اللہ نے تم میں سے اور ایمان والوں کے ساتھ جنھوں نے عمل بھی اچھے کیے۔"

1 ﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ [النور:55]

"کہ اللہ ان کو ضرور الارض کا خلیفہ بنائے گا"

2 ﴿ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ [النور:55]

"جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا"

3 ﴿ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ [النور:55]

"اور ان کے دین کو ان کے لیے مکنت، قوت بخشے گا وہ دین جس کو ان کے لیے اللہ نے پسند کیا ہے"

4 ﴿ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾ [النور:55]

"اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔"

5 ﴿ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ﴾ [النور:55]

"وہ میری ہی عبادت کریں گے ذرا بھی شرک نہ کریں گے۔"

6 ﴿ وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ [النور:55]

"اور جو کوئی اس حالت کے بعد بھی کفر کرے گا وہی فاسق ہوگا"

یہ وعدہ ہے اور ان لوگوں کے ساتھ ہے، جو تعلیم نبوت کے ترجمان اور عمل صالح کی صفت سے متصف تھے۔ وعدہ میں مندرجہ ذیل چھ پیشین گوئیاں شامل ہیں:

اول: الارض کی خلافت

☐ خلاف کے لفظ پر غور کرو، اللہ تعالیٰ نے قیامِ خلافت کے اعزاز کو ہمیشہ اپنے ہی اقتدار و اختیار و انتخاب میں رکھا ہے۔ خلافت آدم علیہ السلام کا ذکر تھا، تب بھی یہی فرمایا:

﴿ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ﴾ [البقرۃ:30] ''زمین میں خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔''

سیدنا داؤد علیہ السلام کی خلافت کا ذکر ہوا تب بھی یہی فرمایا:

﴿ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ ﴾ [ص:26]

''اے داؤد! ہم نے تجھے الارض کا خلیفہ بنایا۔''

اب مومنین صالحین امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وعدہ ہوا تو بھی یہی فرمایا: لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ یعنی اللہ ان کو خلیفہ بنائے گا۔ اس سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ خلفائے راشدین کا نام قرآن مجید میں رکھا گیا ہے۔

دوم: یہ کہ ان کا تقرر و انتخاب منجانب اللہ تھا

☐ آیت کا نزول 5 ہجری نبوت میں ہوا ہے کیوں کہ اسی سورہ نور میں واقعہ افک بھی درج ہے جو باتفاق علمائے سیر 5 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ اس وعدہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو 5 ہجری سے پہلے ایمان لائے ہوئے تھے، اس لیے اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا ماضی کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں اس وعدہ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کا اسلام یا ولادت نزول آیت ہذا کے بعد ہوئی اور وہ خلافت راشدہ (جس کا تقرر بارگاہِ الٰہی سے ہوتا ہے) کا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ صحیح نہ ہوگا۔

☐ الارض کے معنی عام بھی ہیں اور خاص بھی۔ جب اس کے معنی وعدہ کی زمین ہیں، تب تو اس سے وہی معنی لیے جائیں گے اور جب اسکے معنی مطلق لیے جائیں، تب معنی میں بھی عمومیت ہوگی۔ قرآن مجید میں اس کا اطلاق ہر طرح سے آیا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا: ﴿ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ﴾ [البقرۃ:255] الارض سے مراد تمام کرۂ زمین ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا یوسف علیہ السلام کے قصہ میں فرمانا ﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ﴾ [یوسف:21] میں الارض سے مراد ملک مصر ہوگا۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کے کلام میں ہے: ﴿ یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ [المائدۃ:21]

''اے قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو تمھارے لیے لکھ دی گئی ہے۔''

اس میں الارض سے مراد وعدہ کی وہ زمین ہوگی جس کی بابت اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرار دے دیا ہے

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ [الانبیاء:105]

''بلاشبہ ہم نے زبور میں لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو ہی زمین کا وارث بنائے گا۔''

اب قرآن کی پیش گوئی میں فی الارض کی تعیین میں وعدہ کی زمین بھی مراد ہے اور بتایا گیا ہے۔ فلسطین کی وہ زمین موعودہ جو

اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو دی تھی جو ہزاروں سال سے اس خانوادہ عالی شان کی ایک شاخ بنو اسرائیل میں چلی آتی تھی۔اس کا قبضہ اب خلفائے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلایا جائے گا۔ان معنی کے لحاظ سے بھی آیت میں صریح پیش گوئی موجود ہے۔کیوں کہ نزول قرآن بلکہ حیات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی ایسے آثار وقرائن نمودار نہ تھے کہ مسلمان عرب سے آگے بڑھ کر ارض مقدسہ کے بھی مالک ہو جائیں گے۔

دشمن (خصوصاً سلطنت روما جو ارض مقدسہ کی قابض تھی) یہ تیاریاں کیے ہوئے تھا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فوراً یکبارگی عرب پر حملہ کر دیا جائے۔

مصر اور حبش کے باج گزار بادشاہ بھی اپنے اپنے ممالک سے حملہ آور ہوں اور خود قیصر بھی شام کی طرف سے آگے بڑھے اور اس تدبیر سے تمام عرب پر وقت واحد میں ہی تسلط تام بھی کر لیا جائے اور اس نوخیز مذہب جس نے عیسائیت پر عرب میں غلبہ حاصل کر لیا تھا اور جس نے اپنے عملی دلائل سے تثلیث کی بنیادوں کو سارے عالم کی نگاہ میں متزلزل کر دیا تھا، کا کام یک لخت ختم وتمام کر دیا جائے۔

دشمنوں کی ان تیاریوں پر قرآن پاک فرما رہا ہے کہ زمین موعودہ برگزیدہ مومنوں کو ملے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔ ﴿كَمَا اسْتَخْلَفَ﴾ کی تشبیہ کامل طور پر پوری ہوگئی۔

''الارض'' سے مراد عام ممالک بھی اس پیشین گوئی کے مفہوم میں داخل ہیں اور اسی لیے عراق، فلسطین شام اور ایشیائے کوچک، مصر وایران، بحرین وخراسان، مراکو، تیونس، سوڈان وغیرہ الغرض وہ سب ممالک جو حملہ کرنے والے دشمنوں کی سلطنتوں میں داخل تھے۔ سب کے سب خلفاء کے قبضہ میں آگئے۔

② آیت استخلاف میں صرف فتوحات ملکی ہی کا ذکر ہوتا تو کہنے والا کہہ سکتا تھا، جس خلافت کا وعدہ دیا گیا ہے وہ صرف برکات دنیوی پر مشتمل تھی۔مگر غور سے پڑھو کہ آیت تو مکنت دین، عزت اسلام، شوکت مذہب کا بھی وعدہ کرتی تھی۔

ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ دیتا کہ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ [الکافرون:6] ''تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین ہے۔'' میں مذہب غیر از اسلام کو بھی لفظ دین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔اس لیے اس کے ساتھ ﴿الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ﴾ [النور:55] کے پاک الفاظ بھی نازل کر دیے گئے۔اگر ہم قرآن مجید ہی سے ارْتَضَىٰ لَهُمْ کا مشارالیہ معلوم کرنا چاہیں تو آیت تکمیل میں یہ الفاظ ملیں گے ﴿رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [آل عمران:19]

اور پھر اسلام کے متعلق ایک اور آیت ملے گی۔﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾[آل عمران:19] ''بے شک پسندیدہ دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔''

یہ سب آیات اس امر کو استحکام کے ساتھ واضح کر دیتی ہیں کہ خلفاء کا دین ہی اللہ تعالیٰ کا پسند کردہ دین ہے۔

③ ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾ [النور:55]

''اللہ تعالیٰ ان کو ضرور بعد از خوف امن دے گا۔''

اس آیت میں امن بسیط اور آسائش تام اور رفاہیت کامل کا اظہار ہے جو خلافت خلفائے راشدین میں حاصل ہوا تھا۔ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا ظہور بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے فرمائی تھی کہ وہ اپنی عمر میں دیکھ

لے گا کہ ایک عورت صنعا سے تنہا چل کر حج کرے گی اور راہ میں اسے خوف الٰہی کے سوا اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اس کا ظہور بھی زمانہ خلافت ہی میں ہوا تھا۔

پس یہ الفاظ پاک اندرونی نظم ونسق پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ الفاظ ماسبق کشور کشائی وگیتی ستائی کے مظہر ہیں۔ دنیا کے کسی فاتح کے زمانہ میں ان دو اوصاف کا جمع ہونا بہت دشوار ہوا ہے۔ سکندر مقدونیہ سے اٹھتا، ایران کو تباہ کرتا، مصر کو خاک میں ملاتا، بابل کا خاتمہ کرتا ہوا رکا دوریا پرے سے گزرتا ہوا ایشیائے کوچک تک جا پہنچتا ہے۔

تیمور کو دیکھو کہ تاتار سے امنڈتا، ترکستان پر قبضہ جماتا، تخت کابل پر جلوہ آرا ہو کر ہندوستان میں نقارہ شاہی بجاتا، بغداد کو زیر وزبر کر کے سلطان یلدرم کو انگورہ میں اسیر کرتا۔ پھر روس کو مسخر کرتا ہوا تاتار میں جا پہنچتا ہے۔ چین اسی کے عزم سے لرزہ براندام ہے اور منگولیا وکوریا کی سلطنتیں اس کے سامنے خراج پیش کر رہی ہیں۔

لیکن ان دونوں کے ملکی نظم ونسق کو دیکھو تو بالکل ہیچ بصفر کے برابر۔

قرآن پاک کی پیش گوئی بتلا رہی ہے کہ خلافت ان ہر دو اوصاف عالیہ کی جامع ہوگی اور وہ حکومت کا ایک ایسا نمونہ دنیا میں چھوڑے گی جس کی تقلید کرنے سے آج تک فرانس وامریکہ کی جمہوریت بھی درماندہ عاجز ہے۔

④ يَعْبُدُوْنَنِيْ کے لفظ نے خلفا کے خلوص طلب اور صدق ارادت اور استحکام علم وعمل پر مہر لگا دی۔ مالک کی جانب سے کسی بندہ کی قبولیت کا اظہار وہ انتہائی عزت وفخر ہے جو قرآن مجید میں انبیائے کرام ہی کے لیے خاص تھا۔ یہاں اس شرف میں خلفائے راشدین کو بھی شامل کر دیا گیا۔

⑤ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ فرمانے سے وصف کی تکمیل ہوگئی۔ اوصاف عالیہ کی تقسیم اثبات وسلب پر کی جاتی ہے۔ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ﴾ وصف مثبت ہے ﴿لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّه،﴾ [الاخلاص 1-4] صفت سلبی ہے۔ یہاں بھی نفی شرک نے توحید کا کمال، اعتقاد کا رسوخ، ایمان کی سلامتی، دوام عمل کو بخوبی واضح کر دیا۔

⑥ شَيْـــًٔــا کے فرما دینے سے شرک جلی کے ساتھ شرک خفی کی بھی نفی ہوگئی۔ ریا وسمعہ کا شائبہ بھی جاتا رہا اور نور صدق وصفا کا کامل ظہور ہو گیا۔

⑦ ان علامات کے بعد یہ بھی بتلا دیا کہ خلفاء کی برکتوں کا انکار یا اس پیشین گوئی کا اشتباہ بہت برے انجام تک پہنچا دیتا ہے اور بارگاہ الٰہی سے اسے لعنتی کا خطاب مل جاتا ہے۔

قارئین غور کریں کہ جس خلافت کی خبر دی گئی اور جس کی فتح مندی، نصرت وامن اور دینداری وصداقت گستری کی بابت پیشین گوئی فرمائی گئی۔ خلافت راشدہ ٹھیک اسی طرح ہر ایک بات پر پوری اتری جس کی شہادت نہ صرف مسلمانوں کی تاریخ، بلکہ اعداء کی تحریروں اور ممالک غیر کی تواریخ سے بخوبی حاصل ہوتی ہے۔

ہم کو آیت پر مکرر غور کرنا ہے۔ کیا اس سے موجودہ خلافت کے خلفاء کی تعداد بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ہاں۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ ،ارْتَضٰى لَهُمْ وغیرہ الفاظ میں سب جگہ جمع کے صیغے اور جمع کی ضمائر استعمال کیے گئے ہیں اور زبان عرب میں جمع کے لیے کم از کم تین کا ہونا ضروری ہے۔ تین سے زائد تعداد تو اس میں آ سکتی ہے مگر تین سے کم تعداد کے لیے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوگا، جمع کا

نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ مذہب کہ خلافت راشدہ کے والی ابوبکر، عمر، عثمان، وعلی رضی اللہ عنہم چار مقدس ہستیاں ہیں یا بہ شمولیت امام حسن رضی اللہ عنہ پانچ ہیں۔ بالکل صحیح ثابت ہے۔ بلاغت قرآنی کو دیکھو کہ ان چاروں یا ان پانچوں پر نزول آیت کے وقت ﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ [النور:55] کی علامت کامل طور پر منطبق شدہ ہے۔

ہماری تمام تر بحث کا مقصد قرآن مجید کی ان پیشین گوئیوں کا ذکر کرنا تھا جو خلافت راشدہ کے متعلق ہیں۔ خلافت کا آغاز بعد از ارتحال نبوی ﷺ ہوا جب کہ نزول وحی کا باب مسدود ہو چکا تھا۔ اب انہی علامات وامارات وبشارات کے مطابق خلافت کا قیام و استحکام اس مالک الانام کا کام ہے جس نے خود اپنا کلام رسول پاک ﷺ پر اتارا۔ اور جس نے خود اپنے رسول ﷺ کی امت میں سے خلافت کے لیے چند نفوس مزکی کا انتخاب فرمایا جن کا ہر ایک قول وفعل کتاب اللہ کا مصداق اور کتاب اللہ ان کی مصدق تھی۔

ساتویں پیشین گوئی کہ قرآن کریم کے مخاطبین اولیٰ میں ایک فتنہ عام برپا ہوگا

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ [الانفال:25]

''بچو اس فتنہ سے جو تم میں سے صرف ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا۔''

اس آیت میں ایسے فتنہ عام کی خبر دی گئی کہ ظالم وغیر ظالم سب ہی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے۔ بے شک قومیت کے فقدان اور نظم ملی کے اختلال کی آفات میں سے ایک یہ بھی آفت ہے کہ اس عصبیت کا اثر سب پر پڑتا ہے۔

شہادت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، واقعہ جمل، واقعہ صفین، شہادت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، واقعہ ہائلہ کربلا ایسے واقعات ہیں جو اس پیش گوئی کی صحت میں وجود پذیر ہو چکے۔ واقعات بالا میں بڑی تعداد مخاطبین اول قرآن مجید کی تھی اور اس لیے ضمیر مِنْكُمْ میں کاف خطابیہ استعمال میں لایا گیا اس فتنہ کے وقوع کا امکان اسی خلافت راشدہ کے بعد جو برکات دینوی اور انوار دینی کی جامع تھی عام وہم وگمان سے بالاتر تھا، لیکن رب العالمین کا علم صحیح آنے والے واقعات پر حاوی ہے اور اس کا کلام ایسے واقعات کا ذخیرہ ہے۔ لہٰذا ایسے الفاظ میں خبر دی گئی کہ ظالم وغیر ظالم سب پر اس فتنہ کا استعمال ہوگا۔ یہ نہیں بتلایا کہ لوگ اس فتنہ میں حصہ لیں بلکہ فرمایا کہ احتراز واجتناب اور تقویٰ اختیار کریں۔ صحیح بخاری کی حدیث عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں بھی اس فتنہ کی اطلاع دی گئی ہے۔

سَتَكُوْنُ الْفِتَنُ الْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ [1]

''ایسے ایسے فتنے ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے سے اور کھڑا چلنے والے سے اور چلنے والا ساعی سے بہتر ہوگا۔''

ہمارا مقصود ان دل شکن روح فرسا واقعات کی تفصیل لکھنا نہیں، بلکہ قرآن پاک کی پیش گوئی کا اندراج کرنا ہے کیوں کہ کلام الٰہی میں ان واقعات پر اشارۃً موجود تھا اور یہی امر ہے جو اس کے کلام الٰہی ہونے پر دال ہے۔

مستہزئین (مذاق اڑانے والے) مکہ کے خلاف پیش گوئی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ﴾

''جو حکم تجھے دیا گیا ہے وہ صاف صاف بیان کرتا رہ، ان مشرکین سے رخ بدل لے۔ استہزا کرنے والوں سے ہم تجھے کفایت کریں گے۔'' [الحجر:94-95]

---

[1] بخاری:360، مسلم:2886,10، ابوداود:4259، ترمذی:2204، ابن ماجہ:3961، ابن حبان:5959

ہم نے اپنی کتاب رحمۃ للعالمین جلد اول میں جماعت مستہزئین کا ذکر کیا ہے۔ اس کمیٹی کے مقاصد یہ تھے کہ نبی ﷺ کی ہنسی اڑائیں۔ نقلیں اتاریں، آوازے کسیں، حضور ﷺ کے وعظ میں شور وشغب سے کھنڈت ڈالیں، منہ چڑائیں، بے حرمتی کریں۔

اس ناپاک کمیٹی کے گندے افعال پر غور کرو۔ کیا ان موانع کی موجودگی میں کوئی شخص تبلیغ واشاعت کا مہتم بالشان کام سرانجام دے سکتا ہے؟

لیکن آیت بالا میں نبی ﷺ کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنا کام جاری رکھیں، وعظ ونصح اور بلاغ وانذار کا سلسلہ ٹوٹنے نہ دیں۔ رہا مستہزئین کا رویہ اور طریق، اس کی بابت پیش گوئی کی جاتی ہے کہ ہم ان کو خود سمجھ لیں گے۔ اس پیش گوئی کے تحت میں مستہزئین کے نام اور ہر ایک کا انجام پیش کر دیا جاتا ہے:

1	امیہ بن خلف	سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ظلم وستم توڑنے والا یہی شخص تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ ہی کے ہاتھوں نے اس راس الکفر کو خاک وخون میں سلایا اور دارالبوار کو پہنچایا
2	عاص بن وائل	گدھے پر سوار تھا۔ ایک غار کے برابر پہنچا، گدھے نے ٹھوکر کھائی اور سر کے بل گڑھے میں اوندھا جا پڑا۔ وہاں ایک سخت زہریلا عقرب موجود تھا اس نے کاٹا، سوجن ہو گئی سڑ سڑ کر مرا۔
3	نضر بن حارث	مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل ہوا جو اس جماعت میں پیش پیش تھا۔
4	عتیب	جو اسود بن المطلب کا پوتا تھا۔
5	حارث بن زمعہ	جو عتیب کا چچیرا بھائی تھا
6	طعیمہ بن عدی	جو سخت بدزبان تھا۔
7	اسود بن مطلب	جو نقلیں اتارا کرتا تھا۔ ایک درخت کے نیچے سویا۔ اٹھا تو سخت بے چین تھا۔ کہتا تھا کہ میری آنکھوں میں کانٹے چبھوئے جاتے ہیں۔
8	عاص بن منبہ	پہلے گدھے پر سوار تھا۔ طائف کی راہ میں کانٹا لگا۔ اسی کے زہر سے ہلاک ہوا۔
9	منبہ بن حجاج	اندھا ہوا۔ پھر تڑپتا ہوا مر گیا۔
10	ابوقیس بن ناکہ	جو نبی ﷺ کی ایذا دہی کو اپنی راحت سمجھتا تھا
11	امیہ بن خلف	مشہور بدزبان تھا۔
12	ابوجہل	جو راس الاشرار تھا۔
13	عقبہ بن ابی معیط	جس نے حضور ﷺ کی گردن میں سجدہ کرتے وقت پھندا ڈالا۔

14	حارث بن قیس سہمی	پیٹ میں زرد پانی پڑ گیا تھا جو اس کے منہ سے نکلا کرتا، اسی ذلت سے ہلاک ہوا۔
15	ولید بن مغیرہ	ایک خزاعی سوار کا نیزہ اکحل میں لگا۔ رگ جان کٹ گئی۔
16	ابولہب	عدسہ و طاعون میں مبتلا ہو کر واصل جہنم ہوا۔ دوستوں، عزیزوں نے بھی لاش کو ہاتھ نہ لگایا۔ کوٹھے پر چڑھ کر اس کے اقارب نے لاش پر اتنے پتھر پھینکے کہ لاش ان میں چھپ گیا اور یہی ڈھیر اس کی قبر بنا۔
17	اسود بن یغوث	بادسموم سے چہرہ جھلسا گیا۔ گھر آیا تو گھر والوں نے اسے شناخت نہ کیا۔ گھر سے باہر تڑپ تڑپ کر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔ زبان پیاس کے مارے دانتوں سے باہر نکلی ہوئی تھی۔
18	زہیر بن ابی امیہ	وبا کا لقمہ ہوا۔
19	مالک بن اطلالہ	لہو، رادھ کی قے آئی اور فوراً مر گیا۔
20	رکاز بن عبد یزید	بے کسی و نامرادی میں جان دے دی۔

غور کرو کہ پیش گوئی کتنے اشخاص کی ہلاکت پر مشتمل تھی اور پھر ہر ایک کا انجام کیسے عبرت بخش حالات کے ساتھ پورا ہوا واضح ہو کہ ذات ہمایوں نبی ﷺ کے متعلق دیگر آیات کو مضمون خصائص النبی ﷺ میں درج کیا گیا ہے۔

قریش کے دشمن سرداران دوست بن جانے کی پیش گوئی

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ﴾ [الممتحنۃ:7]

''عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی قائم کردے گا۔''

اس کے تحت میں بھی چند مثالوں کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عَسٰی کا استعمال امر محبوب کی ترجی میں ہوتا ہے۔

﴿1﴾ عبداللہ بن ابوامیہ بن مغیرہ نبی ﷺ کا پھوپھیرا بھائی تھا مگر اسلام کا اتنا سخت مخالف کہ حضور ﷺ سے اس نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ اے محمد ﷺ اگر تو زینہ لگا کر آسمان پر بھی چڑھ جائے اور میری آنکھوں کے سامنے سے اترے، تیرے ساتھ چار فرشتے بھی ہوں اور وہ تیری نبوت وصداقت کی شہادت بھی دیں تب بھی میں ایمان نہ لاؤں گا۔ [1]

یہی عبداللہ بہ جذبہ توفیق ربانی 8 نبوت میں حاضر دربار ہوتا اور اقرار شہادتین سے معراج ایمان پر فائز ہو جاتا ہے۔ اہل خبرت اندازہ کریں کہ عبداللہ نے ضرور وہ کچھ دیکھا جو آسمان پر زینہ لگا کر چڑھنے اترنے اور فرشتوں کی شہادت دینے سے بھی بڑھ کر تھا۔ [2]

﴿2﴾ ثمامہ بن اثال نجد کا فرماں روا تھا۔ نبی کریم ﷺ کا شہر، حضور ﷺ کا لایا ہوا دین، حضور ﷺ کا وجود باجود اس کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت تھے۔ وہ مدینہ میں صرف تین دن محبوس رہا۔ جس روز آزاد ہوا، اسی روز بصدول وجان حضور ﷺ کا فریفتہ وشیدا ہو گیا۔ قید کیا ہوا کہ محبت کا صید بن گیا۔ [3]

﴿3﴾ عمرو بن العاص اسلام کی مخالفت میں اتنا چالاک تھا کہ قریش نے دربار نجاشی میں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا تا کہ مہاجرین پناہ گزین حبش کو

---

[1] البدایۃ والنھایۃ:51/3 [2] اسد الغابۃ:176/3، اصابہ:4561، الاستیعاب:1482 [3] بخاری:4372، اصابہ:4561، الاستیعاب:482

اکسٹراڈیشن(Extradition) ملزموں کی طرح حاصل کر کے واپس لائے۔ وہی چند سال کے بعد گردن جھکائے، حیا سے آنکھوں کو قدموں پر جمائے حاضر ہوتا ہے اور بعد ازاں مبلغ اسلام بن کر جاتا ہے اور ملک عمان کے داخل اسلام ہو جانے کی بشارت لے کر حضور نبوی ﷺ میں حاضر ہوتا ہے۔ ملک مصر کا فاتح اول بنتا ہے۔ (1)

(4) ابوسفیان صخر بن حرب نے احد غزوہ سویق، احزاب وغیرہ میں مسلمانوں پر حملے کیے۔ بھاری فوجیں لایا۔ مگر وہی اسلام میں داخل ہو کر فتنہ وارتداد میں ثابت قدم رہ کر فتوحات شام وغیرہ میں نہایت کارگزار ثابت ہوا۔ (2)

(5) ابوسفیان بن حارث نبی ﷺ کا چچیرا بھائی، شاعر، زبان آور شروع شروع میں اسلام اور مسلمین کی ہجو میں شعر کہا کرتا۔ پھر یہ ہدایت ربانی حاضر ہوتا اور ابوسفیان سید فتیان اہل الجنۃ کے خطاب سے مشرف ہوتا ہے۔ (3)

(6) سہیل بن عمرو صلح حدیبیہ میں بھی کفار کی طرف سے کمشنر معاہدہ تھا۔ جب اسلام میں داخل ہوئے تو ان ہی کے خطبہ نے بعد از وفات نبوی ﷺ اہل مکہ کو استقامت و استقلال بخشا اور بالآخر شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ (4)

(7) عکرمہ بن ابوجہل شروع میں اسلام کی مخالفت اور کفر کی محافظت میں باپ سے بھی آگے آگے تھا، لیکن جب سے نبی ﷺ کے حضور میں آنے کا موقع ملا پکے جان نثار اور عاشق زار بن گئے۔ فتوحات میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے یہی دست و بازو ہوتے اور دو ہزار کفار پر اکیلے بھاری سمجھے جاتے۔ (5)

(8) حکیم بن حزام قرشی اسدی ساٹھ (60) سال کفر میں پورے کیے، بدر میں مسلمانوں کے خلاف بہت بڑا حصہ لیا۔ پھر اسلام لائے اور ساٹھ (60) سال اسلام کی خدمت میں پورے کیے۔ ایک حج کے موقع پر ایک سو (100) اونٹ اور ایک ہزار (1000) بکرے قربانی کیے اور ایک سو (100) غلام آزاد کیے۔ (6)

(9) عبدیالیل ثقفی جب نبی ﷺ کوہ طائف پر تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لے گئے تو اس نے لڑکوں، غلاموں، اوباشوں کو حضور ﷺ پر پتھر، کیچڑ، پھینکنے کے لیے مقرر کیا تھا۔ لیکن چند سال کے بعد یہ خود مع پنج سرداران قریش مدینہ میں حاضر ہوتا، ایمان لاتا اور اپنی قوم میں مبلغ بن کر جاتا ہے اور تمام قبیلہ ایک دن میں مسلمان ہو جاتا ہے۔ (7)

(10) بریدہ بن الحصیب اسلمی کفار قریش کے انعام صد (100) شتر کی خبر پاتا اور ستر (70) سوار ساتھ لے کر نبی ﷺ کو زندہ پکڑ لانے یا ہلاک کرنے کا عزم کر کے گھر سے روانہ ہو جاتا ہے مگر جب آپ کی آنکھ حضور ﷺ کے چہرہ پرنور پر پڑتی ہے اور کان میں آواز دلنواز آتی ہے تو اپنی پگڑی کو اپنے نیزہ پر باندھ کر حضور ﷺ کا نشان بردار بن جاتا ہے اور غلامانہ ہمرکاب ہو کر آگے آگے چلتا ہے۔ (8)

ایسی مثالیں سینکڑوں کی تعداد میں پیش کی جاسکتی ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت بالا اپنی پیش گوئی میں کتنی وسیع اور کس قدر سچی ہے۔ سینکڑوں کے جذبات قلب اور ان کے انجام کی اطلاع دینا رب العزت ہی کے کلام کا کام ہے۔

---

(1) تاریخ البخاری: 303/6، تاریخ الاسلام للذہبی: 235/3، اسد الغابہ: 232/4 (2) مسلم: 4622، 4624، ابن حبان: 4760، ابوداؤد: 3022، مسند احمد: 538/2، دلائل النبوۃ للبیہقی: 56/5، اسد الغابہ: 144/6 (3) سیر اعلام النبلاء: 88/3، اسد الغابہ: 142/6، مجمع الزوائد: 146/6 (4) اسد الغابہ: 585/2، تاریخ الاسلام: 26/2، شذرات الذھب: 30/1 (5) موطا: 46، تاریخ الطبری: 63/3، اسد الغابہ: 67/4، طبقات: 329/5 (6) تاریخ البخاری: 411/3، جمہرۃ انساب العرب: 121، تاریخ اسلام: 277/2، اسد الغابہ 58/2 (7) تاریخ الطبری: 345/2، ابن ہشام: 68/2، ابوداؤد: 3026، سیر اعلام النبلاء: 145/1، دلائل النبوۃ لابی نعیم: 103/1 (8) سیر اعلام النبلاء: 168/1

پیش گوئی کہ کفار مکہ جو مسلمانوں کو کعبہ میں داخل ہونے سے روکتے ہیں خود ان کو استحقاقاً داخل کعبہ ہونے کا حق نہ رہے گا

﴿ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآئِفِيْنَ ﴾ [البقرۃ:114]

''جو لوگ اللہ کی مسجدوں میں ذکر الٰہی کیے جانے سے روکتے ہیں اور مسجدوں کی بے رونقی میں سعی کرتے ہیں، ان سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا۔ ان کو حق نہیں کہ وہ مسجدوں میں داخل ہوں مگر ڈرتے ڈرتے۔''

مشرک کو کعبہ میں داخل ہونے کی ممانعت کا اعلان سید الحاج ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے 9ھ میں کیا اور آج تک یہی حکم برابر جاری ہے۔ جو لوگ اسلامی لباس سے ملبس ہو کر وہاں جاتے بھی ہیں ان کی جان ہر وقت خوف و خطر میں رہتی ہے۔

جملہ کفار عرب کے لیے پیش گوئیاں

پہلی پیش گوئی کہ وہ مسلمانوں کو عاجز نہ کر سکیں گے اور خود رسوا ہوں گے

﴿ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [التوبۃ:2]

''یاد رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہرا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرے گا۔''

یہ آیت اس وقت کی ہے جب تمام معاہدہ شکن کفار کے نام چار (4) مہینے کا الٹی میٹم دے دیا گیا تھا۔ خیال ہو سکتا تھا کہ اکیلے مسلمان اس قدر قبائل و اقوام کے نام بیک پارٹی الٹی میٹم دے رہے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے بطور پیش گوئی دو امور کا انکشاف فرمایا:

① کفار باوجود اپنی قوت و طاقت اور افزونی تعداد وغیرہ کے بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں گے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہار کو اپنی ہار بتایا۔ کیوں کہ کفار کی عداوت مسلمانوں کے ساتھ دین الٰہی اور للہی بغض کی وجہ سے تھی۔

② کفار کو ایسی شکستیں ہوں گی کہ وہ اس روز ذلیل ہو جائیں گے۔ آج تک وہ عرب میں بڑے بہادر، بڑے جنگجو اور انتقام گیر سمجھے جاتے تھے۔ مگر مسلمانوں کے سامنے آتے ہی ان کی شجاعت و بہادری کا پول کھل جائے گا اور وہ سارے ملک میں رسوا و ذلیل ہو جائیں گے۔

قبائل بنو اسد و بنو غسان و بنو غطفان وغیرہ کی حملہ آوریوں کا حال مع ان کے انجام کے پڑھو۔ دونوں پیش گوئیوں کا ظہور بخوبی واضح ہو جائے گا۔

دوسری پیش گوئی

مشرکین عرب کے مرعوب کیے جانے اور مسلمانوں پر ان کے حملہ آور نہ ہونے کی پیش گوئی

﴿ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ﴾ [آل عمران151]

''ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیوں کہ یہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے رہے ہیں اور شرک وہ چیز ہے جس کی

تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں۔''

مسلمانوں کے ساتھ عہد نبوی ﷺ میں جو مختصر لڑائی جھگڑے ہوئے وہ صرف قریش یا قریش کی معاہد اقوام کی طرف سے تھے، جن میں دشمنوں کو ناکامی ہوئی۔ مندرجہ بالا قبائل ایک ایک، دو دو بار مقابل ہوئے اور جو قبیلہ مقابلہ میں آیا اسے پھر نبرد آزمائی کی جرأت نہ پڑی۔ حتیٰ کہ سات (7) سال کے عہد قلیل میں تمام ملک میں امن وامان ہو گیا۔

وہ قبائل جو گھوڑ دوڑ میں ایک گھوڑے کے بدکا دینے پر پچاس پچاس برس تک لڑائی جاری رکھتے تھے اور لڑائی کو معمولی مشغلہ سے بڑھ کر کچھ نہ سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے سامنے ایسے مرعوب ہو گئے تھے کہ کبھی ان کے خلاف نہ اٹھے۔

بلکہ جنگ آور قبائل سے عہد نامے توڑ توڑ کر مسلمانوں کی مخالفت سے دست بردار ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس پیش گوئی کا اثر تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے دل میں رعب ڈال دیا تھا، بے شک ایسے ملک میں جس کے خمیر ہی میں خون ریزی اور غارت گری تھی، یہ علیحدگی، یہ خاموشی صرف قدرت ربانی ہی کا نمونہ تھی۔

اہل مکہ کے خلاف دو (2) پیش گوئیاں

1. ان کے مصارف ان کے لیے سرمایہ حسرت بنیں گے۔
2. اور وہ سب مغلوب ہوں گے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَسَیُنْفِقُوْنَھَا ثُمَّ تَکُوْنُ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃً ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ﴾ [الانفال: 36]

''کافر اس لیے زر و مال صرف کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں، ہاں وہ کچھ عرصہ تک اس طرح خرچ کیا کریں گے۔ پھر یہ مصارف ان کے لیے موجب حسرت ہوں گے، پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے۔''

کفار کے انفاق زر کا اندازہ ایک غزوہ احد کے مصارف سے ہو سکتا ہے، جس میں پچاس ہزار (50000) مثقال طلا اور ایک ہزار (1000) اونٹ چندہ میں جمع کیا گیا تھا۔

مزید برآں فوج کو ایک ایک دن کی دعوت ایک ایک سردار کی طرف سے دی جاتی تھی ان تمام کوششوں کا انجام حسرت و ناکامی اور اندوہ و حرمان ہی پر ہوا تھا کیوں کہ نہ وہ اسلام کی ترقی کو روک سکے اور نہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو مرتد کر سکے، بلکہ انھوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے رسوم آبائی اور ضلالت قدیم کو تباہ شدہ اور ہلاکت زدہ دیکھ لیا تھا۔

ابولہب کے متعلق پیش گوئی

﴿تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَھَبٍ وَّ تَبَّ ○ مَآ اَغْنٰی عَنْہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ○ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَھَبٍ﴾ [اللھب 1-3]

''ابولہب کے دونوں ہاتھ تباہ ہو جائیں اور وہ تباہ ہو گیا۔ اس کا مال اور اس کی اولاد اس کے کچھ کام نہ آئی۔ وہ مستقبل قریب میں شعلہ والی آگ کا ایندھن بنے گا۔''

ابولہب نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا بیٹا تھا۔ وہ حضور ﷺ کے سب سے پہلے کوہ صفا والے واعظ میں حاضر ہوا تھا۔ جب اس نے سنا کہ نبی ﷺ حیات بعد الموت کے اعتقاد کی تلقین کرتے اور اعمال پر آئندہ نتائج مرتب ہونے کی خبر دیتے ہیں تب اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے نبی ﷺ کی طرف اشارہ نفرین کر کے کہا تھا: تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ أَلِهٰذَا دَعَوْتَنَا [1] تجھے دن بھر تباہی رہے، تو نے ہم کو انہی باتوں کے سنانے کے لیے بلایا تھا؟ نبی ﷺ تو سراپا عفو اور ہمہ تن شکیب تھے۔ حضور ﷺ نے تو اس فقرہ کا کچھ جواب نہ دیا۔ مگر غیرت الٰہیہ اپنے حبیب ﷺ کے خلاف ایسے الفاظ کی برداشت کیوں کر کر سکتی تھی؟ لہٰذا جواب میں خود اسی کے الفاظ اس پر لوٹا دیے گئے اور اس کے حسرتناک انجام کا اعلان بھی بطور پیش گوئی فرما دیا گیا۔ پیش گوئی تین امور پر مشتمل تھی:

1. اسلام اور حضور ﷺ کے خلاف اس کی جملہ تدابیر تباہ ہوں گی۔
2. اس کی اولاد اور اس کا مال اسے کچھ نفع نہ دے گا۔
3. وہ خود آگ کا ایندھن بنے گا۔

ابولہب کے چار (4) بیٹے تھے۔ دو بحالت کفر باپ کے سامنے مرے، باپ کو ان سے کوئی فائدہ تو کیا پہنچتا، دونوں کا داغ، دل وجگر کو کباب بنا گیا۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی مشرف بہ اسلام ہوئے اور باپ کی امیدوں کے خلاف نکلے۔

ابولہب خود طاعون میں ہلاک ہوا۔ اہل عرب طاعون سے سخت خائف تھے۔ اس کی لاش کو گھر سے نہ اٹھایا گیا بلکہ چھت کھول کر ہی اوپر ہی سے اس قدر مٹی اور پتھر اس کے ناپاک جثہ پر پھینکے گئے کہ وہی اس کی گور بن گئی۔ یہ پیش گوئی جملہ کفار کی آنکھوں کے سامنے پندرہ (15) برس بعد از نزول آیت پوری ہوئی۔

پیش گوئی کہ ابولہب کی عورت بھی ذلیل موت سے مرے گی

﴿وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ O فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ﴾ [اللہب:4-5]

''اس کی عورت بھی جو لکڑیاں اٹھانے والی ہے، ہلاک ہوئی، اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی۔''

اس عورت کو نبی ﷺ سے عداوت شدید تھی۔ خود جنگل میں جاتی، کانٹے اکٹھے کرتی۔ رات کو نبی کریم ﷺ کی راہ میں بچھا دیتی تھی۔ تفسیر خازن میں ہے کہ اس کی موت اسی طرح واقع ہوئی جس طرح کلام الٰہی میں ظاہر کی گئی تھی۔ سر پر لکڑیوں کا گٹھا تھا۔ راہ میں تھک گئی تو گٹھے کو پتھر سے ٹکا کر خود ستانے لگی۔ جب پھر چلنے کا ارادہ کیا تو اسی رسی کا جس سے لکڑیاں بندھی تھیں پھندا گردن میں پڑ گیا اور لکڑیوں کا گٹھا پیٹھ کی طرف جا لٹکا۔ جس کے بوجھ کی وجہ سے وہ پھندا پھانسی بن گیا اور ہلاک ہوگئی، اس بدترین موت کی اطلاع کلام الٰہی میں پہلے سے دے دی گئی تھی۔ [2]

منافقین کے متعلق پیش گوئیاں

﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ﴾ [التوبہ:74]

''تمام دنیا میں ان کا کوئی بھی کام بنانے والا یا ان کو مدد دینے والا نہ ہوگا۔''

---

[1] بخاری:4979 [2] تفسیر الخازن: 263/6

اسلام سے پیشتر عرب قبائل کو باہمی جنگوں میں سلطنت فارس یا سلطنت روما کی امداد مل جایا کرتی تھی لیکن جب منافقین کی نسبت اخراج مدینہ کی پیش گوئی فرمادی گئی تو یہ بھی بتا دیا گیا کہ اب کوئی سلطنت ان کی ذرا مدد نہ کر سکے گی۔

راہب فاسق نے جنگ احد میں شکست کھا کر سلطنت روما سے مسلمانوں کے خلاف امداد حاصل کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ روما کے پادریوں سے بھی امداد حاصل کی لیکن اسے کوئی بھی مدد نہ مل سکی۔

جبلہ بن الایہم غسانی نے مرتد (بارد گرد عیسائی) بن جانے کے بعد دربار ہرقل کی برسوں حاضر باشی کی مگر مسلمانوں کے خلاف سلطنت سے کوئی امداد نہ لے سکا۔

یہی حال اکثر مخالفین اسلام کا ہوا اور پیش گوئی اپنے الفاظ میں صحیح ثابت ہوئی۔

پیش گوئی: منافقوں کو دگنی مار پڑے گی

﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴾ [التوبہ:101]

''ہم ان کو یکے بعد دیگرے (دہرا) عذاب دیں گے اور بعد ازاں وہ عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔''

یہ آیت ان منافقین کے متعلق ہے جو جہاد سے بلاوجہ پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے لیے عذاب اول یہ تھا کہ ان کو جھوٹے عذرات پیش کرنے کے لیے بہت سے جھوٹ بنانے پڑے اور وہ قوم وملک کی نگاہ میں جھوٹے اور غدار ثابت ہوئے اور سب کی نظروں سے گر گئے۔ یہ اخلاقی عذاب سخت ہوتا ہے، کیوں کہ ضمیر انسانی ہر وقت اس کو ستاتا رہتا ہے۔ عذاب دوم اس مال واولاد سے محرومی ہے جن کی محبت میں مبتلا ہو کر وہ تارک جہاد بنے تھے۔

دونوں عذاب انھوں نے اپنی زندگی ہی میں چکھ لیے تھے۔ عذاب الیم جو تیسرا عذاب ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے۔

پیش گوئی کہ منافقین خسران میں رہیں گے

﴿ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ [المجادلہ:19]

''یہ شیطانی لشکر والے ہیں اور شیطان کا لشکر ہی خسران زدہ ہوگا۔''

سیاق عبارت سے ظاہر ہے کہ پیش گوئی ان منافقین کی بابت ہے جو یہود کو پسند کرتے اور ان کے معاہد دوست بنے ہوئے تھے۔ آیت میں بتایا گیا ہے کہ دشمنان الٰہی کے ساتھ تو دد واتحاد شیطانی کام ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ ضرور نقصان اٹھائیں گے۔ جنگ احزاب کے بعد منافقین جب نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے، تب یہ پیش گوئی ان پر صادق آئی۔

پیش گوئی ان منافقین کے متعلق جو اہل اسلام میں رل مل گئے تھے

اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہ بتلایا کہ منافق کون لوگ ہیں، اور کہاں آباد ہیں:

﴿ وَ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ﴾ [التوبہ:101]

''اہل مدینہ میں سے ایسے بھی ہیں جو نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔''

اس اخبار غیب میں مصلحت یہ تھی کہ ازمنہ مستقبلہ میں کوئی شخص محض اپنی ہی رائے یا ظنون یا خیال یا تعصب سے اصحاب

کرام رضی اللہ عنہم کو تہمت نہ دے سکے۔ پہلی شرط جو کسی کو منافق کہنے کی ہے وہ یہ ہے کہ وہ باشندہ مدینہ ہو، کسی یمنی، تہامی، مکی، حضرمی وغیرہ ممالک کے صحابہ میں سے کسی پر بھی نفاق کا شبہ یا شائبہ یا سایہ نہیں پڑ سکتا۔ اس بین علامت کے بعد یہ فرمایا۔

پیش گوئی

﴿ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ [العنکبوت:3]

''اللہ تعالیٰ صادقوں کو اور کاذبوں کو الگ الگ کر دکھائے گا۔''

اس پیش گوئی کی تفسیر پھر ایک اور آیت میں فرمائی۔

﴿ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا مَلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴾ [الاحزاب:61]

''اگر منافق لوگ اور دل کے روگی اور جھوٹی افواہوں کے پھیلانے والے مدینہ میں باز نہ آئیں گے تو ہم رسول کو ان کے خلاف کھڑا کریں گے اور پھر وہ مدینہ میں تھوڑے عرصہ کے سوا رسول کے پاس نہ رہ سکیں گے۔ جتنا عرصہ رہیں گے، لعنت زدہ رہیں گے پھر جہاں جائیں گے پکڑے جائیں گے اور بری طرح سے قتل کیے جائیں گے۔''

اس پیش گوئی میں منافقین کا انجام یہ بھی بتلایا گیا اور ان کے انجام کی مدت و ایام کا بھی تعین کیا گیا۔ یہ آیت سورہ احزاب کی ہے۔ واقعہ احزاب 5ھ میں ہوا جس میں ابی بن سلول کی پارٹی کے تین سو (300) سے زیادہ منافق زندہ تھے۔ آیت میں بتلایا کہ ان سب کا حیات پاک مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر خاتمہ ہو جائے گا۔ یہ مدینہ سے نکال دیے جائیں گے اور یہاں سے جانے کے بعد ذلت و خواری کے ساتھ قتل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قبل ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی ترین ولد آدم چشم ظاہر بین کو نظارہ عالم سے بند فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا کہ مدینہ ایسے اشرار سے بالکل پاک ہے۔ یہی راز تھا کہ 9ھ میں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ کی حدیث کو سر منبر روایت فرمایا تھا۔ مدینہ کا نام ''طیبہ'' رکھ دیا تھا۔

پیش گوئی کی دوسری آیت مندرجہ ذیل پیش گوئیوں پر مشتمل ہے:

1. ﴿ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ﴾ [الاحزاب:60] یعنی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے خلاف کارروائی کرے گا۔
2. ﴿ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ [الاحزاب:61] شہر مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہنے کا زمانہ ان کو بہت کم ملے گا۔
3. ﴿ مَلْعُوْنِيْنَ ﴾ [الاحزاب:61] ''وہ لعنت زدہ ہوں گے۔ ہر طرف سے ان پر پھٹکار پڑے گی۔''
4. ﴿ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا ﴾ [الاحزاب:61] ''مدینہ سے نکلنے کے بعد جہاں کہیں جائیں گے پکڑے جائیں گے۔''
5. ﴿ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ﴾ [الاحزاب:61] ''بدترین طریقہ سے قتل کیے جائیں گے۔''

تاریخ اسلام کے ماہر و واقف جانتے ہیں کہ منافقین مدینہ انہی پانچ (5) پیش گوئیوں کو پورا کرتے ہوئے برے انجام کے ساتھ ختم ہوئے تھے۔

مخلفین جہاد کے متعلق دو پیش گوئیاں

﴿فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَ كَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ قَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ﴾ [التوبہ:81-83]

”پیچھے رہ جانے والے لوگ رسول اللہ کے ساتھ نہ جانے پر خوش ہو رہے ہیں۔ انھوں نے برا سمجھا کہ اللہ کی راہ میں مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں اور یہ بات کہی کہ گرمی میں لڑائی کے لیے نہ جاؤ۔ اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ جہنم کی آگ سخت تر گرم ہے۔ اگر تم میں سمجھ ہے۔ ان کو چاہیے کہ تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔ یہ ان کے فعلوں کی جزا ہے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ آپ کو ان پیچھے رہ جانے والوں میں سے ایک گروہ کی طرف واپس لائے گا اور وہ آپ کے ساتھ چلنے کی اجازت چاہیں گے تو ان سے کہہ دینا کہ تم میری معیت میں کبھی بھی نہیں نکلو گے اور میری معیت میں کبھی بھی دشمن کے ساتھ جنگ نہ کر سکو گے۔ تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر خوش تھے۔ اس لیے اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ ہی بیٹھے رہو۔“

اس آیت میں ایسی قوم کا ذکر کیا، جنھوں نے موسم گرما میں نبی ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا ترک کر دیا تھا۔ پھر پیش گوئی کے طور پر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی واپسی پر ان میں سے ایک گروہ بارگاہ محمدی ﷺ میں حاضر ہوگا اور آئندہ شریک جہاد ہونے کی اجازت کا خواستگار ہوگا۔

اس کے ساتھ قطعی پیش گوئی کے الفاظ میں بتلا دیا کہ اب ان لوگوں کو جہاد ہمرکاب نبوی ﷺ کا شرف نہ دیا جائے گا۔

اس واقعہ کو سورۃ الفتح میں بھی بیان فرمایا ہے:

﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ [الفتح:15]

”جب تم مغانم کے حاصل کرنے کو چلو گے، تب پیچھے رہ جانے والے کہیں گے کہ ہم کو بھی ساتھ چلنے دیجیے، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کو بدل دیں، ان سے کہہ دیجیے، تم ہمارے ساتھ تو ہرگز نہیں جا سکتے۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی فرما دی ہے۔“

ہر دو آیات سے زمانہ نزول آیات کا بخوبی تعین ہو جاتا ہے۔ سورۃ الفتح کا نزول غزوہ حدیبیہ میں ہوا اور مغانم کثیرہ کا حصول خیبر سے شروع ہوا۔ لہٰذا یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے حدیبیہ کے موقع پر ساتھ جانے سے انکار کیا تھا اور بعد ازاں خیبر وغیرہ میں وہی بزرگ گئے جو حدیبیہ میں تھے اور یہ مخلفین کبھی ہمرکاب نبوی جہاد کرنے کا شرف نہ حاصل کر سکے۔ نبی ﷺ کی حیات طیبہ کا زمانہ ان آیات سے قریباً پانچ سال بعد کا ہے۔ متعدد اقوام کے ہزاروں اشخاص کی نسبت ایسی پیش گوئی کا تعلق آئندہ کے سالہا سال سے ہو۔ رب العالمین ہی کے کلام میں ہو سکتی ہے۔

دوسری پیش گوئی

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ [الفتح 16]

''ان بادیہ نشینوں کو جو پیچھے رہنے والے ہیں کہہ دیجیے کہ تم کو آئندہ قریبی زمانہ میں ایک سخت جنگجو قوم کے لیے بلایا جائے گا۔
تم ان سے قتال کرو گے یا وہ فرمانبردار بن جائیں گے۔''

اگر تم نے (اس وقت) اطاعت کی تب تم کو اچھا اجر دیا جائے گا اور اگر تم نے اس وقت بھی حکم سے منہ پھیرا، جیسے پہلے کر چکے ہو، تب تم کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت کو ہر دو آیات مندرجہ بالا کے ساتھ ملا کر پھر تدبر کرو۔

1. مخلفین کو معیت رسول ﷺ سے قطعاً محروم کر دیا گیا۔
2. مخلفین کو بعد از رسول کریم ﷺ قریبی زمانہ میں دعوت جہاد دیے جانے کی پیش گوئی فرمائی گئی۔
3. بطور پیش گوئی مقابل کے دشمن کی صفات جنگ جوئی وغیرہ بھی بتلا دی گئی۔
4. اس جنگ کا انجام قتال یا دشمن کی فرمانبرداری بھی بتلا دیا گیا۔
5. اس دعوت کی اطاعت پر اجر حسنہ کا وعدہ۔
6. دعوت کی عدم تعمیل پر عذاب دردناک کی وعید۔

اب آپ عہد صدیقی رضی اللہ عنہ پر نگاہ ڈالیں، ان کی اس دعوت عام کے فرمان کو جسے واقدی رحمہ اللہ نے لفظاً لفظاً نقل کیا ہے۔ پڑھیے اور پھر ان عساکر کے نام معلوم کر لیجیے۔ جو خدمت صدیقی میں آئے تھے۔ قبائل اور شعوب کے نام پڑھنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اقوام تو وہی ہیں جن کو معیت رسول کریم ﷺ میں جہاد کا بھی موقع نہ ملا تھا۔

پھر آپ دیکھیں گے کہ ان کو روما جیسی سلطنت (امپائر) کے مقابلہ میں روانہ کیا جاتا ہے جو نصف دنیا پر حکمران تھی، جو اپنی جنگ جوئی اور حرب دانی کا ثبوت ایران جیسی سلطنت کو جو نصف شرقی دنیا کی امپائر (دولت بزرگ) تھی، شکست دے چکی تھی۔ جس کی فوجیں باقاعدہ اور منظم تھیں۔ جن کا نظام جنگ سب سے اعلیٰ تھا۔ جنھوں نے اپنی ہی ملکیت کے اندر رہ کر صرف مدافعت کرنی تھی اور ان بادیہ نشینوں نے اپنے ملک سے سینکڑوں میل آگے بڑھ کر جہاں رسد اور ذخائر جنگ کے وسائل بھی مکمل نہ تھے، حملہ کرتا تھا۔

نتیجہ وہی ہوا کہ قتال نے دشمن کا خاتمہ کر دیا اور رعایا نے مصالحت سے فائدہ حاصل کیا اور ہزار در ہزار داخل اسلام بھی ہوئے۔

یہ آیت عرب اور شام میں ہونے والے انقلاب اور فتوحات اعراب اور روما کی آئندہ معاشرت وانجام کے متعلق نہایت صاف ہے۔

یہ آیت دعوت صدیق وفاروق رضی اللہ عنہما کی اطاعت الٰہی بتلاتی ہے اور عدم اطاعت پر وعید عذاب بتلاتی ہے۔ اجر حسنہ کا لفظ نہ صرف آخرت کے لیے ہے بلکہ دنیا بھی اس میں شامل ہے اور یہ لفظ ایک مستقل پیش گوئی ہے کہ صدیق رضی اللہ عنہ وفاروق رضی اللہ عنہ کے لشکروں میں شامل ہونے والے تمدن کے بلند ترین ارتقا پر پہنچ جائیں گے اور بایں ہمہ ان کی امارت بھی خوبیوں والی ہوگی۔

ایسی پیش گوئی کے تمام اجزاء کا اس طرح پورا ہونا جس کی تصدیق ملکوں اور قوموں کی تاریخ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہو۔ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی قطعی دلیل ہے۔

غزوات نبوی ﷺ میں سے خاص خاص غزوات کے متعلق تین پیش گوئیاں

غزوہ بدر کے متعلق

﴿ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ يَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [الانفال:7]

''اللہ نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ دشمن کے دو گروہوں میں سے ایک تم کو ملے گا اور تم لوگ یہ چاہتے تھے کہ غیر مسلح گروہ تم کو ملے اور اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ حق کو اپنے حکم سے حق کر دکھائے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

غزوہ بدر میں ایسے مسلمان شامل تھے جو اچھی طرح سامان جنگ نہ بنا سکتے تھے لہٰذا ان کی تمنا یہ تھی کہ ان کی مڈ بھیڑ ایسے ہی دشمن کے ساتھ ہو جو غیر مسلح ہو تا کہ مقابلہ برابر کا ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دشمنوں کو سامنے لا ڈالا جو آلات حرب سے پورے طرح مسلح تھے۔ لڑائی کے لیے تیار ہو کر آٹھ منزل آگے بڑھ آئے تھے اور انھوں نے صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ ان کا مقصد مدینہ پر یورش کرنا ہے۔ یہ تعداد میں بھی مسلمانوں سے سہ چند زیادہ تھے۔ بظاہر مقابلہ کسی طرح نہ ہو سکتا تھا، لیکن رب الافواج کا کلام پورا ہوا۔ اہل حق کی فتح ہوئی اور کافروں کو ایسی رسوائی اور ذلت کی شکست ملی کی کفر کی جڑ کٹ گئی۔ غزوہ بدر کے متعلق آیت ذیل میں بھی پیش گوئی ہے۔

﴿ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴾ [القمر:45] ''جماعت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائے گی۔''

صحیح بخاری میں عکرمہ سے روایت ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کفار کو بدر میں شکست فاش ہوئی تب سمجھ گئے کہ اسی جماعت کی شکست کا اعلان آیت بالا میں فرمایا گیا تھا۔ [1] جس میں مبایعین بیعت الرضوان کی بھی ایک پیش گوئی شامل ہے۔

غزوہ خیبر کی پیش گوئی

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾ [الفتح:18]

''اللہ سب مومنوں سے خوشنود ہوا جب کہ وہ درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کو جانچ لیا اور ان پر سکینہ و وقار نازل فرمایا اور فتح قریب کو ان کا انعام بنایا۔''

یہ آیت صلح حدیبیہ کی ہے۔ حدیبیہ میں مسلمانوں نے دیکھا کہ جو حق عبادت چار ہزار (4000) سال سے تمام دنیا کو بلا روک ٹوک حاصل تھا، یعنی بیت اللہ میں پہنچ کر عمرہ ادا کرنا اس سے مسلمانوں کو روکا جاتا ہے۔ جہاں کسی دشمن سے دشمن کو بھی گزند نہ پہنچایا جاتا تھا، جہاں باپ اور بیٹے کے قاتل کو بھی کوئی گرفتار نہ کرتا تھا، وہاں خلیل الرحمٰن علیہ السلام کے بچوں کو جانے سے اور سنت ابراہیمی علیہ السلام کے مطابق عبادت کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ لات و منات، عزیٰ و ذوالخویصہ کے ماننے والے پتھروں، درختوں، مورتیوں، استھانوں پر ناک رگڑنے

---

[1] بخاری: 4877،4875،2915

والے ستارہ پرست، تثلیث پرست، دہریے، نفس پرست، خود پرست لوگ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے حرم کی سرزمین پر آتے جاتے ہیں لیکن ان اللہ کے بندوں کو جو احرام باندھے ہوئے ہدی، وبدن (قربانی کے جانور) ساتھ لائے ہوئے ہیں۔ ایک قدم آگے نہیں بڑھنے دیا جاتا۔ یہی مصائب کچھ کم نہ تھے کہ اتنے میں ابوجندل آ جاتا ہے، پاؤں میں زنجیر لگی ہوئی ہے، جو گھسٹتی آتی ہے۔ سانس پھولی ہوئی ہے، معلوم ہوا کہ مکہ میں ان کو اس جرم میں قید کیا گیا تھا کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ اب ان کو بھاگنے کا موقع ملا۔ لشکر اسلام میں پہنچ گئے ہیں۔ اس مظلوم کو حاصل کرنے کے لیے کفار نے کہا کہ وہ باہمی عارضی صلح کرنے پر رضامند ہیں بشرطیکہ ان کا یہ قیدی واپس کر دیا جائے۔

قومی فائدہ پر ایک شخص کی آزادی کو قربان کرنا پڑا۔ نبی ﷺ کے دیدار اور حضور ﷺ کی بشارت سے ابوجندل بھی اتنا شادکام تھا کہ اسے پھر قید میں جانا کچھ گراں معلوم نہ ہوتا تھا۔ الغرض یہاں مسلمانوں کو اس قدر ضبط وصبر اور سکون ووقار وحلم کا نمونہ بننا پڑا کہ نزول سکینہ ربانی کے بغیر کوئی شخص ایسی دل شکن وروح فرسا حالتوں کو برداشت نہ کر سکتا۔ یہ بھی ایک امتحان تھا۔ اس میں کامیابی کے بعد اور مدینہ پہنچنے کے دو ہفتہ پیچھے حکم ہوا کہ یہی لوگ اور صرف یہی لوگ یہود ان خیبر کے مقابلہ کو جائیں، وہ جنھوں نے گیارہ (۱۱) قلعے مستحکم کر رکھے ہیں جو منجنیق وغیرہ آلات کا استعمال کرتے ہیں جس سے عرب بالکل ناواقف تھے۔ جنگ خیبر میں انہی مسلمانوں نے جلالت وبسالت، جواں مردی وشجاعت، فنون حرب سے واقفیت، مدافعت وپیش قدمی کے ایسے ایسے جوہر دکھائے۔ کھلے میدانوں کو اور چوڑی چوڑی خندقوں سے محصور قلعہ جات کو سنگین دیواروں، مضبوط حصاروں کو انھوں نے اس طرح جیت لیا کہ ان کے سامنے کوئی شے بھی نہ ٹھہر سکی۔

پیش گوئی بالا میں مسلمانوں کی دونوں صفات کا ذکر بتایا گیا ہے اور دنیا کو دکھلایا ہے کہ مسلمانوں نے جو ظلم وآلام اسلام میں برداشت کیے، ان میں لاچاری ومعذوری کا اتنا دخل نہ تھا جتنا مسلمانوں کی اس قوت ارادی کا تھا کہ دین حقہ کے مقابلہ میں ہر ایک مصیبت کو شرح خاطر اور کشادہ روئی سے سہہ جانا ہی اشاعت دین کا بہترین ذریعہ ہے۔ ورنہ بڑی سے بڑی قوم، حرب آزما قوم، زرومال کی قوم قلعوں والی قوم (یہودی) کی ہستی بھی ان کے سامنے ہیچ تھی۔

جس وقت نبی کریم ﷺ حدیبیہ سے واپس ہوئے تھے اور ڈھائی سو (250) میل سفر کرنے اور مکہ کی سرحد پر پہنچ جانے کے بعد صرف پانچ میل دور سے واپس آ گئے تھے تو کفار نے اور سارے عرب نے مسلمانوں پر کیا رائے قائم کی ہوگی۔ یہی رائے ہو سکتی ہے کہ قریش کے سامنے یہ ننگے بھوکے بے سروسامان کر ہی کیا سکتے تھے، لیکن جب انہی لوگوں نے مدینہ سے آٹھ منزل دور جا کر خودسر، امن شکن، مایہ فساد، دشمن امن عامہ، مکاران یہود کو فتح کر لیا تھا تب کس حقیقت کا انکشاف ہوا ہوگا۔

یہی کہ ان لوگوں کا خضوع وخشوع صرف ازراہ تقوی ہے۔ ان لوگوں کا عجز ومسکنت صرف بہ تعمیل احکام دین حقہ ہے۔ یہ وہ شیر ہیں کہ جب تک ان کو نہ چھیڑا جائے تب تک کسی پر حملہ آور نہیں ہوتے۔ غرض یہ پیش گوئی پوری ہوئی اور اہل ایمان کے دو مختلف ومتضاد صفات کمال کو دکھلا کر پوری ہوئی۔

آیت بالا میں لفظ ﴿أَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ﴾ [الفتح:18] مزید تدبر طلب ہے۔ سکینہ الٰہی کا فیضان یہ ہے کہ قلب کی حالت کبھی آئندہ بھی متزلزل نہ ہو۔ لہٰذا یہ ایک پیش گوئی ہے کہ بیعت رضوان والے ہی وہ باایمان بزرگ ہیں جن کے ایمان میں کبھی تزلزل واقع نہ ہوگا۔

غزوہ احزاب کی پیش گوئی

مسلمانوں پر یہ بڑے زور کا حملہ تھا۔ یہودی، قریشی، نجدی، کنانی وغیرہ سب ہی قبائل اس حملہ میں شامل ہو گئے تھے اور غضب یہ تھا کہ مدینہ کی آبادی کے اندر رہنے والے یہودی ان حملہ آوروں سے ملے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی کمزوریوں کی اطلاع اور ان تدابیر کی خبر لمحہ بہ لمحہ دشمنوں کو پہنچا رہے تھے۔ مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آ رہے تھے اور کفار کی شوکت وقوت کو دیکھ کر گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔ اعداء کی فوج مختلف لشکروں کا مجموعہ تھی۔ ہر ایک لشکر حزب کہلاتا تھا اور مجموعہ کو جند کہتے تھے۔ کفار کو اپنے باہمی اتفاق اور مکمل ساز وسامان پر بڑے بڑے مغرور تھے۔ اب کلام اللہ سنو۔

ایک فوج ہے جو بہت سے لشکروں پر مشتمل ہے، اسے اسی جگہ ہزیمت ہوگی۔ فرمایا:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ O سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴾ [القمر:44-45]

کیا دشمن یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سب متفق ہو گئے اور سب چڑھ آئے ہیں، اس لیے فتح ونصرت ہماری ہوگی۔ مگر تم عنقریب دیکھ لو گے کہ تمام جمعیت ہزیمت کھائے گی اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

اس پیش گوئی کے مطابق یہ ہوا کہ نزول آیات سے پچیس (25) دن بعد محاصرہ رکھنے والے قبائل کی فوجوں میں پھوٹ پڑ گئی اور وہ راتوں رات سب چمپت (منتشر) ہو گئے اور اس واقعہ کے بعد پھر کسی غیر قوم کو مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

یہودیوں اور منافقین کے معاہدات پر دو پیش گوئیاں

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ﴾ [الحشر:11]

”آپ نے منافقین کی حالت پر غور کیا جو اپنے بھائیوں کافر اہل کتاب سے کہہ رہے ہیں۔“

1. اگر تم نکالے گئے تو ہم تمھارے ساتھ نکل چلیں گے۔
2. ہم تمھارے معاملہ میں کسی کی بات نہیں مانیں گے۔
3. اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو ہم تم کو ضرور مدد دیں گے۔

اس معاہدہ پر پیش گوئی

﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ O لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ﴾

”اللہ بتلاتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں، اگر یہودی نکالے گئے، تب یہ منافق ان کے ساتھ نہیں نکلیں گے اور اگر یہود سے جنگ ہوئی تو منافق یہودیوں کو مدد نہ دیں گے۔“ [الحشر:12]

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بنو نضیر نکالے گئے اور منافقین نے نہ ان کا ساتھ دیا اور نہ ان کو مدد دی۔

قرآن مجید نے یہ بھی بتلا دیا تھا ﴿ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾ [الحشر:12]

”کہ اگر منافقین ان یہودیوں کی مدد بھی کریں گے تب بھی پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے اور پھر یہودیوں کو بھی مدد نہ ملے گی۔“

غزوہ بنو قریظہ کے موقع پر منافقین نے یہود کی مدد بھی کی تھی، لیکن پھر بھی ہزبران اسلام کے سامنے سے بھاگنا ہی پڑا اور بالآخر یہودیوں کے ساتھ منافقین کی طاقت وقوت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور پیش گوئی کا یہ آخری حصہ بھی پورا ہوگیا۔

یہودیوں کے کفر کی خبر اور ایسی قوم کے اسلام کی خبر (پیش گوئی) جو کبھی کفر نہ کرے گی

﴿ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴾ [الانعام:89]

"یہ وہ لوگ ہیں جن کی قوم کو ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت عطا کی تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے انکار کریں گے تو ہم نے ایسی قوم کو تیار کر رکھا ہے جو کبھی انکار و کفر نہ کرے گی۔"

یہ آیت سورہ انعام کی ہے اور سورہ مذکورہ مکیہ ہے جب کہ اسلام نے ابھی مکہ سے باہر قدم نہ رکھا تھا۔ پیشگوئی میں بتلایا گیا ہے کہ اگر یہ سود خور یہودی ایمان نہ لائیں گے تو کیا ہوا دیکھو وہ بڑے بڑے خود سر قبائل جو حکمران و مطلق العنانی میں صدیوں سے کسی کو خاطر میں نہیں لاتے وہ آیاد و قضاد اور ربیعہ، مضر سب کے سب تیرے منقاد و مطیع ہونے والے ہیں۔ وہ:

شہر بن باذام ملک صنعاء

منذر بن ساوی ملک البحرین

جیفر و عباد فرزندان جلندی، فرمانروان عمان

تیری اطاعت میں آنے والے ہیں۔

اصحمہ نجاشی ملک حبشہ

اکیدر شاہ دومۃ الجندل

تیرے زیر فرمان ہونے والے ہیں۔

وہ ذی الکلاع حمیری جسے اس کی رعایا سجدہ کیا کرتی تھی اور جس کے جلو میں اس کے ایک ہزار (1000) غلام چلا کرتے تھے۔

وہ ذی ظلیم، ذی زود، ذی مران، ذی عمرو، جو شاہان تاجدار تھے اور جن کے خاندانوں میں پشتہا پشت سے تخت و تاج چلا آتا تھا۔

تیری خدمت میں کمر بستہ حاضر ہونے والے ہیں۔

ان شاہان تاجدار کے حالات کو پڑھو، جن کا علاقہ حجاز سے بڑا، جن کی فوج آنحضرت ﷺ کے حاضر باشندگان بارگاہ سے بہت زیادہ تھی، جو نہ کسی کے رعب میں آنے والے تھے اور جن کو کوئی طمع و حرص مال و منال کی نہ تھی، جن کے علاقہ جات میں مبلغین اسلام کے سوا کبھی ایک مجاہد و غازی بھی نہ گیا تھا، کیوں کر خود بخود انشراح خاطر اور طوع کلی و رغبت طبعی سے مسلمان ہوگئے تھے۔

یہ سب کچھ رب العالمین ہی کی قدرت کے کام تھے کہ ایک یتیم، بیوہ کا بچہ، کی ہیبت اس قدر چھا جاتی ہے کہ بادشاہ لرزہ براندام ہیں اور ایک خاک نشین سنگ بر شکم بستہ کی محبت دلوں میں اتنا قیام پکڑ لیتی ہے کہ سب کے سب جان و مال کو فرش راہ پاک کیے ہوئے ہیں۔ ﴿ ﷺ ﴾

آیت میں لفظِ وَمَثَلُنَا پر غور کرو، دوہری پیش گوئی ہے۔ ادھر ان لوگوں کے دلوں کو منقاد کر دینے کی اور ادھر حضور فداہ ابی و امی ﷺ کو یہ نظارہ دکھلا دینے کی۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ ملک جو خلیج فارس، بحر احمر، بحر روم اور کوہستان شام کے درمیان واقع ہے۔ سرتاسر ایک ہی کلمہ کا گویا۔ ایک ہی ملت کا شیدا۔ ایک ہی ذات قدسی صفات پر فدا اور ایک ہی دین قیّم پر عمل پیرا ہو گیا تھا۔

دیکھو پیش گوئی میں کتنی وسعت تھی اور کس صداقت کے ساتھ نزول آیات سے دس بارہ سال کے اندر اندر ہی نور گستر ہوئی۔

ارتداد اور مسلمانوں کی تعداد میں بیشی وافزونی کی پیش گوئی

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ [المائدة: ۵۴]

''اے ایمان والو! تم میں اگر کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم کو لائے گا، جسے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ ایمان والوں کے لیے متواضع اور کافروں کے لیے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کنندہ کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔''

آیت میں بطور پیش گوئی بتلایا گیا ہے کہ مسلمانوں میں سے کوئی مرتد بھی ہو جایا کرے گا۔

پھر بطور پیش گوئی بتلایا کہ ایسے انفرادی نقصان کے وقت اللہ تعالیٰ بڑی بڑی قوموں کو گرویدہ اسلام فرما دے گا۔ اللہ کے ساتھ ان کے معاملات محبت وخلوص کے ہوں گے۔ اہل ایمان سے ان کے تعلقات تواضع وانکسار کے ہوں گے۔

دشمنان دین کے ساتھ وہ غلبہ وفتح وعزت ونصرت کا کرشمہ دکھلائیں گے۔

وہ دنیا کی جھوٹی تعریف یا جھوٹی ہجو سے بالاتر ہوں گے اور عملاً وفعلاً اللہ کی راہ میں سرفروش وجان نثار ہوں گے۔

اس آیت کا ابتدائے اسلام سے تا ایں دم ہمیشہ ظہور صدق رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔

نبی ﷺ کے انتقال کے بعد مسیلمہ کذاب اٹھا اور اس کے ساتھ ہزاروں لوگ ہو گئے ان کا ارتداد بھی نرالا تھا۔ مسیلمہ اور اس کے اتباع سب کے سب دبی زبان سے نبوت محمدیہ ﷺ کا اقرار کرتے تھے مگر مسیلمہ کے لیے بھی نبوت ثابت کرتے تھے۔

اس قوم کے اندر ثمامہ بن اثال الحنفی رضی اللہ عنہ اور ان کے اتباع میں ایسے موجود تھے جو مرتدین کے ساتھ جنگ آزما ہوئے اور انھوں نے قومیت یا قرابت کا ذرا لحاظ نہیں کیا۔

اسود عنسی نے دعویٰ نبوت کیا اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ نے فیروز اور زاذویہ کو جو فارسی النسل اور صاحب فضل وکمال ہیں، کھڑا کر دیا، جنھوں نے اس کی تمام شوکت وقوت کو خاک میں ملا دیا۔

طلیحہ وسجاح نے بھی دعویٰ نبوت کیا اور اسی اطراف کی اقوام وقبائل نے ان کو ایسا سیدھا بنایا کہ بالآخر ارتداد سے توبہ کر کے داخل اطاعت اسلام ہو گئے اور پھر کبھی خدمت اسلام میں کوتاہی نہ کی۔

ملوک بنی امیہ کا ظلم وجور بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اہل خراسان کو اٹھایا اور انھوں نے ان کی سلطنت کو تہ وبالا کر ڈالا جس کا نتیجہ عباسیوں کا صاحب دیہیم واورنگ ہونا نکلا۔

عباسیوں نے جہاد میں تعاون کیا تو اللہ تعالیٰ نے سلاطین اندلس کو مغرب میں آل بویہ و آل سبکتگین کو مشرق میں اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے کھڑا کر دیا۔

تباہی بغداد میں خود مسلمانوں نے کفار کا ساتھ دیا اور ترکان خونخوار کے ہاتھوں سے اس عروس البلاد کو غارت کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس قوم ترک میں اسلام داخل کر دیا۔

وہ ترک جنھوں نے بغداد کو ایسا تباہ کیا تھا کہ شہر کی گلیاں خون سے رنگین اور دریائے دجلہ قلمی کتابوں کی روشنائی سے سیاہ تھا۔

یورپ میں جو اسلام کا جھنڈا قائم کرنے والے ثابت ہوئے۔ وہی خادم حرمین شریفین کہلانے کو سلطان بن سلطان کہلانے سے زیادہ فخر کرنے والے ٹھہرے۔

آریہ نے ملکانہ میں شدھی کا رواج دیا اور کچھ مسلمانوں کو مرتد بنایا تو خود انہی میں سے کنور عبدالوہاب خان جیسے اٹھے جنھوں نے ہندو نما لوگوں میں اسلام پہنچایا۔

شمس الاسلام محمد امین و خالد لطیف گابا جیسے ہندو بیرسٹروں اور تعلیم یافتہ لوگوں نے اسلام کا اعلان کیا اور خود آریہ کے مبلغین نے آگرہ وغیرہ کے علماء کے ہاتھوں پر بیعت اسلام کی۔

یورپ میں کنگ جارج (King George) کے قریبی بھائی سر جارج ہملٹن (Sir George Hamilton) نے اظہار اسلام فرمایا اور اس طرح پر اسلام تخت انگلستان کے قریب تر پہنچ گیا۔

لارڈ ہیڈ لے (Lord Headly) محمد پکتھال (Muhammad Pickthall) خالد شیلڈر (Khalid Shielder) جیسے صاحبان علم و فضل حاشیہ برداران اسلام بنے۔

نئی دہلی کے رقبہ میں اگر کوئی پرانی مسجد شہید ہوگئی تو دار السلطنت فرانس کے شہر پیرس کے وسط میں مسجد جامع تیار بھی ہوگئی اور جرمنی شہر میں آٹھ ہزار (800) نمازیوں پر سایہ کرنے والی مسجد بھی رونق افزائے فضا بن گئی۔ شہر لندن [1] میں بھی مسجد کے لیے زمین حاصل کی جا چکی ہے اور تعمیر شروع ہونے والی ہے۔

ملکانہ کے جاہل علاقہ میں چند نفوس نے اسلام چھوڑا تو چین و افریقہ کے ممالک میں کئی کروڑ مسلمانوں کا اضافہ بھی ہوگیا۔ قسطنطنیہ میں مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں نمایاں ترقی ہوئی۔

یہ جملہ برکات و آثار اور ترقی تعداد افزونی شمار و کثرت انوار اسی آیت مبارکہ کی پیش گوئی کے تحت میں معدود ہیں اور یہی حالت تا انجام دنیا برابر چلی جائے گی۔ ایک شخص کے مرتد ہونے سے دس داخل اسلام ہوں گے۔

لوگوں کا یہ بھرم بھی جاتا رہے گا کہ اگر ہم لوگ بھی غیروں کو اپنے دھرم میں شامل کر لیا کرتے تو مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے۔

﴿ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ [الصف:8]

''حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں''

یہودیوں کے متعلق 9 پیش گوئیاں

(1) یہودی مسلمانوں کا معمولی اذیت و آزار کے سوا اور کوئی نقصان نہ کر سکیں گے اور اگر مسلمانوں سے لڑائی میں مقابل ہوئے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔

---

[1] یہ سعادت مسلمانان انگلستان کو حاصل ہو چکی ہے۔ الحمد للہ۔ اب صرف شہر لندن میں بے شمار مساجد غلبۂ اسلام کی نوید دے رہی ہیں۔ ان شاء اللہ العزیز

﴿ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴾

یہودی پس پردہ سازشیں کرتے رہے، قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ خود جاسوسی کرتے رہے۔ بغاوت کرنے والوں کو چپکے چپکے روپیہ پیسے سے امداد اور سلاحات سے اعانت کرتے رہے۔ اس پر بھی ان کا کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو میدان میں نکل آئے۔ یہ لوگ فنون حرب سے زیادہ واقف تھے۔ سارے عرب میں آلات قلعہ شکن انہی کے پاس تھے۔ منجنیق کا استعمال صرف یہی لوگ جانتے تھے۔ اس لیے عرب کا ہر ایک قبیلہ ان سے دبتا تھا۔ ایسے لوگوں کی شکست فاش کی پیش گوئی ایسی تھی جس کا کفار کو ہرگز یقین نہ ہوتا تھا۔

لیکن ارباب تاریخ کے سامنے یہودان قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، خیبر، فدک، تیماء کے واقعات موجود ہیں ہر ایک کا انجام اسی پیشگوئی کے مطابق ہوا۔

آیت بالا میں تین پیش گوئیاں ہیں:

1. ایذا دہی سے بڑھ کر وہ کوئی نقصان مسلمانوں کا نہ کر سکیں گے۔
2. مقابلہ میں آئے تو کھلی شکست کھائیں گے۔
3. شکست کے بعد کوئی ان کی مدد کو بھی نہ کھڑا ہوگا۔

سینکڑوں میل کے بسنے والے متعدد قبائل پر ایسی زبردست پیش گوئی کا اعلان صرف وہی پروردگار عالم فرما سکتا ہے جو مشارق الارض اور مغاربہا کا مالک ہے اور جسے وہ چاہتا ہے۔ اسی کو فتح و نصرت عطا فرماتا ہے۔

2. یہودی موت کی تمنا نہ کریں گے۔

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ [الجمعۃ:6-7]

”کہہ دو کہ اے یہودو اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو کرو اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں۔“

یہود کا عام دعویٰ یہ تھا کہ ہم فرزندان خدا ہیں اور ہم برگزیدگان الٰہ ہیں۔ قرآن نے بتلایا کہ اگر تم کو اس دعویٰ کی صداقت پر خود یقین ہے تو اپنے لیے موت کی دعا مانگو۔

یہ مسلمہ ہے کہ اولیاء ربانی کے لیے حیات دنیوی حجاب ہے۔ یہ حجاب اٹھ جائے تو دوست دوست کے وصال سے شاد کام بن جائے۔

عربی میں مثل ہے: اَلْمَوْتُ جِسْرٌ يُّوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ موت وہ پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتا ہے۔

کسی ولی کی جانب سے تمنائے موت کے معنی عرض داشت وصال کے ہیں اور ایسی عرض و معروض کا بار بار پیش کرنا اور ہر بار اس پر اصرار کرنا لوازم محبت و ولایت میں سے ہے۔

یہاں یہودیوں سے فرمایا گیا کہ ایک دفعہ ہی موت کی تمنا کا اظہار اپنی زبان سے کرو۔ اسکے بعد بطور پیش گوئی فرما دیا کہ یہودی ایسا کبھی نہ کریں گے اور اس کی وجہ بھی بتلا دی کہ اگر چہ ایسے ایسے دعاوی کی لاف و گزاف ان لوگوں کی زبان پر جاری ہے۔ مگر اندر سے

دل پکڑا ہوا ہے۔ معاصی وسیئات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جما ہوا ہے۔ دل و دماغ پر افعال شنیعہ کا اتنا قبضہ ہے کہ موت سے نفرت ہے۔ خدا کے حضور میں جانے سے طبیعت گریز کرتی ہے۔

یہودی اگر سچے ہوتے تو قرآن کو جھٹلانے اور اپنے دعویٰ کی صداقت جتلانے کے لیے یا مسلمانوں کو ستانے ہی کو ایک دفعہ کہہ دیتے کہ ''الٰہی موت دے'' لیکن یہ اخبار تو منجانب اللہ ہو چکا تھا کہ ایسا نہ ہوگا۔ اس لیے اتنا لفظ کہتے ہوئے زبان پر قفل پڑ جاتا تھا۔ اور منہ پر مہر لگ جاتی تھی۔ اور ایسے موقع پر کافر و مشرک بھی یہودیوں کی ''خر در گل ماندہ'' حالت کو دیکھ کر ہنس دیتے تھے۔

اس پیش گوئی کا مدعا یہ تھا کہ دنیا جہان کے سامنے یہودیوں کے جھوٹے ادعا (اولیاء و احباء اللہ ہونے) کی حقیقت کو ظاہر فرمادیا جائے اور بتلا دیا جائے کہ اس صاحب جبروت اور ملک الموت کے حضور میں کسی آفریدہ مخلوق کو بڑا بول بولنے کی جرأت نہیں ہو سکتی۔

یہودیوں کے متعلق تیسری پیش گوئی

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ [آل عمران:112]

''اور ڈال دی گئی ہے ان پر ذلت، جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں بجز اس کے کہ اللہ کی ذمہ داری سے رہیں یا لوگوں کی ذمہ داری سے رہیں۔''

اس آیت میں بتلایا گیا ہے:

① کہ آئندہ کو یہود دنیا میں ایک آزاد قوم کی شان سے آباد نہ رہ سکیں گے۔

② بتایا گیا ہے کہ وہ ذلت و مسکنت کا نشانہ رہیں گے یعنی ان کی اپنی سلطنت کوئی نہ ہوگی۔

③ بتایا گیا ہے کہ یا تو ان کو مسلمانوں کے ماتحت جزیہ گزار ہو کر رہنا پڑے گا۔ اس کو بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ فرمایا کیوں کہ ذمی قوم کو خود اللہ تعالیٰ نے حقوق عطا فرمائے ہیں۔

④ ہاں ان کو دیگر اقوام کا ٹیکس گزار و باج دہ ہو کر رہنا پڑے گا، جسے آیت بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ میں فرمایا ہے۔ گویا ایک آیت کے اندر چار پیش گوئیاں ہیں۔

اس آیت کے مابعد زمانہ پر نظر ڈالو، کیا کسی جگہ دنیا کے پردہ پر اس قوم کی آزاد حکومت قائم ہے؟ کیا ان لاکھوں کروڑوں میں ایک بھی شخص ایسا ہے جو غیر قوم کا ٹیکس گزار نہ ہو۔

ہاں! بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ کی تاثیر یہ ہے کہ وہ ترکی، ایران، مراکو، تیونس میں مسلمانوں کے ماتحت بطور جزیہ گزار پائے جاتے ہیں۔

اور بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کا اثر یہ ہے کہ وہ روس و امریکہ، انگلستان و فرانس وغیرہ میں دیگر اقوام کے ماتحت آباد ہیں اور جملہ اقسام کے ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ جنگ عظیم 1914 تا 1918ء میں یہودیوں نے کروڑوں، اربوں روپیہ (متحدین) کو اس لیے دیا کہ ان کی بھی ایک چھوٹے سے رقبہ پر آزاد سلطنت تسلیم کر لی جائے۔ ہر ایک قوم نے جو سینکڑوں من سونا ان سے لے رہی تھی سمجھ رکھا تھا کہ مفتوحہ علاقہ میں سے ان کی درخواست کو پورا کر دیا جائے گا۔

جب جنگ عظیم ختم ہوگئی اور ایفائے مواثیق کا وقت آیا تو یہودیوں سے کہا گیا، وہ سب فلسطین میں آباد ہو سکتے ہیں اور وہاں کی حکم بردارانہ حکومت ان کو مل سکتی ہے۔

یہ شرط ابھی تک پورے طریق سے پوری نہیں ہوئی اور فلسطین کے سابقہ باشندوں نے ابھی تک یہودیوں کے تفوق کو بھی تسلیم نہیں کیا۔ [1]

خیر تعمیل کی صورت کو چھوڑ کر دیکھنا تو یہ ہے کہ یہودیوں کے سامنے کیا چیز پیش کی جاتی ہے؟ حکم بردارانہ حکومت!

اب قرآن مجید کے الفاظ کو غور سے پڑھو کہ ﴿ بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کا لفظ کتنا وسیع پڑا ہوا ہے۔

ایک کتا کسی امیر کے پاس ہوتا ہے، اسے وہاں دودھ، گوشت سب کچھ ملتا ہے۔ ہاں گلے میں زنجیر بھی ڈال دی جاتی ہے تو کیا اس کا یہ رتبہ ہوسکتا ہے کہ وہ خود کو ایک تہی دست آزاد انسان سے برتر خیال کرنے لگے، صرف اس لیے کہ انسان کو ویسی غذا میسر نہیں جیسی مسٹر ڈاگ کو ملتی ہے۔

بعینہٖ یہی پوزیشن فلسطین میں یہودیوں کی قائم کی گئی ہے مگر بِحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ کی زنجیر ضرور گلے میں پڑی رہے گی اور یہ وہ زبردست پیش گوئی ہے جس کے سامنے تمام یورپ کے وزراء دول کی ڈپلومیسی بھی عاجز ہے۔

یہودیوں کے باہمی فرقوں کے اندر عداوت ابدی کی پیش گوئی

﴿ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾ [المائدۃ: 14]

''ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک ڈال دیا''

اس وقت یہودیوں میں الگ الگ دو توراتیں ہیں۔ ایک تورات یونانیہ ہے اور دوسری سامریہ۔ ایک کتاب کے مقلد دوسری کتاب والے کو قطعی کافر جانتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ بات کے روادار بھی نہیں۔ (قرآنی پیش گوئی کے مطابق یہ بغض یہ عداوت تا قیامت اس طرح قائم رہے گی)۔

عیسائیوں کے متعلق تین پیش گوئیاں

[1] عیسائی دنیا میں مال دنیوی سے متمتع رہیں گے

عیسائیوں کو دنیوی مال ومتاع ملے گا۔ پھر آخرت میں ان کا فیصلہ ہوگا۔

﴿ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحَانَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ؕ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ○ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ [یونس: 68-70]

''ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، اللہ تو اس سے پاک ہے اور وہ تو بے نیاز ہے۔ اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ اسی کی ملک ہے۔ کیا تمھارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے؟ یا اللہ کے خلاف بے علمی سے باتیں بناتے ہو۔ کہہ دیجیے کہ جو لوگ اللہ کے خلاف جھوٹ کا اقرار کرتے ہیں۔ وہ فلاح نہ پائیں گے۔ دنیا میں ان کے لیے کچھ حصہ ہے پھر ان کی بازگشت ہماری جانب ہے۔''

---

[1] بدقسمتی سے مسلمانوں کی اپنی نااہلی اور کوتاہ بینی سے آج اسرائیل جیسا ملک جو اپنوں اور بیگانوں کی سازشوں سے دل مسلم پر خنجر کی طرح پیوست ہے۔

آیت بالا میں صاف پتا نصاریٰ کا ہے جو مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ کہتے ہیں اور انہی کی بابت "متاع فی الدنیا" فرمایا گیا ہے۔ عام لوگ جب نصاریٰ کی کثرت دولت اور فراوانی زر و مال کو دیکھتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ اس ستن پرست قوم اس قدر افضال و الطاف کیوں ہیں مگر آیت ربانی نے بتلا دیا کہ یہ نہ لطف ہے، نہ فضل ہے بلکہ "متاع الدنیا" ہے جس کے ساتھ ﴿لَا يُفْلِحُوْنَ﴾ لگا ہوا ہے۔ (یعنی فلاح و نجاح سے محرومی)

یہ تو ممکن ہے کہ کم بین، کوتاہ نظر لوگ اس دولت مندی کی تمنا کرنے لگیں اور قارون کے دیکھنے والوں کی طرح ﴿يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُوْنُ﴾ [القصص:79] "جو قارون کو دیا گیا کاش وہ ہمیں بھی مل جائے" کہنے لگیں، لیکن کیا کوئی شخص یہ پسند کر سکتا ہے کہ قارون کی دولت مع انجام قارون اس کے حصہ میں آئے؟ یقیناً کوئی خردمند ایسا پسند نہ کرے گا جس کے ساتھ فلاح اور نجات کی نفی لگی ہو۔ خیر یہ بحث تو الگ ہے، اس وقت بہ اقتضائے مقام یہ لکھنا کافی ہے کہ نصاریٰ کے موجودہ تمول اور تعیش کی پیش گوئی قرآن پاک میں موجود ہے اور یہی امر قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔

2 دوسری پیش گوئی کہ عیسائیوں کے باہمی فرقوں میں ہمیشہ عداوت رہے گی

﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّا نَصَارٰى أَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ [المائدۃ:14]

"ان میں وہ بھی ہیں جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں، ہم نے ان سے عہد لیا، انھوں نے بڑا حصہ اس کا فراموش کر دیا ہم نے ان میں عداوت اور بغض کو قیامت تک کے لیے بھڑکا دیا۔"

رومی کیتھولک (Roman Catholic) اور پراٹسٹنٹ (Protestant)، یونی ٹیرن (Unitern)، گریک (Greece church) چرچ، ایشین چرچ (Asianchurch)، انگلش چرچ (Englishchurch)، امریکن چرچ (Americanchurch) کے اختلافات اور بغض و عداوت اور تکفیر باہمی کے حالات جس شخص کو معلوم ہیں وہ آیت بالا کی تصدیق بخوبی کر سکتا ہے اور جان سکتا ہے کہ یہ کلام یقیناً منجانب اللہ ہے۔

3 تیسری پیش گوئی کہ نصاریٰ در بارۂ مودّت اہل اسلام سے زیادہ تر قریب ہیں اور یہود و مشرک زیادہ دور و بعید ہیں

﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ آمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّا نَصَارٰى﴾ [المائدۃ:83]

"اہل ایمان سے محبت میں قریب تر تو ان کو پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔"

عراق و شام کے عیسائیوں، اصحمہ، نجاشی، اکیدر، عدی بن حاتم، ابو مریم غسانی، وغیرہ حکمرانان ملک کا مطیع اسلام ہو جانا اسی پیش گوئی کے تحت میں تھا۔ آج بھی انگلستان و جرمنی اور امریکہ میں جس قدر اشاعت اور ترقی اسلام کی ہو رہی ہے وہ اسی آیت کے تحت میں ہے۔

سلطنت روما و ایران نیز قریش و اہل ایمان کے متعلق پیش گوئی جس میں دو پیش گوئیاں شامل ہیں

﴿الٓمّٓ ○ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ○ فِيْ أَدْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ○ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۗ لِلّٰهِ الْأَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ ۚ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ○ بِنَصْرِ اللّٰهِ ۚ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ﴾ [الروم:1-5]

”روما الارض کے قریب مغلوب ہوگیا ہے اور وہ مغلوبی کے بعد چند ہی سال میں غالب آ جائے گا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے۔ پہلے بھی اور پیچھے بھی۔ اور اس روز مومنین بھی اللہ کی نصرت سے شاد ماں ہوں گے۔ اللہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے ،وہی تو غلبہ وقدرت والا ہے اور وہی رحم کرنے والا ہے۔“

الارض سے مراد وعدہ کی زمین فلسطین ہے اور ادنی الارض سے شام وایشیائے کوچک کا علاقہ ہے جہاں روما والوں کو خسرو پرویز نے شکست پر شکست دی تھی اور ان کو ان ممالک سے نیز مصر سے باہر نکال دیا تھا۔ کلام الٰہی میں یہ اطلاع دی گئی تھی کہ نو سال کے اندر اندر روما والے پھر ایران والوں پر غالب آ جائیں گے۔

یہ پیشین گوئی ان دنوں بالکل خلاف قیاس وگمان سمجھی جاتی تھی۔ اتنی بڑی شکست کے بعد ایسی فاتح قوم پر غالب آ جانا اور وہ بھی نو (9) سال کے اندر اندر اہل دنیا کو محال معلوم ہوتا تھا۔ لہٰذا ابی بن خلف نے اس آیت کو قرآن مجید کے صدق وکذب کا معیار ٹھہرایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ اگر وہ صداقت قرآن پر اعتماد رکھتے ہیں تو شرط لگائیں۔ یہ واقعہ 8 نبوت کا ہے۔ صدیق رضی اللہ عنہ نے شرط لگائی کیوں کہ اسلام میں اس وقت تک شرط لگانے کی نہی نہ ہوئی تھی۔ [1]

نزول آیات سے سات (7) سال بعد ایسا ہی ہوا۔ روما میں جو خانہ جنگی اور اندرونی بدنظمی ہو رہی تھی۔ وہ جنرل ہرقل کے بادشاہ بن جانے سے جاتی رہی۔ روما والوں نے پھر از سر نو اپنے از دست رفتہ ممالک کو واپس حاصل کر لیا اور مصر وشام، فلسطین وایشیائے کوچک پھر سلطنت قسطنطنیہ کے ماتحت ہو گئے۔

الفاظ قرآنیہ بشارت در بشارت پر مشتمل تھے۔ یعنی یہ بھی بتایا گیا تھا کہ مومنین کو بھی اس روز نصرت الٰہی حاصل ہوگی۔ ایسا ہی ہوا۔ ادھر اہل کتاب نے آتش پرستوں پر فتح حاصل کی اور ادھر بدر کے میدان میں اہل توحید کو اہل شرک پر غلبہ تام حاصل ہوا۔

غور کرنا چاہیے کہ ایک سطر کی عبارت میں چار (4) قوموں اور چار (4) ملکوں اور عظیم الشان سلطنتوں کے متعلق کھلے لفظوں میں پیشین گوئی کرنا اور وہ بھی بہ تعیین سن وسال۔ اور پھر اس کا ظاہری الفاظ میں پورا ہو جانا کیا انسانی علم یا انسانی قدرت کی حدود میں ہے۔

ان پیشین گوئیوں سے قرآن حمید کا کلام اللہ ہونا بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

فصل اول 1

قرآن حمید کا اخبار مستقبلہ کو بیان کرنا ہم نے بطور برہان پیش کیا ہے، اسی طرح قرآن پاک کا اخبار ماضیہ کو بیان کرنا بھی ایک زبردست دلیل اس کے کلام اللہ ہونے پر ہے

قوم ہود، قوم صالح کا مذکور کسی اسرائیلی صحیفے میں نہیں مگر قرآن پاک نے اسے بیان کیا۔

عاد ارم، عاد اولیٰ کا ذکر بھی صرف قرآن مجید ہی نے سنایا، سیل عرم کا واقعہ نہایت عظیم الشان تھا۔ اس کا بیان بھی فرقان حمید ہی میں ہے۔

فرعون کے غرق ہو جانے کے بعد مصر پر کچھ عرصہ تک اسرائیلیوں کی حکومت کا پتا ﴿وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ [الشعراء: 59] قرآن پاک ہی کے بتانے سے لگا۔ ورنہ تورات اس سے خاموش ہے جیسا کہ مصر کی تاریخ مصر میں معجزات موسیٰ علیہ السلام کے وقوع سے ساکت ہے۔

---

[1] تفسیر ابن جریر ص: 11، تفسیر سورہ الروم

مسیح علیہ السلام اور اس کے کارناموں کا ذکر نہ روما کی ہسٹری میں ہے اور نہ یہود کی تحریروں سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

یہ واقعہ کہ مریم صدیقہ علیہا السلام کو بھی مدتوں تک تثلیث کا ایک اقنوم تسلیم کیا جاتا تھا، عیسائی نہیں مانتے تھے اور نہیں جانتے تھے۔

قرآن مجید کے اعلام کے بعد جب عیسائی محققین نے اس کے لیے کدوکاوش کی، تب ان کو بیان قرآن کی صداقت کا علم ہوا۔

خانہ کعبہ کی عمارت کا بطور مسجد دنیا میں سب سے پہلے تعمیر ہونا اہل تاریخ سے پوشیدہ تھا، لیکن اب یہ واقعہ بالکل مسلم ہے۔

قرآن مجید کا یہ بیان کہ ہر ایک قوم میں اللہ کے رسول بھیجے گئے اور انھوں نے خود اسی قوم کی زبان میں تبلیغ فرمائی اور حجت الٰہی ان پر ختم کی۔ تمام مذاہب کے لیے ایک کنز مدفون تھا۔

اور اسی لیے اسرائیلی پارسیوں کو جھٹلاتے تھے اور پارسی اسرائیلیوں کو اور پھر یہ دونوں مل کر اہل ہند کے مکذب تھے اور اہل ہند ان دونوں کی تکذیب کرتے تھے۔

پھر یہ تینوں مل کر مصریوں کو جھوٹا بتاتے تھے اور مصری ان تینوں کا جھوٹا ہونا سچ سمجھتے تھے۔

پھر یہ چاروں مل کر مشرق بعید چین و جاپان کو دروغ گو کہا کرتے تھے اور چین و جاپان ان چاروں کو۔

اسی طرح کذب و دروغ اور بطلان کا سلسلہ ساری دنیا کو گھیرے ہوئے تھا۔ قرآن کریم ہی نے اس راز کا انکشاف کیا اور قوموں کو قوموں سے، ملکوں کو ملکوں سے قریب تر ہونے کا طریق بتایا۔ قرآن عظیم ہی نے اس سلسلہ کے ختم کر دیے جانے کی اطلاع دی اور سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین ﷺ فرما کر اقوام عالم کو اس دعوت عامہ اور وحدت ملیہ اور اتحاد کلیہ کا سبق پڑھایا۔

قرآن کریم کا نبی ﷺ کو خاتم النبیین فرمانا ہی تھا کہ یہودیوں، عیسائیوں، پارسیوں ہندوؤں مصریوں اور چینیوں کے دل اور زبان پر محکم مہر لگ گئی اور اس اعلام کے بعد کسی نے کسی کو آ کاس بانی کا سننے والا، سروش یزدانی سے گفتگو کرنے والا، وحی ربانی کا حاصل کرنے والا تسلیم نہیں کیا۔

اور یہی قرآن حمید کے کلام اللہ ہونے پر دلائل بینہ سے قوی ترین دلیل ہے۔

اب باب خصائص القرآن کو ختم کیا جاتا ہے اور قرآن پاک کی صرف ایک آیت اہل فکر و ہوش کے غور و تدبر کے لیے لکھ دی جاتی ہے۔

﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ [محمد:24]

''لوگ کیوں قرآن پر تدبر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر قفل لگ گئے ہیں؟''

اللهم صلی علی محمد صلی الله علیه و آله وسلم

باب سوم 3

خصائص اسلام

فصل نمبر 1: اسلام ہی دین التوحید ہے

آج دنیا پر صادق ہوگیا ہے کہ ہر ایک مذہب کی صداقت کا معیار اور اس کی سچائی کی دلیل صرف مسئلہ توحید ہے۔

اب تو مناظرہ کے وقت بت پرست بھی اپنے ٹھاکروں اور دیوتاؤں کو وسائط کہنے پر مجبور ہوگئے ہیں اور اہل تثلیث اور اہل ثنویہ بھی تثلیث وثنیہ میں توحید ثابت کرنے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔ ویدانت والے بھی ''دوتیا تی'' کہنے میں اپنی عزت سمجھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام ہی وہ واحد اور وحید دین ہے جس نے توحید کو مکمل طور پر بیان کیا ہے۔

اسلام ظاہر کرتا ہے کہ جملہ انبیاء ورسل کی دعوت صرف واحد مسئلہ توحید کی طرف تھی:

﴿ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴾ [الانبیاء:25]

تجھ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اسے یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم سب میری ہی عبادت کرو۔

فرمایا:

﴿ وَاسْأَلْ مَنْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رُّسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِن دُونِ الرَّحْمَٰنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ ﴾ [الزخرف:45]

''اپنے سے پہلے رسولوں کے حالات معلوم کرو کہ کیا ہم نے کبھی بھی اور کسی کو بھی ذات پاک رحمن کے سوا معبود ٹھہرایا ہے جس کی عبادت لوگ کیا کریں۔''

اسلام ہی کی تعلیم ہے:

﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ [النساء:36]

''اللہ ہی کی عبادت کرو اور اللہ کی عبادت میں کسی شے کی ذرا بھی ملاوٹ، آمیزش اور شرک نہ کرو۔''

توحید ہی کا بیان فرمایا گیا ہے:

﴿ أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ ﴾ [الشوریٰ:9]

''کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا اوروں کو کارساز بنالیا کہ وہ کہ کارساز صرف اللہ ہی ہے''

توحید خالقیت اور توحید قدرت کے متعلق فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِن يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ○ مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴾ [الحج:73-74]

''اللہ کے سوا جن جن کو پکارتے ہیں وہ ایک مکھی بھی تو نہیں بنا سکیں گے خواہ وہ سب مل جل کر ہی ایسی کوشش کریں اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ اس سے کچھ چھڑا بھی نہیں سکتے۔ یہاں تو طالب ومطلوب دونوں رہ جاتے ہیں۔ ان لوگوں نے تو اللہ کو قدر وشان کے مطابق جانا ہی نہیں۔ بے شک قدرت والا تو صرف اللہ ہی ہے۔''

آیات بالا پر فکر و تدبر اور غور تعمق سے مکرر ثانی کرنا واجب ہے کہ الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، ولایت اور قدرت کی صفات میں اللہ تعالیٰ کا واحد و وحید ہونا ثابت کیا گیا ہے اور اسی ثبوت کے ساتھ ساتھ شرک جلی و خفی کی نفی فرما دی گئی ہے۔

یہ اسلام ہی کی توحید ہے، جس کا ثبوت کلام اللہ العزیز سے ملتا ہے اور جس کی تائید علم وعقل اور سمع سے ہر منزل ہر گام پر ہوتی ہے۔

یہ اسلام ہی کی توحید ہے جو فطرت صحیحہ اور عقل سلیم کے براہین سے مشید ہے اور جس کا مخاطب ہر ایک وہ قلب سلیم ہے جو روحانیت کی زندگی سے مستفیض ہے۔

اسلام کی توحید کا مسئلہ عیسائیت کی مثلیث کی طرح نہیں ہے، جس کو پادری لوگ فہم سے بالاتر اور عقل سے بلندتر کہا کرتے ہیں اور جس پر بغیر سمجھنے کے ایمان لانے کو واجب بتایا کرتے ہیں۔ اسلام تو ابتدائے دعوت ہی میں ہر ایک انسان پر اپنی حجت اس طرح قائم فرماتا ہے۔

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴾ [الحج:46]

''کیا وہ زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھتے کہ ان کے دل سمجھنے والے اور ان کے کان سننے والے ہو جاتے ہیں، ہاں آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں، بلکہ وہ دل جو سینہ کے اندر ہیں بے نور ہو جایا کرتے ہیں۔''

آیت بالا میں قلوب اور عقل، اذان اور سمع، ابصار اور عمیٰ کے الفاظ موجود ہیں اور اس سے ثابت ہے کہ اسلام سمع و بصر کو اور قلوب و بصیرت کو مخاطب ٹھہراتا اور ان ہی براہین پر اثبات توحید کے ایوان کو استوار کرتا ہے۔

اسلام ہی ہے جس نے توحید کو مکمل بیان کرنے میں توحید فی العبادۃ، توحید فی الاستعانۃ، توحید فی القدرۃ، توحید فی التصرف، توحید فی الذات، توحید فی الصفات کے الگ الگ عنوانات قائم کیے اور ہر ایک عنوان کے تحت میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور نبی ﷺ کے ارشاد سے ان مسائل کو محکم و قوی بنایا۔ آیات ذیل پر پورے غور سے تدبر کرو، تاکہ عنوانات بالا کے متعلق آپ کی معلومات میں وسعت پیدا ہو، ایمان بڑھے اور یقین ترقی پائے۔

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾ [الفاتحہ:4]

''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم صرف تجھ ہی سے استعانت چاہتے ہیں''

صاحب کشاف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: وَتَقْدِيْمُ الْمَفْعُوْلِ لِقَصْدِ الْاِخْتِصَارِ یعنی لفظ نَعْبُدُ اور لفظ نَسْتَعِيْنُ سے پہلے اِيَّاكَ لانے سے یہ فائدہ نکلا کہ عبودیت اور استعانت کا خاص اللہ ہی کے لیے ہونا ثابت ہو گیا۔ [1]

توحید فی الاستعانت کے متعلق سورہ یوسف میں ہے

① ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ﴾ [یوسف:118] ''صرف اللہ ہی ہے جس سے استعانت لی جائے۔''

سورہ انبیاء میں ہے:

② ﴿ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ ﴾ [الانبیاء:112] ''ہمارا پروردگار ہی کمال رحمت والا ہے، اسی سے مدد حاصل کی جاتی ہے۔''

---

[1] الکشاف، ص:9

حدیث شریف میں ہے:

③ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ [1]

''اے اللہ! اپنے ذکر اور شکر کے لیے اور بہتر عبادت ادا کرنے پر میری مدد فرما۔''

توحید علم کے متعلق ملائکہ کا بیان ہے:

﴿ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ [البقرۃ:32]

''اے رب تو جملہ عیوب اور نقائص اور اوناس سے پاک ہے، ہم کو علم نہیں، لیکن اتنا ہے جتنا تو نے ہم کو سکھلایا ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیان میدان محشر میں جملہ خلائق کی موجودگی میں اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ ہوگا:

﴿ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴾ [المائدۃ:116]

''جو میرے دل میں ہے اسے تو جانتا ہے اور جو تیری ذات کے اندر ہے اسے میں نہیں جانتا تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔''

④ ﴿ وَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ﴾ [الزخرف:85] ''قیامت کا علم تو اسی کے پاس ہے۔''

⑤ ﴿ اِنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾ [ہود:14] ''یہ کلام تو اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے''

⑥ ﴿ وَ عِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ ﴾ [الانعام:59] ''علم غیب اسی کے پاس ہے۔''

⑦ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ایک اسم ''علیم'' کا استعمال کون سے دیگر اسمائے حسنیٰ کے ساتھ مقرون ہو کر وارد ہوا ہے تو ترکیب ذیل نظر آئے گی۔

علیم قدیر، علیم خبیر، علیم حکیم، واسع علیم، علیم حلیم، الخلاق العلیم، عزیز علیم، فتاح علیم، سمیع علیم، شاکر علیم کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ کمال علم کے ساتھ قدرت وخبرت، حکمت وسعت، حلم وخلق، عزت وفتح، سمع وشکر کے اوصاف کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو علم ان صفات کے ساتھ ساتھ ہو وہ انسان وملک کے علم سے (خواہ وہ انسان وفرشتہ کتنا ہی ذی علم کیوں نہ ہو) بسا ارفع واعلیٰ ہے۔

توحید فی القدرت کی بابت آیات ذیل پڑھو:

﴿ اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴾ [قمر:49] ''ہم نے ہر ایک شے کو ایک اندازہ پر پیدا کیا۔''

﴿ وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا ﴾ [حم سجدۃ:10]

''اور اس میں برکت رکھ دی اور اس میں (رہنے والوں کی غذاؤں کی تجویز بھی اسی میں کر دی''

﴿ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ﴾ [المومنون:18] ''ہم نے پانی اوپر سے حسب اندازہ نازل کیا۔''

﴿ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ [البقرۃ:284] ''اللہ کو ہر شے پر قدرت حاصل ہے۔''

﴿ وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴾ [الشوریٰ:29]

''وہ جب چاہے گا تو اپنی قدرت سے سب مردہ جسموں کے گوشت پوست کو جمع فرما دے گا۔''

---

[1] ابوداؤد:1527، مجمع الزوائد 172/10، کنز العمال:3865،3457، عمل الیوم واللیلۃ:115

ان آیات میں دکھلایا گیا ہے کہ ہر شے کو ابتداءً ہستی میں لانا پھر اس کے لیے قدر و اندازہ مقرر کرنا پھر اسے معدوم کر دینا، پھر اسے موجود کر دینا، اسی مالک کی قدرت کے اندر ہے۔ آسمان کی برکتوں اور زمین کی طاقتوں پر اس کی قدرت تسلط رکھتی ہے۔ مادہ اور روح اس کی مخلوق اور اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ فتح و شکست قوموں کا اقبال و ادبار زمانہ کا انقلاب، موسموں کا تغیر، جمادات و نباتات، حیوانات اور انسان و ملائک کے خواص و مالیت اور کوائف و احوال سب اسی کی قدرت کے تحت میں ہیں۔ یہ وہ قدرت کہ انسانوں کا جانا پہچانا قانون قدرت اس پر احاطہ نہیں کر سکتا۔ یہ وہ قدرت ہے جسے انسانوں کے تجربات عادات محصور نہیں کر سکتے۔ اس صفت میں اسی مالک کو یکتائی وحدت حاصل ہے۔

توحید فی الذات والصفات کا بیان بھی بہت وسیع ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ﴾ [طٰہٰ:14]

''اللہ تو میں ہی ہوں، میں ہی معبود ہوں اور کوئی معبود نہیں۔''

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

''اللہ نے بتایا اور ملائکہ و اہل علم نے بھی ظاہر کیا کہ وہی اللہ ہے۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اسی کا عدل و انصاف قائم ہے، اسی کا معبود ہونا برحق ہے۔ دوسرے کا نہیں۔ وہی عزیز وہی حکیم ہے۔'' [آل عمران:18]

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ○ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰاةَ وَالْاِنْجِيْلَ مِنْ قَبْلُ وَ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴾ [آل عمران:2-4]

''اللہ ہے، اس کے سوا اور تو کوئی بھی الٰہ نہیں۔ اسی نے محمد ﷺ پر کتاب کو حق کے ساتھ بھیجا۔ یہی کتاب اپنے سے پہلی تعلیم کی تصدیق کرتی ہے۔ اس نے قبل ازیں تورات و انجیل کو نازل فرمایا کہ لوگوں کی راہنمائی ہو۔ اسی نے قرآن کو اتارا۔''

﴿ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ﴾ [آل عمران:6]

''وہی ہے جو انسان کی صورتیں ارحام میں اپنے منشا کے موافق بناتا ہے۔''

﴿ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ﴾

''یہ کتاب اس اللہ نے اتاری جو قدرت اور علم والا ہے۔ وہ گناہوں کو بخش دینے والا ہے۔ وہ توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ سخت عذاب اور جود و عطا والا ہے۔'' [المؤمن:2-3]

﴿ وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [المومن:60]

''تمھارے پروردگار کا فرمودہ ہے کہ مجھے پکارو، مجھ سے مانگو، میں سنوں گا۔ میں قبول کروں گا۔''

﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾

''اللہ وہی ہے جس نے رات کو تمھارے نفس کے لیے بنایا کہ تم اس میں آرام لو اور دن کو آنکھیں روشن کرنے والا بنایا۔ بے شک اللہ کے فضل و احسان انسان پر بہت ہیں۔'' [المؤمن:61]

﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ [المومن:62]

''اے لوگو! یہی اللہ ہے جو تمھاری پرورش کرنے والا ہے، وہ ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔''

﴿ اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○ هُوَ الْحَیُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ [المومن:63-64]

''اللہ ہی ہے جس نے تمھارے رہنے کو زمین بنائی اور آسمان کو خیمہ بنایا، اسی نے تمھاری صورتیں بنائیں اور تم کو خوب رو بنایا، اسی نے تم کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ لوگو! تمھارا پروردگار یہی تو ہے۔ ہاں! اللہ بڑی برکتوں کا بخشنے والا ہے، وہی زندہ ہے، وہی سب کا معبود ہے اور کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم اسی کی عبادت ساری سچائی کے ساتھ بالکل اسی کے بن کر کیا کرو، خوبی اور کمال اور وصف و جمال کی سب اقسام کا مالک وہی ہے جو تمام جہانوں کی پرورش فرماتا ہے۔''

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ﴾ [الانعام:103]

''انسان کے حواس ظاہری و باطنی اس کا ادراک نہیں کر سکتے اور وہ جملہ قوی کا ادراک رکھتا ہے۔''

﴿ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴾ [الشوریٰ:11-12]

''اس کی مثال جیسی بھی کوئی شے نہیں، وہ سمیع ہے اور بصیر ہے، آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملک ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور اندازہ کا دیتا ہے وہ ہر شے کا علم رکھنے والا ہے۔''

﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ﴾ [النحل:74]

''اللہ کے لیے کہاوتیں اور مثالیں نہ بیان کیا کرو۔''

﴿ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ○ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ لَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴾ [البقرۃ:255]

''اللہ ہے، وہی معبود ہے اور کوئی نہیں۔ وہی زندہ و پائندہ ہے۔ اونگھ یا نیند کا اس پر اثر نہیں۔ آسمان اور زمین اور ان کی سب چیزیں اسی کی ہیں۔ کون ہے جو اس کے پاس شفاعت اذن کے بغیر کرے، وہ سب کی اگلی پچھلی حالتوں کو جانتا ہے۔ مگر مخلوق اس کے علم کا ذرا بھی احاطہ نہیں کر سکتی۔ اس کا علم آسمان و زمین سے فراخ تر ہے، وہ آسمان و زمین کی حفاظت میں تھک نہیں جاتا۔ وہ سب سے بالاتر ہے اور سب سے بزرگ تر ہے۔''

﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ○ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ○ لَمْ یَلِدْ وَ لَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴾ [الاخلاص:1-4]

''بتا دے کہ وہ اللہ ہے، وہ اللہ ایک ہے، اللہ سب کی حاجات کو پورا کرنے والا ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد۔ اس کی کفو کا کوئی بھی نہیں۔''

قارئین! میں نے ان آیات کو جمع کر دیا ہے اگر ان کے معانی اور فوائد پر کچھ تحریر کیا جائے تو اس کے لیے کتاب ضخیم درکار ہے۔

تدبر کرنے والے کو پتا لگ جائے گا کہ جو توحید اسلام سکھلاتا ہے اور قرآن پیش کرتا ہے، وہ فلاسفروں کی توحید سے بالکل ارفع واعلیٰ ہے، جو جوہر و عرض اور قدیم و حادث ہیولیٰ اور مادہ کے متعلق الفاظ اور فرضی اشکال کا مجموعہ ہے اور جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات باقی ہی نہیں رہتی۔

نیز اسلامی توحید اس اعتقاد تجسم سے بھی بالاتر ہے، جس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے ایک مجسم شے بتاتے ہیں اور اس اعتقاد تنزیہہ سے بھی اعلیٰ ہے، جس میں نفی صفات کو تقدیس کہا جاتا ہے۔

آیات قرآنیہ سے عرفان صحیح حاصل ہوتا ہے اور اسی عرفان سے قلب سلیم نور یقین سے منور ہو جاتا ہے۔

بیان توحید میں اسلام کا یہ اسلوب خاص خصوصیت رکھتا ہے۔

فصل دوم 2

اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے

(1) مذہب کا بحیثیت مذہب نمایاں جوہر یہ ہے کہ اس میں روحانیت موجود ہو، اگر کسی مذہب میں روحانیت موجود نہیں تو اسے مذہب کہنا غلط ہے، بلکہ وہ ایک سوسائٹی (Society) جمعیت ہے۔ دنیا میں جس قدر مذاہب قدیم پائے گئے ہیں، ان میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں، جس نے روحانیت کی موجودگی کا دعویٰ نہ کیا ہو، عام اس سے کہ وہ دعویٰ کہاں تک صحیح تھا، نیز قطع نظر اس سے کہ روحانیت کا مفہوم بھی درست سمجھا گیا یا نہیں۔

یہ مسلمہ ہے کہ انسان نام ہے روح و جسم کے مجموعہ کا۔ جسم کی ضروریات جسمانی اور مادی اشیاء میں پوری ہو جاتی ہیں، جن اشیاء پر ترفہ اور عیش، آسودگی و آرام، ناز و نعمت اور شادمانی و مسرت کے نام اہل دنیا استعمال کرتے ہیں۔ یہ جملہ اشیائے جسمانی ہوتی ہیں اور ان کے استعمال سے جو تلذذ (لذت) حاصل ہوتا ہے، وہ بھی مادیت کو لیے ہوئے ہوتا ہے۔

لہٰذا قابل غور یہ رہ جاتا ہے کہ روح کی شادمانی و مسرت کی اشیاء کیا ہیں اور کیوں کر حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس عنوان کے تحت میں ان لوگوں سے خطاب کی ضرورت نہیں، جو روح انسانی کے وجود سے منکر اور روحانیت سے قطعاً بے خبر ہیں، کیوں کہ ہمارا مقصود اسلام کو مذاہب عالم کے سامنے پیش کرنا ہے، نہ کہ منکرین مذہب کے خیالات کی تنقید۔

(1) گوتم بدھ نے روحانیت کا ذکر صاف لفظوں میں نہیں کیا، وہ انسان یا روح انسان کے لیے صرف یہی اعلیٰ کمال تصور کرتا ہے کہ انسان دکھ سکھ کی بندشوں سے آزاد ہو جائے، اس کی تعلیم پر گہرا غور کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس کا سبق اخلاق انسانی کے بیان سے آگے نہیں بڑھا۔

(2) سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں توحید کا بیان موجود ہے۔ اسی قدر جو ابتدائی مراتب ایمان کے لیے ضروری ہے۔ ان کی تعلیم میں رد شرک موجود ہے مگر اسی قدر جو شرک اعظم کے رد کے لیے ضروری ہے۔ بعد ازیں روحانیت کا ذکر نہیں کیا گیا، جس کی وجہ افراد امت کی پست فطرتی و دنیا طلبی تھی۔

(3) داود علیہ السلام کی زبور میں باب مناجات کھولا گیا ہے۔ بندہ کو اللہ کے حضور میں تضرع و زاری کا طریق سکھلایا گیا ہے، لیکن ان

مناجاتوں میں نصرت اور فتح اور دشمن کی ہلاکت وخسران کو سب سے بڑا مدعا بنایا گیا ہے۔اور چند مناجاتوں کے سوا باقی سب اسی رنگ میں رنگین ہیں۔

④ سیدنا مسیح علیہ السلام نے آسمانی حکومت اور آسمانی بادشاہت کا لفظ سنایا۔یہ الفاظ یقیناً روحانیت کا مظہر ہیں۔حضور علیہ السلام نے سادے دل سے اپنے خالق کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ذکر کیا ہے،یہ خالص روحانیت کا سبق تھا،لیکن افسوس کہ سامعین کے عدم ذوق اور عدم وجدان اور فقدان تحمل وبرداشت کی وجہ سے اس نیک استاد کو بھی یہی کہنا پڑا کہ اس مضمون کی تکمیل ''روح الحق'' فرمائے گا۔(یوحنا16-13 تا16)

② حدیث پاک میں روحانیت کی تعلیم کو''الاحسان'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس مشہور ومتواتر حدیث میں جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیحین نے اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم نے روایت کی ہے،اس لفظ کے معنی یہ بتلائے گئے ہیں:

اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ [1]

احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت کرے،گویا تو اسے دیکھ رہا ہے،پھر اس طرح کہ اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اسی حدیث میں دو مقامات کا ذکر فرمایا گیا۔

ایک یہ کہ انسان خود کو ایسے مقامات پر پہنچائے کہ منظور نظر رحمت بن جائے۔

دوسرا بلند مقام یہ ہے کہ اس مقام پر متمکن ہوجائے کہ انوار عرفان کا ناظر ہوجائے۔

اس حدیث پاک سے ثابت ہوا کہ روحانیت کا مقصود یہ ہے کہ رابطہ قلب اور نسبت روح رب العالمین کے ساتھ درست اور صحیح ہوجائے اور اس مقصود کے حصول کا ذریعہ ''بندگی'' ہے۔

اس مقصود کی شرح اور حصول مقصود کی توضیح میں اسلام نے جو کچھ بیان کیا ہے،وہ اسی قدر زیادہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں دیگر مذاہب کے بیانات سواں یا ہزارواں حصہ بھی نہیں سمجھے جاسکتے۔لہٰذا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ''اسلام ہی روحانیت کا مذہب ہے۔''

عبودیت

اسلام نے عبودیت کا بیان نہایت وضاحت سے کیا ہے،کیوں کہ روحانیت کا محل اسی بنیاد پر بلند ہوتا ہے۔

بتایا کہ عبودیت کے مظہر قلب اور زبان اور جوارح ہیں۔اب مختصری تفصیل سنو:

① واجبات قلب پانچ ہیں:

① نیت:عادت وعبادت میں فرق کرنا نیت کا کام ہے۔

مراتب عبادت کا تفاوت قائم کرنا نیت کا کام ہے۔

② اخلاص:اخلاص کا مدعا وحدت مطلوب ہے۔

③ صدق:اس کا مدعا وحدت طلب ہے۔

④ انابت:سعی کامل اور توجہ کامل کے ساتھ رجوع الی اللہ کا نام انابت ہے اور توبہ اسی کا پہلا زینہ ہے۔

---

[1] بخاری:50،مسلم:8،ابوداؤد:4695،ترمذی:2610،ابن ماجہ:63،ابن حبان:173,168،احمد:52/1

⑤ محبت: حبۃ القلب (دانہ دل) کی آبیاری محبت ہی سے کی جاتی ہے اور یہی ایک دانہ پھلتا اور پھولتا ہوا سات سات بالیاں بن جاتا ہے اور ایک بالی میں سوسو دانے بن جاتے ہیں۔

2 واجبات زبان پانچ ہیں:

① وحدانیت و رسالت کی شہادت۔

② دوام ذکر۔

③ التزام دعا: کسی مدعائے خاص کے لیے دعا کرنا اور شے ہے اور فرائض عبودیت کی ادائیگی کے لیے دعا کو لازم بنالینا اور شے ہے، یہاں یہی صورت مقصود ہے۔

④ تبلیغ: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی لفظ کے اندر شامل ہیں۔

⑤ تعلیم: ناواقف کو بتانا، نادان کو دانا بنانا، علوم شرعیہ کا پھیلانا۔

3 واجبات جوارح کی تفصیل غور سے دیکھو:

① واجبات سمع: کلام اللہ اور حکم رسول اللہ ﷺ پر کان لگانا۔ نصیحت اور کلمہ حق کو غور سے سننا۔

② واجباب بصر: کائنات کو عبرت و خبرت سے دیکھنا، بصارت و بصیرت سے کام لینا۔

③ واجبات ذوق: اکل حلال و حرام اور نشیلی چیزوں سے پرہیز۔

④ واجبات اعضاء: خضوع و خشوع۔

⑤ واجبات جسم: قلب کی اطاعت کرنا، ضمیر پاک کے خلاف کسی عضو سے کام نہ لینا۔ یہ سب پندرہ (15) اقسام ہیں اور انہی کے مجموعہ کا نام عبودیت ہے۔

فنا و بقا

بیان روحانیت کے لیے ''فنا و بقا'' کی شرح بتلانا ضروری تھا۔

حدیث بالا میں جس اولین مقام ''فَـاِنَّـهٗ یَـرَاکَ'' کی جانب اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اسی کو اصطلاح صوفیہ میں مقام فنا کہتے ہیں۔ اس لفظ سے فنائے لغوی مراد نہیں، بلکہ فنا سے مراد ماسوا کا زائل کرنا ہے اور انانیت سے غائب ہو کر شہود حق تک پہنچ جانا ہے۔

اسی فنا کے تحت میں توبہ، تذکر، ورع، زہد، اخبات، تبتل، خوف و رجا آ جاتا ہے۔

براہین بالا سے واضح ہے کہ اسلام مسئلہ توحید کے اثبات میں کائنات کے ایک ایک ذرہ کو انسان کے مشاہدہ اور غور و تفکر و تدبر کے سامنے پیش کرتا ہے۔

اسلام ذوق سلیم اور وجدان صحیح کی راہ پر علم، عقل، تجربہ اور مشاہدہ کی مصابیح کو روشن کرتا ہے، اور پھر اس راہ کے سالک کو مندرجہ ذیل منازل کی سیر کراتا ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴾ [محمد:17]

''اور جو ہدایت یاب ہیں اللہ ان کی ہدایت کو بڑھاتا ہے، اور انھیں تقویٰ عطا کرتا ہے۔''

﴿ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ﴾ [مریم:76]

''ہدایت والوں کو ہدایت میں ترقی پر ترقی دیتا ہے۔''

﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا ﴾ [التوبۃ:124]

''ایمان والوں کے ایمان میں افزونی بخشتا ہے۔''

اور بعدازاں منزل مقصود پر پہنچا کر یہ بشارت عظمیٰ پہنچاتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴾ [الفجر:27-28]

''اے اطمینان یافتہ نفس اپنے رب کی طرف رجوع کر خوشی کے ساتھ اور بشارت کے ساتھ۔''

توحید کی ضد شرک ہے۔ رد شرک کے دلائل علیحدہ بیان فرمائے۔

﴿ لَوْ كَانَ فِيْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ﴾ [الانبیاء:22]

''اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی معبود ہوتا تو نہ زمین قائم رہتی نہ آسمان۔''

فرمایا:

﴿ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ﴾ [الانبیاء:24]

''کیا ان لوگوں نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی الٰہ بنالیا ہے، ان سے کہہ دو کہ اس اعتقاد کے ثبوت میں کوئی برہان تو پیش کرو۔''

اسلام ہی بتلاتا ہے کہ جملہ رسل کی اولین اور آخرین دعوت یہی کلمہ مبارک رہا ہے

﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ [الاعراف:65]

''اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا اور کوئی بھی تمھارا معبود نہیں۔''

یہی وہ کلمہ مقدسہ ہے جو الوہیت رب العالمین کو دل میں قائم کر دیتا ہے اور یہی وہ کلمہ توحید ہے جو دل کو شرک سے پاک و صاف بنادیتا ہے۔

یہی وہ کلمہ ہے جو اثبات کو بقا عطا کرتا ہے اور یہی وہ کلمہ ہے جو نفی کو فنا دکھلاتا ہے۔ اسی آیت اعراف میں چار بار سورۃ انعام میں دو بار اور سورۃ آل عمران میں دہرایا گیا ہے۔

بیان توحید کے متعلق فرمایا گیا ہے:۔

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ [الانعام:14]

''ان سے پوچھو کیا آسمانوں اور زمین کو وجود بخشنے والے اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں۔''

اب کیا اس کے سوا اور کسی کو ولی و کارساز بنانے کی ضرورت رہ جاتی ہے، کیا کسی اور کو بھی دل کا مالک ٹھہرانے کی کوئی وجہ ہو سکتی ہے، کیا میں ایسا کروں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ [الانعام:164]

''ان سے پوچھو کہ اس رب کے سوا جو ہر ایک کی پرورش کرنے والا ہے کیا میں اور کی تلاش اپنا رب بنانے کے لیے کروں۔''

﴿ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ﴾ [القصص:88]

''وہ اللہ جس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے اس کے ساتھ ساتھ دوسرے کو مت پکارو۔ دیکھو ہر ایک شے موت و ہلاکت اور فنا والی ہے، صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو موت اور فنا سے برتر ہے۔''

غیر اللہ کو پکارنے والے خواہ عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور عزیر نبی علیہ السلام اور دیگر بزرگان کے پکارنے والے ہوں یا فرضی اور خیالی دیوتاؤں کے پکارنے والے ہوں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ ان میں اور اللہ تعالیٰ میں مابہ الامتیاز کیا ہے۔

وہ عیسائی جو تسلیم کرتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کو پکڑا گیا، پھانسی پر لٹکایا گیا، قبر میں دفنایا گیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے۔ ایسا شخص معبود نہیں ہوسکتا۔

وہ مسلمان جو حسین علیہ السلام کی بابت تسلیم کرتا ہے کہ وہ کربلا کے دشت میں گرسنہ و تشنہ ذبح کیے گئے، ان کے جسم پاک کی ناپاک خبیثوں نے بے حرمتی کی، ان پر اللہ تعالیٰ کی یہ حجت ہے کہ ایسا شخص معبود نہیں ہوسکتا۔

وہ کرشن مہاراج جس نے اپنی راج دھانی کو اپنی آنکھوں سے لٹتے اور اجڑتے دیکھا، جس نے اسی اندوہ و غم میں اپنے آپ کو ہمالہ کی برف کا لقمہ بنایا، وہ بھی معبود نہیں ہوسکتا۔

وہ سدھارتھ گوتم جو بدھ (بمعنی بیدار) کے نام سے روشناس ہوا اور جس کی لاش نیپال کی ترائی میں بمقام کسن آرا، جلائی گئی اور اس لاش کی راکھ آٹھ مختلف مقامات پر تقسیم کی گئی، جا کر ہر ایک جگہ یادگاری گنبد تیار کیے گئے کبھی بھگوا (لائق عبادت) اور آرھم (ذات پاک) نہیں ہوسکتا۔ [1]

وہ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ جو 28 صفر 11 ہجرت سے 12 ربیع الاول تک بیمار رہے۔ جنھوں نے 12 کی سہ پہر کو انتقال اور رفیق اعلیٰ سے وصال فرمایا جو 14 کو بعد مغرب لحد منور میں لٹائے گئے، جو شان علیا کے اعتبار سے امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں۔ علامت تدفین و قبر کی وجہ سے کبھی معبود و مسجود نہیں ہوسکتے۔ الغرض آیت بالا کے اس نشان واحد نے توحید کو نہایت مستحکم کر دیا ہے۔

رغبت تعظیم اوامر و نواہی، تصفیہ و تہذیب، استقامت، صبر، تفویض، ثقہ، تسلیم، اخلاص، تواضع، فقر و غنا، تاسف و حزن اضطراب، غیبت شامل ہیں۔ [2]

اور بقا کے تحت میں حیا، رضا، شکر، صدق، ایثار، فتوت، مروت، انبساط، ادب، انس، ذکر، علم، حکمت، تعظیم، سکینہ، طمانیت، غیرت، شوق، ذوق، شہود، سرور، تمکین، مکاشفہ، حیات بالعلم، حیات بالوجود، بسط، صحو، معرفت، یقین صدق، تحقیق شامل ہیں۔

ان مقامات کی تعریف اور احوال کی تفصیل اور نفس و قلب و روح انسانی کے ساتھ ان کے ارتباط اور نتائج ارتباط اور ثمرات نتائج بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور بااین ہمہ علماً و عملاً ان کی ماہیات لفاظی سے برتر اور احوال سے متعلق ہیں۔ اس مجمل ذکر سے قارئین سمجھ سکتے ہیں کہ جس مذہب میں روحانیات کا اس قدر ذخیرہ وافر موجود ہے، اسی کو روحانی مذہب کہلانے کی شان حاصل ہے۔

---

[1] بدھ مذہب کا ہر ایک شخص بدھ کی مورتی کے سامنے پھول چڑھاتا ہے اور بدھ کی صفت و ثنا میں ایک منتر پالی زبان کا پڑھتا ہے، جس میں قریباً 15 لفظ بدھ کے ثنا کے ہیں۔ بھگوا، ارھم بھی انہی الفاظ میں سے ہے۔

[2] فنا و بقا کے تحت میں جن مقامات کا ذکر تحریر کیا گیا ہے ان کے الفاظ سے اشتباہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان سے مراد صرف لغوی معانی ہیں بلکہ علم الاحسان (تصوف اسلامی) کے یہ وہ مصطلحات ہیں جن کے مفہوم و معانی سے اس علم کے علاوہ ماہرین بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے ان الفاظ کا ثبوت اور استنباط ہوتا ہے۔

میں نے دقیق مباحث چھوڑ دیے ہیں اور اس مختصر بیان ہی سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ روحانیت کے بیان میں اسلام ہی کو درجہ خاص حاصل ہے۔

فصل سوم 3

اسلام ہی اخلاق حسنہ کا معلم ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ وَمَحَاسِنَ الْاَعْمَالِ۔ [1]

''میں بزرگ ترین اخلاق اور نیک ترین اعمال کی تکمیل کے لیے نبی بنایا گیا ہوں۔''

اسلام نے بتایا ہے کہ اخلاق رذیلہ کے منبع چار ہیں:

□ جہل □ ظلم □ شہوت □ غضب

(1) تاثیرات جہل میں سے ہے کہ اچھی شے کو بری اور بری شے کو اچھی شکل میں نمایاں کرتا ہے۔ کمال کو نقص اور نقص کو کمال دکھلاتا ہے۔

یوسف علیہ السلام فرماتے ہیں: ﴿ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ [یوسف:33]

''اگر میں عورتوں کی باتوں میں پھنس گیا تو جاہل ہو جاؤں گا۔''

(2) تاثیرات ظلم میں سے ہے کہ کسی شے کو اس کے غیر محل میں رکھا جائے۔

خوشنودی کے مقام پر خفگی، سخاوت کے مقام پر بخل، بخل کے مقام پر بذل۔ نرمی کے مقام پر سختی، سختی کے مقام پر نرمی، مقام انکسار پر تکبر اور مقام وقار پر انکسار یعنی حقوق کا غلط استعمال اور غلط استعمال پر دعویٰ استحقاق۔

قرآن پاک میں ہے: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ [لقمان:13]

''حقوق الٰہی کا غصب کرنا اور ان حقوق کا استعمال دوسرے کے لیے جائز سمجھنا بزرگ ترین بہت بڑا ظلم ہے۔''

(3) تاثیرات شہوت میں سے ہے کہ حرص، بخل اور تنگ دلی کو ترقی ہوتی ہے۔ حصہ غیر پر حملہ کیا جاتا ہے۔ وقار نفس اور پارسائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهٗ [2] ''اللہ نے ہر ایک حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔''

فرمایا: ﴿ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ سَآءَ سَبِيْلًا ﴾ [بنی اسرائیل:32]

''زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ کھلی بے حیائی ہے اور بہت بری سڑک ہے۔''

(4) تاثیر غضب سے تکبر، کینہ، حسد بغاوت اور سفاہت پیدا ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار درخواست کی کہ مجھے کچھ نصیحت فرمائی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دفعہ اسے یہی جواب دیا:

غیظ و غضب سے دور رہو۔ [3]

---

[1] موطا:904،الشفاء:207/1،الدرر المنتثرہ فی الاحادیث المشتہرہ للسیوطی :58،مسند احمد:381/2۔

[2] ابوداؤد:2007،2870،3565،ترمذی:2120،2121،نسائی:3641،3642،احمد:267/5،دارمی:244/2 [3] ابن حبان:5689،احمد:34/5

اسلام نے بتایا کہ اخلاق محمودہ کے سرچشمے چار ہیں:

صبر، عفت، شجاعت، عدل۔

(1) صبر کے نتائج ہیں: برداشت مصائب، غصہ پی جانا، عدم ایذا دہی، بردباری، خاکساری گھبراہٹ کا نہ ہونا، حملہ نہ کرنا۔

صبر کا ذکر قرآن پاک میں تقریباً نوے (90) مقامات پر ہے اور ان مقامات میں صبر کی سولہ (16) اصناف پر بیان کیا گیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نصف ایمان کا نام صبر ہے اور نصف ایمان کا نام شکر ہے۔ [1]

(2) عفت کے نتائج: رذائل و قبائح سے اجتناب، قولاً و فعلاً پاکیزگی، عفت سے حیا پیدا ہوتی ہے اور حیا کا اثر ہر ایک خلق نیک پر ہے۔ عفت سے جھوٹ، بخل، اور بدکاری کا ستیاناس ہوتا ہے۔

(3) شجاعت کے نتائج: آپ اپنی عزت کو ملحوظ رکھنا، برترین اخلاق کا جویا رہنا، مال و جان سے دوسرے کی امداد کرنا، طیش و غضب سے دور رہنا، اپنے نفس کی باگ عقل کے سپرد کر دینا۔

حدیث پاک ہے:

لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِیْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ [2]

''پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دیتا ہے، پہلوان تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہے۔''

(4) عدل کے نتائج میں اعتدال اخلاق و افراط و تفریط کو چھوڑ کر وسط کو اختیار کر لینا۔

عدل بتاتا ہے کہ جود و سخا اسے کہتے ہیں جو بخل اور اسراف کے درمیان ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حیا وہ ہے جو ذلت و بے شرمی کا میانہ ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ شجاعت اسے کہتے ہیں جو جبن اور تہور کا وسط ہو۔

عدل بتاتا ہے کہ حلم یہ ہے کہ تکبر و اہانت کے بیچ بیچ ہو۔

تصریحات بالا سے ظاہر ہے کہ اسلام نے اخلاق حسنہ کے بیان میں کس قدر زیادہ حصہ لیا ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ﴾ [الاعراف:199]

''معافی و درگزر کو عادت بناؤ، نیک کام کرنے کی ہدایت کرتے رہو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو۔''

حدیث پاک مسلم میں نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ [3] اچھے خلق ہی کا نام ''نیکی'' ہے۔ صحیحین میں ہے:

خِيَارُكُمْ اَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا [4] نیک اور بہتر وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہیں۔

---

[1] مدارج السالکین: 152/2 [2] بخاری: 6114، مسلم: 2609، ابن حبان: 717، احمد: 236/2، موطا: 98/3 [3] مسلم: 2553، ترمذی: 2389، ابن حبان: 397، دارمی: 322/2، احمد: 182/2 [4] بخاری: 3559، مسلم: 2321، ترمذی: 1975، ابن حبان: 477، احمد: 161/2

ترمذی وابوداؤد نے ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ شَیْءٍ اَثْقَلُ فِیْ مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ وَ اِنَّ اللّٰہَ لَیُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیَّ [1]

قیامت کے دن مومن کے ترازو میں سب سے زیادہ وزن دار شے اچھا خلق ہوگا، اس سے بڑھ کر کوئی شے بھاری نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک بے حیا، بدزبان سے بغض رکھتا ہے۔

ترمذی میں بروایت جابر رضی اللہ عنہ ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ وَ اَقْرَبِکُمْ مِّنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحَاسِنَکُمْ اَخْلَاقًا وَّ اِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَ اَبْعَدَکُمْ مِّنِّیْ مَجْلِسًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الثَّرْثَارُوْنَ وَالْمُتَشَدِّقُوْنَ وَالْمُتَفَیْهِقُوْنَ۔ [2]

''قیامت کے دن تم میں سے وہ شخص مجھے پیارا اور میرے دربار میں مجھ سے قریب تر ہوگا جو اچھے اخلاق والا ہے مگر چبا چبا کر باتیں بنانے والا، خوش کلامی جتانے والے اپنی خوش گپی سے دوسروں کو تھکا دینے والے مجھے ناپسند ہوں گے اور دربار میں دور تر بھی ہوں گے۔''

صحیح ترمذی کی روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَیَبْلُغُ بِہٖ دَرَجَۃَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلٰوۃِ۔ [3]

''اچھے خلق والا اس درجہ کو حاصل کر لیتا ہے، جو نفلی عبادت اور نفلی روزہ رکھنے والے کا ہوتا ہے۔''

ان احادیث سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ تکمیل ایمان اور قرب رسول ﷺ اور پسندیدگی مالک کے مدارج کے دارمدار اخلاق حسنہ ہے۔

اخلاق حسنہ کے بیان میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا تعلق انسان کی خود اپنی ذات سے بھی ہے اور ابنائے جنس سے بھی ہے اور رب العالمین کے ساتھ بھی۔

خود اپنی ذات کے متعلق یہ ہے کہ آپ اپنے کو ناقص سمجھے اور سمجھ لے کہ ناقص کے افعال بھی ناقص ہوتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان تہذیب اخلاق میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

ابنائے جنس کے متعلق یہ ہے کہ دوسروں کی ایذا دہی کو برداشت کرے، مگر خود انھیں ایذا رسانی کا ارادہ نہ کرے۔

رب العالمین کے ساتھ حسن خلق کے معنی یہ ہیں کہ جو معاملہ تیرے اور رب العالمین کے درمیان ہے اسے موجب شکر قرار دے اور احکام یا افعال الٰہی کے بارہ میں کبھی دل و زبان پر ادب اور شکر کے سوا کوئی لفظ جاری نہ ہو۔

شیخ الاولیاء سند الاصفیاء سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: کُنْ مَعَ الْحَقِّ بِلَا خَلْقٍ وَ مَعَ الْخَلْقِ بِلَا نَفْسٍ اللہ کے ساتھ تیرا معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ اس میں مخلوق کا ذرا تعلق نہ ہو اور مخلوق کے ساتھ تیرا معاملہ ایسا ہونا چاہیے کہ تیرے نفس کا اس میں کچھ حصہ نہ ہو۔

یہ ہیں وہ اخلاق حسنہ، جن کی تکمیل اسلام نے قولاً و فعلاً فرمائی ہے۔

---

[1] ابوداؤد: 4799، ترمذی 2002، ابن حبان: 481، احمد 446/6 [2] ابن حبان: 482، ترمذی: 2018، احمد 193/4

[3] ابوداؤد: 4798، ابن حبان: 480، احمد: 96/6

تھوڑی سی تفصیل اور بھی سن لیجیے۔

① اسلام فقراء و مساکین کا حصہ مال زکوۃ میں واجب ٹھہراتا ہے اور قرار دیتا ہے کہ اس صفت کی کل آمدنی کا آٹھواں حصہ ان کو ضرور مل جانا چاہیے۔

② مال غنیمت کے خمس میں سے مساکین و یتامیٰ کا پانچواں حصہ لابدی ہے۔

③ آمدنی فے (وہ مال جو بغیر لڑے دشمنوں سے ملے) میں بھی کل کا ایک خمس مساکین و یتامیٰ کا حصہ ہے۔

④ ابنائے سبیل بھی ان ہر سہ ابواب میں حصہ یاب ہوتے ہیں اور اس انتظام سے کل عالم اسلام مسافر کے لیے اپنا گھر بن جاتا ہے۔

⑤ قرض داروں اور قرض کے تحت میں زیر بار لوگوں کی رہائی کا انتظام سلطنت اسلامی پر ڈالا گیا ہے۔

⑥ غلاموں کی آزادی کے لیے زکوۃ کا آٹھواں حصہ خاص طور پر علیحدہ کیا گیا ہے، اور بعد ازاں اسی صیغہ میں چندہ دہی ضروری و لابدی قرار دیا گیا ہے۔ اگر کسی مذہب نے فقراء و مساکین اور یتامیٰ و ایامیٰ اور غلامان و مقروضین کے لیے سلطنت کے بجٹ میں مستقل رقوم درج کرنے کے احکام دیے ہوں تو ان کی نظیر پیش ہونی چاہیے۔

اسلام پابندی معاہدات کو نہایت ہی زور کے ساتھ محکم فرماتا ہے اور فریق معاہد کی معاہدہ شکنی کے بعد بھی اگر الٹی میٹم کی نوبت آ جائے تو دشمن کو چار ماہ تک مہلت عطا فرماتا ہے۔

اسلام اخلاقی تعلیم صرف نمائش و نمود کے طور پر نہیں دیتا ہے، بلکہ جوارح واعضاء کے ساتھ ساتھ وہ دل و دماغ کو بھی اسی تعلیم کا پابند بناتا ہے۔ ذرا احکام ذیل پر غور کرو۔

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا ﴾ [الاعراف:33]

''اے نبی کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل اشیاء کو حرام ٹھہراتا ہے (ابنائے جنس کے مقابلہ میں) فحش، بے حیائی کی سب قسموں کو جن کا تعلق ظاہری یا باطنی حالات سے ہو اور شرک جس کی کوئی دلیل نہیں۔''

(خود اپنے مقابلہ میں) گناہ کی جملہ اقسام (سلطنت کے مقابلہ میں) بغاوت و سرکشی (اللہ کے مقابلہ میں) بے علمی کے ساتھ باتیں بنانا۔

حکم ثانی سنو:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ﴾ [النحل:90]

''اللہ جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ یہ ہیں: عدل اور احسان اور قرابت والوں سے فیاضانہ سلوک، اللہ جن چیزوں کے کرنے سے قطعاً روکتا ہے وہ یہ ہیں: سب بے حیائیاں، سب ایسے کام جو قابل انکار ہوں اور بغاوت۔''

تیسرا حکم:

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِی الْقُرْبٰی وَالْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء:36]

مندرجہ ذیل اشخاص کے ساتھ احسان کیا کرو:

① والدین ② یتامیٰ ③ مساکین ④ ساتھ لگتا ہمسایہ ⑤ دور کا ہمسایہ ⑥ تمھاری رفاقت میں رہنے والا شخص ⑦ مسافر ⑧ لونڈی، غلام۔

صحیح بخاری میں ہے، جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ مامون نہیں، وہ صاحب ایمان ہی نہیں۔ [1]

صحیح مسلم میں ہے، جس کی فتنہ پردازی سے ہمسایہ کو چین نہیں، وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ [2]

صحیحین میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرَامِلَةِ وَالْمَسٰكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ [3]

''رانڈ عورتوں اور مسکین لوگوں کے کام کاج کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا ہے۔''

صحیح بخاری میں بروایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ ہے:

اَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيْمِ فِی الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَ اَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰی وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا [4]

''جنت میں میں اور یتیم کا خبر لینے والا ایسے ہوں گے جیسے یہ دو انگلیاں (شہادت اور درمیانی انگلیوں میں ذرا سا فرق دکھلا کر سمجھایا کہ اس طرح)۔''

ابوداود میں علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا۔

اَلصَّلٰوةُ اَلصَّلٰوةُ اِتَّقُوا اللّٰهَ فِیْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ [5]

نماز، نماز، اور لونڈی غلاموں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا تقویٰ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۝ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴾ [لقمان:18-19]

1. غرور میں آ کر لوگوں کی طرف سے اپنا منہ کج نہ کیا کرو۔
2. زمین پر اکڑ کر نہ چل۔
3. اللہ تو ہر ایک چالباز فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔
4. اپنی رفتار میں میانہ روی رکھ۔
5. اپنی آواز کو پست و نرم رکھ۔
6. دیکھ آوازوں میں سخت و درشت آواز تو گدھے کی ہے۔

---

[1] بخاری:6016، شعب الایمان:5525، مسند الطیالسی:310 [2] مسلم:172، بیہقی:5524، احمد:387/1، شعب الایمان:9535

[3] بخاری:6007، مسلم:2982، ترمذی:1969، ابن حبان:4245، ابن ماجہ:2140 [4] بخاری:5304، ابوداود:5150، ترمذی:1918، احمد:333/5

[5] ابوداود:5156، ابن ماجہ:2697، ابن حبان:6605، احمد:117/3

قوم اور ملک کے متعلق اخلاق:

1. ﴿ وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ﴾ [الحجرات:9]

''اگر مومنوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تب سب مل کر ان دونوں میں صلح کرادیں۔''

2. ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ﴾ [الحجرات:11]

''اے ایمان والو کوئی قوم دوسری قوم سے ٹھٹھا نہ کرے، شاید وہی ان سے اچھی ہو، نہ عورتوں سے ٹھٹھا کریں، شاید وہی ان سے اچھی ہوں، تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا لقب تجویز کرو۔''

3. ﴿ اِجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ﴾ [الحجرات:12]

''بچو بہت گمانوں سے کیوں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ کسی کا عیب تلاش نہ کرو اور نہ کسی کی چغلی کیا کرو۔''

غیر مذاہب والوں سے سلوک:

1. ﴿ لَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِیَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ﴾ [الممتحنۃ:8]

''جو لوگ ایسے ہیں کہ انھوں نے تمھارے ساتھ نہ تو دین کے لیے جنگ کی اور نہ تم کو خارج از وطن کیا، ان سے نیکی کرنے اور صحیح صحیح انصاف کرنے میں تم کو اللہ نے کبھی بھی منع نہیں کیا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں سے پیار رکھتا ہے۔''

2. ﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾

''اللہ کا حکم تمھارے لیے یہ ہے کہ جس کی امانت ہو اسی کو ادا کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل کے ساتھ کیا کرو۔'' [النساء:58]

ایسے احکام بیسیوں ہیں اور یہ وہ اخلاق ہیں، جن پر قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے عمل کر کے دکھلایا اور جن کی تعلیم انھوں نے علماً و عملاً ہر دو طریق سے کل دنیا کو دی۔

اسلام کے سوا دیگر مذاہب کی تاریخ کے اوراق کیا دکھلاتے ہیں، اہل نظر خود آنکھ کھول کر دیکھ لیں۔

فصل چہارم 4

اسلام ہی نے رحم وعدل کے مسئلہ کو حل کر دیا

موجودہ عیسائیت کی بنیاد دو اصولوں پر ہے:

1. آدم نے گناہ کیا اور اس کی تمام نسل اسی گناہ سے آلودہ ہے۔
2. اللہ کے رحم نے چاہا کہ لوگوں کو گناہ سے پاک ٹھہرائے، لیکن اللہ کے عدل نے چاہا کہ گناہ کا خمیازہ ضرور اٹھانا ہوگا۔

اللہ نے اس مشکل کو اس طرح حل کیا کہ اپنے بیٹے کو دنیا میں بھیجا، وہ لعنتی ٹھہرا، جہنم میں گیا، دکھ درد اور عذاب اپنے اوپر

برداشت کیے اور وہ گناہ گاروں کا کفارہ بنا۔ اس طرح عدل پورا ہو گیا۔ رحم الٰہی نے تب گنہگاروں کو معاف کر دیا۔

اسلام نے ہر دو اصول بالا کی صحت فرمائی۔

گناہ آدم علیہ السلام کے متعلق فرمایا کہ توبہ کی وجہ سے آدم کو معافی مل گئی تھی اور آدم علیہ السلام گناہ سے پاک ٹھہرے تھے، لہٰذا بنی آدم کو گناہ کا ورثہ میں ملنا قطعاً غلط ہے۔

1. ﴿فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [البقرۃ:37]

"آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے۔ ان کلمات کی وجہ سے اللہ نے ان پر رجوع کیا۔ اللہ تو بہت رجوع کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

2. ﴿ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدٰى﴾ [طٰہٰ:122]

"پھر رب نے آدم علیہ السلام کو برگزیدہ کیا اور اس پر توجہ فرمائی اور اسے راہ دکھائی۔"

عدل و رحم کے متعلق اسلام نے بتلایا کہ بے گناہ کو گناہ گار کے بدلے سزا دینا سراسر ظلم ہے۔ اس لیے پاکباز مسیح علیہ السلام کا لعنتی ہو کر جہنم میں جانا بھی غلط ہے۔

علیٰ ھذا گنہگاروں پر رحم کی غرض سے کسی بے گناہ کو عذاب دینا بھی رحم کے قطعاً خلاف ہے۔

1. حقوق اللہ جو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کے متعلق مکمل رحم اور پوری رافت و شفقت سے کام لیتا ہے۔
2. حقوق العباد، بندوں کے حقوق بندوں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ عدل سے کام لیتا ہے۔ اس مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يُغْفَرُ كُلُّ ذَنْبٍ لِلشَّهِيْدِ اِلَّا الدَّيْنَ [1]

"شہید کے سب گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، مگر قرضہ نہیں۔"

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حقوق کی یہ جداگانہ تقسیم اور ہر ایک تقسیم کا رحم اور عدل کے تحت میں ہونا ایک ایسا فیصلہ ہے جو اسلام ہی نے صادر کیا ہے۔

ورنہ موجودہ عیسائیت نے یا آواگون کے چکر میں گھومنے والوں نے تو اس مسئلہ کو سخت پیچیدہ اور ناقابل حل ہی بنا دیا تھا۔

کریم اہنسا کا مسئلہ پرمیشر کو رحم سے معرا ٹھہراتا تھا اور کفارہ کا مسئلہ عدل کے منافی تھا۔

اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس نے افراط و تفریط کو چھوڑ کر اعتدال حقیقی کی سڑک قائم فرما دی ہے۔

---

[1] مسلم: 4883، 4884

فصل پنجم 5

اسلام ہی علم اور علماء کا حامی ہے

موجودہ زمانہ میں علمی فضیلت کا بیان یا شرافت علمی کے دلائل بیان کرنا تحصیل حاصل ہے کیوں کہ اس زمانہ میں تمام عالم کے جملہ ممالک اور اقوام نے علاوعملاً تسلیم کرلیا ہے کہ ''علم'' کے برابر اور کسی صفت انسانی کا درجہ نہیں۔

لیکن جس زمانہ میں اسلام کا آغاز عرب وحجاز میں ہوا، اس وقت تمام دنیا فضیلت علمی کے راز سے بالکل جاہل وغافل تھی۔

عرب تو نوشت وخواند سے بھی معرّا ومبرّا تھا اور اسے اپنی اس حالت پر ناز بھی تھا، لیکن یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی تعلیم کا نام ونشان نہ تھا جو تعلیم پادریوں میں پائی جاتی تھی وہ صرف بائبل کے حروف کے سیکھ لینے تک محدود تھی۔ اسکے ساتھ ترجمہ وتفسیر شامل نہ تھے، یا ان بے سروپا داستانوں کو علم حقیقی کا درجہ دیا گیا تھا، جو یہودیوں میں کبھی بطور ناول لکھی گئی تھیں اور پھر ان کا درجہ وحی کے برابر تسلیم کر لیا گیا تھا۔

(1) ہندوستان پر شریمد باگوت اور 18 پرانوں کی حکومت تھی۔ بہت زیادہ ترقی کی حالت میں مہابھارت اور رامائن کے قصے منتہائے علم سمجھے جاتے تھے۔

یہی حال چین اور ایران کا تھا، یورپ قطعاً جہالت کدہ تھا۔

اسلام ہی نے علم کو اپنی سرپرستی میں لیا اور اسلام ہی علماء کا مامن وملجا بنا۔

(2) دیوتاؤں اور فرشتوں کی برتری سے ہنود اور یہود کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور انسان کو ہمیشہ ان کے سامنے ایک پرستار اور پجاری کی شکل میں ظاہر کیا گیا ہے۔

مگر اسلام نے بتایا کہ ابوالبشر علیہ السلام تو ملائکہ اور دیوتاؤں کا بھی مسجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوالبشر علیہ السلام صفت علمیہ میں ان سے بڑھ گیا تھا، وہ بیان جو سورہ بقرہ میں موجود ہے، اس کا مقصود علم ہی کی فضیلت کو ظاہر کرنا ہے۔

اب آیت ﴿ مَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ ﴾ [المائدہ:4] کی تفسیر پر غور کرو کہ وہ کتا جو نجس العین ہے، تعلیم وتعلم کے بعد شکار کرنے میں جارحہ انسانی کا منصب حاصل کر لیتا ہے۔ اس کا شکار خود انسان کے شکار کا حکم دیتا ہے۔

جب ان دونوں مثالوں پر غور کیا جائے گا کہ اسلام نے تعلیم کی وجہ سے شکاری کتے کو درجہ جارحہ انسانی کے مساوی تسلیم کرلیا اور انسان کو مسجود ہونا بہ وجہ افزونی علم قرار دیا تو ہر ایک شخص سمجھ سکے گا کہ اسلام کس قدر زیادہ علم کی فضیلت کا مظہر ہے۔

ہاں قرآن پاک میں ہے:

﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَ الَّذِينَ اُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴾ [المجادلہ:11]

''اللہ درجات بلند فرماتا ہے: (1) ان کے جو تم میں سے ایمان والے ہیں (2) اور ان کے جن کو علم ملا ہے۔''

یہاں بلندی درجات میں علم کو ایمان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

یہ قرآن مجید ہی ہے جس کی وحی ابتدائی فقرات میں یہ کلمات طیبات موجود ہیں:

﴿ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ﴾ [العلق:3-5]

''پڑھ اور تیرا رب تو بڑے کرم والا ہے، اس نے قلم کے ذریعہ سے علم کی تعلیم دی، اسی سے انسان کو ان علوم کی تعلیم دی جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔''

غور کرو، پڑھنے کی تاکید اور قلم کو نشر علوم کا ذریعہ بتانے کا بیان، انسان کا قابل تعلیم ہونا، انسان کا نامعلوم علوم کی تعلیم سے مشرف ہوتے رہنا کیسے اسلوب پاک میں بیان فرمایا گیا، اور قراءت و تحریر کے وسائل اختیار کرنے کے بعد کس طرح انسان کو روز افزوں معلومات کے حاصل کرنے کا شوق دلایا گیا ہے۔

قرآن مجید میں یہ بھی پایا جاتا ہے کہ بعض انبیاء کی دعائیں خاص رنگ میں تھیں۔ مثلاً دعا نوح علیہ السلام ہے:

﴿ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ﴾ [نوح:28]

''اے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے جو مومن ہو کر میرے گھر میں داخل ہو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔''

دعائے ابراہیم علیہ السلام ہے:

﴿ وَاجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴾ [ابراہیم:35]

''مجھے اور میرے فرزندوں کو بتوں کی پوجا سے بچائیں۔''

دعائے سلیمان علیہ السلام:

﴿ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ﴾ [ص:35]

''اے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو شایاں نہ ہو۔''

دعائے زکریا علیہ السلام:

﴿ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ﴾ [آل عمران:38]

''اے رب مجھے ایک پاکیزہ بچہ عطا فرما۔''

لیکن سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ جو خلاصہ موجودات اور سرور کائنات ہیں، کی دعا سب سے الگ اور سب سے جامع ترتھی۔ وہ یہ دعا تھی۔

﴿ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴾ [طٰہٰ:114] ''اے رب مجھے علم میں افزونی عطا فرما۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم کا درجہ جملہ نعمائے عالیہ سے برتر ہے۔

قرآن مجید میں نبی کریم ﷺ کے خطابات اور القاب عالیہ مثلاً خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین بھی ہیں اور انہی کے پہلو بہ پہلو حضور کی توصیف ان الفاظ میں بھی فرمائی گئی ہے۔

﴿ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ [البقرۃ:151]

''وہ کتاب اور حکمت کا معلم ہے، وہ ان علوم کا معلم ہے جسے انسان نہ جانتے تھے۔''

ہر دو آیات سے علم کی فضیلت نمایاں ہے۔ بے شک اسلام ہی ہے جس نے علوم عام کی تعلیم دی ہے اور اسلام ہی ہے، جس

نے سابقون الاولون اور انصار و مہاجرین کے علوم کو نو مسلم اور نو مفتوحہ ممالک میں پوری فیاضی کے ساتھ پہنچایا ہے۔ نظائر ذیل پر غور کرو۔

- ☐ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ رحمہ اللہ صاحب الصحیح ہیں، اور ان کی کتاب صحاح ستہ میں سب سے اول درجہ پر ہے۔ یہ بخارا کے باشندے ہیں۔ ان کے نسب میں مغیرہ پہلا شخص ہے جو داخل اسلام ہوا۔
- ☐ امام ہمام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ اہل فارس سے ہیں اور ان کے دادا ہی داخل اسلام ہوئے تھے۔
- ☐ سیبویہ اور بوعلی اور زجاج جو ائمہ لغت و نحو ہیں عربی النسل نہیں۔
- ☐ امام اللغت اسماعیل بن محمد جوہری اور استاد مجد الدین ابوطاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی عرب کے باشندے نہیں۔ [1]
- ☐ ابوالفرج جس کی تصانیف عربی زبان میں خوب مشہور ہیں، مالٹا کا باشندہ ہے۔
- ☐ ابن خلدون جو فلسفہ تاریخ کا موجد ہے، تیونس میں پیدا ہوا تھا۔ [2]
- ☐ مؤرخ الشہیر برہان الدین موصل کے ہیں۔
- ☐ مقریزی بعلبک میں پیدا ہوا تھا، امام مسلم صاحب الصحیح اور امام ابوداؤد صاحب السنن گو نسلاً عرب ہیں مگر وطن ان کا عرب نہ تھا۔

ان نظائر سے واضح ہے کہ یہ اسلام ہی کی علم نوازی ہے کہ اس نے بدو ظہور سے ہر ایک قوم پر ابواب علم کو کشادہ کر دیا تھا اور اندرون ہندوستان سے لے کر انتہائے سوڈان تک اور بلاد خراسان سے لے کر مراکش تک دروس علمیہ کا افتتاح خیر القرون ہی میں ہو گیا تھا۔ انبیاء علیہم السلام کو جو شرف کرامت جملہ مخلوق الٰہی پر حاصل ہے، اسے بھی اللہ تعالیٰ نے وصف علم ہی سے نمایاں فرمایا ہے:

﴿ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ ﴾ [مریم:43]

''(ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں) اے باپ مجھے علم حاصل ہو گیا ہے۔''

﴿ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ﴾ [النمل:15] ''داؤد اور سلیمان علیہما السلام کو ہم نے علم سکھایا تھا۔''

﴿ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ ﴾ [یوسف:68] ''یعقوب والا علم ہم نے اسے سکھایا تھا۔''

لوگ طلب علم کی تاکید کے ثبوت میں اُطْلُبُوْا الْعِلْمَ لَوْ کَانَ بِالصِّیْنِ پڑھا کرتے ہیں۔ ان الفاظ کا نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہونا قطعاً غلط ہے، مگر قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ موجود ہے۔ یہ اولوالعزم رسول اور صاحب کتاب نبی چند مسائل کی تعلیم کے لیے ایک دوسرے نبی خضر علیہ السلام کے پاس پہنچے تھے اور ﴿ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ [الکہف:66] کے الفاظ میں اپنی طلب کا اظہار کیا تھا کہ جو آپ کو معلوم ہے، میں اسے سیکھنے کو آیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے دلائل توحید کے ثبوت میں علماء کو بھی پیش کیا ہے، جیسا کہ اس مسئلہ کو اپنی شہادت اور ملائکہ کی شہادت سے مستحکم فرمایا ہے۔

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ ﴾ [آل عمران:18]

''اللہ نے ظاہر کر دیا ہے کہ اس کے سوا اور کوئی بھی معبود نہیں، ملائکہ اور صاحبان علم کی شہادت بھی یہی ہے۔''

---

[1] معروف لغت نویس، پیدائش: 1329-1415 [2] ابن خلدون رحمہ اللہ معروف ماہر عمرانیات، تاریخ نویس، پیدائش: 1333 تیونس، وفات: 1406 مصر

اللہ تعالیٰ نے نبوت محمدیہ ﷺ کے ثبوت میں علماء اہل کتاب کی شہادت کو بھی پیش کیا ہے۔

﴿ اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ اٰیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴾ [الشعراء:197]

''کیا ان کے لیے یہی نشانی کافی نہیں کہ علماء بنی اسرائیل کو اس کا علم ہے۔''

﴿ وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ ﴾

''کافر کہتے ہیں کہ تو مرسل نہیں، کہہ دے کہ اللہ مجھ میں اور تم میں شاہد ہے اور وہ شخص بھی گواہ ہے جس کے پاس تورات و انجیل کا علم ہے۔'' [الرعد:43]

دلائل اسلام جس طرح مبنی بر علم ہے اسی طرح ان کا مطالبہ بھی ادیان دیگر سے کیا گیا ہے کہ وہ بھی اپنے دعاوی کو بروئے علم ثابت کریں۔

① ﴿ قُلْ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْہُ لَنَا ﴾ [الانعام:148]

''ان سے پوچھیے کہ تمھارے پاس کچھ علم بھی ہے تو اسے ہمارے لیے پیش تو کرو۔''

② ﴿ نَبِّءُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ [الانعام:143]

''اگر تم سچے ہو تو مجھے کسی علم سے یہ بات بتاؤ۔''

کج بحثی کرنے والوں پر بھی اسلام کا یہی اعتراض ہے کہ وہ علم کے بغیر باتیں بناتے ہیں

① ﴿ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْ مَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ ﴾ [الانعام:66]

''جس چیز کا علم نہیں، اس میں کج بحثی کیوں کرتے ہو۔''

② ﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا ﴾

''اس چیز کے پیچھے نہ چل جس کا تجھ کو علم نہیں۔ بے شک کان، آنکھ، دل (یہ سب) اس کی بابت پوچھے جائیں گے۔'' [بنی اسرائیل:36]

ان آیات واحکامات کی تعمیل میں علم برداران اسلام یعنی اسلاف کرام نے جو کچھ کیا آج تمام یورپ اس کا شاہد ہے۔

سلطنت عباسیہ بغداد اور سلطنت امویہ اندلس میں اور سلطنت فاطمیہ مصر میں جن دنوں قائم تھیں ان میں تنافس باہمی صرف ترقی علم اور حمایت علماء کی بابت پایا جاتا ہے۔ یہ ایک آیت کی سعی وکوشش یہ تھی کہ اسی کی سلطنت سب سے بڑھ کر مربی علم وعلماء ثابت ہو، سمرقند کی رصدگاہ اندلس کی رصدگاہ کے مقابلہ میں موجود تھی۔

بغداد نے علوم وفنون کو ہند اور چین اور تاتار تک پھیلا دیا تو اندلس نے اٹلی وفرانس اور جرمنی کو دولت علم سے مالا مال کر دیا تھا۔

سلاطین اسلام کے دربار میں یہودی، عیسائی، ہندو، مصری، چینی، یونانی، فلاسفر اسی طرح احترام کے ساتھ پرورش پا رہے تھے، جس طرح حجازی، حضرمی، یمنی، اور فرزندان مہاجر وانصار علوم ومنقول اور ادب ونحو کے ساتھ ساتھ علوم ریاضیہ، فلسفہ، ہیئت کا رواج تھا۔

مشرق ومغرب وافریقہ میں مدارس عام تھے اور ہر ایک مدرسہ کے ساتھ کتب خانے اور دارالقیام بنے ہوئے تھے۔ بغداد میں وزیر نظام الملک کا بنایا ہوا مدرسہ نظامیہ وہ تھا، جس میں چھ ہزار (6000) طالب علموں کی خوراک کا انتظام منجانب مدرسہ کیا جاتا تھا۔ اسی سے دیگر مدارس کا اندازہ لگاؤ۔

اسلام نے علوم کو جس خصوصیت سے خلائق کے سامنے روشناس کیا ہے، وہ طریق ہے جس سے اقوام ماضیہ قطعاً بے علم رہی ہیں۔

اسلام علوم کو دو اقسام پر تقسیم کرتا ہے:

الف: جلی اور اس کے حصول کے تین (3) ذرائع ہیں:

1. بصر، وہ جملہ علوم جو معائنہ واکتشافات سے تعلق رکھتے ہیں۔
2. سمع، وہ جملہ علوم جو استفاضہ پر مبنی ہیں۔
3. قلب، وہ جملہ علوم جو تجارب انسانی کا مجموعہ ہیں۔

ب: خفی اور اس کے حصول کے بھی تین (3) ذرائع ہیں:

1. ایمان، جو جزو معلوم سے جزو غیر معلوم کو تیقن دلاتا ہے۔
2. فراست صادقہ، جو حواس عشرہ کے بعد امور مخفی کے راز پر مطلع ہوتی ہے۔
3. معرفت، جس کا آغاز مادیات کے انجام سے ہوتا ہے۔

اسلام نے ایک اور علم کا ذکر کیا ہے جو اکتسابی نہیں اور خالصۃً وہبی ہے۔ اسے علم لدنی کہا جاتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے۔ اس علم کا متعلم مبداء فیاض کی رحمت خاصہ سے سبق لیتا ہے اور اس کا علم جملہ علوم وبراہین کا سلطان ہوتا ہے، اسی علم کے سایہ میں۔

- ☐ عبودیت
- ☐ متابعت
- ☐ صدق

کو کمال حاصل ہوتا ہے اور اسی کمال کا نتیجہ نفی دعویٰ ہے۔

اسی علم کا عالم اگر کوئی فعل سرانجام دیتا ہے ﴿مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ﴾ [الکہف:82] کو وجہ موجہ قرار دیتا ہے اسی علم کا عالم جملہ علوم پر نطق ہمایوں سے کلام کرتا ہے اور ﴿ وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾ [النجم:3-4] کا تاج اس کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

فریفتگان مادہ اب تک نہ مادہ کی حقیقت سے واقف ہوئے اور نہ مادہ کی حرکت کی کوئی توجیہ ان کی سمجھ میں آئی۔

لیکن اس علم کا عالم روح کی حقیقت کا انکشاف کرتا ہے۔ ﴿ اَلرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ﴾ [بنی اسرائیل:85] (روح تو میرے رب کا حکم ہے) بتاتا ہے، وہ عالم خلق سے بالاتر ایک عالم امر کے حقائق سے مطلع ہو جاتا ہے اور ان حقائق کی تعلیم سے چشم بصیرت کو روشن بنا دیتا ہے اور غیر محسوس کو معلوم کے دریچہ پر بٹھا دیتا ہے۔

اس تمام مبحث پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ اسلام ہی دین العلم ہے اور اسلام ہی حامی العلم ہے۔

تذئیل

اسلام کے حامی العلماء ہونے کا مضمون ان نظائر سے مکمل ہو جاتا ہے، جن سے ظاہر ہے کہ مسلمان حکمرانوں نے جن کے وجود کے ساتھ دینی شان کا نشان بھی مشہور تھا۔ان علماء کی بھی نگہداشت فرمائی تھی۔جو غیر مسلم تھے۔

منصور عباسی: علوم القرآن والحدیث کا زبردست عالم تھا۔اس کے دربار میں جیورجیش بن بختشوع اور جیسی بن شہلا ثارر ہردو عیسائی یکے بعد دیگرے طبیب خاص کے منصب پر مامور تھے

نو بخت اور ابو سہل (ہر دو پارسی) بلند ترین جاہ پر متمکن تھے۔

مہدی کے دربار میں، تیوفیل، لیمائی (مذہبا صابی) بڑے افسروں میں تھا۔

ہارون رشید کے دربار میں بختیشوع اور جبریل (عیسائی) اعلیٰ منصب دار تھے۔

یوحنا بن ماسویہ سریانی محکمہ تعلیم کا ڈائریکٹر تھا۔

مامون کے دربار میں، بطریق یوحنا اور سہل بن سابور (ہر دو عیسائی) اعلیٰ مناصب پر تھے

معتصم کا طبیب خاص سلمویہ بن بنان نصرانی تھا۔

متوکل کے دربار میں، حسنین بن اسحٰق نصرانی کا منصب بالاتر تھا، وہ جتنے اوراق دوسری زبانوں سے ترجمہ کر کے پیش کرتا تھا، ان کے برابر طلائے ناب اسے وزن کر دیا جاتا تھا۔ماہانہ مشاہرہ اور سالانہ انعامات اس سے علاوہ ہوتے تھے۔

راضی باللہ کے دربار میں طیفوری، نصرانی، متی بن یونس نطوری (گرجا کا بشپ) بھی تھا

معتضد کے دربار میں، ابراہیم وسنان فرزندان ثابت بن مرہ اور ابوالحسن حفید ثابت (مذہبی صابی) بہت معتمد علیہ تھے۔

قسطا بعلبکی اور یحییٰ بن عدی بن حمید (ہر دو نصرانی) بھی دربار خلافت میں محسودانہ وقار رکھتے تھے۔

الغرض یہ فہرست بہت لمبی ہے۔

اب تلاش کرو کہ کسی مسیحی سلطنت یا کسی اور غیر مسلم سلطنت وحکومت میں بھی کسی مسلم عالم کی یہ قدر، یہ وقعت، یہ عزت کبھی کی گئی ہے۔

ہاں! اس کے برعکس ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہ ابن رشد مسلم فلاسفر کی کتابوں کے مطالعہ کرنے کے جرم میں 20 / مارچ 1452ء میں یہودیوں کو اسپانیا سے خارج کیا گیا اور فروری 1902ء میں اشبلیہ اور ماحول کے مسلمانوں کو بھی نشر علوم کے جرم میں وطن مالوفہ سے جبراً نکال دیا گیا۔

نظائر بالا سے شاید کسی شخص کا گمان ادھر منتقل ہو جائے کہ یہود و مسلمین کا اخراج غالباً تعصب قومی کی بنیاد پر ہوا ہوگا اور نفس علوم کے ساتھ تعصب و عادات کا اس میں دخل نہ ہوگا۔لہٰذا ہم امثلہ ذیل پیش کریں گے کہ خود عیسائیوں کے علماء کے ساتھ بھی علوم معقول کی اشاعت یا اکتشافات علمیہ کے اعلان کے بعد یہی سلوک کیا جائے گا۔

پروفیسر برونو (Prof.Jerunu) نے مسئلہ وحدت الوجود کو بیان کیا، اسے قید کر دیا گیا اور 1600ء میں حبس طویل کے بعد زندہ جلا دیا گیا۔

کرویت ارض کے مسئلہ پر یورپ میں بہت خون ریزی ہوئی۔

پروفیسر غالیلی (Prof.Galileo) نے کہہ دیا تھا کہ حرکات نجوم بہت باقاعدہ ہیں۔یہی مقولہ اس کی ہلاکت کا موجب ہوا۔

خاتون ماری مونتا (Mary Monta) 1721ء میں قسطنطنیہ سے چیچک کا ٹیکہ سیکھ کر یورپ پہنچی تو کنیسہ نے شاہ انگلستان کے حضور میں عرضداشت پیش کی کہ بذریعہ ٹیکہ علاج کیے جانے کے قائدہ کو حکماً بند کیا جائے۔

امریکہ میں ولادت کے وقت عورت کو مخدر کرنے کا طریقہ نکلا تا کہ وہ احساس تکلیف سے ماموں رہے۔ پادریوں نے اسے اللہ کے اس حکم کی مخالفت سمجھا کہ عورت دکھ سے جنے گی اور اس کے خلاف سخت شورش کی گئی۔

پلاج (Pillage) نے کہہ دیا کہ آدم علیہ السلام سے پیشتر بھی موت (حیوانات وغیرہ کو) آتی تھی اسے قتل کیا گیا اور اس کے جملہ ہم عقیدہ لوگوں کو واجب القتل قرار دیا گیا۔

ڈی رومینس (DeRomense) نے بیان کیا کہ قوس قزح، اللہ کی حربی کمان نہیں، بلکہ پانی کے قطرات پر سورج کی شعاؤں کا عکس پڑنے کے نتیجہ ہے۔ اس جرم میں وہ قید کیا گیا، قتل کیا گیا، اس کا لاشہ مع اس کی تصانیف کے جلا دیا گیا۔

کتب خانہ اسکندریہ، قیصر جول کے وقت میں جلا دیا گیا۔ اس لیے کہ یہاں ایسی کتابیں بھی موجود ہیں جو مذہب کے خلاف ہیں، اس کی رہی سہی کتابوں کو بطریق تیوفیل ماموره اسکندریہ نے نذر آتش کیا۔

کتب خانہ غرناطہ مسلمانوں کی علمی جائداد کی آٹھ ہزار (8000) قلمی کتابیں کردینال اکسیمس نے سوخت کردیں۔ ①

ان جملہ واقعات وبیانات وتشریحات سے یہ نتیجہ صاف مبرہن ہے کہ اسلام ہی ''حامی العلم والعلماء'' ہے اور یہ صفت اس کے خصائص علیا میں سے ہے۔

فصل ششم 6

اسلام ہی دین العمل ہے

سابقہ مضمون میں تحریر ہو چکا ہے کہ اسلام ہی دین العلم ہے، لیکن اگر علم کے ساتھ عمل شامل نہ ہو تو اس کا علم ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلاً مُّتَقَبَّلاً۔ ② ''اے اللہ میں تجھ سے نافع علم اور عمل مقبول کا سوال کرتا ہوں۔''

بعض لوگوں نے یہ دیکھ کر کہ اسلام نے توکل کی تعلیم دی ہے، یہ سمجھ لیا ہے اسلام عمل کے منافی ہے، اس غلطی مین وہ بھی مبتلا ہوئے جو دور دور سے اسلام کو دیکھنے والے ہیں اور وہ بھی اس غلطی کا شکار ہوئے جو اسلام کے اندر ہیں۔ اس غلطی کا اولین سبب یہ بھی ہوا کہ توکل کے معنی بھی نہ سمجھے گئے۔

موجودہ زمانہ سعی وکوشش کا زمانہ ہے۔ جمود وبے حسی سے نفرت کی جاتی ہے، لہٰذا جب یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایسی بے حسی اور جمود کا طرف دار ہے تو جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ اسلام دین الٰہی نہیں ہو سکتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کو سمجھا ہی نہیں گیا اور ہادی اسلام نیز علمبرداران اسلام کی سیرت کا مطالعہ ہی نہیں کیا گیا۔

مسلمانوں پر ہمسایہ اقوام کا سایہ پڑا اور انھوں نے جوگیوں، سنیاسیوں، راہبوں اور پوپوں کو دیکھ کر یہ سمجھا کہ زہد کے اعلیٰ مناصب پر ترک افعال اور ترک عمل ہی سے فائز ہو سکتے ہیں۔ یہ ان کی اپنی سمجھ ہے، اسلام کی تعلیم تو یہ ہے:

---

① تہذیب الاسماء للنووی۔ ② مسند امام احمد: 294/6، اذکار للنووی: 70، عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی: 108

1 ﴿ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَه، جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [التوبہ:88]

''رسول اور اس کے ساتھ والے ایمان داروں نے تو مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا ہے۔ انھی کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔''

2 ﴿ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ وَ اَنَّ سَعْيَه، سَوْفَ يُرٰى ﴾ [النجم :39-40]

''نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو اس نے کوشش کی اور بے شک وہ اپنی کوشش ضرور دیکھ لے گا۔''

3 ﴿ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِه ○ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ ﴾ [الانبیاء:94]

''جو کوئی عمل کرتا ہے اچھے، ایمان کے ساتھ، اس کی کوشش ضائع نہ ہوگی۔''

4 ﴿ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾ [الانعام:132]

''ہر ایک کے لیے انکے عمل کے موافق درجہ ہیں۔''

عمل کی دو اقسام ہیں: عمل برائے دنیا، عمل برائے آخرت اور اسلام نے ہر دو کے لیے ترغیب دی ہے:

﴿ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ [البقرۃ:201]

''اے رب! ہم کو دنیا بھی اچھی دے اور آخرت بھی اچھی دے اور ہم کو عذاب نار سے بچالے۔''

صحیح مسلم میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے:

اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ وَلَا تَعْجِزْ۔ [1]

''جو چیز تجھے نفع دینے والی ہو اس کی رغبت اور حرص پیدا کر اور اللہ سے مدد چاہا کر اور عاجز ہو کر مت بیٹھ۔''

صحیحین میں بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے کہ سعد بیمار ہوئے، نبی ﷺ ان کی عیادت کو گئے۔ سعد نے حضور ﷺ سے مشورہ چاہا کہ وہ اپنے مال سے کس قدر صدقہ دے۔ تب نبی ﷺ نے یہ اصول ظاہر فرمایا:

اِنْ تَذَرْ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِّنْ اَنْ تَدَعَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ۔ [2]

''اگر تم اپنے وارثوں کے لیے دولت چھوڑ کر مرے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ تو ان کو بے زر و بے پر چھوڑے اور وہ لوگوں کے سامنے مانگتے پھریں۔''

اس حدیث کے ساتھ قرآن مجید کے احکام توریث کو مدنظر رکھو کہ مال میت کو تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے کس طرح حصص کا تعین فرما دیا ہے۔

اصول ارث و مواریث

ارث کے اصول نسب اور نکاح اور ولا میں اور فرائض میں سہام کو چھ اوزان نصف (1/2)، ربع (1/4)، ثمن (1/8) دو ثلث (2/3)، ایک سدس (1/6) پر مقرر فرمایا گیا۔

---

[1] مسلم:6774، ابن ماجہ:79 [2] بخاری:6733، مسلم:1628، ترمذی:2116، ابن ماجہ:2708، ابن حبان:6027

① نصف کے حق دار پانچ ہیں: شوہر، ترکہ زوجہ سے (اگر وہ بے اولاد تھی) صلبی بیٹی جو تنہا ہو (یا پوتی) اور اخت واحدہ (اب وام سے) یا اخت واحدہ (اب سے)، جب کہ اب وام کا فرزند نہ ہو۔

② ربع کے حقدار دو ہیں: شوہر (مع ولد زوجہ)، زوجہ (بعدام الولد)

③ ثمن کے حق دار زوجہ (مع ولد)

④ دو ثلث کی حقدار چار ہیں: دو بیٹیاں، یا زائد براں یا (پوتیاں) اور بہنیں (مادر و پدر سے) یا بہن مجانب پدر۔

⑤ ایک ثلث کی حق دار 3 ہیں: ماں (جب کہ میت کا ولد اور اخوۃ و اخوات نہ ہوں) ماں کی اولاد، دو یا زائد کا (جس میں ذکر وانث برابر ہوں گے) دادا و میت کے بھائیوں کے ساتھ جب کہ کوئی اور صاحب فریضہ نہ ہو۔

⑥ سدس کے حقدار 7 ہیں: باپ (جب کہ میت کا ولد موجود ہو)، ماں (جب میت کا ولد یا پوتا یا بھائی بہن ہوں) دادا و میت کے ساتھ اور بہنوں کے ساتھ جب کہ کوئی صاحب فرض بھی شامل ہو۔ دادی یا دادیاں۔ ماں کی اولاد: پوتیاں (صلبی بیٹی کے ساتھ) پھوپھیاں (سگی بہن کے ساتھ)۔

ذرا اس موٹی موٹی تقسیم پر جو علم فرائض کے متعلق ہے، غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ اگر اسلام کے نزدیک ماں کے لیے محنت و مشقت کرنا اور مال کمانا اور ورثاء کے لیے مال چھوڑ کر مرنا بہتر نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ وارث کے متعلق اتنے مکمل اور وسیع احکام کبھی صادر نہ فرماتا۔

قرآن مجید میں تو تقسیم حصص بالا کے علاوہ مال کثیر ہونے کی صورت میں ''وصیت'' کا ہونا بھی ضروری بتایا گیا ہے۔

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴾

''تم پر لکھ دیا ہے کہ اگر کوئی تم میں سے مال کثیر چھوڑتا ہے تو والدین اور اقرباء کے لیے معروف طور پر وصیت کرے یہ تقویٰ والوں کے لیے ضروری ہے۔'' [البقرۃ:180]

﴿ وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا ﴾ [النساء:5]

''اپنا مال و زر بے عقلوں کے سپرد نہ کرو۔ مال و زر کو تو اللہ نے تمھارے لیے وجہ قیام بنایا ہے۔''

بیع و شرا کے احکام اور خرید و فروخت اور تجارت کے لیے جگہ جگہ تعلیم بھی یہی ثابت کرتی ہے کہ اسلام دین العمل ہے۔

جملہ سیرت نگاروں کو معلوم ہے کہ مہاجرین اولین جو اہل مکہ تھے، سب تجارت پیشہ تھے اور انصار اولین سب زراعت پیشہ تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تجارت اور زراعت کی تمثیلوں ہی میں آیات ثواب و جہاد کا بیان فرمایا ہے۔ تجارت و زراعت جس قدر محتاج عمل ہیں، اسے اہل خرد خوب جانتے ہیں۔

تاجر صحابہ کی دولت کا اندازہ کرنے کے لیے دو ایک نظائر پر غور کرو:

① عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

اسلام کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں انھوں نے مندرجہ ذیل رقوم صرف کی تھیں۔

① ایک دفعہ چار ہزار (4000) روپیہ، یہ اس وقت کے کل مال کا چہارم تھا۔

② دوسری دفعہ چالیس ہزار (40000)۔

③ تیسری دفعہ چالیس ہزار (40000) دینار۔

④ چوتھی دفعہ پانسو (500) گھوڑے۔

⑤ پانچویں دفعہ پانسو (500) ناقہ۔

⑥ نبی ﷺ کے بعد انھوں نے ایک باغ امہات المومنین کی نذر کیا جو چار لاکھ (4,00000) میں فروخت ہوا۔

⑦ فوت ہوتے ہوئے انھوں نے فی سبیل اللہ پچاس ہزار (50000) دینار کی وصیت کی۔

⑧ مرتے ہوئے وصیت کی کہ ہر ایک بدری صحابہ کو چار سو (400) دینار پیش کیے جائیں۔ بوقت تعمیل اصحاب بدر ایک سو (100) شمار ہوئے۔

⑨ علاوہ بریں انھوں نے ایک ہزار (1000) گھوڑا فی سبیل اللہ دیا۔

⑩ نفاذ وصیت کے بعد زر طلا کی مقدار کثیر موجود پائی گئی، جسے کاٹتے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے۔

⑪ طلا کے بعد ایک ہزار (1000) اونٹ، ایک سو (100) گھوڑا، تین ہزار (3000) بکریاں بھی شمار ہوئیں۔

⑫ ان کی چار (4) بیویاں تھیں، ہر ایک کو اسی ہزار (80000) نقد دے کر مصالحت کر لی گئی۔ [1]

② سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ جو نبی ﷺ کے پھپھیرے بھائی تھے، انھوں نے وصیت کی تھی کہ اول میرا قرض ادا کیا جائے اور پھر ثلث مال صدقہ دیا جائے اور وراثت کی تقسیم کی جائے۔

قرض شمار کیا جائے تو چودہ لاکھ (1400000) نکلا۔ ان کے پاس نقدی کم تھی۔ جائداد زرعی وسکنی بہت تھی۔ گیارہ (11) (11) مکانات مدینہ و دو (2) مکانات بصرہ میں، ایک مکان مصر میں تھا۔ ایک اراضی زرعی کا ٹکڑا جو اکہتر لاکھ (7100000) روپیہ میں خرید کیا گیا تھا۔ ان سب کو فروخت کر دیا گیا تو پانچ کروڑ دو لاکھ (50200000) کی رقم حاصل ہوئی۔ قرض ادا کر دیا گیا، وصیت نافذ کی گئی اور پھر چار پانچ سال تک بہ موسم حج منادی کی گئی کہ اگر کسی کا قرض زبیر رضی اللہ عنہ پر آتا ہو تو لے لے، بعد ازاں مال تقسیم ہوا۔

ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ انھوں نے ایک ہزار غلام تجارت پر لگا رکھے تھے جو ماہواری نفع حاصل ہوتا اسے خیرات کر دیتے تھے۔ [2]

میرا مقصود ایسے نظائر کا بالاستیعاب بیان کرنا نہیں، مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیم نے سابقون اولون کو کیوں کر عمل دنیا اور عمل آخرت کا جویا و شیدا بنا دیا تھا۔

کیا اس کے مقابلہ میں بدھ ازم کوئی شرف رکھ سکتا ہے، جس نے گداگری کو رواج دیا ہو، یا وید کی تعلیم جس نے عمر کے آخری ربع میں انسان کا بن باسی ہونا ضروری بنایا، یا عیسائیت کے پاس اس تعلیم کی کوئی توجیہ موجود ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گزر جانا آسان ہے، مگر دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل تر ہے۔

تعلیم اسلام نے جن لوگوں کو مکمل بنایا، ان کی صفت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ [النور: 37]

''یہ مردان حق ہیں، جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔''

یہ وہ خوبی ہے جو اسلام ہی میں نمایاں ہے۔ کسی شخص نے اس آیت کا ماحصل اس فقرہ میں ادا کیا ہے: ''دست بکار و دل بیار''۔

---

[1] اسد الغابۃ: 3/478-479، ابن سعد: 3/124 [2] تہذیب الاسماء للنووی: 1/196، سیر اعلام النبلاء: 1/65، الاستیعاب: 2/514، ابن سعد: 3/108

یہاں تک عمل کی بحث معیشت اور تمدن کے پہلو سے کی گئی تھی، لیکن تقرب اور تدین کے اعتبار سے بھی جو اہتمام اسلام نے اعمال صالحہ کے سرانجام دینے میں فرمایا ہے اور وہ لاثانی ہے۔ ارشادات ذیل پر تدبر کرو۔

① ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ [البقرہ:148] ''نیک کاموں کے سرانجام دینے میں سبقت دکھلاؤ۔''

② ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ۝ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا﴾ [الدہر:26]
''اپنے رب کے نام کی یاد قبل از دوپہر بھی کرو اور بعد از دوپہر بھی اور رات کو بھی اس کے لیے سجدہ ہو، اس کی حمد وثناء ہر رات کو زیادہ ہو۔''

③ ﴿وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ﴾ ''سجدہ کرو اور قرب حاصل کرو۔''

④ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ [الاحزاب:41]
''اے ایمان والو، اللہ کو یاد کیا کرو، بہت یاد کیا کرو۔''

⑤ ﴿وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا﴾ [المزمل:8]
''اپنے رب کا نام لیا کرو اور سب سے منہ موڑ کر اسی کا بن کر عبادت کیا کر۔''

کائنات پر غور کرنا، صنعت الٰہی سے دل اور نظر کو روشن کرنا، خصوصیت بحر و بر اور تصرفات ارضی وسمائی پر تدبر کرنا بھی اسلام نے عبادت کا جزو اور عبادت کرنے والوں کے لیے بلندی مدارج کا باعث قرار دیا ہے۔

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ [البقرہ:164]

① آسمانوں کی بناوٹ اور زمین کی بناوٹ میں،
② رات اور دن کے آگے پیچھے آنے میں،
③ ان جہازوں میں جو سمندر میں لوگوں کی نفع رسانی کے لیے چلتے ہیں،
④ اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے اتارتا اور زمین کو اس سے زندگی بخشتا ہے،
⑤ زمین پر ہر قسم کے چلنے والے، رینگنے والے جانداروں میں،
⑥ ہواؤں کا الگ الگ رخ بدل کر چلنے میں،
⑦ اس بادل میں جو آسمان وزمین کے درمیان میں حکما باندھے ہوئے ہیں
بے شک عقل و دل والی قوم کے لیے اللہ کی شان کے بہت سے نشان ہیں۔

ان احکام سے ثابت ہو گیا کہ اسلام دین العمل ہے، وہ اہل اسلام کو بہبود ورفاہیت دنیا کے لیے بھی عمل کرنے کا حکم دیتا ہے اور ذخر آخرت کے لیے بھی عمل کرنے کا ارشاد فرماتا ہے۔ یہ احکام اور یہ جامعیت اسلام ہی کی خصوصیت ہے۔

فصل نمبر 7

اسلام ہی بانی اخوت ہے

ایک اخوت وہ ہے جو دو اشخاص کے درمیان خون کی وجہ سے پائی جاتی ہے۔ اس اخوت کے متعلق کچھ تحریر کرنا غیر ضروری ہے۔ اس اخوت میں ہر ایک بھائی کا حق قانوناً، رواجاً، اخلاقاً مسلم ہوتا ہے اور ہر ایک بھائی دوسرے بھائی کی مدد اور معاونت کا بچپن ہی سے خوگر ہوتا ہے۔

لیکن اس اخوت کا دائرہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہوتا، اور بایں ہمہ اس اخوت میں بھی سینکڑوں مثالیں تاریخ میں ایسی ملتی ہیں کہ بھائی بھائی کا دشمن رہا اور مدت العمر ان کے تعلقات صاف نہ ہوئے۔ بائبل اور قرآن مجید میں ہابیل و قابیل کا واقعہ موجود ہے کہ قتل انسانی کی ابتدا دو بھائیوں ہی میں پائی گئی۔

ایک اخوت وہ ہے جو اتحاد عقیدہ کی بنیاد پر پائی جاتی ہے اور ہماری مراد اسی اخوت سے ہے۔ نبی ﷺ کے فیضان صحبت اسلام میں داخل ہونے والوں میں جو اخوت قائم ہوئی، وہ اپنے تقدس میں ایسی برتر و اعلیٰ ہے، جس کی نظیر تاریخ عالم میں تلاش کرنا عبث ہے۔ زمین و آسمان اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔

مواخات پر عمل مکہ میں بھی ہوا اور مدینہ میں بھی۔

مواخات مکہ میں مکی اصحاب کی سلسلہ بندی مقصود تھی۔ نصرت علی الحق اور مواسات مطلوب تھی اور مواخات مدینہ میں مکی و مدنی اصحاب میں وحدت اسلامی کا پیدا کرنا ملحوظ تھا۔ توسیع محبت اور استحکام انس و مودت اس کی بنیاد پر تھی۔

مواخاتِ مکہ

محمد رسول اللہ ﷺ	سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ
زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	ابن مسعود رضی اللہ عنہ
سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ	سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

مواخاتِ مدینہ

ہجرت سے پانچ چھ ماہ کے بعد جن دنوں مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہو رہی تھی۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کے ساتھ اخوت اور معاقدت سے قوی دل، قوی بازو بنایا گیا۔ پچاس جوڑ وہ پہلے تھے جو مسجد نبوی ﷺ میں سبق اتحاد سے مشرف ہوئے۔

بعد ازاں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے الفاظ یہ ہیں:

حَالَفَ بَيْنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ فِيْ دَارِنَا مَرَّتَيْنِ اَوْثَلَاثًا۔ [1]

''ہمارے گھر میں نبی ﷺ نے دو تین بار مہاجرین و انصار کے درمیان اخوت کو باہمی حلف کے ذریعہ قائم فرمایا۔''

---

[1] بخاری: 6083,2294

ابن اسحٰق ؒ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ تَاٰخَوْا فِی اللّٰهِ اَخَوَیْنِ اَخَوَیْنِ ﴾ ’’اللہ کی راہ میں دو دو کر بھائی بھائی بن جاؤ۔‘‘

معلوم ہوتا ہے کہ جو نمونہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے سامنے قائم فرما دیا تھا اس پر برابر عمل ہوتا رہا اور یہ سلسلہ اس وقت تک رہا، جب تک مکہ معظمہ فتح نہ ہو گیا اور مکہ سے آنے والوں اور ہجرت کرنے والوں کے لیے گرد و غبار وحشت بالکلیہ دب نہ گیا۔

ذیل میں مواخات مدینہ کا بھی ایک مختصر نقشہ پیش کیا جاتا ہے:

	مہاجرین	انصار
1	سیدنا ابو بکر صدیق ؓ خلیفہ رسول اللہ ﷺ	خارجہ بن زید ؓ
2	سیدنا عمر فاروق امیر المومنین ؓ	عتبان بن مالک ؓ
3	امیر المومنین عثمان ذوالنورین بن عفان ؓ	اوس بن ثابت الانصاری ؓ
4	سیدنا علی مرتضیٰ امیر المومنین ؓ	سلمان فارسی ؓ و رسول اللہ ﷺ
5	عبدالرحمٰن بن عوف ؓ	سعد بن الربیع ؓ
6	ابو عبیدہ عامر بن الجراح ؓ	سعد بن معاذ ؓ
7	طلحہ بن عبداللہ القرشی بن عبیداللہ ؓ (احد العشرة المبشرة)	کعب بن مالک ؓ بن ابی ابوکعب الانصاری الخزرجی السلمی شاعر النبی ﷺ
8	سعید بن زید ؓ	ابی بن کعب الانصاری ؓ
9	زبیر بن العوام ؓ	سلمہ بن سلامہ ؓ
10	سیدنا زید بن حارثہ ؓ	اسید بن حضیر ؓ
11	سیدنا بلال ؓ	ابو رویحہ الخثعمی ؓ
12	جعفر ؓ بن ابی طالب (مقیم حبش)	معاذ بن جبل ؓ
13	عمار بن یاسر ؓ	حذیفہ بن الیمان ؓ
14	مصعب بن عمیر ؓ	ابو ایوب انصاری ؓ
15	ابو درداء ؓ	سلمان فارسی ؓ
16	عبیداللہ ؓ بن الحارث بن عبدالمطلب	عمیر بن حمام بن جموح ؓ
17	زید ؓ بن خطاب	معن بن عدی العجلانی ؓ
18	وہب بن سعد بن ابی سرح القرشی العامری ؓ	سوید بن عمرو الانصاری ؓ

19	ابو مرثد غنوی رضی اللہ عنہ	عبادہ بن الصامت الانصاری السالمی رضی اللہ عنہ
20	ذو الشمالین عمیر بن عبد عمیر بن فضلہ الزہری رضی اللہ عنہ	یزید بن حارث بن قیس بن مالک الانصاری البخاری رضی اللہ عنہ
21	عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ	عباس بن عبادہ خزاعی ذو الہجرتین مہاجر و انصاری رضی اللہ عنہ
22	طلیب بن عمیر بن وہب القرشی العبدری (ابن عمۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم)	منذر بن عمرو بن خنیس الساعدی الانصاری رضی اللہ عنہ
23	ابو حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ	عباد بن بشیر رضی اللہ عنہ
24	معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ	حتات بن یزید رضی اللہ عنہ [1]

مواخات کا اثر

ہر ایک انصاری اس دینی بھائی کو اپنے گھر لے جاتا، اپنا مال و زر، اسباب سامنے لاتا، اراضی سکنی و زرعی دکھلاتا اور نصف و نصف باہمی تقسیم کر لیتا۔

سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ جب عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو گھر لے گئے تو اس وقت ان کے گھر میں دو بیویاں تھیں۔ دونوں کو ابن عوف کے سامنے لے آئے، کہا ان میں سے کسی ایک کو پسند کر لیجیے تاکہ میں اسے طلاق دے دوں اور وہ تمھاری ضجیعہ (زوجہ) بنے۔ [2]

ان دو بھائیوں میں سے جب کوئی مر جاتا تو دوسرا بھائی اس کے ترکہ میں سے حصہ بھی لیتا۔

ترکہ سنبھالنے کا قاعدہ اس وقت ترک کر دیا گیا جب مہاجرین نے اپنے گھر خود بنا لیے اور اپنی جائداد پیدا کر لیں اور انصار کی معاونت مالی سے مستغنی ہو گئے۔

قرآن مجید میں مواخات کا ذکر

قرآن حمید میں اس مواخات کا ذکر چند مقام پر ہے:

﴿ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ﴾ [آل عمران:103]

”اللہ کی جو نعمت تم پر ہے اسے یاد کرو کہ تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اللہ نے تمھارے دلوں میں الفت ڈالی اور تم بفضل ربی بھائی بھائی بن گئے اور تم تو آگ کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ پھر اللہ نے تم کو وہاں سے بچایا۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی نشانی تم پر اس طرح واضح کر رہا ہے کہ تم ہدایت یاب ہو۔“

قرآن مجید نے ﴿ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً ﴾ کے الفاظ میں ان تمام لڑائیوں کی طرف اشارہ کر دیا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو بخوبی یاد تھیں اور جن میں وہ خود یا ان کے اقربا و آبا، احبا و ابنا برابر حصہ لیتے رہے تھے۔ یہی جنگ بے آب و گیاہ زمین کو انسانی خون سے سیراب کرتی تھی۔

(1) خاص مکہ شہر میں بنو ہاشم اور بنو امیہ کے جھگڑے،

---

[1] ابن سعد: 124/3 [2] اسد الغابہ: 433/2، ابن ہشام: 150/2

2. قریش اور مضر کی خصومتیں،
3. قریش اور حرب الفجار،
4. کنانہ اور بنو قیس کی لڑائی۔
5. عبد مناف اور اس کے اتحادیوں بنو زہرہ، بنو اسد، بنو تیم، بنو الحارث، اور بنو عبدالدار اور اس کے اتحادیوں بنو سہم، بنو جمح، بنو مخزوم، بنو عدی کی عداوتیں۔
6. مکہ سے باہر اور عرب کے اندر ملوک کندہ، ملوک غسان، ملوک حیرہ کی عداوتیں اور ان عداوتوں کی حالت میں سلطنت ایران کا عرب کے ایک حصہ پر اور سلطنت روما کا عرب کے دوسرے حصہ پر اور حبش کا عرب کے تیسرے حصہ پر قبضہ و غلبہ اور پھر ان سلطنتوں کی باہمی جنگ و جدال اور اس جنگ و جدال کا عربی قبائل پر بہ لحاظ ماتحتی مخالفانہ اثر۔
7. یثرب کے اوس اور خزرج کی لڑائیاں۔
8. یہودیان بنو نضیر و بنو قینقاع و بنو خزاعہ اور خیبر و فدک و تیماء کی شرارتیں اور قبائل عرب کو ہمیشہ مصروف جنگ رکھنے کی پالیسی۔
9. عیسائیاں دومۃ الجندل و نجران و بحرین کی ریشہ دوانیاں،
10. بت پرست قبائل کا اپنے اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں نبرد آزما ہونا۔
11. زنادقہ و دہریہ کے منصوبے اور روباہ بازیاں۔
12. عیسائیوں کے فرقہ ہائے ثلاثہ کا تولیکی (کیتھولک)، یعقوبی، اور پولوسی سے اختلاف شدید اور ان اختلافات کی ترویج میں اہل عرب کو قربانی کا بکرا بنایا جانا، یہ سب وہ امور ہیں جو آیت بالا کے لفظ کُنْتُمْ اَعْدَآءً کے تحت میں داخل ہیں۔

بعد ازاں ان سب اختلافات کا اٹھ جانا، نزاعات کا انتزاع، جھگڑوں کا خاتمہ، لڑائیوں کا انسداد و جذبات کینہ و انتقام کا محو ہو جانا، امن عامہ کا قائم ہو جانا اور تمام جزیرہ نمائے عرب میں ایک ہی کلمہ زبان پر، ایک ہی اعتقاد دل میں، ایک ہی ولولہ دماغ میں، ایک ہی مقصود کا منظور ہو جانا، ایک ہی مسجود و معبود کا مستحق عبادت و استعانت سمجھ لینا۔

بھیڑوں کا گلہ بان ہو جانا، رہزنوں کا محافظ جان و مال کے لقب سے ملقب ہونا، دشمنان جان کا ایمانی و قلبی اخوان ہو جانا۔

درحقیقت یہ ایسی نعمت عظیم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا بطور تذکار احسان ضرور ذکر فرمائے اور اسلام اس خصوصیت کو اپنے شرف اور برتری کی دلیل قرار دے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مواخات کی تکمیل کرنے والوں میں سے ہر ایک فریق کی تعریف فرمائی ہے۔

مہاجرین کے حق میں فرمایا:

﴿ اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ، اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ [الحشر:8]

''یہ وہ ہیں جو اپنے وطن اور گھر بار، زر و مال سے نکال دیے گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے فضل اور رضوان کے جویا ہیں اور اللہ اور رسول کی نصرت کیا کرتے ہیں۔ یہی لوگ تو صادق ہیں۔''

آیات بالا میں ان کی مظلومی اور جبراً وطن سے اخراج و جائداد سے محرومی اور بایں ہمہ ان کا ثابت القلب ہو کر اللہ تعالیٰ کے فضل کا خواہاں اور رضوان الٰہی کا جویا ہونا اور جملہ وسائل معیشت سے محروم ہونے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی نصرت میں استمرار و استحکام کے ساتھ لگے رہنا بیان فرمایا ہے، اور پھر حصر کے طور پر فرمادیا کہ یہی لوگ صادق ہیں۔

دوسرے مقام پر کل دنیائے اسلام کو حکم دیا:

﴿ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [التوبة:119] ''تم کو صادق لوگوں کی معیت چاہیے۔''

صادقوں کا حصر اور تعین آیت بالا میں کر دیا گیا تھا۔

انصار کے متعلق اسی مقام پر فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الحشر:9]

''اور دار الہجرت (مدینہ) کے رہنے والے جو پہلے سے ایمان لا چکے ہیں وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور جو تھوڑا بہت ان کو دیا جاتا ہے، اس کی بابت ان کے سینہ میں خلش نہیں ہوتی، وہ بھی ایثار کرتے ہیں، خواہ وہ خود ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔ ہاں جو کوئی تنگ دلی سے بچایا گیا تو وہ فلاح والا ہے۔''

ان آیات میں دار الہجرت کا قیام اور قدامت ایمان اور محبت مہاجرین اور عطیات میں کمی بیشی سے استغنا اور تنگی و افلاس میں بھی ایثار پر عمل کرنا انصار کرام کی صفت بتائی گئی۔

ہر دو آیات پر مکرر غور کرو۔

① مہاجرین کا ایثار یہ کہ اللہ اور رسول کے لیے گھر بار، خویش و تبار کو تج دیا۔
اور انصار کا ایثار یہ کہ خود تنگی اٹھائی اور مہاجرین کی ضرورت کو پورا کیا۔

② مہاجرین کی فضیلت ایمانی یہ کہ ان کا مقصود رضوان ربانی ہے۔
انصار کی فضیلت ایمانی یہ ہے کہ ہجرت سے بھی پیشتر ان میں ایمان (بعد از بیعت عقبہ) پہنچ گیا تھا۔۔

③ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ ان کے جملہ افعال اللہ اور رسول کی نصرت کے لیے ہیں۔
انصار کی فضیلت یہ کہ انھوں نے مہاجرین کو محبوب بنالیا اور خود ان کے محب ہو گئے۔

④ مہاجرین کی فضیلت یہ کہ وہ صادق ہیں۔
انصار کی فضیلت یہ کہ وہ مفلح ہیں۔

یہ ہے وہ اخوت اسلامی جس کا بانی اسلام ہے۔

یہ ہے وہ محبت ایمانی جس کی بنیاد نہ منفعت مالی پر ہے اور نہ لذت نفسانی پر، یہی وہ اخوت ہے جو اغراض سے بالاتر اور مادیت کے اثر سے بلند ہے۔

ذرا میدان احد تک اپنی نگاہ علمی کو وسیع کرو۔

کہ بادشاہ دو جہان کی بیوی، چہیتی ملکہ، مومنین کی ماں طیبہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پانی کی مشک کندھے پر اٹھائے ہوئے ہے اور ہر ایک فرزند اسلام کو پانی پلا رہی ہے۔ زخمیوں کے منہ میں قطرہ قطرہ ٹپکا رہی ہے۔ کیا کسی دنیوی بادشاہ کی ملکہ نے بھی کبھی ایسا کام کر دکھلایا ہے۔ [1]

ایک صحابی کی سنو، حذیفۃ العدوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ میدان جنگ یرموک میں اپنے زخمی بھائی کی تلاش میں نکلا، پانی ساتھ لے گیا تھا۔ بھائی کے پاس پہنچ گیا، اسے پانی پلانے کو تھا کہ دوسرے زخمی کی آواز آئی ''آہ'' زخمی نے بھائی کو اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ، وہ اس کے پاس پہنچا، دیکھا کہ وہ ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں، انھیں پانی پلانے لگا تو تیسرے زخمی کی آواز آئی، اس نے کہا، پہلے اسے پلاؤ، اس کے پاس پہنچا تو جاں بحق ہو چکا تھا۔ واپس آیا تو ہشام رضی اللہ عنہ کو پایا کہ جنت کو سدھار گیا، واپس آیا اور بھائی کو دیکھا وہ بھی جام طہور کے سرور حاصل کر چکا ہے۔

میدان جنگ اور زخمی اور آخری سانس اور اپنے اپنے نفس کے مقابلہ میں دوسرے بھائی کا (جو خون کا بھائی نہیں) بلکہ ایمان کا بھائی ہے یہ احترام، یہ تقدم، اسلام کے سوا اور کہاں نظر آ سکتا ہے۔

یہ نہ سمجھو کہ یہ اثر صرف عہد نبوت صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی تھا۔

مبین کے خلیفہ کی لونڈی زہرا کا نام آپ نے قصر زہرا کے سلسلہ میں سنا ہوگا۔ اس لونڈی نے مرتے وقت وصیت یہ کی تھی کہ اس کا مال اس مسلمان کی رہائی میں صرف کیا جائے جو کسی غیر قوم کی قید میں محبوس ہو۔

وصیت کے مطابق تین سال تک یورپ اور افریقہ اور ایشیا میں تلاش کی گئی۔ کوئی ایسا مسلمان نہ ملا۔ آخر اس کا روپیہ اس محل کی تعمیر پر اس کی یادگار میں لگا دیا گیا۔ [2]

کہتے ہیں کہ اس قصر کی لاگت ان دنوں پینتالیس کروڑ (450000000) تھی۔

کہتے ہیں کہ فری مین (Free Man) لاج والے لاج کے اندر ایک دوسرے کو بھائی کہہ کر بلاتے ہیں، ان کی اخوت اور اسلامی اخوت کا مقابلہ کر کے دیکھو فوراً اقرار کرنا پڑے گا کہ جس اخوت کو اسلام نے پیش کیا ہے، وہ اس کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل ہشتم 8

اسلام ہی نے انسان کی انسانیت کے درجہ کو بلند تر کیا

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں بانیان وہادیان مذاہب کی شخصیت کے متعلق جو اعتقادات قبل از اسلام موجود تھے، ان پر غور کرو۔

یہودیوں کا اعتقاد، یعقوب و داؤد و عزیر علیہم السلام کی نسبت کہ ان میں سے ہر ایک خدا کا بیٹا تھا یا پہلوٹا بیٹا تھا۔

عیسائیوں کا اعتقاد مسیح d کی نسبت کہ وہ خدا کا پیارا بیٹا اور قادر المطلق اور ثالث ثالوث (الوہیت کے تین ارکان میں سے ایک) ہے۔

---

[1] بخاری: 4064، مسلم: 1809 [2] نفح الطیب: 523/1

ہندوؤں کا اعتقاد 32 [1] اوتاروں کی نسبت کہ پرمیشر نے خود مادی جسم قبول کر کے مادی صورت میں جلوہ گری فرمائی تھی۔

مہابھارت کا بیان۔ کرشن جی مہاراج کی نسبت کہ وہ خود خالق عالم و عالمیان تھا۔ پارسیوں کا اعتقاد وزرتشت کی نسبت کہ وہ جہاں تیرتا۔ یعنی عالم ملکوت سے تھا۔

بدھوں کا اعتقاد، مہاتما گوتم بدھ کی نسبت کہ وہ (ارہم) خود ذات پاک تھا۔

سناتن دھرمیوں کا دعویٰ کہ پانچوں پانڈوں کو اکب نورانی کے فرزند تھے۔

تاتاریوں کا دعویٰ کہ آلنقوا ایکم کے بیٹے نور کے فرزند تھے۔

بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بزرگوں کی عزت وتوقیر کے بڑھانے میں ایک قابل تعریف کام کیا ہے۔

حالانکہ اس اعتقاد کا لزوم یہ ہے کہ انسانیت کا درجہ اتنا کمتر اور فروتر ہے کہ یعقوب وداؤد اور عیسیٰ وعزیر علیہم السلام کرشن ورامچند راور زرتشت وبدھ جیسے اشخاص بشریت میں پائے ہی نہیں جاسکتے، بلکہ یہ درجہ بلند ان ہستیوں کے لیے ہے جو حقیقتاً انسان نہ تھے۔

ایک منصف غور سے بتلائے کہ اس نے اپنے بزرگ کی صفت کرتے ہوئے انسانیت کو کس قدر رذلیل بنادیا ہے اور چوں کہ اس بزرگ سے انسانیت کی نفی حقیقتاً کسی طرح نہیں کی جاسکتی اس لیے دراصل اس شخص نے ان کی بزرگی کو کس قدر صدمہ پہنچایا ہے۔

یہ اسلام ہی ہے جس نے انسانیت کے درجہ کو بلند کیا اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدوں کو انسان بنا کر پھر ان کا مراتب روحانیت میں برتر اور اعلیٰ تر ہونا ثابت کیا ہے۔

اسلام اسے بالکل غلط قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی انسانی جسم کے اندر خود الوہیت کا حلول تسلیم نہ کیا جائے اس وقت تک کسی برگزیدہ انسان کو ابنائے جنس کی رہبری وہدایت کا شرف بھی حاصل نہ ہوسکے۔

اس غلط اصول کے مفاسد کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ہر ظالم وجبار نے بھی اپنے لیے وہی درجہ تجویز کیا جو دنیا میں کسی بڑے سے بڑے ہادی مذہب کے لیے ان کے مذہب والوں نے تجویز کیا تھا۔ فرعون رعایا کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

﴿ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴾ [النازعات:24] ”میں تمھارا سب سے اونچا رب ہوں۔“

وہ اپنے درباروالوں سے کہا کرتا تھا:

﴿ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي ﴾ [القصص :38]

”اے سرداران دربار، میرے علم میں تو میرے سوا اور کوئی بھی تمھارا معبود نہیں۔“

---

[1] آتش اوتار، سب سے پہلا جو 9 دفعہ ظہور پذیر ہو چکا ہے اور ایک بار بھی اس نے جامہ انسانی میں آتا ہے۔ (2) مچھ اوتار، مچھلی کی صورت میں ملک دکن میں نمایاں ہوا اور اس کے ظہور کے بعد طوفان عظیم آیا اور 17 لاکھ 28 ہزار سال تک زمین زیر آب رہی۔ (3) کچھ اوتار، جس کی پشت پر کوہ مندر کی مدھانی رکھی گئی اور سمندر بلوئی گئی اور 14 نایاب (☆) اشیاء کا اخراج ہوا

(☆) ان 14 چیزوں کے نام یہ ہیں۔ (1) لچھمن اوتار، دلہن کی شکل میں عشرت عالم کا سامان جمع ہوا۔ (2) کوستہ و من نہایت قیمتی ہیرے کی شکل میں جس کی قیمت کا اندازہ نہ ہوسکا۔ (3) کلپ برکھ کی شکل میں اسے پارجاتک برچھ بھی کہتے ہیں جسے خزاں نہیں آتی، جس کی خوشبو سے سارا عالم معطر ہے (4) سرر، شراب (5) دھنتر، طبیب کی شکل میں جس کے داہنے ہاتھ جونک اور بائیں ہاتھ میں بلیلہ بوقت پیدائش موجود تھا۔ (6) چندماں۔ ماہتاب (7) کام دہین وہ گئو جس کے تھن سے جوشے چاہتے ہو دودھ نکلتے ہو۔ (8) ایراپت، فیل سفید کی شکل میں جس کے چار دانت تھے (9) سنکھ، سفید رنگ کا بحری گھونگا جس کے پاس ہوتا ہے وہی فتح پاتا ہے۔ (10) بکھ زہر ہلاہل (11) امرت۔ آب حیات (12) اش۔ سات سر والا گھوڑا۔ (13) ان بھا، خوبرو (14) نیکوخو۔ عورت

کلیم اللہ موسیٰ علیہ السلام جب اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی توحید و تقدیس بیان فرماتے ہیں اور فرعون کو بتاتے ہیں کہ رب العالمین تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین اور خلاء و فضا کا مالک ہے، تب بھی اسے یقین نہ آتا، جب بتاتے کہ رب العالمین تو وہ ہے جو تمہارے باپ دادوں کا پیدا کرنے والا تھا، تب بھی اس کی دیوانگی دور نہ ہوتی۔ جب اسے بتایا جاتا کہ رب العالمین تو وہ ہے جو مشرق سے لے کر مغرب تک تمام عالم کا خالق ہے، تب بھی اس کی عقل درست نہ ہوتی، جملہ دلائل کو سن کر سنا کر منہ سے بکتا تو یہ کہ:

﴿ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴾ [الشعراء: 29]

''خبردار اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو الٰہ سمجھا تو تجھے قید کر دیا جائے گا۔''

خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام کے سامنے بھی ایک احمق جبار بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ بھی حیات و موت کے اختیارات رکھتا ہے، یہ احمق سمجھتا تھا کہ کسی شخص کو بلا وجہ پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دینا موت پر قدرت رکھنا ہے اور کسی واجب القصاص کو چھوڑ دینا اسے حیات بخش دینا ہے۔ ان سب غلط فہمیوں کا سبب واحد یہی ہے کہ انسانیت کو سمجھا ہی نہیں گیا تھا۔

اسلام کا مدعا یہ ہے کہ الوہیت کی صفت علیا کا علو قائم رہے اور انسانیت کا درجہ بھی اپنے منتہائے عروج تک پہنچ جائے۔ تب یہ تعلیم دی گئی کہ جملہ مقدسین و متبوعین بھی انسان ہی ہیں۔ اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے۔

1. ﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ ﴾ [الانبیاء: 7]

''ہم نے تجھ سے پہلے بھی جن کو رسالت کے ساتھ مامور کیا وہ انسان ہی تھے، ہماری وحی ان کو ملتی تھی۔''

2. ﴿ وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴾ [الانبیاء: 8]

''ہم نے ان کا جسم ایسا نہ بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور وہ ہمیشہ جیتے رہنے والے بھی نہ تھے''

3. ﴿ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ [الانبیاء: 26-27]

''وہ تو باعزت بندے ہیں، بات چیت میں اللہ کی اجازت سے آگے نہیں بڑھتے اور اللہ کے حکم پر عمل کیا کرتے ہیں۔''

انسانیت کے ثبوت میں یہ بتلایا کہ وہ کھانے پینے سے مستغنی نہ تھے، نیز ایک وقت پیدا ہوئے اور دوسرے وقت دنیا سے رخصت ہو گئے اور ان کی فضیلت کے ثبوت میں فرمایا کہ وہ صاحب وحی ہوتے تھے۔ منصب دار رسالت ہوتے تھے اور دربار الٰہی میں اعزاز و اکرام والے ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کے معاملات کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ان کی زبان اور ان کے جوارح ادب اور حکم کے تحت میں ہوتے، حکم کے بغیر ان کی زبان پر ایک حرف تک نہ آتا اور جب حکم مل جاتا تو اس کی پوری پوری تعمیل کرتے۔

ان آیات میں قوت علمیہ اور قوت عملیہ کا بھی ذکر ہے اور ان کے مراتب روحانی کا بھی اظہار اور یہی وہ امور ہیں، جن سے مقدسین کا باوجود انسان ہونے کے جملہ کائنات سے برتر و ممتاز ہونا ثابت ہے۔

ان بیانات سے انسانیت کا درجہ بلند تر ہو گیا، کیوں کہ انسانیت ہی شائستہ رسالت ٹھہری۔ انسانیت ہی شرف دار خطابت ہوئی، انسانیت ہی علم الٰہی کے نزول و بروز کا سرچشمہ ٹھہری اور انسانیت ہی اعمال کی تکمیل و تعمیل کے امتحان میں کامیاب ہوئی۔

بے شک اس مسئلہ کا اظہار خصوصیات اسلام میں سے ہے اور انسانیت ان کی مرہون احسان ہے۔

فصل نمبر 9

اسلام ہی غیر متعصب دین ہے

اسلام کو بدنام کرنے کے لیے اغیار نے بہت سے جھوٹے الزام اس پر لگائے ہیں اور بعض الزام تو وہ ہیں جو الزام دینے والوں ہی میں موجود اور ثابت تھے، مگر انھوں نے ہوشیاری اور عیاری یہ کی کہ اپنے کرتوت چھپانے کے لیے انہی باتوں کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا اور پھر نااہل مسلمانوں کے افعال کو تعلیم اسلام کا نتیجہ قرار دے کر مذہب اسلام کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔

1. تعصب کے معنی یہ بھی ہیں کہ عطائے حقوق کے وقت کسی کو حق سے زائد دیا جائے اور کسی کو حق سے کم۔
2. اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ دوسرے لوگوں کی آزادی عقل اور حریت مذہبی پر ناجائز بندشوں کا بار ڈالا جائے۔
3. اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی حمایت میں دیگر مذاہب کو حق حفاظت سے محروم کر دیا جائے۔
4. اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ اپنے مذہب کی برکات و انوار کا مستحق خود اپنے ہی آپ کو سمجھا جائے اور دوسروں کو ان برکات و انوار سے بالکل دور رکھا جائے۔

بحمد اللہ کہ اسلام کی تعلیم ان جملہ نقائص سے پاک ہے۔ قرآن عظیم اور رسول کریم ﷺ نے ہمیشہ تعصب کی ان جملہ اقسام کو برا بتایا اور اپنے دامن کو اس خارزار سے ہمیشہ بلند تر رکھا۔

تعصب کے ہر چہار (4) اقسام کی نفی کا یقین مندرجہ ذیل آیات قرآنی اور معاملات اسلامی سے بخوبی ہو جائے گا۔

1. ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ [المائدہ:1]

"اے ایمان والو! معاملات کو پورا کیا کرو۔"

2. ﴿ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ [المائدہ:2]

"اس قوم کی نفرت جس نے تم کو کعبہ سے روکا تھا، تم کو ادھر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم بھی ان پر زیادتی کرنے لگو۔"

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ﴾ [المائدہ:2]

"نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور سرکشی میں مدد نہ کرو۔"

3. ﴿ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴾ [الشوریٰ:15]

"اے رسول کہہ دیجیے، اللہ نے جو کتاب میں اتارا، میرا اس پر ایمان ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان عدل کیا کروں۔ ہمارا رب اور تمھارا رب اللہ ہی ہے۔ ہم کو ہمارے اعمال، تم کو تمھارے اعمال۔ ہمارے تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں۔ اللہ ہی ہم کو اکٹھا کرے گا اور اللہ ہی کی طرف بازگشت ہے۔"

4. ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [المائدہ:8]

''اے ایمان والو تم (1) اللہ کے واسطے قائم رہنے والے (2)۔ انصاف کے ساتھ سچی گواہی دینے والے بن جاؤ (3)۔ اور کسی قوم کی عداوت تم کو بے انصافی کی طرف نہ کھینچ لے جائے (4)۔ عدل کیا کرو، عدل ہی خدا ترسی سے قریب تر ہے، اللہ سے ڈرو، وہ تمھارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔''

5 ﴿ قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾ [آل عمران:64]

''اے رسول کہہ دیجیے کہ اے یہودیو اور اے عیسائیو، اے کتاب والو، آؤ ایک ایسی بات پر سمجھوتہ کریں جو ہمارے تمھارے لیے مساوی ① اللہ کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کریں ② اللہ کا شریک کسی کو نہ بنائیں ③ اللہ کے سوا کوئی انسان کسی انسان کو اپنا رب نہ ٹھہرائے۔ اگر یہ لوگ اس پیغام سے انکار کریں، تب ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہنا ہم تو ان حکموں کے ماننے والے (مسلمان) ہیں۔''

﴿ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ﴾ [البقرۃ:256]

''دین کے معاملہ میں کسی پر کوئی دباؤ یا سختی نہیں، ہدایت اور گمراہی کو تو صاف الگ الگ واضح کر دیا گیا۔''

ان آیات کے بعد کیا کوئی دوسرا شخص بھی اپنی پاک کتاب میں ایسی یا اس سے اعلیٰ تعلیم کی موجودگی ثابت کر سکتا ہے۔

ہاں! ان آیات کی تعلیم میں رواداری کے جو نمونے، بے تعصبی کے جو ثبوت ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اور حضور ﷺ کے خلفائے راشدین المہدیین نے اور ملوک عظام نے دنیا کے سامنے پیش کیے، وہ سب اسلامی کتب میں اب تک موجود ہیں۔

نبی ﷺ نے مدینہ پہنچ کر جو معاہدہ یہودیوں کے ساتھ کیا تھا، وہ قابل ملاحظہ ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہودی وہ ہیں جن کے ساتھ نہ کبھی بابل کی بت پرست سلطنت نے حسن سلوک کیا اور نہ مصر کی حکومت نے ان پر رحم کھایا اور نہ یہوداہ کی نسل میں پیدا ہونے والے مسیح علیہ السلام کی امت نے ان کو کبھی انسان یا آدمی سمجھ کر ان سے کبھی کوئی مراعات کی۔

نصاریٰ کے ساتھ نبی ﷺ کا معاہدہ بھی ملاحظہ طلب ہے، ان معاہدات کو رحمۃ للعالمین جلد اول میں پڑھ لیجیے اور انصاف کیجیے کہ کیا ان سے اسلام اور داعی اسلام کی بے تعصبی، سیر چشمی اور کس قدر رواداری ظاہر ہوتی ہے۔

حکمرانان امویہ وعباسیہ واندلسہ وفاطمیہ کی شان وشوکت کے زمانوں میں اقوام غیر کا پورے حقوق اور آزادی کے ساتھ صدیوں تک آباد رہنا۔

یہودیوں، عیسائیوں کا بلا امتیاز حد سے ہر ایک منصب پر فائز ہو جانا ہماری روشن دلیل ہے۔ ہندوستان پر نظر ڈالیے۔ اس وقت اونچی قوموں کے لیے لفظ آریہ نہایت موزوں سمجھا جاتا ہے۔ مگر آریہ ورت کا جو رقبہ ستیارتھ پرکاش میں محدود کیا گیا ہے اس میں احاطہ مدراس اور احاطہ بنگال اور شمال مغربی صوبہ شامل نہیں ہو سکتے۔ صوبہ بہار کے اکثر مقامات بھی اس آریہ ورت کے رقبہ سے باہر ہیں۔ اس احاطہ بندی نے کروڑوں انسانوں کو شریف قوم یا آریہ کہلانے سے محروم کر دیا ہے۔

مسلمانوں کی فیاضی دیکھو کہ انھوں نے دریائے اٹک (اٹک) کو قدرتی حد قرار دے کر اس طرف والوں کو ہندو لقب دیا۔ اس نام کے تحت میں اس ملک کے رہنے والی سب قوموں کا اجتماع ہو گیا اور ان میں جمعیت پیدا ہو گئی اور کسی کو غیر شریف کہنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔

بعد ازاں جب مسلمانوں کا یہاں کے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا تو انھوں نے لالہ کا خطاب دیا، جس کے معنی بڑا بھائی ہیں اور یہ لغت اب تک سرحدی صوبہ میں اس معنی میں مسلمانوں میں مروج ہے۔ لالہ موسیٰ ایک مشہور بستی اور مشہور ریلوے اسٹیشن ہے جو ایک بزرگ مسلمان کے نام سے آباد ہوئی تھی۔

اورنگ زیب کو متعصب کہا جاتا ہے مگر اس کے دربار میں ہندو امراء کی فہرست اکبر کے دربار سے (جس کی بے تعصبی مسلمہ ہے) زیادہ لمبی ہے۔

اورنگ زیب نے راجپوتانہ کی کسی ہندو ریاست کو شامل ملک محفوظ نہیں بنایا، حالانکہ دکن کی چار اسلامی سلطنتوں کو فتح کر کے جزو سلطنت بنا لیا تھا۔

ستی اور صغر سنی کی شادی کے خلاف بھی کوئی مداخلت نہ کی۔ دار السلطنت آگرہ اور دار الخلافہ دہلی کے قرب وجوار میں اب تک ہندو صاحبان کی آبادی مسلمانوں سے زیادہ ہے۔

ہندو راجاؤں کو جو خطابات عطا کیے ہیں، ان کو ملاحظہ کرو۔ کیسے عظیم الشان ہیں۔ ہر ایک خطاب کے ساتھ نیا علاقہ بھی ضرور ہوتا تھا۔ ذرا اس سلوک کو بھی دیکھیے کہ ہندوؤں نے ہمیشہ مسلمانوں کو اچھوت کا درجہ دیا، مگر مسلمانوں نے کبھی ان کو اچھوت نہ بنایا۔ تجارت کو بالکل ہندوؤں کے قبضہ میں چھوڑ دیا گیا۔ مندروں پاٹ شالاؤں کے لیے جاگیریں دیں، ابھیا گتوں کے لیے لنگر کھولے۔

اپنے سابقہ وطن سے قطع تعلق کر کے ہندوستان ہی کو جینے اور مرنے کے لیے پسند کیا، اپنی زبان کو چھوڑ کر یہاں کے باشندوں کی زبان کو اپنی زبان بنایا اور اسی کو محلات اور دربار کی زبان قرار دیا۔

غور کے بعد بتاؤ، بے تعصبی کا ثبوت ان امور سے بڑھ کر کوئی معترض خود بھی اپنے فعل وقول سے پیش کر سکتا ہے؟

بیرونی تجارت عرب اور چینیوں کے ہاتھ میں تھی، جب یورپین اقوام نے ہندوستان کی طرف قدم بڑھایا تو ان کو خیر مقدم کہا گیا، ان کا مال کسٹم ڈیوٹی سے آزاد کیا گیا۔

سیاست حالیہ کے ماہر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی یہ رواداری اور بے تعصبی ہی ان کی سلطنت اور اقتدار کے زوال کا باعث ہوئی۔

میں کہتا ہوں کہ ایک سیر چشم مسلمان اس اعتراض کو اپنے اوپر چسپاں کر لینے پر رضامند ہو سکتا ہے، مگر وہ یہ بھی تسلیم نہیں کر سکتا کہ اسلام میں تعصب ہے۔

ہمارے اس مضمون کو پڑھ کر شاید کوئی صاحب غزوات وسرایائے اسلام کا حوالہ دیں اور حروب عرب کو تعصب دینی کی دلیل قرار دیں، لیکن درحقیقت ایسا کرنا تاریخ اور علل واقعات سے ناواقفیت پر مبنی ہوگا۔

ہم نے غزوات وسرایا کا مکمل مضمون اسی کتاب کی جلد دوم میں تحریر کر دیا ہے اور بطور نتیجہ دکھلایا ہے کہ نبی ﷺ کے غزوات صرف اسی قوم اور خاندان کے ساتھ ہوئے، جس میں سے خود حضور ﷺ اور سابقون الاولون بھی تھے۔ حضور ﷺ ہی کی قوم نے اسلام کی عداوت ومخالفت میں سارا زور لگایا اور انھی سے لڑائیاں ہوئیں۔ لہٰذا یہ خاندانی جھگڑا کسی طرح تعصب دینی کی دلیل نہیں بن سکتا۔

میں یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ اسلام کی جنگیں نہ اپنی تعلیم کی اشاعت کے لیے تھیں اور نہ دوسرے مذاہب کے لیے موجب اکراہ تھیں۔ رب العالمین نے اسلامی حروب کے متعلق جو وجہ بیان کی ہے، وہ قرآن مجید میں موجود ہے:

﴿لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَ لَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ﴾ [الحج:40]

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی مدافعت نہ کرتا اور بعض کے ذریعہ بعض کو نہ ہٹا دیتا، صوامع، بیع، صلوات اور مساجد میں اللہ کا ذکر بہت کیا جاتا ہے ضرور گرا دی جاتیں اور اللہ تو اس کی مدد ضرور کرتا ہے جو اللہ (کے مقاصد) کی مدد کرتا ہے اللہ تو قوت والا اور غلبہ والا ہے۔''

صَوَامِعُ صومعہ کی جمع ہے۔ لغت میں اس عمارت کو کہتے ہیں، جو اوپر سے پتلی ہوتی جائے، درویشان قوم ترسا کے خلوت خانے اسی شکل کے ہوتے تھے۔ ہندوؤں کے مندروں کی شکل بھی یہی ہے اور اس نام سے معروف ہیں۔

بِيَعٌ بیعہ کی جمع۔ عیسائیوں کا گرجا۔ صَلَوٰتٌ یہ عبرانی صلوٰۃ کا معرب ہے۔ عبادت گاہ یہوداں۔ مَسٰجِدُ معبد مومنین المسلمین۔

آیت بالا ظاہر کرتی ہے کہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس لیے دی گئی کہ وہ جملہ مذاہب کی آزادی کو قائم کر دیں، بدامنی دور کر دیں۔ پارسیوں، عیسائیوں، یہودیوں کی عبادت گاہوں کو اور مسلمانوں کی مسجدوں کو کوئی شخص نہ گرا سکے۔

تاریخ کا ادنیٰ واقف بھی جانتا ہے کہ ایرانیوں نے بہ عہد پرویز ایشیائے کوچک پر قابض ہونے کے بعد عیسائیوں کے گرجاؤں کو گرا دیا تھا اور دس (10) سال کے بعد عیسائیوں نے مکرر غلبہ کے بعد پارسیوں کی پرستش گاہوں کو فنا کر دیا تھا۔

یہودیوں کے عبادت خانے تو سب کے سب شاہان روما کے ظلم و تعصب کی وجہ سے زمین کے برابر کر دیے گئے تھے، حتیٰ کہ یروشلم کی زمین کو بھی جس کی عمارت 80ء میں نیرو شاہ روما نے گرا دی تھی۔ قسطنطین (اولین عیسائی بادشاہ) کی والدہ کے حکم سے کوڑا کرکٹ گرانے کی جگہ بنایا گیا تھا۔ مسلمانوں کی مساجد تو بالکل ہی غیر محفوظ تھیں، کیوں کہ پارسی و ترسائی و نصرانی مسلمانوں کے خلاف بالاتفاق عداوت پر ڈٹے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اٹھایا اور انہی کے دوش پر معابد عالم کی حفاظت کا بار رکھا اور انھوں نے اس بار کو خوش گوار فرض کے طور پر اٹھایا۔

آیت بالا میں ایک پیش گوئی بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی جنگیں اصول بالا کے لیے ہوں گی تب ان کو منجانب اللہ نصرت عطا کی جائے گی اور وہ ہر ایک اس قوم کے مقابلہ میں جو کسی دوسرے مذہب کے معابد کو تباہ کرنے والی ہے، ضرور مظفر و منصور ہوں گے۔

رب العالمین کے اسی کلام صداقت نظام کا اثر اور معجزہ تھا کہ خلافت صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق رضی اللہ عنہ اور ذوالنورین رضی اللہ عنہ میں اسلامی لشکر کو کسی ایک جگہ پر بھی شکست نہیں ہوئی، بلکہ ہر ایک جگہ ﴿اِنَّا جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ﴾ ''اللہ ہی کا لشکر غالب آئے گا'' کا نظارہ نظر آتا رہا اور اس کامیابی نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کی جنگیں ٹھیک اسی اصول (حفاظت و احترام معابد مذاہب عالم) پر تھیں۔

کیا اب بھی کسی کے نزدیک اسلامی جنگیں قابل اعتراض ہو سکتی ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ یہ مسلمانوں ہی کا حوصلہ تھا کہ اپنی جانیں قربان اور اپنے سینوں کو آماج تیروسنان بنا کر غیر مسلموں کے معابد کی حفاظت کی۔ کیا کوئی اور قوم بھی اپنی بے تعصبی کا ثبوت اس طریق سے دے سکتی ہے۔

ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ اسلامی قبضہ سے پیشتر شام و فلسطین و عراق و مصر میں پیشوایان عیسائیت اور فرمان روایان کلیسا نے عام لوگوں کو اور پھر فرقہ واری کے جنون میں خود عیسائیوں کی جان و مال کو کس قدر محفوظ رکھا تھا۔

وہ مسائل جن پر صدیوں تک عیسائی فرقوں میں خون ریزی جاری رہی، یہ تھے۔

1. کیا مسیح علیہ السلام ایک جسم اور ایک روح والا تھا؟
2. کیا مسیح علیہ السلام ایک جسم اور دو روح والا تھا؟
3. اگر وہ ایک جسم اور ایک روح والا ہی تھا، تب اس کے جسم میں انسانی روح تھی یا الوہیت کی روح؟
4. اگر اس کے اندر انسانی روح تھی، تب اس کی الوہیت کی ابتداء کس طرح سے اور کب سے ہوئی؟
5. اگر مسیح علیہ السلام ایک جسم اور دو روح (انسانی اور الٰہی) والا تھا، تب کون سی روح غالب تھی؟
6. کیا کبھی روح الوہیت روح انسانی پر اور کبھی روح انسانی روح الوہیت پر غالب بھی آ جایا کرتی تھی؟
7. مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑھنا مع روح الوہیت تھا یا بلا روح الوہیت تھا؟
8. اگر مصلوبی کے وقت روح الوہیت شامل نہ تھی، تو روح انسانی کیوں کر گنہگاروں کے گناہوں کی برداشت کی متحمل ہوئی؟
9. اگر روح الوہیت شامل تھی تو کیا الوہیت بھی مصلوب ہوئی؟

الغرض ایسی ایسی موشگافیوں نے مسیح کی صاف اور سچی تعلیم کو ایک عجیب گورکھ دھندا بنا دیا تھا۔ نئی نئی بدعات کے ساتھ نئے نئے فرقے بنتے تھے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹنا اپنے نزدیک مسیح کی خوشنودی کا موجب سمجھتے تھے۔

اس خوں ریزی کو دنیا کے بہت بڑے رقبہ پر صرف اسلامی قبضہ ہی نے بند کیا۔

ایران پر مشرو کیہ اصول کی حکومت تھی اور کسی عورت کو زندہ رہنے کا حق نہ تھا، جب تک وہ اپنے آپ کو قوم کی مشترکہ جائداد نہ بنا دے۔

پوران دخت و ایران دخت جیسی صاحب تخت و تاج حکمرانوں نے اس اصول کی تعمیل نہ کرنی چاہی تو فوراً ان کو تخت کی جگہ تختہ موت دیکھنا پڑا۔

اسلامی قبضہ ہی نے ایران کے جان و مال کو محفوظ کیا اور اسلام ہی کی بے تعصبی ان کی زندگی کا سبب ٹھہری۔

کتاب ستیارتھ پرکاش میں گوشائیں، بیراگی چیرانکت (آچاری) ویشنو آوک، وام مارگی، چوبی، مارگ فرقوں کے فحش افعال اور فحش منتروں کا ذکر موجود ہے۔ ایسے فرقوں کا وجود ہنود میں باہمی جنگ و جدال کا موجب تھا۔

ہند میں داخل ہونے والی ہندو قوموں نے یہاں کے مفتوحین کو اچھوت قرار دیا تھا۔ ہزاروں سال سے اسی پر اب تک عمل موجود ہے اور بدھ ازم اور جین مت نے ہندوں کی نسلوں اور پشتوں کو تباہ کرنے میں اور شنکر اچارج کے قائم کیے ہوئے بدھ مت نے لوگوں کو ہندوستان سے خارج کرنے میں جو جو کارنامے اس ملک میں کیے ہیں وہ تعصب کی خونی داستان ہے۔ اسی تعصب اور عناد باہمی کا نتیجہ تھا کہ سارے ہندوستان پر کسی ہندو راجہ کو شاہانہ حکومت حاصل نہ ہوئی اور یہاں کی ہر ایک چھوٹی حکومت دوسری چھوٹی حکومت سے برسرپیکار رہی۔

اسلام ہی کی بے تعصبی نے ان سب فرقوں کو اور سب حکومتوں کو اور جملہ مذاہب کو اپنی اپنی حدود کے اندر رہنے کی تعلیم کو دولت

برطانیہ نے اسلامی سلطنت سے اپنے چارج میں حاصل کیا ہے۔ اوران سینکڑوں مذاہب پر ملک ہندوستان میں حکومت کرنا نسبتاً بہت آسان ہو گیا، مگر اس کے مقابلہ میں انگلینڈ و ویلز آئرلینڈ وسکاٹ لینڈ پر حکومت کرنا زیادہ دشوار رہا، جن میں بہ لحاظ صرف دو ہی فرقے پراٹسٹنٹ (Protestant) اور کاتھولیک (Catholic) آباد ہیں۔

عام بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلام میں تعصب نہیں۔

فصل دہم 10

اسلام ہی دین المحبت ہے

ذرا غور کرو کہ اسلام معرفت الٰہی کی تعلیم کن الفاظ میں دیتا ہے۔

(1) وہ رب العالمین ہے، ہر ایک شے جو نمودار ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو نشوونما قبول کر سکتی ہے، جو کسی حرکت سے متحرک ہے، اسے وجود بخشنے والا، اس کی ہستی کو قائم رکھنے والا، اس کے خواص کی حفاظت کرنے والا۔ اس کی ماہیت وکیفیت خاص سے اسے امتیاز بخشنے والا، اس کی ضروریات حیات کو بہم پہنچانے والا وہی ہے، جو اسلام کا اللہ ہے۔

(2) وہ رحمٰن ہے۔ یہ لفظ لغوی حیثیت سے لفظ رحمت سے مبالغہ کے لیے وضع ہوا ہے اس کا ترجمہ کمال رحمت والا ہے

سلسلہ وحی کا قیام برکات سماوی کا نزول، انوار عرفان کا انعکاس اسی رحمت کا نتیجہ ہے۔

ارض وسما اور خلاء وفضاء کا قیام اسی رحمٰن کے حکم سے ہے چرند پرند کی بقا اسی رحمٰن کے عطیہ سے ہے۔

رحمٰن وہی ہے جو ہر ایک درماندہ کی توانائی ہے۔ ہر ایک پسماندہ کی ہدایت ہے، اسی کی استعانت ہمیں اس کی رحمت تک لے جاتی ہے۔ اسی کی رحمت قعر فرش سے انتہائے عرش تک قادر ومتصرف ہے۔

(3) وہ "رحیم" ہے۔ رحم رحیم سے ہے۔ لغوی حیثیت سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ اس وزن کے الفاظ اپنے اپنے معانی کے لحاظ سے معنی ودوام پر حاوی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اسم پاک رحیم ظاہر کرتا ہے کہ رحم ہمارے مالک کی ان صفات کاملہ میں سے ہے، جن کو ذات پاک کے ساتھ لزوم ودوام حاصل ہے۔ حدیث ترمذی (1) میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے پوچھا تھا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِهَا

"کیا اللہ کا پیار اپنے بندوں کے ساتھ اس پیار سے زیادہ نہیں، جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتا ہے۔"

فرمایا یہ بات بالکل درست ہے۔

ایک حدیث میں ہے: اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ۔ (2)

خواجہ حالی پانی پتی اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ نے اسی کا ترجمہ اپنی مقبول عام وخاص مسدس میں فرمایا ہے۔ (3)

---

(1) ابن ماجہ: 4297 (2) تنقیح: 41/9، ترغیب: 202/3، الدر المنثور 36:3 (3) خواجہ الطاف حسین حالی کی وفات پر راقم نے یہ قطعہ تاریخ تحریر کیا تھا۔

سال وفات مظہر حق حالی بزرگ — سلمان سروش غیب بمن گفت یاد دار

چوں سیزدہ زیادہ دوم مکثی شمار — سہ بار سہ نویس وبیک بار یک نگار

13 صفر — 1333ء

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

نبی ﷺ نے فرمایا:

لَا يُرْحَمُ مَنْ لَّا يَرْحَمُ "جوکوئی خود رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔" [1]

اللہ تعالیٰ کے رحیم ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے میراث ذوی الارحام (ماں کی طرف سے رشتہ داروں کو بھی حصہ دار ٹھہرایا ہے اور اس کے رحم نے اس حکم کی اشاعت اپنے نبی ﷺ کی زبان سے کردی۔

اَلرَّحْمُ مِنَ الرَّحْمٰنِ رحم تو رحمٰن سے نکلا ہے جوکوئی اپنے ہاں کی قرابت رحم کو نہیں جوڑتا وہ رحمٰن سے اپنا تعلق توڑتا ہے۔

4. وہ جبار ہے، اسمائے حسنیٰ میں جبار کے معنی وہ نہیں جو عوام نے سمجھے اور جبر کو ظلم وستم کا مترادف خیال کیا، بلکہ جبار کے معنی ہیں "شکستہ دلوں کی شکستگی کو دور کرنے والا" "دکھیاؤں کے درد دکھ کو توڑ دینے والا"
5. قَهَّار ہے، یہاں بھی قہر بمعنی غیظ وغضب نہیں، بلکہ قہر کے معنی حکومت ہیں۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وہ اپنے بندوں پر حکمران ہے۔
6. وہ بَرّ ہے، بہترین سلوک کرنے والا، احسان فرمانے والا ہے۔
7. وہ مُجِيبٌ ہے، بندوں کی دعا پر التجا کو قبول فرماتا ہے۔
8. وہ رَقِيبٌ ہے، بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔
9. تَوَّابٌ ہے گنہگاروں کی معذرت قبول فرماتا، تازہ القاب سے ان کو خوشی بخشتا ہے۔
10. وہ وَهَّابٌ ہے، بے اندازہ نعمتوں کا عطا فرمانے والا۔
11. وہ مُقِيتٌ ہے، روزی رساں۔
12. وہ نُوْرٌ ہے، آسمانوں اور زمین کی ضو وضیا اسی سے ہے۔ شمس وقمر کو روشنی اسی سے ملی ہے۔ آنکھوں کی بینائی اسی نے دی ہے۔ مومن کے دل کا چراغ اسی کے نور سے روشن ہے۔
13. وہ فَتَّاح ہے، انسان سے مصیبتوں کو دور کرتا ہے، اس کی مشکلات کو حل فرماتا ہے۔
14. وہ رَءُوْف ہے، گہرا پیار کرنے والا، دل نواز، بندہ پرور۔
15. وہ حَیٌّ ہے، زندہ اور حیات آفرین اور حیات بخش۔
16. وہ قَيُّوْمٌ ہے، پائندہ اور قیام بخشندہ۔
17. وہ وَلِیٌّ ہے، ولا ومحبت اس کی ذات میں ہے۔
18. وہ عَفُوٌّ ہے، بار بار معاف فرماتا ہے، معاف کردینے کو پسند کرتا ہے۔
19. وہ هَادِیْ ہے، سالکان راہ کو منزل مقصود تک پہنچادیتا ہے۔

---

[1] مسلم:2318،ابوداود:5218،ترمذی:1911،ابن حبان:463,457

20 وہ مُغْنِیْ ہے، غنا بخشنے والا، بندہ کو دوسرے بندہ کی احتیاج سے نجات دینے والا۔

21 وہ مُعْطِیْ ہے، اس کا عطا و نوال بے پایاں ہے۔

22 وہ کَرِیْمٌ ہے، دیتا ہے اور معاوضہ کی اسے ضرورت نہیں۔

23 وہ رَزَّاق ہے، جسم اور روح کے قیام کے لیے جیسی خوراک بحر و بر کے رہنے والوں کی ہوا اور تحت الثریٰ میں سانس لینے والوں کو ہر ایک کے مناسب غذا عطا فرماتا ہے

24 وہ غـــفـــور ہے، گناہ و خطا کو چھپا دیتا ہے، دور کر دیتا ہے۔ اسلام میں اسمائے حسنٰی کا شمار ننانوے (99) ہے۔ ہم نے اس جگہ چوبیس (24) نام ایسے پیش کر دیے، جن سے محبت کا جلوہ موجود ہے، اس سے آگے

25 وہ وَدُوْدٌ ہے۔ وُدٌّ زبان عرب میں محبت کی قسم اعلیٰ کو کہتے ہیں۔ ایک آیت ہے جس میں رحمت اور ود دونوں کو جمع کر دیا ہے۔ فرمایا:

﴿ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾ [مریم:96] ''رحمٰن ان کے لیے ود کو مہیا فرمائے گا۔''

ایک دوسری آیت میں غفران اور وود کو جمع فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴾ [البروج:14]

بعد ازاں دیکھو کہ حب اور اس کے مشتقات کا بھی اللہ و رسول کے کلام میں بکثرت استعمال فرمایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کے ایک ہی مختصر جملہ میں بندوں کی محبت کا اللہ کے ساتھ اور اللہ کی محبت کا بندوں کے ساتھ ہونا ثابت فرما دیا ہے۔

﴿ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗ ﴾ [المائدۃ:54] ''سچے بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اللہ ان سے محبت کرتا ہے۔''

بعد ازاں صراحت کے لیے یہ بھی ظاہر فرمایا کہ محبت الٰہی کی شائستگی کیسے بندوں کو حاصل ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [البقرۃ:195] ''اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ [المائدۃ:42] ''عدل و انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمتقين ﴾ [التوبۃ:7] ''تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴾ [البقرۃ:222] ''رجوع الی اللہ کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصَّابِرِيْنَ ﴾ [آل عمران:146] ''صبر کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ [التوبۃ:108] ''پاک صاف رہنے والوں، طہارت والوں سے اللہ محبت کرتا ہے''

ان آیات سے یہ ثمرات حاصل ہوتے ہیں کہ اوصاف احسان اور توبہ اور عدل و قسط، تقویٰ اور صبر طہارت کا اپنے اندر جمع کر لینا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

چند آیات مبارک میں یہ بھی ظاہر فرمایا کہ کون لوگ ہیں، جن کو محبت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔

﴿ لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ ﴾ [النساء:148] ''برائی کی اشاعت اللہ کو ناپسند ہے۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴾ [البقرۃ:190]

حدود الٰہی کو توڑنے والے قانون شرعی کا احترام نہ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا﴾ [النساء:36] اللہ تعالیٰ حیلہ باز، اترانے والے کو ناپسند کرتا ہے۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ [الانفال:58] ''خیانت کرنے والوں کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ﴾ [الحج:38]

''خیانت کرنے والے احسان کو ملیامیٹ کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ﴾ [القصص:76] ''شیخی باز اترانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ [القصص:77] ''فساد اٹھانے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ [الروم:45] ''کافر اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الاعراف:31] ''اسراف کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ [الشوریٰ:40] ''ظلم کرنے والے اللہ کو ناپسند ہیں۔''

ان آیات سے کیا فوائد حاصل ہوئے۔

کہ برائی کی اشاعت کرنا آئین شکنی، حیلہ بازی، عیاری، خیانت، ناشکری، احسان فراموشی، فساد انگیزی، کفر، اسراف، ظلم وہ اخلاق ذمیمہ ہیں جن کے ارتکاب سے انسان محبت الٰہی سے محروم ہو جاتا ہے۔

محبت کا اتنا مکمل بیان ثابت کرتا ہے کہ اسلام دین المحبت ہے۔

اب سیدنا و مولینا نبی کریم ﷺ کے ارشادات سنو:

① لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا وَ لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا۔ [1]

''جب تک ایمان نہیں، تب تک جنت میں داخلہ نہ ہوگا۔ جب آپس کی محبت نہیں تب تک ایمان نہیں۔''

② مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عضو فَدَعٰى لَه، بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى۔ [2]

''آپس کی محبت، آپس کے پیار و آپس کے تعلقات میں مومنوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے، جو چند اعضا سے مرکب ہوتا ہے۔ پھر اگر ایک عضو کو تکلیف ہو جاتی ہے تب سارے جسم کے سارے اعضاء بے خوابی و تپ و بے تابی میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔''

غور کرو یہاں تواد، ترحم، اور تعاطف تین الفاظ کا استعمال فرمایا گیا ہے۔ تواد بتلاتا ہے کہ خیر اندیشی و خیر طلبی کا وہ درجہ حاصل ہو جائے کہ اپنے اغراض و مقاصد کو دوست کی غرض و مقصد پر قربان کرنا آسان ہو۔

تراحم ظاہر کرتا ہے کہ دوست کی مصیبت کا احساس تمھارے دل میں ہو۔

تعاطف یہ کہ ایک دکھ میں ہے تو اس کا درد دوسرے کو ہے۔ ایک کا کام اٹکا ہوا ہے تو دوسرا اس کی تدابیر میں لگا ہوا ہے۔

③ إِنَّ مِنْ عِبَادَ اللّٰهِ لَأُنَاسًا مَّاهُمْ بِأَنْبِيَآءٍ وَّ لَا شُهَدَآءَ يَغْبِطُهُمُ الْأَنْبِيَآءُ وَالشُّهَدَآءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

---

[1] مسلم: 54، ابوداود: 5193، ترمذی: 2688، ابن ماجہ: 68، ابن حبان: 236

[2] بخاری: 6011، مسلم: 2586، ابن ماجہ: 3984، ابن حبان: 233، 297، ترمذی: 2173

لِمَكَانِهِمْ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تُخْبِرُنَا مَنْ هُمْ قَالَ هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ عَلٰى غَيْرِ اَرْحَامٍ بَيْنَهُمْ وَ لَا اَمْوَالٍ يَتَعَاطُوْنَهَا فَوَاللّٰهِ اِنَّ وُجُوْهَهُمْ لَنُوْرٌ وَّ اِنَّهُمْ لَعَلٰى نُوْرٍ لَّا يَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَ لَا يَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَ قَرَءَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ [1]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بندگانِ الٰہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو نہ نبی ہیں، نہ شہید، لیکن ان کا درجہ جو اللہ کے ہاں ہے اس کی وجہ سے نبی اور شہید بھی ان کو چاہت کی نظروں سے دیکھیں گے۔ لوگوں نے پوچھا حضور وہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ وہ محبت کرنے والے ہیں جن کی باہمی محبت صرف للّٰہیت پر ہے۔ قرابت یا مال وزر کی داد و ستد پر نہیں۔ ان کے چہرے پرنور ہوں گے اور وہ نور پر ہوں گے۔ جب سارے لوگ غم واندوہ میں ہوں گے مگر ان کو غم نہ ہوگا، نہ حزن۔ بعدازاں حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿اَلَا اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔﴾ تلاوت فرمائی۔

اس حدیث پر غور کرو کہ ولایت ربانی کو باہمی محبت ایمانی کا ثمرہ فرمایا گیا ہے اور اس محبت کا ثمرہ وہ قرب وہ تمکین ہے جو بروز حشر ان کو حاصل ہوگی۔

(4) يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ لِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ۔ [2]

''اللہ تعالیٰ بروز قیامت فرمائے گا کدھر ہیں وہ جن کی باہمی محبت صرف میرے لیے تھی۔ میں آج ان کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔ جب کہ میرے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہیں۔''

ہر شخص جانتا ہے کہ والدین کا سایہ کیسے ناز و نعم کا موجب ہوتا ہے اور کسی مہربان حکمران کا سایہ کتنے اقبال و دولت کا ضامن ہوتا ہے۔ اسی پر الٰہی سایہ کی وقعت وقدر و منزلت کا قیاس کرلو۔ اگرچہ ہم ان نعمتوں کا قیاس ہی نہیں کر سکتے، جن کو نہ آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ دل آج تک اس کی ماہیت کو سمجھ سکا ہے۔

(5) يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مُحَبَّتِيْ لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَ الْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ۔ [3]

(نبی ﷺ) نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری محبت ان اشخاص کے لیے واجب اور ضروری ہوگئی ہے (1) جن کی محبت میرے لیے ہے (2) جن کا آپس میں مل بیٹھنا میرے لیے ہے۔ (3) جو میرے لیے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔ (4) جو میرے لیے بذل وصرف کرتے ہیں۔

محبت کے آثار وموجبات بھی نبی ﷺ نے بیان فرما دیے، فرمایا:

(1) اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَخْذُلُهٗ وَ لَا يَكْذِبُهٗ وَ لَا يَظْلِمُهٗ وَ اِنَّ اَحَدَكُمْ مِرْاٰةُ اَخِيْهِ فَاِنْ رَاٰى اَذًى فَلْيُمِطْ عَنْهُ۔ [4]

''مسلم، مسلم کا بھائی ہے، وہ نہ اسے رسوا کرے، نہ جھٹلائے، نہ ظلم کرے، تم ایک دوسرے کے لیے مثل آئینہ ہو، اگر اپنے بھائی میں کوئی تکلیف دہ بات دیکھو تو اسے دور کرو۔''

---

[1] ابوداود، ابن حبان: 573 [2] مسلم: 2566، موطا: 952/2، دارمی: 312/2، احمد: 952/2، ابن حبان: 574

[3] ترمذی: 2390، ابن حبان: 577,575، موطا امام مالک: 953/2، مسند احمد: 233/5، 239/5 [4] ترمذی: 1927

(2) مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْهِ رَدَّ اللّٰهُ النَّارَ عَنْ وَجْهِهٖ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ [1]

''جس نے مسلم بھائی کی عزت کو بچایا اللہ تعالیٰ اس کے چہرہ کو آتش دوزخ سے بچائے گا۔''

(3) مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَةً مِّنْ کُرَبِ الدُّنْیَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِّنْ کُرَبِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَ مَنْ یَّسَّرَ عَلٰی مُعْسِرٍ یَسَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ۔ [2]

جو کوئی شخص کسی مومن کی دنیوی تکلیف دور کرتا ہے اللہ قیامت کے دن کی تکلیف کو اس سے دور کرے گا جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ دنیا و آخرت کے معاملات آسان فرمائے گا، جس نے کسی مسلم کی عیب پوشی کی اللہ اس کے عیوب پر دنیا و آخرت میں پردہ ڈالے گا اور اللہ بندہ کی مدد فرماتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں ہوتا ہے۔

میں اس بیان کو ختم کرنے سے پیشتر یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ لفظ محبت کو عربی زبان میں معنی محبت کے لیے تجویز کرنے سے پیشتر مندرجہ ذیل محاورات کو پیش نظر رکھا ہے۔ حَبَبُ الْمَاءُ پانی تھر گیا، حَبَّ الْبَعِیْرُ اونٹ زانو جما کر بیٹھ گیا۔ حباب، بلندی سے ملی ہوئی پاکیزگی۔ حب وہ دانہ جو رزق انسانی بنتا ہے اور مایہ حیات بشر سمجھا جاتا ہے۔ جب حروف ح و ب کا اجتماع صفائی و پاکیزگی، بلندی و استقرار اور سبب حیات کے معنی میں مسلم ہو گیا، تب اسے اقوی الحرکات یعنی ضمہ سے اور زیادہ قوی بنایا اور لفظ حب کو مادہ محبت قرار دیا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی کے پاس اسلام کے سوا محبت کی ایسی تعلیم موجود ہے تو وہ بھی وضاحت سے بیان کر دے، ورنہ کم از کم الفاظ پریم یا ''لَو'' (Love) کی ترکیب لغوی ہی کے انداز اتنے دقیق معانی کا ہونا جو ہم نے لفظ حب کے اندر واضح کیے ہیں ثابت کرے۔ الغرض نتیجہ صاف ہے کہ اسلام ہی دین المحبت ہے اور وہ اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے محبوب قلوب اور مطلوب جمہور ہو رہا ہے۔

فصل 11

اسلام ہی مساوات کا بانی ہے

مساوات کے معنی یہ نہیں کہ ایک جاہل بمقابلہ عالم کے اور ایک غدار بمقابلہ ایک وفادار کے اور ایک نا قابل و نا کارہ بمقابلہ ایک فرض شناس کے یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

ایسا کرنا تو حقوق انسانیت اور حقوق اخلاق کو تباہ کر دیتا ہے۔ ہاں مساوات کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص کو شرعاً و قانوناً و اخلاقاً وہ تمام حقوق حاصل ہوں جو کسی دوسرے شخص کو اسی ملک یا اسی دین کے اندر حاصل شدہ ہوں۔

برطانیہ کے شاہی جھنڈے میں انگلینڈ، ویلز، سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ شامل ہیں، لیکن کسی آئرش کو پرائم منسٹر ہونے کا موقع نہیں دیا گیا۔

انگلستان کی آبادی میں بلحاظ مذہب دو بڑی قومیں ہیں۔ پراٹسٹنٹ اور کیتھولک، مگر آج تک کسی کیتھولیکی کو پرائم منسٹری پر ممتاز نہیں کیا گیا۔

47ء تک ہندوستان کے کسی گورنر پر کوئی مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا تھا کنگ امپیرر کے حقوق کی حفاظت کے لیے خاص مراعات قوانین

---

[1] ترمذی: 1931، مسند احمد 450/6

[2] بخاری: 2442، مسلم: 6578، ابوداؤد: 4893، ترمذی: 1425، 1426، 2945، کنز العمال: 16486، مسند احمد: 296/2

عدالت سے بالکل علیحدہ تھیں۔

انتخابات ممبران پارلیمنٹ وغیرہ میں ٹیکس دہندگان کے حقوق ان سے زائد ہیں جو ٹیکس ادا نہیں کر سکتے۔ ہندوستان سے انگلستان کو اور انگلستان سے ہندوستان کو مال تجارت بھیجے جانے کے قواعد محاصل کی شرح بالکل الگ الگ تھی۔

پھر حقوق کے اندر تفاوت، خود ایک ہی مذہب کے ماننے والوں میں بھی نمایاں ہے، دیسی عیسائیوں اور یورپین عیسائیوں کے گرجا اور قبرستان الگ الگ ہیں۔ علیٰ ہذا افسروں اور ماتحتوں کے کلب اور سوسائٹیاں بالکل جدا جدا ہیں۔

پوپ ہمیشہ یورپین ہی منتخب ہوا۔ بیس صدیوں میں اس ملک سے جو خداوند مسیح کا زادبوم ہے کوئی دیسی پوپ نہیں بنایا گیا۔

لارڈ بشپ آف کنٹربری بھی ہندوستان یا کسی دوسرے علاقہ کا باشندہ نہیں مقرر ہوا۔

ہندوستان یا کالونی یا انگلستان میں کبھی کوئی کمانڈر انچیف ایشیائی اقوام سے نہیں لیا گیا۔

اسلام نے ان ہی امور پر نظر غور ڈالی ہے اور عدم مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ کر دیا ہے اور وحدت اسلامی کے اندر داخل ہونے والے ہر شخص کی وہ کسی ملک اور قوم کا باشندہ ہو، جملہ حقوق میں بالکل مساوی اور برابر کا سمجھا ہے۔

① برامکہ آتش پرست تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان ہی کا خاندان ہارون رشید کی وزارت عظمیٰ پر تمکن تام رکھتا تھا۔

② رائے دہندگی کا حق ہر ایک غلام و آزاد، زردار و بے زر کو اسلام میں حاصل ہے۔

③ یہی حق عورتوں کو حاصل ہے۔

④ عورتیں اور غلام بھی کسی دشمن کو پناہ دینے کا اختیار رکھتے ہیں جس کی پاسداری سالار پر فرض ہے۔

سلطنت بغداد، سلطنت ہندوستان، سلطنت مصر میں اہل السنت بادشاہوں کے وزرائے اعظم اور گورنران صوبہ جات اہل شیعہ بھی ہوتے رہے ہیں۔

⑤ تجارت میں عرب اور غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی غیر عرب کے اموال کا کوئی امتیاز نہ ہوتا تھا اور کسی کو کوئی اعانت خاص بھی حاصل نہ ہوتی تھی۔

⑥ مسجدوں اور قبرستانوں میں کبھی امیر و گدا کا فرق نہیں کیا گیا۔

⑦ ثبوت مساوات میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سفر شام کا قصہ زبان زد و مشہور تر ہے کہ اونٹ پر غلام اور خلیفہ نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے، کیوں کہ پچھلی نشست پر ان کا زادراہ ستو، (غلام و خلیفہ کے لیے) اور کھجور کی گٹھلیاں (اونٹ کے لیے لدی ہوئی تھیں، جس وقت آخری منزل پر اسلامی کیمپ میں خلیفہ کے داخلہ کا وقت تھا اور تمام فوج مع سپہ سالار اپنے خلیفہ کے خیر مقدم کے لیے ایستادہ تھی اور مختلف اقوام کے لوگ بھی خلیفہ کا تزک و احتشام دیکھنے کو جوق در جوق جمع ہو گئے تھے، اس وقت ان تماشائیوں نے دیکھا کہ گرد راہ سے ایک اونٹ اور افسروں کا اس کے خیر مقدم میں آگے بڑھنا غیر مسلم تماشائیوں کے لیے نہایت تعجب خیز تھا ان میں سے ایک نے ایک مسلم غازی سے پوچھا کہ کیا آپ کا خلیفہ یہی ہے جو اس اونٹ پر سوار ہے۔ غازی نے نہایت متانت سے جواب دیا، نہیں، وہ نہیں۔ ہمارا خلیفہ میر المومنین رضی اللہ عنہ تو وہ ہے جو اونٹ کی مہار پکڑے پاپیادہ آ رہا ہے، سوار ان کا غلام ہے۔ [1]

---

[1] ثمرات الاوراق علی حاشیہ المستطرف، طبری 4/158، فتوح الشام 1/143، حلیۃ الاولیاء 1/47، مصنف ابن ابی شیبہ 13/39، 363

اس قصہ سے بڑھ کر زیادہ صحیح اور زیادہ شاندار یہ واقعہ ہے کہ جنگ بدر میں سواریاں کم تھیں۔ ایک ایک شتر تین تین کس کے لیے مقرر ہوا تھا، دو سوار ہو جاتے تھے ایک شخص پیدل چلتا۔ اسی طرح ہر ایک نوبت بہ نوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ نبی ﷺ کی سواری میں علی مرتضیٰ ؓ اور ابوالدرداء ؓ کا حصہ تھا۔ جب نبی ﷺ کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور ﷺ پیدل چلتے اور وہ دونوں سوار ہوتے [1]

دیکھنا یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا، وہ حضور ﷺ پر جان و مال کو فدا کرنے والا اور اس فدویت کو اپنا شرف و عزت جاننے والا تھا۔ پھر وہ کیوں کر گوارا کرتے تھے کہ حضور ﷺ پیدل چل رہے ہیں اور دوسرے لوگ (جن کی نوبت تھی) اونٹوں پر سوار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا رسول ﷺ اس موقع پر سب کو سبق مساوات کی تعلیم دے رہا تھا اور **اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ** کا نورانی نظارہ جلوہ آرا تھا۔ اگر حضور ﷺ ہی کی یہ تعلیم نہ ہوتی تو فاروق ؓ اور غلام والی کہانی بھی اوراق تاریخ پر نظر نہ آتی۔

سب سے زیادہ مساوات کا سخت امتحان تزویج کی اس صورت میں ہوتا ہے جب حسب و نسب میں متکبر و معزز شخص کو اپنی بیٹی کا پیوند ایسے مرد سے کرنا پڑے جو اوصاف بالا میں اس سے کم تر ہو، مگر اسلام میں ایسے نمونے بکثرت ہیں۔ زینب بنت جحش قریشہ ؓ نبی کریم ﷺ کی سگی پھوپھی کی بیٹی کا نکاح اول زید بن حارثہ ؓ سے ہوا تھا، جن کو اہل مکہ زر خرید غلام جانتے تھے اور جن کو بازار عکاظ سے خرید کرانے والا حکیم بن حزام ؓ ابھی موجود تھا۔ (یہ طاہرہ خدیجہ الکبریٰ ؓ کے خواہر زادہ ہیں) [2]

فاطمہ بنت ولید بن عتبہ قریشیہ ؓ حضرت ابوحذیفہ ؓ کی برادر زادی ہیں اور قریش کی مشہور ترین خواتین میں شمار کی جاتی ہیں اور مہاجرات میں سے ہیں۔ ان کا نکاح ابوحذیفہ ؓ کے غلام سالم ؓ سے ہوا تھا۔ یہ دو مثالیں تو قریشی عورتوں کی ہیں [3]

اب اہل مدینہ کی بھی سنو۔ انصار بھی اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے۔ سردار ہاشم بن عبد مناف قرشی کی شان بلند کا سارے عرب کو اعتراف تھا۔ انھوں نے یثرب میں لیلیٰ سے نکاح کی درخواست کی تو اس مغرور قبیلہ نے یہ درخواست اس شرط پر قبول کی کہ لیلیٰ کبھی مکہ نہ جائے گی [4]، اس تکبر والے قبیلہ کا حال اسلام میں یہ تھا کہ ایک روز بلال ؓ نے مسجد میں ظاہر کیا کہ لوگو! میں غلام بھی ہوں، حبشی بھی ہوں، بے زر و مال ہوں اور بایں ہمہ نکاح کا خواستگار بھی ہوں۔ کیا کوئی شخص مجھے بیٹی دے سکتا ہے۔ اس کی اسی قدر کہنے پر بیسیوں لوگوں نے درخواست کی بلال ؓ ان کے ہاں اپنا پیوند منظور کریں۔ [5]

اسامہ بن زید ؓ اہل دنیا کی نظر میں غلام ابن غلام تھے مگر اسلام نے اس کی شان کو اس قدر بلند کر دیا کہ زینب بنت حنظلہ ؓ ان کی بیوی تھی۔ یہ زینب اسی بڑے خاندان کی خاتون تھی کہ شہزادہ امرا القیس اس کے جد امجد کا مداح شاعر تھا۔ اب اسی کی پوتی اسامہ ؓ کی کفش برداری پر نازاں ہے۔ [6]

امیر المومنین علی المرتضیٰ ؓ کا ایک واقعہ اس کے زمان خلافت کا ہے۔ غلام کو ساتھ لے کر بازار میں گئے۔ غلام سے فرمایا: میں نے بھی کپڑے بنوائے ہیں اور تم کو بھی کپڑوں کی ضرورت ہے۔ تم بزاز کی دکان پر میرے لیے اور اپنے لیے پارچات پسند کرو۔ غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کیے، امیر المومنین ؓ کے لیے کچھ سستے کپڑے پسند کیے۔ سو وہ خرید کر لیے گئے۔ جب درزی کو دینے لگے تو امیر المومنین نے سستے کپڑوں کے متعلق فرمایا کہ یہ ہمارے لیے اور قیمتی پارچات کی نوبت فرمایا کہ غلام کے لیے قطع کر دو۔ غلام بولا کہ آپ آقا ہیں اور امیر المومنین ؓ ہیں آپ کو اچھا لباس چاہیے۔ فرمایا میں بڈھا ہوں، تم جوان ہو تم کو اچھے لباس کی زیادہ ضرورت ہے۔

---

[1] مسند احمد: 422/1 [2] تفسیر الطبری: 9/22 [3] الاستیعاب: 568/2 [4] طبقات لابن سعد: 79/1 [5] ابن سعد: 237/3 [6] ابن سعد: 77/3

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے کہ ایک بار انھوں نے غلام سے جھگڑتے ہوئے غصہ میں کہہ دیا، او حبشن کے بچے! نبی ﷺ نے فرمایا، بس بس کسی بیضاء (سفید پوست والی) کے فرزند کو کسی سوداء (سیاہ پوست والی) کے بچے پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت تو عمل سے ہے۔ ایک دوسرے موقع کا ذکر ہے کہ انھوں نے غلام کو مارا۔ نبی ﷺ موقع پر آ گئے۔ فرمایا: ابوذر رضی اللہ عنہ جو قدرت تجھے اس غلام پر ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ تعالیٰ کو تجھ پر حاصل ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ زمین پر گر پڑے۔ غلام سے فرماتے تھے کہ اپنا پاؤں جوتے سمیت میرے رخسار پر رکھ دے کہ میری نخوت نکل جائے۔ [1]

جنگ بدر میں فوج کی صف بندی ہو رہی ہے، ایک صحابی صف کے برابر نہ تھے۔ نبی ﷺ نے اس پتلی چھڑی سے جو حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھی، اس کے پہلو میں چوکا دیا کہ برابر ہو جاؤ۔ انھوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ! مجھے تو اس سے ایذا ہوئی، میں تو بدلہ لوں گا۔ فرمایا میں موجود ہوں۔ وہ بولا کہ میرے بدن پر تو کرتہ نہ تھا۔ حضور ﷺ بھی کرتہ اٹھا لیں۔ حضور ﷺ نے کرتہ اٹھا لیا تو اس نے بڑھ کر جسد نورانی کو چوم لیا۔ عرض کیا کہ میرا مدعا اس گستاخی سے یہ تھا کہ دنیا سے رخصت ہوتا ہوا اس شرف کو حاصل کرتا جاؤں۔ [2]

اس نیک انسان کے دل میں چھپی ہوئی نیت خواہ کچھ ہی تھی، اسلامی تعلیم کا نمونہ تو یہ ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کیوں کر ایک ادنیٰ امتی کو بدلہ دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور جسد مبارک کو آمادہ آزار و گزند بنانے پر بہ طیب خاطر رضامند نظر آتے ہیں۔ یہی مساوات حقیقی ہے۔ اس مساوات کی حمایت و حفاظت کے لیے علمبرداران اسلام ہر ایک نقصان برداشت کرنے کے لیے رضامند ہو جاتے تھے مگر مساوات میں کمی نہ آنے دیتے تھے۔

جبلہ ابن ایہم سلطنت غسان کا شہزادہ تھا، عیسائیت کو چھوڑ کر عہد فاروقی میں داخل اسلام ہوا۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس کی عزت فرمایا کرتے۔

ایک بار کا ذکر ہے کہ وہ طواف کعبہ کر رہا تھا، اس کے شاہانہ چوغہ کا دامن فرش پر گھسٹتا جاتا تھا۔ پیچھے سے ایک اور بدوی بھی طواف کرتا آ رہا تھا، اس کا پاؤں دامن چوغہ پر پڑ گیا، جب اس نے لوٹ کر دیکھا تو اسے ایک بادیہ نشین گنوار نظر آیا جو مستانہ وار لاابالیانہ حالت میں مصروف طواف ہے۔ اس کی ظاہری حالت دیکھ کر شہزادہ کو اور بھی زیادہ غصہ آیا۔ لوٹ کر ایک تھپڑ اس کے رخسار پر لگا دیا۔ بدوی نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا۔ شہزادہ بلایا گیا اور جب طلب ہوا۔ شہزادہ نے اپنے فعل کا اعتراف کیا اور یہ بھی کہا کہ میں حکمران ہوں اور یہ ایک فرومایہ شخص ہے۔ اگر میں نے ایک طمانچہ اس کے لگا بھی دیا تو کیا ہوا؟ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام میں سب برابر ہیں، یا تو اسے رضامند کرو، ورنہ بدلہ دینا پڑے گا۔

اس نے کہا: ایک دن کی مہلت دی جائے۔ یہ درخواست منظور کر لی گئی، جبلہ شباشب بھاگ گیا اور مرتد ہو گیا۔ [3] اس کے نزدیک اسلام میں سب سے بڑا نقص تھا تو یہ تھا کہ شہزادہ اور گنوار کی وقعت برابر برابر ہے۔ مگر امیر المومنین رضی اللہ عنہ اس وصف پر متفخر تھے کہ عدالت میں ایک ذرہ خاک راہ اور ایک کوکب حکومت کی حیثیت مساوی ہے۔

یہ ممکن ہے کہ قارئین کتاب ان واقعات سیحہ کو ایک کہانی کے طور پر پڑھ جائیں مگر ان واقعات کی قدر و منزلت اس وقت معلوم ہوگی جب دنیا کی تاریخ کی ورق گردانی کی جائے گی اور طلب و تجسس بے حساب کے بعد بھی اس کی نظیر ان کو نہ مل سکے گی۔

---

[1] بخاری :30، 2545 [2] ابن ہشام :278/3، البدایۃ والنھایۃ :271/3 [3] فتوح البلدان ص :141، البدایۃ والنھایۃ :63/3

اسلام میں ایسے نظائر بے شمار ہیں، میں صرف ایک اور واقعہ لکھ کر اس عنوان کو ختم کرتا ہوں۔

فاروق رضی اللہ عنہ اور مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے، دوستانہ سلسلہ کلام جاری تھا۔ ایک یہودی آیا۔ کہا: علی رضی اللہ عنہ پر دعویٰ کرنے آیا ہوں۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابوالحسن سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرو۔ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اٹھے، دیکھا گیا کہ اس وقت ان کے چہرے پر بل تھا۔ دعویٰ سنایا گیا، فیصلہ کر دیا گیا، مدعی جھوٹا تھا، وہ چلا گیا تو پھر وہی جلسہ مصادقت جم گیا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ضرور پوچھو، کہا جب آپ کو سامنے کھڑے ہونے کو کہا گیا، اس وقت آپ چیں بہ جبیں کیوں تھے؟ کیا عدالت میں یہودی کے برابر کھڑے ہونے کو برا سمجھا تھا؟ فرمایا: نہیں، نہیں یہ بات نہیں۔ آپ کو یاد ہے کہ آپ نے مجھے ابوالحسن رضی اللہ عنہ کہہ کر کھڑے ہونے کو کہا تھا؟ کنیت سے پکارنا نشان عزت ہے، میرا خیال ادھر گیا کہ مبادا یہودی کے برابر کھڑے ہوتے ہوئے بھی وہ یہ سمجھے کہ عدالت کا مدعا علیہ کا خاص لحاظ ہے، اسی لیے مدعی کے مقابلہ میں اسے بالفاظ عزت مخاطب کیا گیا ہے، اگر وہ ایسا سمجھ لیتا تو ہماری عدالت پر دھبہ لگتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو بلند ترین طبقہ کے ہیں۔ جب اسلامی لشکر نے اسکندریہ فتح کیا تو مفتوح رعایا نے استغاثہ کیا کہ ان کے ایک بت کی آنکھ کسی مسلمان نے توڑ دی ہے۔ فوجی افسر نے کہا: اگر تم یہ ثابت کر دو کہ میری فوج کے کسی شخص کا یہ فعل قیام امن کے بعد اور دیدہ دانستہ تھا تو میں تم کو اختیار دیتا ہوں کہ میری آنکھ پھوڑ ڈالو۔

یہ فیصلہ سن کر سب لوگ شانتی کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ان واقعات کے بعد میرا حق ہے کہ میں بآواز بلند پکاروں اور دنیا کو بتاؤں کہ مساوات اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

فصل 12

اسلام ہی نے حکومت میں رعایا کو حصہ دار بنایا

انجیل متی میں مسیح علیہ السلام کا مشہور قول یہ ہے، جو چیز قیصر کو دو۔ 21:22۔

مسیح علیہ السلام نے حکومت کا یہی نمونہ سکھایا ہے اور رعایا کا کوئی حق مالگزاری کی ادائی کے سوا معین نہیں فرمایا۔

یجر وید اور سام وید کو پڑھ جایئے، اس میں راجا ہی کو مخاطب کیا گیا ہے اور اس کے اختیارات کی توضیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں حوالہ جات شخصی حکومت کو مستحکم بنانے والے ہیں، قومی یا جمہوری حکومت کا ان کتابوں میں ذرا نشان بھی نہیں ملتا۔

اسلام نے صاف طور پر حکم دیا ہے:

﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ [الشوریٰ:38] ''ان کے امور سلطنت باہمی مشورہ پر ہوں گے۔''

ہر چہار خلفائے راشدین مہدیین کا جس طرح انتخاب ہوا، ہر ایک کے انتخاب کے وقت جیسی تقاریر آزادانہ ہوئیں۔ انصار یا قریش میں خلافت ہونے پر جو بحثیں ہوئیں خود قریش کے اندر راجح و مرجوح اور اس کے وجوہات کی بحثیں ہر ایک کا اپنی اپنی تائید میں دلائل یا آراء کا پیش کرنا آزادی کے ساتھ سب کچھ ہوا۔ راؤں کا شمار ہوا اور بہترین اشخاص میں سے جس کی نسبت آراء کا غلبہ ہوا۔ اس کو اہتمام سیاست سپرد ہوا۔ خلیفہ کے کام کو باقاعدہ رکھنے کے لیے مہاجرین و انصار اولین کی ایک کونسل اور فتح مکہ کے بعد ایمان لانے والے

دیگر مسلموں کی دوسری کونسل مقرر کی گئی۔ خلیفہ اپنی رائے سے کوئی جدید محصول نہیں لگا سکتا تھا۔ جو محصول لگایا جاتا اس پر کونسلوں میں مباحثے ہوتے تھے۔

ذمہ دار افسروں کے تقرر کے وقت کسی جنگ کے آغاز یا ختم کرنے کے متعلق مثلاً ابوبکر صدیق ؓ کا لشکر اسلام کو روانہ کرنا، عراق و شام و مصر پر اقدام خالد ؓ اور ابوعبیدہ ؓ کی سپہ سالاری ذوالنورین ؓ کے عہد میں عمرو بن عاص ؓ کی جانشینی پر عام مشورہ لیا جاتا تھا۔

خلیفہ کا بحیثیت خلیفہ کسی مفتوحہ ملک میں سفر کرنا کونسل کی منظوری کا محتاج تھا۔ مثلاً فاروق ؓ کا جنگ ایران اور جنگ روم میں خود جانے پر۔

خلیفہ کو مقررہ وظیفہ ملتا تھا اور وظیفہ سابقہ خدمات یا قدامت اسلام پر مبنی ہوتا تھا۔ خدمات خلافت کے سرانجام دینے پر کوئی خاص معاوضہ نہیں دیا جاتا تھا۔ فاروق ؓ صرف بدریوں کا وظیفہ لیتے تھے۔

خلیفہ کو اپنی پالیسی (اصول حکمرانی) کا اظہار کرنا پڑتا تھا۔ (صدیق ؓ اور فاروق ؓ کے پہلے خطبات)

خلیفہ عامۃ المسلمین کے سامنے اپنے افعال و اعمال کا جواب دہ سمجھا جاتا تھا اور بارہا اسے جوابدہی کرنی پڑتی (فاروق ؓ و مرتضیٰ ؓ کی بابت ایسے بہت سے واقعات ہیں)

یورپ میں قدیم ترین پارلیمنٹ انگلستان کی ہے، لیکن انگلستان کی پارلیمنٹ بھی خلافت اسلامیہ سے آٹھ نو صدیوں بعد کی ہے۔

آج دنیا اس نوعی و جمہوری طرز حکومت کی خوبیوں پر متفق ہے۔ اسلام کا یہ احسان جملہ اقوام پر ہے۔

② شوریٰ سے کوئی مقدس ہستی بھی مستثنیٰ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نبی کریم ﷺ کے لیے ہے:

﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ [البقرۃ:159]

''امور سلطنت میں آپ لوگوں سے مشورہ کر لیا کیجیے۔''

وہ نبی جو متبوع کل اور سید عالم، صاحب الکتاب، صاحب الشرع ہے، جس کا کوئی حکم اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اسے مشورہ کا حکم دیا گیا تاکہ کوئی شخص بھی (تقدس اور کمال کی بنیاد پر) اس حکم سے مستثنیٰ نہ سمجھا جائے۔ عہد نبوت کے چند واقعات کا حوالہ درج ذیل ہے۔

① حدیبیہ سے مکہ کے لیے سفر کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت پر طے ہوا۔

② میدان احد کو جنگ کے لیے انتخاب کرنے کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور اسی اصول پر طے ہوا۔ رئیس المنافقین ابی کو اس بات کا سخت صدمہ تھا کہ اس کی رائے کے بمقابلہ کثرت آراء کوئی وقعت نہ کی گئی۔

③ جنگ آوران احزاب کی پیش کردہ شرائط کو سرداران انصار سعد بن معاذ ؓ اور سعد بن عبادہ ؓ کے سامنے پیش کیا گیا اور انہی کی رائے پر فیصلہ ہوا۔

④ طائف کے محاصرہ اٹھائے جانے کو سرداران فوج کے سامنے پیش کیا گیا اور تب ہی یہ محاصرہ اٹھایا گیا جب وہ اس پر متفق ہو گئے۔

⑤ اسیران بدر سے سلوک کا معاملہ مشورت میں لایا گیا اور مشورت کے بعد ہی طے ہوا۔

6 عدالت اعلیٰ محکمہ (قاضی القضاۃ) بالکل آزاد اور خود مختار ہوتا تھا اس پر سلطنت کا رعب یا سلطنت کا ذاتی دباؤ کچھ بھی نہ ہوتا تھا۔
آج آئینی حکومت کے جملہ بادشاہ اور حکمران اسی اصول پر کاربند ہیں اور انہی اصول کو سلطنت وحکمرانی کا بہترین طریق تسلیم کیا جاتا ہے۔
لہٰذا یہ اسلام کی خصوصیت سے ہے کہ اس نے جملہ اقوام عالم کو اس اصول سے روشناس کیا اور اس اصول کی برکات سے متمتع بنایا۔

فصل 13

اسلام ہی کی بنیاد قومیت سے بالاتر رکھی گئی ہے

عموماً دنیا میں تین چیزیں تمام مذاہب اور جملہ ممالک پر حکمران رہی ہیں کہ ان کے دائرہ حکومت سے نکلنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی۔

① نسل ② زبان ③ رنگت

1 بہ لحاظ نسل جو حقوق برہموں کو ہندوستان میں (کھشتری، ویش، شودر، چنڈال لوگوں پر رہے ہیں) یا جو حقوق بنی اسرائیلوں میں بنی لاوی کے لیے خاص ہیں یا جو حقوق سلطنت اولاد یعقوب علیہ السلام میں بنی یہوداہ کے لیے مختص رہے ہیں۔
عرب میں قریش کو دیگر قبائل پر جو تفوق رہا ہے وہ سب کے نزدیک مسلمہ ہے۔

2 ہر ایک زبان کو اپنی حکومت کی تائید سے جو برتری دنیا میں بمقابلہ السنہ دیگر رہی ہے سنسکرت کا غلبہ پراکرت اور تامل وغیرہ زبانوں پر عبرانی کا غلبہ دیگر لغات پر، لیٹن کا غلبہ یورپ کی اور زبانوں پر، انگریزی کا اس وقت غلبہ ان سب زبانوں پر جو برطانوی جھنڈے کے تلے آباد ہیں۔ فارسی کا غلبہ اس وقت کا جب ہندوستان و کابل و خراسان و ترکستان میں یہی زبان حکمرانوں کی زبان تھی۔ عربی زبان کی فوقیت دنیا کی سب زبانوں پر اس وقت جب کہ عرب اپنے مقابلہ میں سب کو عجمی (گونگے) کہا کرتے تھے، اپنے اپنے ادوار میں رہا ہے اور اسی اتحاد و زبان یا اختلاف زبان پر حقوق انسانیت کی تقسیم ہوتی رہی ہے۔

3 سرخ رنگ یا زرد رنگ یا مسی یا گندمی رنگ یا سفید رنگ یا سیاہ انسانوں کے حقوق و مناصب میں ہمیشہ سے جو امتیازات رہے ہیں اور ہر ایک حکمران قوم نے اپنی رنگت کے سوا دوسری رنگت کے انسانوں کے ساتھ جو جو سلوک کیے ہیں، تاریخ عالم ان واقعات پر اب تک لہو کے آنسو بہا رہی ہے۔

اسلام نے جو اللہ احد کا واحد دین ہے، ان ہر سہ امتیازات کی دیواروں کو مٹایا، پست و بلند کو ہموار سطح پر کھڑا کیا اور دنیا کے سب ملکوں اور سب قوموں کی شیرازہ بندی کے لیے صرف دین واحد کو پیش کیا۔

1 امتیاز و نسل کے متعلق فرمایا:

﴿ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ طِيْنٍ، ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴾ [السجدۃ:7-8]

''انسان اولین بشر کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر اس کی نسل کو ایک حقیر پانی سے چلایا۔''

مختصراً افراد انسانی کو بتایا گیا ہے کہ نہ تو وہ خود نسلی امتیاز کا حق دار ہے اور نہ سب انسانوں کے باوا جان ہی تھے۔

پھر یہ بھی فرمایا کہ ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ [الحجرات:13]

’’سب انسانوں میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو اللہ کی تعظیم میں سے سب سے بڑھا ہوا ہے۔‘‘

3,2۔ زبان اور رنگ کا فیصلہ بھی فرما دیا اور فیصلہ بھی کیسا عجیب ﴿ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ﴾ [الروم:23]

’’بھانت بھانت کی بولیاں (زبانیں) اور جدا جدا رنگ، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نشان ہیں۔‘‘ لیجیے اب تو کسی کو بھی اپنی زبان اور رنگ کے متعلق کچھ جھگڑا نہ رہے گا۔

ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیادی تعلیم نہ اختلاف نسل ہے، نہ اختلاف زبان ہے، نہ اختلاف رنگ ہے، بلکہ اس کی بنیاد اللہ شناسی پر ہے اور ہر شخص کو اس بارہ میں بخوبی آزادی ہے کہ وہ قرب و رضوان الٰہی کے جس دروازے سے چاہے اس میں داخل ہو جائے۔ یہ خصوصیت یقیناً اسلام ہی کو حاصل ہے۔

فصل 14

اسلام ہی اپنے مہد و گہوارہ میں آج تک قائم ہے

زرتشت بزرگوار جہاں پیدا ہوئے تھے اور جہاں سے انھوں نے پند و انذار شروع کیا تھا۔

بدھ گوتم جہاں پیدا ہوئے تھے، جہاں انھوں نے سخت ریاضت برداشت کی تھی، جہاں انھوں نے اپنے اصول پر پہلی تقریر کی تھی۔

وہ وادی اور میدان جہاں رشیوں نے وید کی شرتیوں کے درشن پائے تھے، وہ مصر اور مصر سے فلسطین تک کی راہ اور خود فلسطین جس سے موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون علیہ السلام کے معجزات و فتوحات کا تعلق ہے جو داود علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام کے مستقر خلافت تھے، جہاں اسباط اثنا عشر نے حکومت کی تھی۔

وہ پہاڑ اور دشت جہاں پارس ناتھ جی کی سنگھتیں بیٹھیں۔

غرض مذاہب قدیمہ کے جملہ معدن و مخزن اغیار کی حکومت میں ہیں اور ان مقامات پر تو ان مذاہب کا اصلی نشان بالکل نابود اور بے نشان ہو چکا ہے اور دیگر مذاہب اور دیگر اقوام نے بھی ان مقامات میں سکونت اور حقوق تمدن میں ان کے برابر کا درجہ حاصل کیا ہوا ہے، اور اس اصلی مذہب کو اس جگہ کوئی خاص تفوق اور امتیاز قطعاً حاصل نہیں۔

اصطخر اور بلخ، نیپال کی ترائی اور بنارس آریہ ورت (پنجاب و یوپی کا حصہ کثیر) ابو، الموڑہ، جگن ناتھ جی، اور ست نرائن گنگا و جمنا وغیرہ وغیرہ سب پر نظر ڈال جاؤ تا کہ ہمارے خیال کی صحت و وقعت بخوبی واضح ہو جائے۔

اس عبرت آموز سبق کو یاد رکھتے ہوئے پوری پوری واقفیت اور خبرت کے ساتھ آپ حجاز کو بھی دیکھیں کہ ہر ایک وہ مقام جس کو کوئی تاریخی یا مذہبی نسبت ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے آج تک مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہے اور آغاز اسلام سے لے کر آج تک ملک کے اس تاریخی مقام پر کبھی کسی غیر مذہب کا قبضہ و تسلط نہیں ہوا۔

قبضہ غیر کا اثر لازمی طور پر اور نامعلوم طریق سے ہر ایک ملک کی زبان اور رسوم اور ماثر اور مذہب پر ہوا کرتا ہے۔

ہم کو معلوم ہے کہ پارسیوں کے پاس ان کے پاک نوشتے موجود نہیں رہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اگر سکندر مقدونی کا قبضہ ایران پر نہ

ہوا ہوتا اور طوائف الملوکی نیز خانہ جنگی نے ایران کو ویران نہ کر دیا ہوتا تو اردشیر بابکان جیسا دانش آموز بادشاہ اپنے پاس نوشتوں کی فراہمی سے (تین صدی قبل از اسلام) مایوس نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مصر پر کلیاپیٹرا کے عہد سلطنت روما کا قبضہ نہ ہوا ہوتا تو مصر قدیم کے کتب خانہ جات کبھی تباہ نہ ہوتے۔

اور اگر بت پرست سلطنت روما کے بعد عیسائی سلطنت قسطنطیہ کا قبضہ مصر پر نہ ہو گیا ہوتا تو اسکندریہ کا مشہور کتب خانہ ہرگز ہرگز آتش تعصب سے خاکستر نہ ہو گیا ہوتا۔

اگر مہاتما بدھ نے زبان سنسکرت کی تعلیم پر پابندی کے متعلق تاکیدی احکام جاری نہ کیے ہوتے اور راجہ اشوک اور اس کے جانشینوں نے سختی کے ساتھ سنسکرت ایڈیشنوں اور کتابوں کو فنا کرنے میں طاقت صرف نہ کی ہوتی تو آج دنیا پر سے ویدکی اصلی زبان مفقود نہ ہو جاتی۔

اور اگر قدیم رشیوں کے نوشتوں کو گم یا مسخ کرنے کے متعلق کوئی زبردست کارروائی اس مرنجاں مرنج اصول والوں نے نہ کی ہوتی تو آج ہندو دھرم کی کتابوں کی یہ حالت نہ ہوتی کہ مہابھارت جیسی کتاب میں بیس ہزار (20000) اشلوک غیر اصلی ہیں۔ منوسمرتی جیسی کتاب میں بھی موضوعات اس طرح سے شامل ہو گئے ہیں کہ شمولیت موضوعات کے علم کے بعد بھی فاضل پنڈتوں اور رشی دیانند جیسے شائقین کو بھی یہ بتانا بالکل محال ہو گیا کہ کون کون سی عبارت وضعی و غیر اصلی ہے۔

ان نقصانات کی طرف اشارہ ہم نے ضمناً اس دلیل کے تحت میں کیا ہے کہ کسی ملک پر قبضہ اغیار کے تسلط کے اثرات کیا کیا ہوتے ہیں۔

اسلام کو دیکھیے کہ مکہ و مدینہ اور اس کے حوالی و اطراف اور وہ سب مقامات جہاں جہاں رسول پاک ﷺ کے قدم اقدس پہنچے سرتاسر مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں۔ وہاں کی وہی زبان ہے جو پیارے مکی مدنی ﷺ کی تھی، وہاں کا وہی تمدن ہے جو مقدس رسول ﷺ کا تھا۔ وہی کتاب ہے جو نبی الامی کی تھی۔

قرآن مجید میں اسلام کو اس شجرہ طیبہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی جڑ قائم ہو اور جس کی شاخیں آسمان کی فضا میں پوری بلندی اور پوری فراخی سے پھیلی ہوئی ہوں۔

ہر ایک دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ [ابراہیم:24] کی صورت و حالت آج تک اسلام ہی پر صادق و ثابت ہے اور یہ امر بھی خصائص اسلام میں سے ہے

اس آیت کی کچھ تفسیر اس کتاب کے باب خصائص قرآن مجید میں دوسری جگہ درج ہے

فصل 15

اسلام ہی دین تمدن ہے

فطرت انسانی کا راز جاننے والا، حاجات انسانی کے انجاح کی راہ بتانے والا تسلیم کرے گا کہ انسان مدنی الطبع ہے۔

لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مختلف ادیان نے کیوں کر مدنیت کو روحانیت کا مدمقابل بتایا اور تمدن کو روحانیت کا دشمن ٹھہرایا ہے۔

جب ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ گوتم اپنی نوجوان بیوی اور نوزائیدہ بچہ کو سوتا ہوا چھوڑ کر رات کو بھاگ جاتا ہے اور جنگلوں میں رہ کر سخت سے سخت ریاضتوں کا متحمل بنتا ہے تو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اسی بیدار دل نے انسان کا مدنی الطبع ہونا معلوم کر لیا تھا۔

جب ہم وید بیاس جی کو آبادی سے نفور اور مادر و پدر سے دور رہتا ہوا دیکھتے ہیں تو کیا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ انھوں نے واجبات تمدن کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔

ہم جب انجیل میں وہ مکالمہ پڑھتے ہیں، جس میں اللہ کی راہ میں خصی بننے کا ذکر ہے تو کیا خیال کر سکتے ہیں کہ انھوں نے آدم و حوا علیہما السلام کے جوڑے کو عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

جب ہم روما کے آسمانی گرجا کے سایہ میں لاکھوں منک اور نن کو فرائض نسلی سے بیزار دیکھتے ہیں تو کیا تصور کر سکتے ہیں کہ انھوں نے اللہ کے حکم ''انسان اپنی بیوی سے جوڑے گا'' کی صحیح تعمیل کی ہے۔

جب آریہ ورت کے جنگلوں، پہاڑوں کے غاروں کوہستان کی چوٹیوں پر ایسے گرہستیوں کو دیکھتے ہیں۔ جن کی عمر کے آخر حصہ میں منوسمرتی نے گھروں سے باہر رہنے کا حکم دیا ہے اور جو اپنی خوراک حاصل کرنے کے لیے غیر معین اور غیر معلوم وسائل پر بھروسہ رکھنے پر مجبور کر دیے گئے ہیں جو ضعیفی و پیری اور لاچاری و مجبوری کی عمر میں اپنا کوئی رفیق و غم گسار قریب قریب نہیں پاتے تو کیا اقرار دے سکتے ہیں کہ اس حکم کے وقت تمدن کی حقیقت کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

جب ہم رشیوں، جوگیوں، سنیاسیوں، منیوں، بیراگیوں کے گروہوں کو بستیوں سے پرے پرے دھونی لگائے جٹیں لٹکائے، آسن جمائے دیکھتے ہیں تو کیا یقین کر سکتے ہیں کہ انسانیت کا یہی اعلیٰ معیار ہے۔

جب ہم سینکڑوں لڑکیوں (دیوداسیوں) کو ایک پتھر کی مورت کے ساتھ بیاہی ہوئی دیکھتے ہیں اور قطع نسل انسانی کی تدبیر کو اس مقدس لباس میں جلوہ گر پاتے ہیں۔

تو کیا باور کر سکتے ہیں کہ ان مقننین نے آبادی عالم کا سب بڑا گر دریافت کر لیا تھا۔ میرے دوستو! یہ سب کرشمے ایسی تعلیم کے ہیں جس نے نہ انسان کو سمجھا اور نہ طبع انسانی کا فلسفہ معلوم کیا اور نہ اس پر عمل کرنے کو کچھ اہمیت دی۔

ایک اسلام ہے جو ان اوہام کو دور کر دیتا ہے، جملہ ظنون کو خاک نشین بنا دیتا ہے۔ تمام نارواستم اور جور و جفا دور کر دیتا ہے، جو مدنیت اور انسانیت کو ترقی کے محل میں سوار کر دیتا ہے۔ جو بجلی کی منفی و مثبت طاقتوں کو مجتمع کر کے تمدن کا گھر صاف و سفید روشنی سے منور کر دیتا ہے۔

اسلام بتلاتا ہے کہ ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا﴾ ترک تمدن محض بدعت ہے۔

عورتوں کے حقوق

اسلام ہی عورتوں کو تمدن میں برابر کی جگہ دیتا ہے اور ان کے مساویانہ حقوق کو بحال کرتا ہے۔

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ﴾ [البقرۃ:228]

''عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔''

بچوں کے حقوق

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ [بنی اسرائیل:31]

''تنگ دستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو نہ مارا کرو۔''

والدین کے حقوق

﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ [بنی اسرائیل:23]

''ماں باپ کے ساتھ عمدہ ترین برتاؤ کرو۔''

حکومت کے حقوق

﴿اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ﴾ [النساء:59]

''اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت اور اپنے امیروں کی فرمانبرداری کرو۔''

اقسام تعاون

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدہ:2]

''نیکی اور خدا ترسی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔''

عدم تعاون

﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾[المائدہ:2]

''گناہ اور سرکشی کی جملہ اقسام میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کیا کرو۔''

ایفائے معاہدات کا حکم

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ [المائدہ:1]

''اے ایمان والو! سب قراردادوں کو پورا کیا کرو۔''

عداوت قومی کے ہو جانے کی حالت میں عدل کا لزوم اور بے انصافی کی نہی

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ [المائدہ:8]

''کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو اس خیال پر کھینچ کر نہ لے جائے کہ تم ان سے عدل نہ کرو، ہاں عدل ہی کرو، ایسا کرنا ہی خدا ترسی کے قریب تر ہے اور تم کو حکم ہے کہ خدا ترسی پر قائم رہو۔''

معاہد غیر مسلم اور مسلم غیر معاہد میں معاہد غیر مسلم کی رعایت اور نیوٹرل رہنے کی ہدایت

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا

﴿اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ﴾ [الانفال:72]

① جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے انھوں نے راہ حق میں جہاد کیا۔

② جنھوں نے ان لوگوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور ان کی مدد کی۔

یہ دونوں ایک دوسرے گروہ کی ولایت کا حق رکھتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا﴾ [الانفال:72]

③ جو لوگ ایمان تو لائے ہیں مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی، تم کو ان کی ولایت سے کچھ بھی نہیں۔ جب تک کہ وہ ہجرت نہ کر آئیں۔

فساد اور بے امنی کی برائی

﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ [البقرۃ205] ''اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ﴾ [القصص:7] ''دنیا میں فساد نہ پھیلاؤ۔''

خلافت راشدہ کی علامت

﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ [القصص:7]

''خوف جاتا رہے گا اور امن اس کی جگہ سنبھال لے گا۔''

حقوق کی ادائیگی کی تاکید

﴿فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰى حَقَّهٗ، وَالْمِسْكِيْنَ﴾ [الروم:38]

''قرابت داروں اور مساکین کا حق ادا کیا کرو۔''

عباد الرحمٰن کے صفات حسنہ حقوق تمدن کے متعلق

① ﴿وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾ [الفرقان:63]

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو دنیا میں فروتنی کے ساتھ رہتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان کو سلامتی کی دعا دیتے ہیں۔''

② ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان:67]

''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے وقت فضول خرچی اور تنگ دلی نہیں کرتے، بلکہ درمیانی راہ پر قائم رہتے ہیں۔''

③ ﴿وَلَا يَزْنُوْنَ﴾ [الفرقان:68] ''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زنا نہیں کرتے۔''

④ ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ﴾ [الفرقان:72] ''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹی شہادت نہیں دیتے۔''

سچی شہادت کے ادا کرنے کی فرضیت

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ﴾

دارا ابن دوارب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اس کی آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روشنک بنت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنا لے۔ قابل غور بات ہے کہ جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، کے الفاظ دارا نے اپنی زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کیسی صفائی سے ادا کیے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہر ایک جھجک اور حجاب کو دارا کی طبع و زبان سے اٹھا دیا تھا۔ [1]

ایران میں مزدکیہ مذہب اس لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات ابدیہ کی حرمت و احترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔ [2] مزدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے، ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

پنڈت دیانند سرتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کر سکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کاشی جی جیسی پوتر جگہ میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی کھپرا مشہور ہے، موجود ہے، اور ڈیڑھ سوفٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے، نکلتے سورج کی شعاعیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں، جن کی تقلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اس کے پجاری ہیں۔ وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی شرم و حیا کی پروانہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سندر شبد سناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع النظر مؤرخ بتلائے کہ اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتوں سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے۔

سلطنت روما کے ایمفی تھیٹروں کے دل ہلا دینے والے نظارے، سنگ دلی اور گرگ طبعی کے پورے مجسمے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر فیوض بالواسطہ عطا کیے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں بنی لاوی نے بھی نذر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں خاص حقوق اپنے لیے ٹھہرا لیے تھے۔

پطرس اعظم کے جانشین پوپ روما نے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے سرگ و نرگ میں مردہ کی جان دھکیل دینے کی جس شکتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا۔ ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ سامریہ کی بنی لاوی سے علیحدگی پروٹسٹنٹ کی رومن کیتھولک سے بیزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کی اصلاحات کا زمانہ اشاعت

---

[1] الطبری: 7/1 [2] الملل علی ہامش الفصل: 86/2

دارا ابن دوارب جب یونانی فوج سے شکست کھا کر اور زخمی ہو کر گرا اور اس کی آخری سانس پورے ہونے سے پیشتر سکندر بن فلپ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس کا سر گود میں لے کر بیٹھ گیا، تب دارا نے سب سے ضروری اور اہم وصیت جو سکندر کو کی، وہ یہی تھی کہ روشنک بنت دارا کو جسے دارا خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، سکندر اپنی بیوی بنالے۔ قابل غور بات ہے کہ جسے وہ خود اپنے لیے پرورش کر رہا تھا، کے الفاظ دارا نے اپنی زندگی کے کیسے نازک ترین وقت میں کیسی صفائی سے ادا کیے اور اس سے ظاہر ہے کہ یہ رسم ایران میں عام تھی اور اس رسم کی عمومیت نے ہر ایک جھجک اور حجاب کو دارا کی طبع وزبان سے اٹھادیا تھا۔ [1]

ایران میں مزدکیہ مذہب اس لیے جلد مقبول اور عام ہو گیا تھا کہ ملک میں پہلے سے محرمات ابدیہ کی حرمت واحترام کا کوئی وجود موجود نہیں رہا تھا۔ [2] مزدکیہ مذہب کا اصول یہ ہے کہ عورت کسی خاص مرد کی طرف منسوب نہ ہونی چاہیے، ہر ایک شخص ہر ایک عورت سے تمتع حاصل کرنے کا فطری استحقاق رکھتا ہے۔

پنڈت دیانند سرتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں ہندو فرقوں کا بیان کرتے ہوئے دام مارگی چترانگت وغیرہ وغیرہ نام لکھے ہیں اور بعض نام ایسے ناپاک ہیں جن کو ایک مسلم نقل نہیں کرسکتا۔ یہ تحقیقات ظاہر کر رہی ہیں کہ ہندوستان کا درجہ ایران سے بھی آگے تھا۔ کاشی جی جیسی پوتر جگہ میں آج تک وہ مندر جس کا نام نیپالی کھپرا مشہور ہے، موجود ہے، اور ڈیڑھ سوفٹ کی بلندی سے زائرین کو اپنی طرف بلا رہا ہے، نکلتے سورج کی شعائیں ان تصاویر کو روشن کر دیتی ہیں، جن کی تقلید سے ابھی تک پیرس و نیویارک بھی پیچھے ہیں۔ برہمن اس کے پجاری ہیں۔ وہ ہر ایک تصویر کی اپنی زبان سے ایسی تصویر اتارتے ہیں اور سننے والے کی شرم وحیا کی پروانہ کرتے ہوئے ایسے ایسے سندر شبد سناتے ہیں کہ انسانیت کے کان بہرے اور تہذیب کی آنکھ ہمیشہ کے لیے اندھی ہو جاتی ہے۔

ایک وسیع النظر مؤرخ بتلائے کہ اسلام ہی کی کشور کشائی نے ایران کو ان نعمتوں سے بلند نہیں کیا اور کیا اسلام ہی کی رہنمائی نے ہندوستان کو ایک دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان عنایت نہیں کیے۔

سلطنت روما کے ایمفی تھیٹروں کے دل ہلا دینے والے نظارے، سنگ دلی اور گرگ طبعی کے پورے مجسمے کیا اسلام ہی نے زیر خاک نہیں کیے۔

کیا ان سب حقیقتوں سے یہ مسلم نہیں ہو جاتا کہ اسلام نے ان اقوام کی ذہنیت کو بالاتر اٹھانے خیالات کو پاکیزہ بنانے اور تہذیب کے پھیلانے میں کس قدر فیوض بالواسطہ عطا کیے ہیں۔

ہاں یہودیوں میں بنی لاوی نے بھی نذر کی قربانی، خطا کی قربانی، تقرب کی قربانی پیش کرنے میں خاص حقوق اپنے لیے ٹھہرا لیے تھے۔

پطرس اعظم کے جانشین پوپ روما نے آسمانی بادشاہت کے دروازے کسی پر کھول دینے اور کسی پر بند کر دینے کے لیے کنجیوں کو اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا۔

برہمنوں نے سرگ ونرگ میں مردہ کی جان دھکیل دینے کی جس شکتی کا اپنے اندر ہونا ظاہر کیا تھا۔ ان سب سے نجات دلانے کا سبب اسلام اور صرف اسلام ہی ہے۔ سامریہ کی بنی لاوی سے علیحدگی پروٹسٹنٹ کی رومن کیتھولک سے بیزاری، آریہ کی برہمن پوپوں سے نفرت صرف تعلیم اسلام ہی کا نتیجہ ہے۔ کیا اس حقیقت سے انکار کرنے والے ثابت کر سکتے ہیں کہ ان کی اصلاحات کا زمانہ اشاعت

[1] الطبری: 7/1 [2] الملل علی هامش الفصل: 86/2

اسلام سے پیشتر کا تھا۔ کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ اس آزادی کے حاصل سے پیشتر اسلام کو علمی اور عملی کارنامے ان کی آنکھوں اور دلوں کے سامنے نہ تھے۔

ان حقائق پر غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اسلام نے یورپ اور ایشیاء میں ترقی اذہان اور آزادی احساس اور تمیز نفع وضرر کے فیوض بالواسطہ سب کو پہنچائے ہیں۔

سو(100) بیویوں والے بادشاہ کو اکلوتا کہنے والے یہودی، ایک ہزار(1000) خواتین والے بادشاہ کو اللہ جیسا دل رکھنے والا بتانے والے اسرائیل، سولہ ہزار(16000) سکھیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے والے کرشن جیو کو سولہ سنگار کہنے والے ہندو، نشانہ بازی میں جیتی ہوئی دروپدی، ایک عورت کو پانچ پانڈوؤں کی جائز بیوی بتانے والے آریہ ورتی غور کریں کہ آج تعدد ازدواج کے متعلق ان کے خیالات کس قدر ہموار ہو گئے ہیں۔ کیا کوئی شخص اس کی وجہ عیسائیت کی تعلیم کو یا عیسائیوں کے عملی نمونہ کو قرار دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، عیسائیت کی تعلیم تعداد ازواج کے بارہ میں خاموش ہے اور ان کا عملی نمونہ اس آئینی قانون کا نتیجہ ہے، جو اسلامی حکم سے بہت بعد میں نافذ کیا گیا اور ٹھنڈے خون والے یورپ نژاد کے لیے صرف ایک ہی بیوی پر محدود رہنا لازم ٹھہرایا گیا۔ تاریخ میں تلاش کرو کہ اس قانون کے نفاذ سے بہت پیشتر قرآن مجید کے الفاظ فَوَاحِدَةً ہر ایک سمجھ والے کے دل میں ایسی قانون سازی کی تحریک پیدا کر رہے تھے۔

ان نظائر سے تمدن کو اقرار کرنا پڑے گا کہ اسلام نے جملہ اقوام کو بالواسطہ کس قدر برکات عطا کی ہیں۔

شراب سے بھرے ہوئے جام جم پر فخر کرنے والے اور ساغر ہوش ربا کو جام جہاں نما بتانے والے ایرانی، دیوتاؤں اور دیویوں کی بھینٹ میں مدھ چڑھانے والے آریہ ورتی۔

مسیح علیہ السلام کے اولین کارنامہ پانی کے مٹکوں کو خم ہائے شراب بنا دینے کا واقعہ فخر ومباہات کے ساتھ سنانے والے عیسائی۔

سادہ پانی کے استعمال سے منع کرنے والے اور پانی میں تھوڑی سی شراب کو التزاماً شامل کرنے والے پولوسی۔

میدان ہائے جنگ کو بادہ آتشین سے گرمانے والے اطالین اور عرب اور افریقی۔

کلوپیٹرا کے ایک پیگ پر فرائض سپہ سالاری کو چھوڑ دینے والے رومی۔

کیا اسلام کے اس فیض سے انکار کر سکتے ہیں جو حرمت شراب کی صورت میں اس نے جملہ اقوام وادیان پر عام کیا نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اسلام ہی نے شراب کو ''ام الخبائث'' کا لقب دیا۔ اسلام ہی نے اسے روحانیت کا دشمن بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شرارت انگیز وعداوت خیز بتایا۔ اسلام ہی نے اسے شیطان ابلیس اور راکھشس (اہرمن) کا عمل بتایا۔

جنگ عظیم 1914ء تا 1918ء میں انگلستان اور روس اور امریکہ کو یکے بعد دیگرے مجبوراً اسے ترک کرنا پڑا کیا یہ سب اسلام کے بالواسطہ فیوض نہیں۔

بھارت اعظم کی اولاد میں مہاراجگی کو خاص کرنے والے اور اسی دھن میں روچھیتر کی خوں آشام زمین پر سارے ہندوستان کو کاٹ کر رکھ دینے والے (آریہ ورتی۔)

کیانِ ایران کو شایان خسروی بتانے والے اور اسی لیے تاتار اور یونان اور بابل کی حکومتوں کو فنا کرنے والے (پارسی)۔

خاندان ''چو'' کو فرزندان آسمانی کہنے والے اور دنیا کو ایک ثلث رعایا اور ان کے دیوتاؤں سے بھی اوپر ہو کر سیاہ وسفید کرنے

والے (چینی)۔

یورپ پر تفوق اور غلبہ کا استحقاق جتانے والے اور خاندان کو نوعِ انسانی پر فرماں دہی کا چارٹر رکھنے والے (فرنچ)۔

غور کریں کہ اسلام کے حکم ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ [آل عمران:159] اور ﴿ أَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ [الشوریٰ:38] نے دنیا کو کس آئینی حکومت کا جمال دکھایا، ان کو تحفظ نوعی وجنسی اور تعاون افرادی وقومی سے آگاہ بنایا۔

کہتے ہیں کہ انگلستان کی پارلیمنٹ دنیا کی سب پارلیمنٹوں سے قدیم تر ہے اور اسی لیے وہ ''اماں پارلیمنٹ'' کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ درست ہے، لیکن کیا اس کی قدامت قرآن مجید کے اس حکم محکم سے بھی قدیم تر ہے؟

اور اگر نہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہرگز نہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا کی تمام جمہوری اور آئینی حکومتیں اسلام ہی کے فیوض سے مستفیض اور اس کے خوانِ کرم کے نمک خوار ہیں۔

برہما، بشن مہیش کا ترشول بلند کرنے والے	(آریہ ورتی)
خدا، عقل کل و نفس کلی کی حکومت ماننے والے	(افلاطونی)
باپ خدا، بیٹا خدا، روح القدس کہنے والے	(انگلش چرچ)
باپ خدا، بیٹا خدا، جان (محبسی) ماننے والے	(رشین چرچ)
باپ خدا، بیٹا خدا، مریم کو اقانیم کہنے والے	(قدیم یونانی)
پرماتما، آتما اور پرانو کو قدیم جاننے والے	(آریہ)

دنیا پر موجود تھے اور اپنی اپنی تثلیث کے پھیلانے میں منہمک تھے۔ آج یہ سب لوگ مسئلہ توحید کی برتری کے اقراری ہیں اور عقیدہ توحید پر فخر کرتے ہیں اور اپنی اپنی تثلیث کو بھی سلوک طریق الی التوحید بتانے میں دلائل اور براہین سے کام لے رہے ہیں۔ مسلمان اپنے ان نوعی بھائیوں کی ان ترقیات کو خوشی اور اطمینان سے دیکھ رہے ہیں اور ان کے انصاف وحق پسندی پر امید لگائے ہوئے ہیں کہ یہ سب لوگ ضرور ایک دن اسلام کے اس فیضان بالواسطہ کا اقرار کریں گے اور اس حقیقت تک پہنچ جانے کے بعد وہ اسلام کے فیوض و برکات و انوار سے بلاواسطہ مستفیض ہونے کے لیے تنگ خیالات کے کمرہ کے دروازوں کو کھول دیں گے۔ ان کے دل اپنے اندر کشائش اور انبساط اور ان کی روح اپنے لیے سرور ونشاط پائے گی اور وہ سب اسلام کی اس خصوصیت کا اعتراف بھی کرنے لگیں گے۔

فصل 17

اسلام ہی نے ہدایت الٰہیہ کو ربوبیت خالقیہ کی طرح کل عالم کے لیے عام بنایا

بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ وحی ربانی کا شرف صرف اسباط یعقوب علیہ السلام کے لیے خاص ہے، دنیا کی کسی دوسری قوم کو یہ شرف عطا نہیں ہوا۔

ایران والوں کا دعویٰ ہے کہ سروش آسمانی کی آواز صرف ایرج ہی کی نژاد تک پہنچائی گئی اور زرتشت و جاماسپ ہی کے خانوادے اس بزرگی کے تاجدار ہوئے اور سب ملک اس عزت سے دور دور ہیں۔

آریہ ورت کا دعویٰ ہے کہ آکاس بانی نے صرف گنگا وجمنا کی وادیوں میں رہنے والوں کو درشن دیے اور دنیا کی سب اقوام اس سے محروم ہیں۔

چین والوں کو دعویٰ ہے کہ اسی ملک کے رہنے والے فرزند آسمانی ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں اور کسی کو اس مشرق اقصیٰ کی روشنی حاصل نہیں۔

یہ دعاوی ہر چند کہ شاندار ہیں اور کسی ایک قوم کی عظمت کو نمایاں کرنے میں بہت بڑا کام کر رہے ہیں لیکن ان دعاوٰں کا نتیجہ کل دنیا کے مقابلہ میں کیا تھا۔

نتیجہ اول یہ ہوا کہ ایک قوم نے اپنے سامنے دوسری قوم کو جھٹلایا اور دوسروں کی صداقتوں کو بھی بطلان بتایا۔

جب اسرائیل نے صرف بنی اسرائیل کے لیے وحی ربانی کو خاص بتلایا ہے تو وہ دنیا کے مذاہب کو کاذب ٹھہراتا ہے۔

اور جب کوئی پارسی نژاد ایرج ہی کے اس دعویٰ کا مظہر ہے تو وہ کل عالم کو (جس میں بنی اسرائیل بھی شامل ہیں) دروغ گو ظاہر کرتا ہے۔

اور جب کوئی آریا ورتی و سناتن دھرمی اپنی بات کو دہراتا ہے تو جہاں جہانیاں کو (جس میں اسرائیل و پارسی بھی شامل ہیں) ست کہتا ہے۔

اور جب کوئی چینی کانفیوشس کی تعلیم کو آسمانی کہہ کر دیگر ابنائے جنس کو اس شرف سے مجبور تجویز کرتا ہے تو وہ ہر ایک ملک کو جس کے اندر (ہندوستانی، ایرانی، کلدانی و اسرائیلی بھی شامل ہیں، سیاہ و تاریک بتاتا ہے۔ لہٰذا کوئی مذہب ایسا باقی نہیں رہتا، جس کی دوسرے مذہب نے تصدیق بھی کی ہو اور کوئی قوم ایسی نہیں محفوظ رہتی جسے دوسری اقوام کی زبان نے صادق کہا ہو۔

اور جب ہر ایک قوم نے جملہ اقوام کو داغ لگایا تو اب اس کا بھی کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ خود بچ سکے۔ ان لوگوں نے ساری فضا میں کوئلہ پھیلا دیا اور پھر یہ تصور کر لیا کہ اس سے اوروں ہی کے دامن آلودہ ہوں گے۔

ان مشہور مذاہب نے اپنے ان دعاوی کے بعد پھر اپنے رقبہ کو اور زیادہ تنگ تر کرنا شروع کیا۔ اسرائیلیوں نے کاہن ہونے کا منصب صرف اولاد ہارون علیہ السلام کے لیے خاص کر دیا اور سناتن دھرمیوں نے یہو یہ دہردوار و کاشی کے پانڈوں کو سرگ ونرگ کا خزانچی بتایا۔ رومن کیتھولک نے سلطنت آسمانی کی کنجیاں پوپ کے ہاتھ میں دے دیں، کیوں کہ وہ اس گرجا کا صدر نشین ہے جسے پطرس نے تیار کیا تھا اور پطرس وہ ہے جسے آسمانی بادشاہت کا کلی اختیار مسیح علیہ السلام نے دے دیا تھا۔

نتیجہ دوم یہ ہوا کہ ایک قوم کو دوسری قوم کے ساتھ نفرت ہوگئی اور ہر ایک نے اپنا اپنا چولھا چوکا الگ الگ کر لیا۔ محبت انسانی گم ہو گئی اور قومیں قوموں سے ہمیشہ کے لیے جدا جدا ہوگئیں۔

نتیجہ سوم یہ ہوا کہ ملکی خصوصیات اور قومی رسومات ہر ایک جگہ دینی اصول میں شامل ہوگئیں اور آہستہ آہستہ رسومات کے سامنے دینی اصول کمزور ضعیف اور بے نشان و گم ہو گئے۔

اسلام ہی نے ان سب خرابیوں کو دور کیا، اسلام ہی نے ان جملہ اقوام کے سامنے ایک جدید علمی انکشاف کیا کہ

﴿ وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴾ [الفاطر: 24]

"یعنی ہر ایک بستی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈرانے والا، برے افعال کے برے نتائج سمجھانے والا ہو چکا ہے۔"

اے اسرائیلیو! تم کیوں ہندوؤں کے بزرگوں کی تحقیر کرتے ہو اور اے ہندوؤ! تم کیوں اسرائیلیوں کے انبیاء کی تکذیب کرتے ہو۔ اے ایرانیو! تمھارا کیا حق ہے کہ اسرائیلیوں اور ہندوؤں کے دعاوی کا بطلان کرو۔

اے چینیو! تمھارا کیا منصب ہے کہ ان تمام شاندار اقوام کے علم اور تہذیب اور تمدن سے آنکھیں موند کر سورج کی روشنی کو جھٹلاؤ۔

اب مل جاؤ اور ایک دوسرے کا احترام کرنا سیکھو اور ہر ایک ملک کے پیشوا و ہادی و داعی کی تعظیم کرتے ہوئے اس ناموس قدرت کو بھی دیکھو، جس نے تمام عالم کو متحد و متفق کرنے کے لیے، بحر روم کے متصل ایک مقام کا انتخاب کیا جہاں سے متمدن دنیا کی ہر جگہ میں تبلیغ بآسانی کی جا سکتی تھی اور جہاں ٹھہر کر بحر و بر کے وسائل آمد و رفت سے بخوبی کام لیا جا سکتا ہے۔

قدرت نے اس تحریک کی پانچ ہزار (5000) سال سے بنیاد قائم کی اور ایک ایسی قوم کو تیار کیا جس نے بے آب و گیاہ میدانوں میں رہ کر، جس نے آباد و شاداب قطعات سے الگ ہو کر، جس نے نفائس مادی میں سے صرف سد رمق پر اکتفا کر کے حفاظت معبد کو اپنا مقصود بنایا اور اسی کی دربانی کو اپنے لیے افتخار شاہی سمجھا حتیٰ کہ وہی سید عالم ﷺ پہنچ گیا اور وہی سرور کائنات ظاہر ہو گیا جس نے اختلاف کو ائتلاف سے اور نفاق و افتراق کو اتفاق سے بدل دیا، وہ کیسا زمانہ تھا اس وقت کی دو بڑی قوموں کی یہ حالت زار ربانی الفاظ میں یوں ظاہر کی گئی ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ ﴾ [البقرۃ:113]

"یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں۔"

﴿ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ [البقرۃ:113]

"نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود تو کسی چیز (بنیاد) پر نہیں ہیں اور وہ کتاب بھی پڑھا کرتے ہیں۔"

آیت ﴿ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ﴾ کا تعلق نصاریٰ سے بھی ہے، جو یہودیوں کی کتاب کو عہد نامہ قدیم اور ہولی بائبل کہہ کر تسلیم کرتے ہیں اور بایں ہمہ یہودیوں کی بابت یہ مبالغہ ہے کہ ان کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔

نیز اس کا تعلق یہودیوں سے بھی ہے جو انجیل میں یہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ توریت موسیٰ علیہ السلام کی مصدق ہے اور بایں ہمہ انجیل سے انکاری بھی ہیں۔

بہر حال ہر دو فریق (وفد نجران اور علمائے یثرب (یہود) نے ان فقرات کو دہرایا اور اپنی اپنی تنگ مزاجی اور لاعلمی کا ثبوت دیا اور اللہ تعالیٰ کو فیصلہ کرنا پڑا۔

الٰہی فیصلہ یہ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ O قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ [المائدۃ:67-68]

"اے رسول! تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تجھ پر نازل کیا گیا ہے، اسے پہنچا دیجیے، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے رسالت کو نہ پہنچایا اور اللہ تم کو ان لوگوں سے بچائے رکھے گا۔ کہہ دیجیے کہ اے یہودیو! تم دونوں کچھ بھی (کسی بنیاد پر بھی) نہیں ہو، جب تک تورات اور انجیل پر اور اس کتاب پر جو تمھارے رب نے تمھارے لیے نازل کی قائم نہیں ہو جاؤ گے۔"

"ہاں! ان میں سے بہت کی حالت یہ ہے کہ اللہ کے اتارے ہوئے احکام سے وہ کفر اور سرکشی میں زیادہ ترقی کر جاتے ہیں۔ ان کافروں کے گروہ پر آپ افسوس بھی نہ کریں۔"

یہود اور نصاریٰ کی تعداد اس وقت مسلمانوں کی تعداد سے بہت زیادہ تھی، دو اور سو کی نسبت اس وقت ان میں ہوگی۔ یہود زر و مال والے تھے، تجارت والے تھے، سارے عرب پر ان کا اقتدار تھا۔ مسلمان اور بت پرست ان کے مقروض تھے۔

نصاریٰ فوج، طاقت اور حکومت والے تھے۔ ہر دو کے خلاف ایک ایسا متفقہ فیصلہ سنانا جو ان کی دینی حیثیت کو بالکل لاشے بنا دینے والا تھا، آسان نہ تھا، لہٰذا آیات کے شروع میں نبی ﷺ کو خاص طور پر آمادہ کیا گیا ہے اور بطور پیش گوئی یہ بھی فرما دیا گیا ہے کہ اس فیصلہ کے بعد خواہ یہود کتنا ہی تڑائیں اور نصاریٰ کتنا ہی بھنائیں مگر وہ آپ کو کسی طرح کا گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ عصمت الٰہی ہمیشہ آپ کو ان کے آزار سے بچائے گی۔

فیصلہ یہ ہے کہ یہود کو نصاریٰ کے بالمقابل اپنا تعصب اور نصاریٰ کو یہود کے بالمقابل اپنا کینہ و انتقام چھوڑ دینا چاہیے اور ہر دو کو توراۃ و انجیل کا اتباع کرنا چاہیے۔

جو دلیل نصاریٰ کے ہاتھ میں یہودیوں کو دین مسیحی کی دعوت دینے کی بابت ہے وہ اس لیے صحیح ہے کہ نصاریٰ ان کی کتاب اور ان کے نبی (موسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

لہٰذا یہی دلیل مسلمانوں کے ہاتھ میں بالمقابلہ نصاریٰ اور یہود (ہر دو) حاصل ہے، کیوں کہ مسلمان دونوں کتابوں اور کتاب لانے والوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

نصاریٰ یہود کے سامنے مسیح علیہ السلام کی بابت پیش گوئیاں توراۃ سے نکالتے ہیں اور انھیں ملزم ٹھہراتے ہیں۔ اسی طرح مسلمان، یہود اور نصاریٰ دونوں کے سامنے سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئیاں بائبل سے پیش کرتے ہیں اور ہر دو حجت الٰہی کا اتمام کرتے ہیں۔

اب خلاصہ معلوم ہو گیا کہ جب یہود اس لیے مغضوب ہیں کہ انھوں نے تعلیم مسیح علیہ السلام سے انکار کیا، جب کہ مسیح تعلیم تورات کو تسلیم کرتے ہیں تو نصاریٰ بھی اس لیے ضال ہیں کہ وہ شریعت موسوی کے منکر ہیں، جس کی تصدیق مسیح علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ اندریں حالات یہ دونوں اس لیے بے بنیاد اور لاشے ہیں کہ وہ اس کتاب اور نبی کے منکر ہیں جس کا وعدہ موسیٰ علیہ السلام کی پانچویں کتاب کے 18 باب کی آیت 15 تا 18 میں موجود ہے۔ نیز جس کی خبر انجیل یوحنا باب 16 کی آیات 11 تا 16 میں موجود ہے۔

الغرض یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام جہان کا معبود صرف ایک اللہ کو بتاتا ہے اور تمام جہان کا پروردگار صرف ایک رب کو ظاہر کرتا ہے۔

اور تمام عالم کے سامنے صرف ایک دین اسلام کو پیش کر کے جملہ اقوام و ادیان اور ممالک کو اللہ تعالیٰ کے انوار و فیوض کا یکساں حصہ دار قرار دیتا ہے۔

وہ کسی بزرگ کا مکذب نہیں، وہ کسی سابقہ مذہب کا مبطل نہیں ہے، بلکہ سب کو سب کے مقبولہ اصول کے تحت میں لاکر متحد بنانے والا اور ربوبیت خالقیہ کی طرح سب سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کاملہ کو منوانے والا ہے۔

مبارک ہے اسلام جس نے جملہ اقوام کو متحد و موافق بنانے کے لیے سب کی طرف (اپنا ہاتھ بڑھایا اور مبارک ہیں وہ قومیں جنھوں نے مقدس داعی کے الفاظ پر لبیک کہہ کر محبت عام کو اپنا مسلک بنایا۔

فصل 18

اسلام ہی دین البر (نیکی کا مذہب) ہے

قدیم یونان اور جدید یورپ کے فلاسفروں نے مذہب انسانی پر غور و خوض کرنے کے بعد بالاتفاق تسلیم کیا ہے کہ مذہب صحیحہ کی بنیاد ان اصولوں پر مبنی ہونی چاہیے

① نیکی ② صداقت ③ حسن

مجھے اپنے عنوان کی مناسبت سے صرف نیکی کی بابت اس مقام پر تحریر کرنا ہے۔

قرآن مجید فرماتا ہے:

﴿ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴾ [البقرۃ:177]

''یہ ہی نیکی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لیا کرو۔ نیکی تو ان لوگوں کی ہے (1) جو اللہ پر اور قیامت پر، ملائکہ پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر یقین رکھتے ہیں (2) جو اپنی ضرورت ہوتے ہوئے بھی قریبیوں کو یتیموں کو، مسکینوں کو، مسافروں کو، مانگنے والوں کو، آزادی غلاموں میں اپنا مال دیتے ہیں، نماز کی پابندی کرتے ہیں، زکوۃ ادا کرتے ہیں، عہد کر کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور تنگ دستی و بیماری اور جنگ کے وقت صبر کرتے ہیں، یہی تو صادق لوگ ہیں اور یہی متقی ہیں۔''

﴿ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ [الممتحنۃ:8]

''غیر مذہب والوں سے بھی نیکی کرو اور پورا پورا انصاف کرو، اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ﴾ [البقرۃ:189] ''نیکی تو خدا ترسی ہے۔''

﴿ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ [المائدۃ:2]

''نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں ایک دوسرے کو مدد دیا کرو۔''

﴿ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ ﴾ [الانبیاء:73]

''ہم نے سب نبیوں کے پاس نیکیوں کے کرنے کا حکم بھیجا۔''

﴿إِنَّ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ۝ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ﴾ [المؤمنون:57-61]

''جو لوگ اپنے رب کی تعظیم کی نگہداشت ڈرتے ہوئے رکھتے ہیں، جو اپنے رب کے ساتھ کسی کو برابر کا نہیں بناتے، جو لوگ اللہ کے دیے ہوئے مال سے لوگوں کو دیتے ہیں اور اس بات کی دہشت رکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے رب کی طرف جانا ہے، یہ ہیں وہ لوگ جو نیکیوں کی طرف جلد جلد جانے والے ہیں، اور یہی ہیں جو نیکیوں کو حاصل کر لیں گے۔''

نبی کریم ﷺ نے انواع البر (نیکیوں کی اقسام) کے متعلق جو احکام دیے ہیں وہ مندرجہ ذیل اصول پر مبنی ہیں:

1. عظمت الٰہی کا احساس اور اس احساس کے بعد تعظیم ملے ہوئے ادب کا اثر دل پر محسوس کرنا۔
2. احسانات الٰہی کی یادداشت اور اس یادداشت سے حیرت کا طاری ہو جانا اور طیران حیرانیت سے اثرات حیوانی کا کمزور پڑ جانا۔
3. اقارب اور ہمسایہ، ایامیٰ و یتامیٰ، اہل قریہ، اہل وطن کے ساتھ حسن معاشرت اور عمدہ اخلاق کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

خندہ روئی سے ملنا، راہ میں کانٹے یا ٹھوکر کا ہٹا دینا، کنوئیں سے پانی نکال کر دینا، بھولے ہوئے کو رستہ بتا دینا، تاریکی کے وقت روشنی دکھا دینا، بوجھ اٹھوا دینا۔

دوسرے کو عزت کے ساتھ بلانا، نرم کلامی سے بات کرنا، یہ سب نیکیوں میں شمار کیے گئے ہیں۔ باپ کا اپنے بچہ کو تعلیم دینا، صدقہ سے بہتر بتایا گیا ہے۔ [1]

اپنے کنبہ سے بھلائی، نیکی کرنے والے کو بھلا اور بہتر بتایا گیا ہے۔ [2]

بیٹیوں اور بہنوں کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے والے کو مستحق جنت بتایا گیا ہے۔ [3]

ایک بلی کو عذاب دینے والے کے لیے دوزخ کا اور ایک کتے کو پانی پلانے والے کے لیے مغفرت کا اعلام فرمایا گیا ہے۔ [4]

اور بالآخر فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ [5] کے ارشاد سے اس عنوان کو مکمل کر دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک جاندار جو تازہ جگر اپنے اندر رکھتا ہے (یعنی زندہ ہے) کے ساتھ بھلائی کرنا موجب اجر ہے۔

ان احکام سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام دین البر ہے۔

فصل 19

اسلام دین التقویٰ (پارسائی کا مذہب) ہے

1. پارسائی کو برباد کرنے والی سب سے بڑھ کر شراب ہے، مگر پولوس نے (اتمطاؤس 5/32 میں) یہ حکم دیا ہے کہ: ''آگے کو تو صرف پانی نہ پیا کر، بلکہ اپنے ہاضمہ اور اکثر کمزوریوں کے واسطے تھوڑی مے (شراب) پی۔''

---

[1] ترمذی: 1996,1997,1998 [2] ترمذی: 2081، سلسلۃ الصحیحۃ: 417 [3] ابوداؤد: 5147، ترمذی: 1916، ابن حبان: 445
[4] بخاری: 3318، 173، مسلم: 2244,2242، ابن ماجہ: 4256، ابن حبان: 544، احمد: 261/2 [5] بخاری: 2363، مسلم: 2244، ابوداؤد: 2550، ابن حبان 544، ابن ماجہ: 3686، مسند احمد 375/2، 374/1، موطا 113/3

شراب پینے کا حکم اور سادہ پانی پینے کی نہی کا یورپ اور امریکہ پر کیا اثر ہوا کہ لفظ تھوڑی کی قید بالکل نہ رہی اور شراب ان تمام خرابیوں کی جڑ ثابت ہوئی جسے قرآن پاک نے اور ارشادات نبوی ﷺ نے صراحت کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔

② محکمہ حفظان صحت نے پولوس کی وجہ علت کا بھی غلط اور باطل ہونا ثابت کر دیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ شراب کا برا اثر معدہ، جگر، دل، دماغ اور شش پر بدترین نتائج پیدا کرتا ہے۔ اعصابی طاقت زائل ہو جاتی ہے۔ جنگ عظیم 1914ء تا 1918ء میں فوجیوں کی جسمانی طاقت بحال کرنے اور بڑھانے کے لیے شراب کی قطعاً ممانعت کی گئی تھی۔ اپنی فوج کے لیے کنگ جارج نے نمونہ بننا پسند کیا اور زار روس نے ان کی پیروی کی۔ امریکہ نے شراب کی ساخت ملک میں بند کر دی اور خرید و فروخت پر بھی سخت بندشیں عائد کیں۔ علم اخلاق کے ماہرین کا بیان ہے کہ شراب کے استعمال سے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں۔ عالمان اقتصادیات کا بیان ہے کہ فقر و فاقہ کا سبب اور تباہی مال کا باعث شراب ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کے ججوں کا بیان ہے کہ جرائم سنگین قتل، زنا بالجبر، راہزنی وغیرہ کا ارتکاب اکثر بدمستی شراب کی حالت میں ہی ہوتا ہے۔

③ ہندوؤں میں بھی دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے شراب کا چڑھاوا دیا جاتا ہے۔ پھر جو چیز دیوی اور دیوتا کے خوش کرنے کا سبب ہو، اسے پجاری اور سیوک کیوں استعمال نہ کریں۔ بعض ہندو اقوام نے شراب میں تقدس پیدا کرنے کے لیے اس کا نام ”گنگا جل“ رکھ دیا۔

اسلام ہی وہ پہلا اور تنہا مذہب ہے جس نے شراب کو رجس بتلایا، عمل الشیطان اور ام الخبائث اس کا نام رکھا۔
ایسے نشہ کی مقدار قلیل کو بھی جو مقدار کثیر میں پہنچ کر نشہ آور حرام بتایا۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اسلام پارسائی کا مذہب ہے۔
اسلام میں زنا حرام ہے اور اس کی حرمت کو مضبوط و محکم کرنے کے لیے جو حکم دیا گیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:
﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا ﴾ [بنی اسرائیل:32] ”زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔“
اس حکم سے ان اسباب اور وسائل کو بھی حرام کر دیا ہے جو زنا تک لے جانے والے ہیں۔ مردوں، عورتوں کا اختلاط اور ہنسی و مذاق، ایک ہی مکان کے اندر غیر محرم مرد و زن کی بود و باش، دل ربائی اور حسن نمائی کے طریقے، نظر بازی وغیرہ۔
اس حرمت کو مضبوط کرنے کے لیے سَآءَ سَبِيْلًا بھی فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا کہ جو کوئی زنا کرتا ہے وہ اپنے گھر تک زنا کے لیے سڑک بناتا ہے۔ وہ جس سڑک پر چل کر دوسروں کے پاس پہنچتا ہے اسی سڑک پر چل کر دوسرے اس کے گھر آ جاتے ہیں حکم دیا گیا:
﴿ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اَخْدَانٍ ﴾ [النساء:25] ”کسی عورت کا کوئی مرد آشنا نہ ہونا چاہیے۔“
﴿ وَلَا مُتَّخِذِیْٓ اَخْدَانٍ ﴾ [المائدۃ:5] ”اور کسی مرد کی کوئی عورت آشنا نہ ہونی چاہیے۔“
اس پارسائی کو قائم رکھنے کے لیے تدبیر بھی بتائی اور اس کی تعمیل بھی فرض ٹھہرائی۔
﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ﴾ [النور:30]
”مومن مردوں سے کہہ دیجیے کہ نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔“
﴿ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ﴾ [النور:31]
”عورتوں کو کہہ دیجیے کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی نگہداشت رکھیں۔“
اس حکم کے بعد یہ بھی فرمایا گیا:

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ﴾ [الاعراف:33]

''فحش کی کھلی چھپی سب قسموں کو میرے رب نے حرام کر دیا ہے۔''

حکم بالا کی رو سے تو فواحش حرام ہوئے، ابتدائی مراتب میں جب کہ فحش کے اقدام کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ اسے اسلام نے لفظ ''اِثْمٌ'' سے تعبیر کیا ہے اور اس کی بابت بھی یہ حکم دیا ہے۔

﴿ وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ﴾ [الانعام:120]

''گناہ کا بیرونی اور اندرونی حصہ بھی بالکل چھوڑ دیا کرو۔''

تعجب ہوتا ہے کہ شراب پینے والے مردوں، عورتوں کو فحش آمیز کھلی آزادی دینے والے عبادت گاہوں میں جا کر بھی آتش رخسار حسن سے آنکھیں سینکنے والے نمائش حسن کے پیرایہ میں ننگی تصویر کھچوانے والے اور مخلوط غسل خانوں میں نہانے والے کھلے پن گھٹنوں بھر ننگے اشنان کرنے والے اسلام کی پارسائی کا اعتراف نہ کریں۔ شاید اس لیے کہ ایسا اعتراف خود اپنی عریانی کے اعتراف کے مترادف ہے۔

اگر اسلام کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ نفسانی جذبات کو ابھار ابھار کر اپنی تعداد کو بڑھائے تو وہ شراب کی حرمت کا حکم کبھی نہ دیتا اور ایسا حکم نہ دیتا، اس کے لیے کچھ موجب اعتراض بھی نہ ہوتا۔ کیوں کہ جو چیز جملہ ممالک میں مستعمل اور جملہ مذاہب میں روا تھی اس پر خموشی بھی موجب اعتراض نہ ہو سکتی تھی اور زنا کی روک تھام کے لیے ایسے سخت قیود عائد نہ کرنا اور ان قیود کے عائد نہ کرنے سے ان قوموں کا جو کورٹ شپ کو جائز سمجھتی ہیں یا جو اولاد لینے کی غرض سے بیاہتا عورت کو اور اولاد دینے کی غرض سے بیاہتا مرد کو عارضی جوڑ بنا لینے کی اجازت دیتے ہیں، کچھ اعتراض بھی نہ ہوتا، لیکن اسلام نے عفت و پارسائی کا بلند ترین نمونہ پیش کیا ہے اور وہ فی الحقیقت پارسائی کا مذہب ہے۔

معترضین کے پاس اس کے خلاف دلیل صرف یہ ہے کہ اسلام نے ایک سے زیادہ عورت کو بھی بیوی بنا لینے کی اجازت دی ہے۔

مگر غور تو کرو کہ داؤد علیہ السلام کو خدا کا اکلوتا بیٹا (زبور۔1) کہنے والے اور اس کی سو (100) بیویوں اور سلیمان علیہ السلام کو اللہ کا سا دل والا بتانے والے اس کی ایک ہزار (1000) بیویوں پر ابراہیم علیہ السلام کو خلیل الرحمٰن ماننے والے اس کی بیویوں اور لونڈیوں پر کرشن جی مہاراج کو اوتار ماننے والے ان کی سولہ ہزار ایک سو آٹھ (16108) سکھیوں پر اور ان کو ریفارمر اعظم ماننے والے زمانہ حال کے لیڈران کی آٹھ (8) مہارانیوں پر کوئی اعتراض زبان سے نہیں نکالتے، تو پھر ان کا کیا حق ہے کہ وہ اسلام پر ایک سے زائد بیوی کرنے پر اعتراض کریں۔ ہم نے جن محترم ہستیوں کے نام لیے، ان کے مذہب میں ایک سے زائد بیوی کرنے کے لیے کوئی ایسی شرط موجود نہیں، جس کا فقدان ان کو ایک سے زیادہ بیوی کرنے کے لیے روک بن سکے۔ مگر اسلام میں شرط عدل موجود ہے۔

اور اس شرط کے فقدان پر (بلکہ صرف فقدان ہی پر نہیں) احتمال فقدان کی حالت پر بھی فَوَاحِدَةً کا ارشاد موجود ہے، کیا کوئی مذہب ہے جو اپنی کتاب پاک میں فَوَاحِدَةً کا ہم معنی لفظ نکال کر دکھا دے؟ کوئی مذہب ہے جو مسیحؑ یا موسیٰؑ یا کرشن و رام چندر کے منہ سے نکلی ہوئی بات فَوَاحِدَةً کے ہم معنی ثابت کر دے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تب اس کو اقرار کرنا چاہیے کہ یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیات میں سے ہے اور ایک بیوی والے جس قانون پر یورپ کو فخر ہے، وہ بھی قرآن مجید ہی کے ایک حکم کا خلاصہ اور ناقص خلاصہ ہے۔

فصل 20

اسلام دین الصدق (سچائی کا مذہب) ہے

صدق کی تعریف علمائے اسلام نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے:

1. عمل اور علم کی موافقت باہمی کا نام صدق ہے۔
2. دل اور زبان کی مطابقت کا نام صدق ہے۔
3. سر و اعلانیہ کے مساوی ہونے کا نام صدق ہے۔
4. اس راست بازی کو جس میں تباہی کا اندیشہ ہے، اس کذب سے بہتر سمجھنا جس میں رہائی کا گمان ہے صدق کہتے ہیں۔

گر راست سخن گوئی و در بند بمانی
بہ زاں کہ دروغت دہد از بند رہائی

مندرجہ ذیل آیات واحادیث پاک پر غور کرو۔

1. صدق اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے:

﴿ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ﴾ [آل عمران:95] ''اللہ نے تو سچ فرمایا ہے۔''

2. صدق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک ﷺ کے اوصاف میں سے ہے:

﴿صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ﴾ [الاحزاب:22] ''اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا''

3. مریم صدیقہ علیہا السلام کا درجہ بہ وجہ صدق برتر و بلند تھا:

﴿ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا ﴾ [التحریم:12] ''اس نے اللہ کے فرمودہ کو سچ سمجھا۔''

4. اصحاب نبویہ ﷺ کا درجہ بوجہ صدق ہے۔

﴿ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ [الاحزاب:23]

''یہ وہ جواں مرد ہیں کہ انھوں نے اللہ سے جو عہد کیے ہیں وہی سچے کر دکھلائے۔''

5. نبی ﷺ کی بزرگی صدق کی تعلیم اور صدق کی تصدیق میں ہے:

﴿ اَلَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖ ﴾ [الزمر:33]

''نبی وہ ہے جو صدق لے کر آیا اور اس کی تصدیق بھی کی ہو۔''

6. صدق کے متعلق نبی ﷺ کا یہ ارشاد بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ موطا و بخاری و مسلم و ابوداود و ترمذی میں موجود ہے:

إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتَّى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔ [1]

''صدق نیکی کی راہ دکھلاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ انسان سچ بولنے لگتا ہے اور سچ کو عادت بناتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ گناہوں کی راہ دکھلاتا ہے اور گناہ دوزخ کی راہ دکھاتے ہیں۔ انسان جھوٹ بولنے لگتا ہے اور جھوٹ کو عادت بنالیتا ہے حتیٰ کہ اللہ کے ہاں بھی جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔''

7. سنن نسائی میں ہے اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے کہ ابوالحوراء نے امام حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے نبی ﷺ سے کون سی بات سیکھی، فرمایا: میں نے سیکھا اور یاد رکھا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَى مَا لَا يُرِيبُكَ فَإِنَّ الصِّدْقَ الطُّمَانِيَةَ وَالْكِذْبَ رِيبَةٌ۔ [2]

''جو چیز شک پیدا کرے اسے چھوڑ دے اور جس میں کوئی شک نہ ہو وہ لے لے کہ صدق تو طمانیت کا نام ہے اور کذب شک کو کہتے ہیں۔''

8. اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے:

﴿كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [التوبہ:119] ''اہل صدق کا ساتھ دو۔''

9. عربی زبان میں صدق کے مدارج علیا کے مطابق اس مصدر سے فاعل کے تین صیغے رہتے ہیں:

صادق، صدوق اور صدیق اور صدیق وہ برترین درجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بھی اس خطاب کا استعمال ہوا۔

ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کو ﴿إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾ (مریم) اور یوسف علیہ السلام کو بھی صدیق کے لقب سے روشناس کیا گیا۔

سیدہ مریم بتول رضی اللہ عنہا کو بھی سورہ مائدہ میں ﴿وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ﴾ فرمایا گیا، اور پھر سورہ نساء اور سورہ حدید میں امت محمدیہ ﷺ کے افراد ممتاز کے لیے صدیقیت کا درجہ تجویز کیا گیا۔

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ﴾ [الحدید:9]

''یہی لوگ تو صدیق اور شہید ہیں۔ اپنے رب کے پاس ہیں، ان کے لیے اجر بھی ہے اور نور بھی۔''

ان حوالہ جات سے ثابت ہو گیا کہ صدق کے شان بلند کے اظہار میں اسلام نے کیسے کیسے اسلوب بدیع سے کلام فرمایا ہے۔

اور اس بیان سے عہد حاضرہ کے فلاسفروں کا وہ مطالبہ پورا ہو جاتا ہے کہ دین طبیعی کے لیے صدق کا ہونا شرط ہے۔ الحمدللہ! کہ اسلام اپنی خصوصیت کا اظہار چودہ صدیوں سے کر رہا ہے۔

---

[1] بخاری:6094، مسلم:2607، ابوداؤد:4989، ترمذی:1971، ابن حبان:273، الصمت لابن ابی الدنیا:467,442، احمد:384/1، بیہقی:273/10

[2] ترمذی:2518، ابن حبان:722، احمد:200/1، مسند دارمی:245/2، نسائی:5711، مستدرک حاکم:13/2، موارد الظمآن، ص:137

فصل 21

اسلام ہی دین الحسن والجمال ہے

لوگوں نے صرف عورتوں کے خط وخال وناز وانداز کا نام حسن رکھ چھوڑا ہے، لیکن یہ صرف کوتاہ نظری ہے اور صرف ایام شباب کا محدود مذاق ہے۔

بایں ہمہ دنیا کے مختلف ممالک کے باشندے ہیں جن کا مذاق اس بارہ میں بھی اس قدر مختلف ہے کہ حسن نسائی کی متفق علیہ تعریف بیان کرنا بھی ناممکن ہے۔

روس کے شمال میں صاف شفاف آسمان جیسی نیلی آنکھیں غایت حسن سمجھی جاتی ہیں۔ اہل عرب ازرق چشم کو نہایت مکروہ سمجھتے ہیں۔

یورپ میں سنہری بالوں کی تعریف کی جاتی ہے اور ایشیا میں سیاہ ترین چوٹی کو حسن سمجھا جاتا ہے۔ یورپ کو سفید رنگت پر ناز ہے، مگر حبشیوں کے نزدیک سیاہ رنگ کے سوا اور کسی کو حسین کہلانے کا حق ہی نہیں۔

جب ہم نے اس مضمون کا عنوان "دین الحسن والجمال" ثبت کیا تو اس سے یہ سمجھنا کہ اسلام بھی حسن نسائی کا سراپا نگار ہے، غلط اور قطعاً غلط ہے۔

ہاں اسلام حسن کا ایک بلند درجہ تجویز کرتا ہے اور جمال کو بہترین صنع ربانی قرار دیتا ہے، اسلام کی نگاہ میں یہ جہاں سرتاپا حسن کا پیکر ہے اور عالم کی ہر شے آئینہ دار جمال ہے۔

انسانی حسن وجمال

﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ [التین:4]

''ہم نے انسان (مرد وزن) کو سب سے زیادہ خوشنما ڈھانچے پر پیدا کیا۔''

لفظ تقویم میں اندرونی و بیرونی ساخت دونوں شامل ہیں۔ عالمان علم تشریح جانتے ہیں کہ انسانی دماغ، انسانی قلب وجگر، احشاء واعصاب کو دیگر حیوانات کے مقابلہ میں کس قدر برتری حاصل ہے، اس کے دانت اور معدہ میں کیوں کہ نباتاتی غذا اور حیوانی غذا کھانے والے حیوانات کی صفات جمع ہیں۔

صورت کی خوشنمائی

﴿ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ﴾ [التغابن:3]

''اللہ نے تمھاری صورتیں بنائیں اور ان کو کتنا اچھا بنایا۔''

عام اصناف انسان کو وہ زنگی ہو یا فرنگی دیگر حیوانات پر صفائی بشرہ، لینت جلد، استقامت قد اور خوشنمائی حد کے بارہ میں جو خصوصیت حاصل ہے اس کا بیان فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ میں آ جاتا ہے۔

بیوی کی صفات

① ﴿ لِتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ﴾ [الروم:21]

''تاکہ اس سے آرام پاؤ اور آپس کی محبت اور پیار بھی تم کو عطا کیا۔''

بیوی کا شوہر کے لیے سکون قلب ہونا اور شوہر وزن میں باہمی محبت باہمی کشش کا پایا جانا دونوں کی خوبی کا باعث ہے۔

② ﴿عُرُبًا اَتْرَابًا﴾ [الواقعہ:37] ''شوہروں سے پیار کرنے والیاں اور ہم مذاق۔''

یہی وہ بڑی خوبی ہے جو صنف نسواں کو ممتاز کرتی ہے۔

جمال مواشی وانعام

﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَ حِينَ تَسْرَحُونَ﴾ [النحل:6]

''مواشی جب صبح کو نکلتے ہیں اور شام کو چراگاہ سے واپس آتے ہیں تو ان میں تمھارا جمال ہے۔''

دودھ دینے والے، قلبہ رانی کرنے والے، پانی کھینچنے والے جانوروں کو لوگ دیکھتے ہیں۔ گاؤں سے باہر عموماً صبح وشام حیوان بھی جمع ہو جاتے ہیں اور ان کے مالک انسانی بھی اچھے جانوروں کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مالک کا چہرہ تعریفیں سن سن کر روشن ہو جاتا ہے۔ آیت میں اسی حالت کی جانب اشارہ ہے۔

سواری کے جانور بھی زینت ہی ہیں

﴿وَالْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَ زِينَةً﴾ [النحل:6]

''گھوڑے، خچریں، گدھے، بار برداری اور سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور سبب زینت بھی ہیں۔''

ان جانوروں کا بار برداری اور سواری کا کام دینا تو عام طور پر مسلم ہی ہے، لیکن اسلام نے زینت کا لفظ ایزاد کرنے سے ثابت کر دیا کہ وہ ہر شے کی خوبصورتی پر بھی توجہ دلاتا اور اس کی قدر کرنا سکھلاتا ہے۔

جملہ اشیائے ارضی میں زینت وجمال ہونا

﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [الکہف:7]

''جتنی چیزیں بھی زمین پر ہیں، ہم نے ان کو زمین کی زینت بنایا ہے تاکہ انسانوں کا امتحان لیں کہ ان میں سے کون اچھے اعمال والا ہے۔''

ہر شے کا زمین کے لیے زینت و جمال ہونا اسلام ہی کی نگاہ سے معلوم ہوا ہے۔ زمین پر بچھا ہوا سبزہ، زمین کے لیے اپنی خوشنمائی سے زینت ہے اور آسمان کی طرف بلند ہونے والے درخت ان کو جھومنے والی ڈالیاں، ان کی سایہ گستر شاخیں اپنے طور پر زمین کی رونق بن رہی ہیں، شوخ رنگ رکھنے والے پھول، بھانت بھانت کا مزہ دینے والے پھل، عجیب وغریب اشکال کے اوراق، مختلف تاثیرات وخواص رکھنے والے پہاڑ، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سفید سفید خیمے کھڑے کرنے والی برف اور میدانوں کی چٹیل زمین پر زم زم فرش بچھانے والی ریت، آبشاریں، غار، مرغزار اور جنگل وادی وہامون آبادیاں اور ویرانے اپنی اپنی حالت، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے محل وقوع کے لحاظ سے تمام کرہ ارضی کے حسن کو بڑھانے والے جمال کو ترقی دینے والے ہیں۔

یہ سب زمین کا سنگار ہیں، یہ سب زمین کی زینت اور زیور ہیں، ان کی خوبصورتی کو دکھلانے والا یہی دین الاسلام ہے جو دین الحسن والجمال ہے۔

آیات بالا میں صنعت ربانی کے حسن جمال کے بیان کے بعد ایک تقابل بھی موجود ہے اور وہ بندہ کا حسن عمل ہے۔

وہ قدرت ربانیہ جس نے خود انسان کو صاحب الجمال پیدا کیا، جس نے ہر شے کو حسن و زینت کا خزینہ دار بنایا کیا اس کا یہ حق نہیں کہ وہ انسان سے بھی احسن اعمال کی توقع کرے؟ ہاں ضرور ہے۔

اگر کوئی شخص قصر سلطانی میں داخل ہوتا ہے، وہاں کی بیش بہا اور قیمتی اشیاء کا ملاحظہ کرتا ہے، وہاں کی اعلیٰ زیبائش و آرائش کو دیکھتا ہے تو اس شخص سے اس کی قوت ضمیر سے یہی امید ہو سکتی ہے کہ وہ وہاں جا کر نہ نقصان کرے گا، نہ چیزوں کو بگاڑے گا، نہ خس و خاشاک پھیلائے گا، یہی وہ توقع ہے جو انسان سے اس داوری گاہ عالم میں کی گئی ہے۔

جب خود انسان بہترین جمال والا ہے اور جس کون و مکان میں وہ رہتا ہے، وہ بھی سراپا حسن و جمال ہے تو پھر انسان کا احسن اعمال کا پیش نہ کرنا اور دنیاوی حسنہ و اخروی حسنہ کا طالب نہ ہونا اس کی عقل و فہم سے بہت ہی بعید ہے۔

جملہ مخلوق کا اپنی بناوٹ کے لحاظ سے حسین تر ہونا

﴿اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ [السجدہ:7]

''ہر شے کو اس کی اپنی خلقت، اپنی بناوٹ میں بہت خوشنما اور بہت خوب بنایا ہے۔''

ہزاروں قسم کے پرندے ہیں، ہزاروں قسم کے پھول ہیں، ہزاروں قسم کے درخت ہیں، ہر قسم کے جاندار زمین کے اندر رہنے والے، پیٹ کے بل چلنے والے، پاؤں پر دوڑنے والے، سمندروں کے اندر رہنے والے موجود ہیں۔ اپنے اپنے رنگ، اپنی اپنی وضع، اپنے اپنے خواص، اپنی اپنی آواز، اپنے اپنے افعال میں اس قدر حسین و جمیل خوش منظر اور زیبا پیکر واقع ہوئے ہیں کہ چشم انتخاب کو ترجیح دینا دشوار ہے۔

الف الف سلامٌ وتحيةٌ على سيّد المُرسلين وعلى

الہٖ واصحابہٖ اجمعين

رحمۃ للعالمین
قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری
وما ارسلناك الا رحمة للعالمين
MARKAZ
Al-Hrmain-ul-Islami
GULBAHAR COLONY, SATIANA ROAD, FAISALABD-PAKISTAN.
CONTACT: 0304 3010777